بیاد ——— زینب النساء

فرحت آراء

مدیر اعلیٰ ——— مشتاق احمد قریشی

مدیرہ ——— قیصر آراء

نائب مدیرہ ——— سعیدہ نثار

مدیرہ معاونین ——— ندا رضوان

مدیر خصوصی ——— طاہر احمد قریشی

ماہنامہ حجاب کراچی

جلد	02
شمارہ	03
جنوری	2017

اشتہارات اور دیگر معلومات

0300-8264242

infohijab@aanchal.com.pk

aanchalpk.com

ابتدائیہ

ذکر اس پری وش کا

آغوشِ مادر

پیا کا گھر

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

آرٹیکل

پبلشر مشتاق احمد قریشی ... پرنٹر جمیل حسن ... ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی دفتر کا پتہ: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

سرورق: حمیرا مغل ...... آرائش: روز بیوٹی پارلر...... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

خط وکتابت کا پتہ: ''آنچل'' پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 کے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل Infohijab@aanchal.com.pk

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

مدیرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
جنوری ۲۰۱۷ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔
نیا شمسی سال مبارک ہو اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا ہے کہ آنے والے دن ملک وقوم اور اُمت مسلمہ کے لیے خوشی وشادمانی کے دن ثابت ہوں، 2016ء کا سورج اپنی قیامت خیزی کے ساتھ غروب ہوچکا ہے جاتے جاتے بھی کئی شگوفے چھوڑ گیا وطن عزیز کی سیاست دیکھئے کیا کیا رنگ بدلتی ہے سیاست کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے، آنے والے دن بظاہر تو خوف سے بھرپور اور دہشت ناک محسوس ہورہے ہیں کیونکہ 2017ء میں ہونے والے انتخابات کی تیاری کافی پہلے سے شروع کردی گئی ہے پاکستان کی بڑی سرگرم سیاسی جماعت پیپلز پارٹی کے سربراہ نے اپنی خوداختیاری جلاوطنی ختم کردی ہے اب آگے دیکھئے کہ ہوتا ہے کیا، اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ خیر کا معاملہ کرے اور اپنی حفظ وامان میں رکھے آمین۔
نئے سال کی مبارک باد تمام قاری اور لکھاری بہنوں کی خدمت میں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نیا سال آپ کے لیے راحتوں، مسرتوں کا سال ثابت ہو میں تمام قاری بہنوں کی تہہ دل سے شکرگزار ہوں کہ انہوں نے حجاب کو سجانے سنوارنے میں میری اور میری ساتھیوں کی بھرپور مدد کی امید ہے کہ وہ آئندہ بھی اپنے پُرخلوص تعاون سے میرا ساتھ دیتی رہیں گی یہ آپ کی محبتیں ہیں جو حجاب قدم بقدم مقبولیت حاصل کررہا ہے اب چلتے ہیں اس ماہ کے حجاب کی جانب۔
نوٹ:۔ ان شاء اللہ آئندہ ماہ سے آپ قاری بہنیں نائلہ طارق کا سلسلہ وار ناول "شب آرزو تیری چاہ میں" پڑھ سکیں گی۔

اس ماہ کے ستارے

☆ فضا مہکنے لگی — شازیہ مصطفیٰ اپنے دلکش انداز میں مکمل ناول کے سنگ جلوہ گر ہیں۔
☆ ہم جھوٹے ہیں — مختصر و موثر افسانے کے سنگ اقبال بانو اپنے منفرد انداز میں۔
☆ محبت اسم ہے ایسا — محبت کی حسین تعبیر پیش کرتی طلعت نظامی اپنے موثر افسانے کے سنگ حاضر ہیں۔
☆ وہ ایک ملکہ محبت — محبت کی سلطنت پر راج کرتی ملکہ کا احوال صباحت رفیق کے انداز میں۔
☆ ملن نصیب ہے — حیا بخاری کی دلکش و ہلکی پھلکی تحریر جو آپ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دے گی۔
☆ دعوت — سباس گل ایک منفرد انداز میں حاضر ہیں۔
☆ مانوس اجنبی — شناسائی سے اجنبیت کا سفر طے کرتی فصیحہ آصف کی خوب صورت کاوش۔
☆ گلاب رتوں کے خواب نگر — نائلہ طارق اپنے مکمل ناول کے سنگ حاضر ہیں۔
☆ نوید سحر — سال نو کی خصوصی کاوش سویرا فلک کے انداز میں۔
☆ سرمایہ — اصل سرمائے کی حفاظت کے اصول بتاتی ایمان علی پہلی مرتبہ شریک محفل ہیں۔
☆ بات چیت — میاں بیوی کی پیار بھری نوک جھونک حرا قریشی کے دلفریب انداز میں۔
☆ چلو زیست کو سمجھتے ہیں — زیست کی بہاروں کے سنگ حنا اشرف اپنے ناولٹ کے سنگ حاضر ہیں۔
☆ میرے بھائی کی دلہن — حریم الیاس اپنے شگفتہ انداز میں لبوں پر مسکراہٹ بکھیرنے جلوہ گر ہیں۔
☆ سمجھوتہ — نامساعد حالات سے سمجھوتہ کیونکر ضروری ہوا جانیے عائشہ پرویز کے سنگ۔
☆ خوابوں کی لگن — سال نو کے حوالے سے راؤ سمیرا ایاز کی دلکش تحریر۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعاگو
قیصرآرا

یا رب میری سوئی ہوئی تقدیر جگا دے

آنکھیں مجھے دی ہیں تو مدینہ بھی دکھا دے

سننے کی جو قوت مجھے بخشی ہے خداوند

پھر مسجد نبوی کی اذانیں بھی سنا دے

حوروں کی نہ غلماں کی نہ جنت کی طلب ہے

مدفن مرا سرکار ﷺ کی بستی میں بنا دے

منہ حشر میں مجھ کو نہ چھپانا پڑے یا رب

مجھ کو ترے محبوب کی کملی میں چھپا دے

مدت سے میں ان ہاتھوں سے کرتا ہوں دعائیں

ان ہاتھوں میں اب جالی سنہری بھی تھما دے

عشرت کو بھی اب خوش بوئے حسان عطا کر

جو لفظ کہے وہ اسے تو نعت بنا دے

عشرت گودھروی

نعت

سب سے بڑا دربار مدینے والے کا

نورانی دربار مدینے والے کا

لے کے چلو اب مجھ کو مدینے لے کے چلو

میں تو ہوں بیمار مدینے والے کا

مجھ کو ہوگا ناز کہ جب یہ لوگ کہیں

منگتا ہے سرکار مدینے والے کا

میرے دل کی یہ ہی ایک تمنا ہے

ہوجائے دیدار مدینے والے کا

جو ہیں نبی کے عاشق وہ یہ کہتے ہیں

ہوجائے دیدار مدینے والے کا

جو ہیں نبی کے دشمن وہ یہ کہتے ہیں

اعلیٰ ہے کردار مدینے والے کا

محسن اک دن ہم بھی طیبہ جائیں گے

دیکھیں گے دربار مدینے والے کا

محسن علی

آرزو

السلام علیکم! پہچانا...... نہیں یار' چلو جی ہم خود ہی بتادیتے ہیں ویسے آپ سب میری بات سنیں' میرا نام بہت خوب صورت ہے' ایک اور بات بھی میرے نام کی طرح میرا دل بھی بہت خوب صورت ہے بچو جی! پہلے مجھ سے وعدہ کریں میرا نام سن کر میری تعریف ضرور کریں گے (پکا وعدہ)۔ جناب میرا نام اقراء اکبر ہے' ہائے کتنا سویٹ ہے نام میرا' مجھے اپنی تعریف سننے کا بہت شوق ہے۔ اچھا یار چھوڑیں میں 10 اکتوبر کو فیصل آباد میں پیدا ہوئی اور اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اتنی بڑی ہوگئی ہوں کہ سیکنڈ ائیر کی اسٹوڈنٹ ہوں اور سانگلہ ہل ڈگری کالج میں جاتی ہوں' آئی سی ایس کررہی ہوں۔ کھانے میں سب کچھ ہی اچھا لگتا ہے چاہے آئس کریم' کیک' بریانی دے کر دیکھ لیں' کھالوں گی مزے سے۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہر رنگ مجھ پر سوٹ کرتا ہے' مجھے گھومنے پھرنے کا' لانگ ڈرائیور کا بڑا شوق ہے۔ ریڈنگ کی شوقین ہوں' نماز کی میں بہت قدر کرتی ہوں' میں سمجھتی ہوں کہ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر کیسے ادا کریں' اپنی شخصیت کی تو ہر کوئی بات کرتا ہے۔ یہ پسند وہ پسند' کیوں ناں آج دل کی خوب صورتی کی بات کریں' ہاں تو میں نماز کے بعد دل لگا کر دعا مانگتی ہوں' مجھے رب سے مانگنا بہت اچھا لگتا ہے۔ میں جب اس کی بارگاہ میں سجدہ کرتی ہوں' میری پیاری آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے ہیں۔ میرا دل کرتا ہے میں رو رو کے سب کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگ لوں۔ کالج میں جب میری دوست مجھ سے بات نہیں کرتی تو میں چھپ کے روتی ہوں پھر میں اللہ کا ذکر شروع کردیتی ہوں اور ساتھ میں کہتی ہوں جن کا کوئی نہیں ہوتا ان کا اللہ ہوتا ہے۔ مجھے ابراہیم علیہ السلام کی رب سے محبت بڑی اچھی لگتی ہے' میری مس نازیہ کہتی تھیں "محبت کی تاثیر عادتوں کو بدل دیتی ہے" بالکل سچ ہی...... میں سوچتی ہوں جب ہم اچھے ہوتے ہیں (ہمارا دل) تو ہمیں سبھی لوگ ہی اچھے لگتے ہیں۔ میں جب کسی سے بھی ناراض ہوں' اوہ میری ناراضگی مختصر ہوتی ہے' میں لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیتی ہوں۔ میری دوست ہے آمنہ نثار' بہت پیاری ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ یہ کسی کی فلنگز کو نہیں سمجھ سکتی' پر جتنی وہ خود خوب صورت ہے اس سے زیادہ اس کا دل خوب صورت ہے۔ پتا ہے کیا جب وہ مسکراتی ہے ناں تو ایسے لگتا ہے جیسے پھول کھل رہا ہے گلاب کا۔ میری دوست آنسہ طارق! اس کا دل بڑا خوب صورت ہے' دل و جان سے ہمارا خیال رکھتی ہے۔ مجھے ایک بات کا پتا ہے اس کا دل خوب صورت بھی ہے بڑا بھی۔ اقراء ایمن بہت اچھی ہے' میرے پاس لفظ ہی نہیں ہیں' اوہ سوری۔ ہائے مس خدیجہ' عابدہ' مس نازیہ' اقراء' عائشہ مصباح ستار' مس افشین ایوب' عمیرہ باجی مس آپ سب کے بھی دل بڑے خوب صورت ہیں۔ مجھے پتا ہے ناں اس لیے مائی ٹیچرز' آئی مس یو آ لوٹ۔ زنیر نعیم اور زنیرہ صادق کو بھول ہی گئی اور شمشاد' فائزہ اسلم' زکریا کیسے ہو؟ آمنہ الیاس سدا خوش رہو آمین۔ میں نے آپ سب کا کتنا سر کھایا ہے' بس میرا دل اسی طرح لکھنے کو کررہا تھا' میں دل کی بہت سنتی ہوں کیونکہ میرا دل بہت خوب صورت ہے' بتایا تو تھا بھول بھی گئے آپ سب۔ مجھے کبھی بھی آپ سب دعاؤں میں مت بھولنا اوکے کیونکہ آپ سب کے بھی دل بہت خوب صورت ہیں ناں' میری طرح۔ ہما' ندا' نیہا' آمنہ رشید ناراض ہو؟ ساری باتوں کو بھول کر ایک ہوجاؤ' سبھی گلے شکوے ختم کردو' پیار سے رہا کرو' کرن کی طرح' آخر میں پاکستان کے لیے دل سے دعا کیا

کریں اور مجھے بتایئے گا کہ میرا دل خوب صورت ہے کہ نہیں یا میری خوش فہمی ہے۔ بس آپ بھی میری باتوں کو دل سے پڑھیے گا۔ سائرہ دل' دل...... ہنسوں ناں؟ او کے اللہ حافظ۔

ببلی

السلام علیکم! ارے بھئی حیران کیوں ہورہے ہیں کہ یہ کون ہے جو ایسے ہی منہ اٹھائے ہماری محفل میں گھسی آرہی ہے۔ ارے جناب اتنی جلدی بھی کیا ہے بتاتی ہوں میرا نام ہے شازیہ عزیز عرف ببلی اور مزے کی بات یہ ہے کہ میرے اصل نام کا تو بہت ہی کم لوگوں کو پتا ہے۔ سب پیار سے ببلی ہی کہتے ہیں اور کچھ لوگ مجھے "بے بو" بھی کہتے ہیں خیر چھوڑیں آگے چلتے ہیں میں ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئی تھی لیکن پھر ہم شہر سندیلیا نوالی میں شفٹ ہوگئے اور میری ایجوکیشن ہے انڈر بی اے سمجھے نہیں' ارے بھئی ابھی بی اے کررہی ہوں۔ ایف اے تو میں نے ریگولر کیا لیکن میں نے سوچا چلو بی اے پرائیوٹ کرتی ہوں۔ کالج میں پڑھنا کم اور انجوائے زیادہ کرنا ہوتا تھا' سارا دن گانے گاتی تھی سب کو سناتی تھی کیونکہ میرا خیال ہے کہ مجھے اللہ نے بہت اچھی آواز دی ہے' سب لوگ میری آواز کی بہت تعریف کرتے ہیں جن کو بھی میں گانا سناتی ہوں اس کے علاوہ مجھے فنکشنز بہت زیادہ پسند ہیں' اسپیشلی کپڑے بنانا اور بڑی سی ہیل والی جوتی پہننا بہت پسند ہے۔ سب کہتے ہیں تیاری دیکھنی ہو تو ببلی کی دیکھو جن کی شادی ہوتی ہے وہ کم تیار ہوتے ہیں اور ہماری تیاری تو پھر شاہانہ قسم کی ہوتی ہے کیونکہ ہمارے ابو جنہوں نے ہمیں کبھی بھی نہیں روکا جتنی شاپنگ کرنی ہو کرلیں اور بل بس ابو کو پکڑا دیں انہوں نے پے کرنا ہوتا ہے' مجھے تو شاپنگ کا بہت کریز ہے۔ ماشاء اللہ سے ہم زمیندار ہیں لیکن ہمارے ابو کی سوچ بالکل بھی گاؤں والوں جیسی نہیں ہے خود بھی ایجوکیٹڈ ہیں اور ہمیں بھی اعلیٰ تعلیم دلا رہے ہیں۔ ہم سات بہنیں اور ایک بھائی ہے' میری آپی بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی میں ایم ایس سی زوآلوجی کررہی ہیں۔ ملتان میں ہاسٹل میں رہتی ہیں اس سے چھوٹی شہزادی ہے اور پھر میں ہوں تیسرے نمبر پہ میں اور شہزادی دونوں بی اے کررہی ہیں اور مجھ سے چھوٹی گڑیا ہے جو ایف ایس سی کررہی ہے اور باقی بھائی اور چھوٹی بہنیں پڑھ رہی ہیں۔ میں نے تو اپنی کالج لائف بہت انجوائے کی اب سوچا ذرا گھر میں تھوڑا ریسٹ کرلوں اور اب میں ہوتی ہوں اور میرا ایف ایم ہوتا ہے سارا دن ایف ایم سنتی ہوں اور کالز اور میسجز کرتی رہتی ہوں اور اپنی پسند کے سونگز سنتی رہتی ہوں اور اس کے علاوہ ٹی وی دیکھنا موویز دیکھنا بھی بہت پسند ہے۔ کوئی مووی ایسی نہیں ہے جو میں نے نہ دیکھی ہو۔ ہیروئن میں کترینہ کیف اور دیا مرزا اچھی لگتی ہیں اور ایف ایم کا ذکر ہو اور ہمارے اے بی کا ذکر نہ ہو' ارے بابا نہیں سمجھے عامر بیگ یعنی ایف ایم 95 کے آر جے ہیں اور مجھے بہت اچھے لگتے ہیں' میں ان کی بہت بڑی فین ہوں۔ ہم نے ایف ایم پر اپنا گروپ بنایا ہوا ہے روک اسٹار مطلب کہ ہمارے گروپ میں سات لڑکیاں ہیں میں یعنی ببلی' شزا' گڑیا' شیری' عینہ' نیلی اور روبی یہ ہمارا گروپ ہے اور ہم سب کی آوازیں بہت اچھی ہیں' ہم سب "اے بی" کو گانے سناتی ہیں اور پھر اپنی تعریفیں سنتی ہیں۔ اب اپنی پسند اور ناپسند بتاتی ہوں آپ کوئی وی ایکٹرز میں احسن خان' فیصل قریشی' فواد خان' زاہد خان' عمران عباس اور لڑکیوں میں سارہ چوہدری اور صوفیہ مرزا بہت پسند ہیں اور میری چھوٹی بہن گڑیا مجھے کہتی ہے کہ تم سارہ چوہدری کی لک دیتی ہو۔ اب کرکٹر میں مجھے فرسٹ آف آل شاہد آفریدی بہت پسند ہیں۔ پاکستانی فلم اسٹار میں معمر رانا بہت اچھے لگتے ہیں اور انڈین میں اکشے کمار۔ اس کے علاوہ کلرز میں کوئی خاص کلر پسند نہیں ہے جو مل جائے پہن لیتی ہوں مطلب میری چوائس چینج ہوتی رہتی ہے۔ موسم

کے ساتھ ساتھ بٹ مزاج چینج نہیں ہوتے ہیں مطلب ہر کسی کے ساتھ ہنستی بولتی رہتی ہوں ہمیشہ اچھا ہی موڈ رہتا ہے' خوش رہتی ہوں اور ساتھ بولتی رہتی ہوں۔ میری بہت سی دوستیں ہیں جن میں صباء' تحسین' حمیرا' شازیہ یوسف (کنجوانی)' فوزیہ' مہوش' سدرہ' ریحانہ' انعم' کزن سمیرا اور روبی جن میں سے کچھ کے ساتھ رابطہ ہے اور کچھ کے ساتھ نہیں ہے خیر اب ذرا خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں' دوستوں کے کہنے کے مطابق تو میں بہت اچھی ہوں اور گھر والوں سے ہر وقت سننے کو ملتی ہے کہ کوئی کام نہیں آتا ہے کچھ نہیں کرتی وغیرہ اور خامیاں یہ بھی دوسرے ہی بتا سکتے ہیں لیکن ایک بات مجھے غصہ بہت کم آتا ہے بس ہر بات ہنس کے ٹال دیتی ہوں اور میری کزن کے کہنے کے مطابق تمہارا نام فنی بک ہونا چاہیے۔ گھر کے کام بہت کم کرتی ہوں' فیشن کی بہت شوقین ہوں ہر روز نیو ہیئر اسٹائل بناتی ہوں ۔ بڑے بال بالکل بھی اچھے نہیں لگتے اور ڈریسنگ بھی بہت اچھی کرتی ہوں' فراک ہی پہنتی ہوں اور تعریف بھی بہت ہوتی ہے۔ اپنا تعارف بہت فارغ ٹائم میں بیٹھ کر لکھا ہے' ضرور بتایئے گا کہ میری باتیں کیسی لگیں اور میرے بارے میں جان کر آپ کو کیسا لگا۔ ایک اور بات مجھے دوستیاں کرنے کا بہت شوق ہے' میں نے ایف ایم پر بھی بہت سی فرینڈز بنائی ہوئی ہیں فون پر بھی بہت سی ہیں اور اب آنچل و حجاب کے تھرو بھی بنانا چاہتی ہوں۔ اللہ حافظ۔

نبیلہ نور

السلام علیکم! ڈیئر آنچل وحجاب اسٹاف ممبران اور آنچل وحجاب کے دیوانوں کو میرا سلام۔ میرا نام نبیلہ نور ہے' میری اس دنیا میں تشریف آوری 15 مئی 1996ء کو ہوئی۔ میٹرک کر چکی ہوں' ماشاء اللہ سے اچھے نمبروں سے آگے بھی پڑھنے کا بہت شوق ہے پر ابو کو پسند نہیں آگے پڑھنا۔ ہم چھ بہن بھائی ہیں میں سب سے بڑی ہوں' مجھے اپنے ابو سے سب سے زیادہ پیار ہے امی سے بھی بہت ہے۔ ایک بات بتاتی جاؤں میں نے جس سے بھی پیار کیا مجھے اس کا صلہ نہیں ملا۔ ہمیشہ ٹھوکریں ملی ہیں' مجھ میں ایک خامی یہ ہے کہ میں سب پر بہت جلد اعتبار کرلیتی ہوں اس اعتبار کرنے کا نتیجہ مجھے دھوکہ ملتا ہے۔ میری فرینڈز اینڈ میری کزن سب نے دھوکہ دیا مجھے اپنوں پر تو کبھی اعتبار نہیں کرنا چاہیے اپنوں سے اچھے تو غیر ہوتے ہیں۔ دوستی کرنے کا بہت شوق ہے میں چاہتی ہوں میری بہت ساری فرینڈز ہوں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پسندیدہ شخصیت ہیں' اللہ ہمیں ہمارے نبی ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے' آمین۔ میں بہت حساس طبیعت کی مالک ہوں' سب سے زیادہ شوق مجھے اسٹوریز پڑھنے کا ہے۔ غلط بات پر بہت جلدی غصہ آتا ہے اور کوئی کردار پر انگلی اٹھائے پھر تو دل کرتا ہے اسے جان سے مار دوں۔ سب چیزیں شوق سے کھالیتی ہوں پر پکاتی بہت کم ہوں' کوکنگ کرلیتی ہوں پر بہت کم۔ دوست میری اچھی ہیں پر کم ہیں۔ حفصہ بتول' رقیہ' آپی ارم' آپی اقراء' منال' مناہل' ثوبیہ مائی بیسٹ فرینڈز ہیں۔ اپنی خالہ سے ہر بات شیئر کرتی ہوں' میری خالہ بھی ہے اور سب سے پہلے وہی بیسٹ فرینڈ ہیں جن کا نام فرزانہ بشیر ہے۔ فیورٹ کلر وائٹ اور پرپل تو بے انتہا پسند ہیں' باقی پنک' فیروزی' لائٹ کلرز بہت پسند ہیں۔ چوڑی دار پاجامہ' لانگ فراک' لانگ شرٹ' لانگ دوپٹہ پسند ہیں۔ ساڑھی تو بہت پسند ہے' میں نے ایک بار ماموں کی شادی پر باندھی تھی۔ موسم مجھے سردی کا پسند ہے' فیورٹ رائٹرز' نمرہ احمد' عمیرہ احمد' نازیہ کنول نازی' سمیرا شریف طور' اقراء صغیر احمد' راحت وفا سب کے ناول بہت پسند ہیں۔ فیورٹ ناول' مصحف' پتھروں کی پلکوں پر' جنت کے پتے' شب ہجر کی پہلی بارش جو ابھی چل رہا ہے۔ ٹوٹا ہوا تارا' موم کی محبت' دل پر دستک' لاحاصل' پیر کامل سب بہت پسند ہیں۔ جیولری میں صرف ائررنگز اینڈ

رنگ نفیس سی سب سے ایک ریکوئسٹ میری خالہ جان فرزانہ بہت پریشانیوں میں گھری ہوئی ہیں۔ان کے لیے سب دعا کرنا کہ ان کی تمام مشکلیں حل ہوجائیں' میں اپنی خالہ جان کی اسٹوری آنچل میں شائع کرنا چاہتی ہوں ۔ اگر اجازت ہو تو پلیز بتادیں' بہت دکھ ہیں' ان کی لائف میں ابھی تک ان کی زندگی سہیل نہیں ہوئی۔ حفصہ بتول سے میری دوستی اسکول کے زمانے سے تھی ان کی امی کو ہماری دوستی پسند نہیں تھی اس کی امی چاہتی تھی حفصہ مجھ سے دوستی توڑ دے پر میں نہیں چاہتی تھی کہ حفصہ مجھ سے دور جائے آج 15 سال بعد حفصہ کو میری دوستی کی اہمیت کا اندازہ ہوا اب اس نے مجھے کہا نبیلہ تم جیسا دوست واقعی مجھے آج تک نہیں ملا وہ کہتی ہے تم اچھے دوست ڈیزرو کرتی ہو جو کہ میں نہیں ہوں۔ میں نے کہا میرے لیے تم ہی بہت ہو' میری دوستی کی مثال میری تمام فرینڈز دیتی ہیں اور جن بہنوں نے مجھے دھوکہ دیا وہ بھی ایک دن یاد کریں گی' ضرور ان شاء اللہ آپ سب اپنا خیال رکھنا' اب مجھے اجازت دیں' اللہ حافظ۔

ثناء کنول

السلام علیکم! ڈیئر آنچل اسٹاف کیسے ہیں آپ سب؟ میرا نام ثناء کنول اللہ دتہ ہے' سب مجھے ثناء کہتے ہیں۔ میری تاریخ پیدائش 20 اپریل 2002ء ہے میری تعلیم کچھ زیادہ نہیں ہے میں صرف مڈل تک پڑھی ہوں (ہے نا افسوس کی بات) وہ اس لیے کہ ہمارے ہاں لڑکیاں نہیں پڑھتی (اسٹوپڈ سوچ ہے نا) صرف لڑکوں کو پڑھنے کی اجازت ہے۔ ہم آٹھ بہن بھائی ہیں تین میرے بھائی ہیں' بڑا افضل' اجمل' اکمل اور بہن بڑی آپی پروین نسرین دونوں میرڈ ہیں اور حناء کنول' صابرہ اور آخر میں' میں یعنی ثناء۔ میں حنا آپی سے بہت پیار کرتی ہوں میں لودھراں میں کوڑے والے محلہ میں رہتی ہوں' کاسٹ آرائیں ہے۔ کھانے میں بریانی' نوڈلز اور ساگ' آئی لو اٹ۔ بقول حنا آپی کے یار ثناء تم کچھ زیادہ نہیں کھاتی (ویسے اتنا بھی نہیں کھاتی)۔ گھر کے کام سب مل کر کرتے ہیں' شاعر میں احمد فراز' امجد اسلام امجد کے کلام بہت اچھے لگتے ہیں۔ میری دوستوں میں ثناء خادم اور کائنات دونوں جو مجھ سے بہت دور ہیں اور دکھ بھی بہت دیتی ہیں۔ خوبی یہ ہے کہ غصہ بہت کم آتا ہے' بولتی بہت کم ہوں چلئے حنا سے خوبی پوچھتی ہوں بقول حنا خوبی تمہاری کوئی ہے ہی نہیں (لوجی کرلو گل اور سن لو بات)۔ امی سے پوچھتی ہوں دوسروں کو معاف کرنا اور غریبوں کو پیسے دینا اگر کوئی ڈانٹتا ہے تو کسی کو جواب نہیں دیتی (تھینک گاڈ تعریف تو کی)۔ حساس بہت ہوں کسی دوسرے کا درد محسوس ہوتا ہے۔ (پسند و ناپسند) فیروزی کلر بہت پسند ہے' گو بھی بالکل اچھی نہیں لگتی اگر کوئی اگنور کرے تو بہت دکھ ہوتا ہے۔ مری اور لاہور جانے کا بہت شوق ہے' ساحل سمندر پر بیٹھ کر ڈوبتے ہوئے سورج کا منظر دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ تنہائی میں بیٹھ کر خود سے اور چاند سے باتیں کرنا میرا مشغلہ ہے' پاکستانی فلم میں "عشق بے پروا" بہت اچھی لگتی ہے اور گانے بہت سے پسند ہیں۔ ڈاکٹر تنویر "جو تم چاہو' محبت خواب سفر میری" اور بھی بہت سارے ہیں۔ ثناء وقار آپ نے مجھے دوستی کا جواب نہیں دیا میں اتنی بری بھی نہیں ہوں اچھا آخر میں ایک نصیحت پلیز پلیز کسی کا دل مت توڑ دیئے گا' اللہ حافظ۔ اگر کوئی بہن مجھ سے دوستی کرنا چاہتی ہے تو میں حاضر ہوں۔

یاسمین نشاط

ایک سال بیت گیا' پچھلے سال کی طرح یہ سال بھی رینگ رینگ کر گزرا۔ ایک ایک پل یادوں میں فلاں تاریخ کو یہ ہوا تھا پچھلے سال۔ فلاں کو فون آیا اور آج کے دن 11 نومبر 2015ء کو سماعتیں صبح سے ہی کسی بری خبر کے سننے سے گریزاں تھیں۔ دل میں وہم ہر بار بجتی فون کی گھنٹی دل لرزا کے رکھ دیتی۔

امی، ابھی بے ہوشی کی حالت میں ہیں لیکن تکلیف سے کررا رہی ہیں۔ چھوٹی بہنیں بتاتیں اور میں کپڑے بیگ میں رکھنے لگتی۔ ہفتہ پہلے میں ان کے پاس دس دن رہ کر آئی تھیں پھر بھائی کا فون آتا تسلی بھرا۔ ڈاکٹر نے انجکشن لگایا ہے کچھ بہتر ہو جائیں گی میں پھر ڈھیلی پڑ جاتی۔ اصل میں امی کو اس قدر تکلیف میں دیکھنے کا نہ تو حوصلہ تھا اور نہ ہی ہمت۔ کوئی تو اچھی خبر دے لیکن کہیں کچھ بھی حوصلہ افزا نہیں تھا۔ پتا نہیں ایک ساتھ ساری بیماریاں کہاں سے اچانک حملہ آور ہوئی تھیں کہ امی کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ دے رہی تھیں۔

ہم نے ساری زندگی اپنی والدہ کو بہت باہمت دیکھا' ہمیشہ ہم بہن بھائیوں کی خاطر خاندان والوں سے لڑتے بھڑتے دیکھا۔ بہت بچا بچا کر بہت سنبھال سنبھال کر رکھا۔ میں گھر میں سب سے بڑی تھی اور حقیقتاً شہزادی' جب تک امی کے پاس رہی اٹھ کر پانی تک نہیں پیا۔ امی سارا کام خود کرتی تھیں صفائی' کپڑے دھونا' سب کے کپڑے استری کرنا' کھانا پکانا اور ہر کام بہترین اور سارے کام کے بعد نہا دھو کر اتنی صاف ستھری ہوتیں کہ کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ اس عورت نے سارا دن کام کیا ہے اور امی کی یہ عادت ہم سب بہن بھائیوں میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ امی جان نے ہماری تربیت بڑی سختی سے کی' بلاوجہ کسی کے گھر آنا جانا منع تھا حتی کہ دوستوں کے گھر بھی کبھی کبھار ہی جانے کی اجازت ملتی تھی۔

ماموں کے گھر بھی امی کے ہمراہ جانا ہوتا تھا' ہمارے خاندان میں لڑکیوں کو تعلیم دلوانے کا رواج ہرگز نہیں تھا اور میں خاندان کی پہلی لڑکی تھی جس نے اسکول کے بعد کالج کی شکل دیکھی اور یہ سب میری ماں کی مرہون منت تھا انہوں نے باقاعدہ اسٹینڈ لیا تھا۔ ابو سے طویل بحث کے بعد (ان کے بقول اتنا پڑھا کر خاندان میں کہاں رشتہ ڈھونڈنا ہے) اپنے کانوں کے بُندے بیچ کر میرا ایف اے کا داخلہ بھجوایا تھا اور پھر اس کے بعد بی اے بھی امی نے زبردستی کروایا۔ میرے لیے بہت مشکل رہا جب سارے خاندان کی نظریں آپ پر ہوں آپ کی تعلیم نشانہ ہو تو پھر بہت سنبھل سنبھل کر چلنا پڑتا ہے۔ ہماری ماں ہمارے لیے ڈھال بنی اور خاندان والوں سے لڑ کر ہمیں اس مقام پر کھڑا کیا کہ آج سارا خاندان امی کا معترف ہے اور ہم نے بھی اپنی ماں کی تربیت پر حرف نہیں آنے دیا۔ آج وہی خاندان ہے اور انہی کی اولادیں جو اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور نوکریاں بھی۔

امی جان بہت سگھڑ تھیں' ہر کام میں طاق' سلائی کڑھائی' بنائی' ککنگ کون سا کام تھا جو ان کو نہیں آتا تھا اور وہ سارے ہنر انہوں نے ہمیں بھی سکھائے۔ بہن بھائیوں میں سب سے کام چور میں تھی' پکا پکایا کھانے والی' کپڑے استری کیے کرائے مل جائیں۔ کھانا رکھا' کھایا' ہاتھ دھوئے اور ٹیبل پرے اور امی نے مجھ سے برتن اور کپڑے دھلوائے بھی نہیں۔ کہتی تھیں تمہارے ہاتھ اتنے خوب صورت ہیں خراب ہو جائیں گے (ماں کی محبت) پھر پریشان بھی میرے لیے ہوتیں۔

"شادی کے بعد سسرال جا کر کرو گی کیا' سوائے ایک ہانڈی پکانے کے' کچھ بھی نہیں آتا مجھے سب سے زیادہ فکر تمہاری ہے' کیسے کرو گی کام؟" اور میں کہتی۔

"ہو جائے گا امی! آپ پریشان نہ ہوا کریں اور شادی کے بعد جب جب میرے گھر آئیں' یہی کہنا سب سے زیادہ فکر مجھے تمہاری تھی اور سب سے زیادہ اچھا گھر تم ہی سنبھال کر بیٹھی ہو۔" ہم نے شادی سے پہلے امی کو بہت سخت دیکھا' کبھی کبھار غصہ بھی آتا تھا۔ ہماری دوستی ابو سے زیادہ تھی' ہم ہر بات انہی سے شیئر کرتے تھے۔ امی سے ڈر کی وجہ سے ذرا فاصلے پر ہی رہتے لیکن شادی کے بعد ہم نے دیکھا امی ہماری رازداں بن گئیں۔ انہوں نے ہمیں ایک بات سمجھائی تھیں۔

"گھروں میں بہت لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں' سال دو سال ایک دوسرے کو سمجھنے میں لگ جاتے ہیں' ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کرنا' کبھی اپنی لڑائیاں لے کر ناراض ہو کر میکے بیٹھنے مت آنا۔ ہاں ہنسی خوشی جیسے مرضی آؤ۔" اور ہماری بھی ہمت ہی نہیں پڑی کہ ناراض ہو کر میکے جا کر بیٹھیں۔

انہوں نے ساری عمر کام کیا' اپنی تریسٹھ سالہ زندگی میں انہوں نے کبھی اپنا بوجھ کسی پر نہیں ڈالا سوائے بیماری کے دنوں میں۔ یہی دعا کرتی تھیں اللہ انہیں چلتا پھرتا لے جائے' ہم تو ابھی تک حیران ہیں اچانک آناً فاناً کیسے بیمار ہوئیں اور دس ماہ میں ہی جھٹ پٹ ہوگئیں۔

ابھی تک آنکھوں میں ان کا شاندار سراپا لہراتا ہے' یوں لگتا ہے جیسے ابھی کہیں سے نکل کر آئیں گی اور کہیں گی۔ تم پھر موٹی ہوگئی ہو ملازمہ کی چھٹی کرو اور صفائی خود کرو۔ مجھے موٹی لڑکیاں نہیں پسند' عیدیں' شبراتیں' ان کا لین دین ہی عجب تھا۔ کوئی آتا ان کے گھر' کسی کو خالی ہاتھ نہ بھجتیں' کپڑوں کا جوڑا' پیسے' پتا نہیں وہ سب کیسے کر لیتی تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ خود بھی اچھا پہنا اور ہمیں بھی پہنایا لیکن ساتھ ہی ہر قسم کے حالات میں رہنے کا درس بھی ہمیں دیا۔

آج میں جس مقام پر ہوں امی جان سب آپ کی بدولت ہے یہ چند لائنیں صرف اپنے سکون کے لیے لکھی ہیں ورنہ امی کے بارے میں جب بھی لکھنے کا سوچا قلم نے ساتھ دینے سے انکار کیا۔ ان کی شخصیت کا احاطہ میرا قلم کر ہی نہیں سکتا' وہ گئی ہیں تو میں حقیقتاً خالی داماں ہوگئی ہوں۔ دعاؤں والے ہاتھ اٹھ گئے ہیں' بے سروسامانی سی بے سروسامانی۔ گھر واقعی میں ماؤں کے دم سے آباد ہوتے ہیں' وہی گھر ہے جہاں ہم بہنیں اکٹھی ہوتیں' ہنسی مذاق' شرارتیں اور امی کی آواز "تسی میرے کول کدوں آؤ ندیاں بے اپنے مزے کرن اکٹھیاں ہوندیاں جے" ان کا ناراض غصہ والا لہجہ' ہم بھاگ کر ان کے پاس آتیں۔

"ہائے جیں امی جی! اسیں آپس اچ تے روز فون تے گل کرنے آں صرف تہاڈے واسطے آئے آں۔"

"اچھا اچھا۔" وہ ناراضگی سے منہ موڑ لیتیں' پھر تھوڑی دیر بعد اٹھتیں الماری کھولتیں اور کچھ نہ کچھ نکال لیتیں۔

"دیکھو یہ تمہارے لیے' یہ اس کے لیے...... یہ فلاں کے لیے۔" وہ ایک ایک کر کے سوٹ' برتن' بیڈ شیٹس بانٹتیں چلی جاتیں۔ میکے کا مزہ ہی ختم ہوگیا ہے' علی بھائی نے دن رات امی کی خدمت کی۔ وہ تو بس چپ ہی کر گیا ہے اب امی کے گھر جانے کو دل ہی نہیں کرتا' اکٹھی ہوتیں بھی ہیں سب بہنیں تو ان کے کمرے میں بیٹھ کر ان کو یاد کر کے واپس چلی جاتی ہیں' بھائی شکوہ کرتے ہیں لیکن دل کا کیا کریں۔

"ماواں جدوں ٹر جاندیاں
کوئی کہندا نئیں پُت گھر آ"

ہمیں یقین ہے امی جی! آپ وہاں بھی بہت اچھی جگہ پر ہیں' بہت خوش ہیں۔ آپ اور ابو ہمارے لیے دعائیں بھی کرتے ہوں گے' ہم سب بھی آپ کو بہت یاد کرتے ہیں' ہر لمحہ ہر بات میں۔ میں سوچتی تھی یا پھر خوفزدہ تھی کہ اگر مجھے امی کی فوتگی کی اطلاع ملی تو لاہور سے ساہیوال کا سفر کیسے طے کروں گی۔

لیکن یہ بھی قسمت تھی کہ آخری لمحوں میں' میں اور رابعہ چھوٹی بہن بالکل امی کے سرہانے بیٹھی تلاوت قرآن پاک کر رہی تھیں' چھوٹا بھائی خرم اپنے نکاح کا جوڑا ٹیلر سے لے کر آیا تھا' امی کی خواہش پر اس کا نکاح ایمرجنسی کیا جا رہا تھا۔ انتیس نومبر کی شام سات بجے' ہمیں بارات لے کر جانا تھا اس روز کا خوف' اس قدر لرزا دینے والا تھا کہ ہم آج تک نہیں بھولے۔ امی ساری رات تکلیف میں رہنے کے بعد چند لمحے قبل ہی سوئی تھیں۔ علی بھائی نے امی کو انجکشن لگایا اور ٹشو پیپر سے امی کا منہ صاف کیا' اس پر بلڈ تھا میں نے پوچھا "یہ کیا ہے؟" نظریں چرا کر بولا۔

"کچھ نہیں' گرمی کی وجہ سے امی کے منہ میں چھالے پڑ گئے ہیں' وہ صاف کیے ہیں۔" اس نے جھوٹ بولا تھا' وہ جان گیا تھا ڈاکٹر نے جو پیشن گوئی کی تھی وہ آج سچ ہونے والی ہے۔ جاتے ہوئے بولا۔

"میں عارف والا جا رہا ہوں' تم امی کے پاس بیٹھ کر تلاوت کرو' کچھ ہو جائے تم نے ایک لمحہ کو بھی امی کے پاس سے نہیں اٹھنا اور دعا کرنا آج کا دن خیریت سے گزر جائے۔" اس کی آنکھوں میں آنسو تھے' میں نے کہا۔

"مت جاؤ ناں آج' نکاح کے کئی کام پڑے ہیں۔"

کہنے لگا...... "ادھر پاس ہی ہوں' آدھے گھنٹے میں آ جاؤں گا۔" اس کی اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ ماں کو مرتا دیکھ سکے۔ وہ گیا رابعہ آ گئی' نکاح کے سلسلے میں' دوسری بہن ناہید اور بھابی بازار چلی گئیں۔ خرم اپنا سوٹ لے کر آیا اور بہن کو دکھانے لگا بس اسی لمحے امی نے آنکھیں کھولیں' خرم کو دیکھا اور ساتھ ہی آنکھیں بند کر لیں۔ رابعہ پانی کا چمچ منہ میں ڈالنے لگی لیکن امی کی سانس تھم گئی تھی' ایک سال کی تکلیف ایک سیکنڈ میں ختم ہوگئی تھی۔ وہ خرم کو دلہا بنا دیکھنا چاہتی تھیں' وہ دیکھ لیا۔

نکاح کے لیے آنے والے مہمان امی کے جنازے میں شریک ہوئے' ہر کوئی حیران تھا یہ کیا ہوگیا۔ وہ کس کام کے لیے آئے تھے اور کس کام میں شامل ہوئے' ہمیں وہ لمحہ بھولتا ہی

نہیں ہے۔ میں دس دن سے امی کے پاس تھی' خرم (بھائی) کے نکاح کی تیاری کے سلسلے میں بازاروں کے چکر لگ رہے تھے' کہنے لگیں۔

"تم دو دن سے میرے پاس نہیں بیٹھی ہو۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"آپ کے بیٹے کے ہی کام کر رہی ہوں۔" آنکھوں کے اشارے سے بتایا کہ وہ خوش ہیں' لیکن یہ سب دیکھنا ان کے نصیب میں ہی نہ تھا۔

امی جان آپ نے جتنا کچھ ہمارے لیے کیا' بالخصوص میرے لیے آج میں جو کچھ ہوں صرف اور صرف آپ کی بدولت ہوں اگر آپ اس وقت اسٹینڈ نہ لیتیں تو آج میں بھی گاؤں کے کسی ان پڑھ جاہل کے ساتھ زندگی گزار رہی ہوتی۔ آپ کا بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے سب سے ٹکر لے کر شعور دیا' ہمیں اور ہمیں اس قابل بنایا کہ ہم سر اٹھا کر جی سکیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ابو جان کو اپنے بہت قریب جگہ دے' جنت الفردوس کے سب سے اعلیٰ مقام پر آپ کو جگہ ملی ہو آمین' ثم آمین۔

ایک چھوٹی سی نظم

ماں

جے کدرے تُوں مڑ آویں
تیرے چاء کراں' تینوں گود چھڑاں
تیرے سر مہ پوڈر لاواں میں
رج سوہنا سوٹ پواواں میں
تیرے ہتھاں مہندیاں لاواں میں
تینوں گھٹ سینے نال لواں میں لا
جے کدرے تُوں مڑ آویں
تینوں ٹکتاں نیاں' تھپاں میں
تیرے کول بیٹھی نہ تھکاں میں
تینوں تک تک لاواں سکاں میں
تینوں دل دے سوچ میں کواں لگا
جے کدرے تُوں مڑ آویں
ہن کھلسی کون سیتھوانی
سنجا ہو گیا بابل دوا ویڑانی
ہن کھیانت داتھیرانی
کون کرسی ساڈے لئی دعا
کیوں کھوتا اپنا ساتھ نی
کیہڑی دل نوں لائی بات نی
تیرے نام نال سب بہاراں سن
ہن کہے گئی غم دی رات نی
تینوں فیر کدی نہ جان دیاں
جے اک واری تو مڑ آویں

ماں......

جے کدرے تُوں مڑ آویں

☆......☆......☆

ماں

اگر کبھی تم واپس آ جاؤ
تو تمہارے ناز اٹھاؤں' گود میں لوں
تمہارا سنگھار کروں
اچھے کپڑے پہناؤں' مہندی لگاؤں
تمہیں سینے سے بھینچ لوں
اگر کبھی تم واپس آ جاؤ
تمہیں دباؤں' تھکوں
تمہارے پاس بیٹھے نہ تھکوں
تمہیں دیکھ دیکھ حسرت پوری کروں
اور تمہیں اپنے دل میں چھپا لوں
جو کبھی تم واپس آ جاؤ
اب ہمیں کون پیغام بھیجے گا
اب بابل کا گھر سونا ہو گیا ہے
اب عیدیں اور شبراتیں کہاں
اب تو جھگڑا ہی ختم ہو گیا ہے
کون ہمارے لیے اب دعا کرے گا
تم نے اپنا ساتھ ہم سے کیوں چھین لیا ہے
کون سی بات تھی جو تم نے دل کو لگالی ہے
تمہارے دم سے بہاریں تھیں
میں تمہیں کبھی نہ جانے دوں
اگر تم اک بار واپس آ جاؤ
اگر تم واپس آ جاؤ

فہد غفار کی شادی کا احوال

یہ ان دنوں کی بات ہے جب طویل مدت کے بعد میں (حلیمہ بھابی) جن سے میں نے اپنی تینوں بہوؤں کی بری کے جوڑے سلوائے تھے وہ میری بہت اچھی دوست تھیں (تھیں) اس لیے کہ اب ان کا انتقال ہوگیا ہے میرے گھر اور اسکول کے درمیان میں ان کی رہائش تھی بہت ہی پیار پرخلوص مہمان نواز دل جیتنے کا فن رکھنے والی خاتون تھیں۔

میں نے کپڑے سلوائے اور درمیان میں طویل مدت تک ان سے نہ مل سکی کیونکہ واصف (تیسرے بیٹے) کی شادی کے بعد سے پہلے میں نے ریٹائرمنٹ لے لی تھی یوں حلیمہ بھابی سے ملاقات ختم ہوگئی تھی۔

اس طویل مدت کے دوران میرے ہزبینڈ کا انتقال ہوگیا ابھی ایک ماہ بھی نہیں گزرا کہ حلیمہ بھابی بھی بیوہ ہوگئیں میں مجبور تھی اطلاع ملنے کے بعد بھی میں وہاں نہ جاسکی اور پھر بھول گئی مگر کچھ عرصہ پہلے جیسے ہی مجھے یاد آیا میں وہاں پہنچ گئی، وہ مجھ سے لپٹ گئیں ان کی خوشی دیدنی تھی میں نے بچوں کے بارے میں دریافت کیا بھابی کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں بڑی صبا چھوٹی غوشیہ غوشیہ کی شادی ہوچکی تھی وہ عزیزوں میں گئی تھی اس کی رہائش سکھر میں تھی بیٹا اخلاق میرا شاگرد تھا۔

بھابی مجھے لے کر دوسرے کمرے میں پہنچیں۔ ”آپی دیکھو تو کون آیا ہے۔“ ان کی آواز میں خوشیاں رقصاں تھیں میں نے دیکھا صبا کا پارلر روم تھا وہ دلہن کو تیار کررہی تھی اس نے پلٹ کر دیکھا اور والہانہ انداز میں سب کام چھوڑ چھاڑ کر میری طرف لپکی اور اس قدر محبت اور جذباتی انداز میں مجھ سے لپٹی کہ الگ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

”اللہ مس آپ کہاں چلی گئی تھیں آپ مجھے بہت یاد آئی تھیں۔“ وہ مجھ سے الگ ہوکر مجھے یک ٹک دیکھے جارہی تھی (اس نے بعد میں بتایا کہ میں یہ دیکھ رہی تھی اتنی اسمارٹ گڈ لوکنگ اس قدر ٹپ ٹاپ رہنے والی مس کو یہ کیا ہوگیا ہے)

میں نے اس کی محویت توڑی اس کا ماتھا چوما۔ ”اچھا بس ابھی اس بے چاری کو تیار کرو باقی باتیں بعد میں۔“

پھر میں نے گھر آ کر بچوں سے کہا میرا دل چاہ رہا ہے صبا کو بہو بنالوں؟ زبیر کے لیے بات آئی گئی ہوگئی صبا کے پاس میری بڑی نواسی کام سیکھنے جارہی تھی اس کی انڈر اسٹینڈنگ ہوگئی (صبا کو حلیمہ بھابی سے لے کر تمام سیکھنے والی لڑکیاں اڑوس پڑوس والے آپی ہی کہتے تھے)

مناہل نے گھر میں بتائے بغیر موبائل پر فہد اور زبیر کی

تصویریں دکھائیں، آپی میرے دو ماموں ہیں یہ دیکھوں ان میں سے آپ کو کون پسند ہے میں آپ کو اپنی مامی بنانا چاہتی ہوں صبا مسکرائی اور فہد کے حق میں فیصلہ دے دیا ہمیں کچھ خبر ہی نہیں ایک روز میری بڑی بیٹی شازیہ اور ابیر ہمارے ہاں آئے اور دونوں نے یہ ذکر چھیڑ دیا میں نے کہا۔ "ہاں میں نے کہا تو تھا بہو بناؤں گی مگر زبیر کے لیے پسند کیا تھا میں نے مگر جی نواسی اور دونوں بیٹیاں اصرار کرنے لگیں اور میں نے ہاں کر دی حلیمہ بھابی کی خوشی دیدنی تھی لگتا جیسے ان کو سارے جہاں کی دولت مل گئی ان کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ہم کو کہاں بٹھائیں کیا کھلائیں انہوں نے غوثیہ کو فون پر بتایا تو وہ بھی بہت خوش ہوئی امی فوراً رشتہ پکا کر دیں اگر مس نگہت کا بیٹا ہے تو نہ دیکھنا نہ بھالنا آنکھ بند کر کے بسم اللہ کیجیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنا اچھا رشتہ عطا کیا اسے طے ہونا ہے اور پھر اچھے طریقے سے انگیجمنٹ کی رسم ادا کی۔ حلیمہ بھابی پھول کی طرح کھلی ہوئی تھیں غوثیہ ان کا شوہر رضوان بھی بہت ہی باادب اور اچھا لڑکا ہے اخلاق بھی اس منگنی پر بہت خوش تھے بھابی مہوش بھی ان کی خوشیوں میں شامل تھی۔

رضیہ بیگم صبا کی ممانی بھی اچھی خاتون ہیں حلیمہ بھابی سے بہت انسیت تھی ان کی وہ بھی مجھ سے بہت خلوص سے ملتی ہیں پھر اچانک حلیمہ بھابی کی طبیعت خراب ہوگئی انہیں ہاسپٹلائز کیا گیا مرض بڑھتا گیا صبا، غوثیہ، اخلاق، مہوش، رضوان، رضیہ بیگم سب ہی انتہائی ٹینشن میں تھے اور پھر اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ حلیمہ بھابی 12 اکتوبر کو اپنے چہیتوں کو چھوڑ کر اس بستی میں جا بسیں جہاں کے مکین ہمیشہ کے لیے وہیں کے ہو جاتے ہیں۔

12 جنوری کو انگیجمنٹ ہوئی 12 اکتوبر 2015ء کو حلیمہ بھابی کا انتقال ہوا اور پھر اللہ کے حکم سے 2 ستمبر 2016ء کو شادی ہوگئی۔

31 اگست کو فہد کی رسم مایوں گھر پر ادا کی گئی جس میں بیٹیوں، بہوؤں کے علاوہ میری اکلوتی نند بدر جہاں اور دیگر عزیز و اقارب نے شرکت کی۔

دوسرے دن یعنی یکم ستمبر کو صبا کے ہاں ہم تمام مہندی لے کر پہنچے ماشاء اللہ بہت خوب صورتی سے رسمیں ادا کی گئیں دیر زیادہ ہونے کے سبب ہال کی روشنیاں بجھنے لگیں تب مووی اور فوٹو سیشن کا سلسلہ منقطع کیا گیا۔

دوسرے دن بارات لے جانی تھی آخری لمحات تک

شازیہ امبر اور طیبہ کی شاپنگ ختم ہی نہیں ہو رہی تھی اس دفعہ فہد کی تیاری میں ساری شاپنگ شازیہ امبر نے اکیلے کی۔ ایک ایک چیز کی ذمہ داری ماشاء اللہ شادی کی تیاری میں کیا کچھ نہیں ہوتا یہ سارا کریڈٹ دونوں بہنوں اور بھانجی مناہل پر جاتا ہے دونوں کے بچے اور میری بہن کا ایک بیٹا ماشاء اللہ گھر میں بڑی رونق لگی تھی میرے گھر کے قریب مزار ہے جس کی وجہ سے میں نے ریکارڈنگ کی بہت کم اجازت دی تھی اور اگر ہوتی بھی تو آواز آہستہ ہوتی۔

نکاح ظہر کی نماز کے بعد کیا گیا جس کی وجہ سے کافی آسانی ہوگئی تھی۔

فہد نے سالی یعنی غوشیہ کو ایک لفافہ دیا جس پر وہ خوش ہوگئی طے یہ ہوا تھا کہ جوتا چھپائی دودھ پلائی اور انگلی پکڑنے کی رقم اکٹھی دے دی جائے گی یوں وہاں پر بھی کوئی بحث وتکرار نہیں ہوئی دلہا دلہن گھر پر پہنچے فہد کے دوستوں نے صدقے کا انتظام پہلے سے کر رکھا تھا زہت کا بیٹا منہاج، اطہر صابر، افسر، سعدی، فہد، فرحان۔

یہ سارے دوست نہیں بھائی لگ رہے تھے فہد کے، ہال کا، کھانے کا، گاڑیوں کا یہ ساری ذمہ داری ان کے دوستوں کی تھی فہد کو کچھ خبر نہیں کہ کس کو کتنی رقم دی گئی

کتنی دینی ہے صبا ایک اکیلی لڑکی والدین کا سایہ سر پر نہیں تھا پارلر میں رات دن مصروف رہنے والی بہادر لڑکی جس نے غوشیہ چھوٹی بہن کی شادی اور شادی کے بعد کی رسمیں سب احسن طریقے سے نبھانے والی لڑکی نے اپنے لیے بھی بہت کچھ تیار کرلیا تھا بھائی بھابی نے بھی مدد کی غوشیہ نے بھی دل کھول کر شادی میں حصہ لیا وہ ہمیشہ کے لیے سکھر سے کراچی آگئی۔ وہ بھی بیوٹیشن ہے۔

ماشاء اللہ صبا کے ولیمے والے دن 5 ستمبر 2016ء کو ولیمہ تھا میں نے آپ سب کو انوائٹ کیا تھا مگر دکھ ہے کہ کوئی بھی میری خوشی میں شامل نہیں ہوا حالانکہ کچھ دوستوں کو میں نے فون پر بھی انوائٹ کیا تھا بہرحال ایسا بھی ہوتا ہے کبھی بھی خوش رہیں۔ صبا کو ولیمے کے دن گولڈ کے گفٹ زیادہ آئے اور پھر دروازہ رکوائی پر صبا نے دونوں نندوں کو گولڈ کے لاکٹ دیے فہد نے مجھے بھی گولڈ کا لاکٹ دیا۔ اللہ کے فضل وکرم سے ساری تقریبات بخیر و خوبی انجام پزیر ہوئیں۔

میں ان بہن بھائیوں کا اور بچوں کا دل کی تمام گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے ایس ایم ایس اور کال پر مجھے مبارکباد دی۔

آج عید کا دن ہے طیبہ اور صبا میکے گئی ہوئی ہیں۔ میں میری امی اور زبیر گھر پر اکیلے ہیں دل نہیں لگ رہا ہے تو میں آپ لوگوں کو اپنی خوشی میں شریک کر رہی ہوں، اللہ رب العزت کے دربار میں دست دعا ہوں کہ میرا رب ہر ایک کو خوشیاں نصیب کرے دلوں میں خوف خدا اور دعاؤں میں اپنے ساتھ دوسروں کو بھی شامل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یہی التجا ہے کہ یہ آنے والی بہو بہت مبارک ثابت ہو نیک فرمانبردار اور اسی طرح پر خلوص اور محبت کرنے والی رہے ان دس دنوں میں ماشاء اللہ سے سب گھر والوں میں ایسے گھل مل گئی ہے جیسے مدتوں سے ان کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ نظر بد سے اور ہر شر والی شے سے محفوظ رکھے صرف اسی کو نہیں تمام بہوؤں بیٹیوں کو بھی ایسا ہی رکھے آمین ثم آمین۔

آپ سب سے التماس ہے کہ آپ سب اپنی دعاؤں میں مجھے بھی یاد رکھیں (میری فیملی کو بھی) اب ایک بیٹا رہ گیا ہے مالک سے التجا ہے کہ میری زندگی میں اس کی بھی شادی ہو جائے آمین ثم آمین۔

مکیہ نذیر...... شادیوال گجرات

السلام علیکم میں مکیہ نذیر طیبہ نذیر کی چھوٹی بہن ہوں طیبہ کی منگنی 15 جنوری 2016ء کو ہوئی طیبہ کو منگنی فنکشن کے لیے میں نے تیار کیا وہ بہت پیاری لگ رہی تھی بہت سے مہمانوں نے منگنی میں شرکت کی جب رات میں ہم لیٹے تو تھکن کے مارے ہوش ہی نہ رہا کہ کہاں ہیں اور کہاں نہیں پھر ہمارا پروگرام چھوٹی عید کے بعد شادی کرنے کا تھا پر ہوتا تو وہی ہے جو خدا کو منظور ہو۔ البتہ طیبہ کی شادی بڑی عید کے بعد 19 ستمبر کو طے پائی مہندی والے دن ہماری بہت سی کزنز اور دوستیں آئیں طیبہ نے پیلے رنگ کی فراک پہنی جس پر رنگ برنگے ستون کا کام تھا میں نے طیبہ کو ہلکا پھلکا تیار کیا طیبہ بہت پیاری لگ رہی تھی ایک اور بات طیبہ ذرا بھی اداس نہیں تھی وہ تو بہت خوش تھی سب بہت حیران تھے کہ اس کی شادی ہے اور یہ

خوب انجوائے کر رہی ہے (ہاہاہاہا) مہندی پہ میری دوست جو کہ میری بیسٹ فرینڈ ہے انعم ہم دونوں نے مہندی لگائی اور دودھ تیار کیا جو کہ بارات پر بھائی خاور کو پلانا تھا۔ دودھ بنانے کے بعد ہم اسے فریج میں رکھنا بھول گئیں جب دیکھا تو دودھ میں فق پڑ گیا تھا (ہاہاہاہا) پھر کیا ہم نے اس کا کام تمام کیا اور بارات والے دن پھر سے دودھ تیار کیا جو کہ بہت مزے کا تھا میں نے کہا طیبہ سے کہ میں اسے بارات والے دن تیار کروں (پر کہتے ہیں نا گھر کی مرغی دال برابر ہاہاہا) طیبہ نہ مانی اور پارلر سے ہی تیار ہوئی، طیبہ کو بہت روپ آیا کیونکہ وہ عام دنوں میں بہت سادہ سی رہتی ہے میری دونوں بڑی بہنیں نویلا آپی (ڈھیر کے خورد) اور شکیلہ آپی (کھکھو) یہ بھی پارلر سے تیار ہوئیں بہت پیاری لگ رہی تھی میں خود ہی تیار ہوئی کیونکہ جناب نے پارلر کا کورس کیا ہے۔ (آہم) ہادیہ اور ندیا میری کیوٹ بھانجیاں جو کہ بہت فیشن ایبل ہیں میں نے انہیں فل میک اپ کیا انہوں نے لہنگے پہنے ایک جیسے طیبہ نے سرخ فش لہنگا اور بھائی خاور نے اسکن شیروانی پہنی، دونوں کی جوڑی بہت

پیاری لگ رہی تھی بارات آئی پھر نکاح کی رسم اور کھانے کے بعد جب رخصتی ہوئی تو میرے دونوں بہنوئی زکا اللہ (دھیر کے) اور عبدالقدیر (گکھڑ) جو کے میرے بھائیوں سے بھی بڑھ کے ہیں انہوں نے طیبہ کے سر پر قرآن پاک رکھا اور رخصتی ہوئی سب بہت روئے یہ لمحہ ہی ایسا ہوتا ہے کہ ہر آنکھ نم ہو جاتی ہے میرے دونوں بھائی ابو بکر (سعودی عرب) اور عمر فاروق (ساؤتھ افریقا) دونوں "ایمو" پر بات کرتے رہے اور بہت غمزدہ تھے کہ وہ دور ہیں اور بہن کو رخصت نہیں کر سکے پھر ولیمہ والے دن صبح پانچ بجے میں اور بھائی زکا اللہ ناشتہ لے کر گئے اور طیبہ اور بھائی خاور کو ناشتہ کرا کر واپس گھر آ گئے پھر سب ولیمہ پر گئے طیبہ نے پنک فراک پہنی تھی بہت پیاری لگ رہی تھی اور بھائی خاور نے براؤن پینٹ کوٹ جو کہ ہماری طرف سے تھا بہت پیارے لگ رہے تھے دونوں جب سب سے مل رہے تھے تو باجو مصباح کی باری آئی تو مصباح نے پتا نہیں کیا بات کی طیبہ کے کان میں کہ طیبہ ہنسنے لگ گئی کھانا کھانے کے بعد ہم طیبہ اور بھائی خاور کو گھر لے آئے جب طیبہ واپس گئی تو گھر کا ماحول بہت اداس ہو گیا شادی کے کچھ دن بعد اللہ نے میرے بڑے بھائی ابو بکر کو چاند سی بیٹی دی جو کہ اپنی ماما زینت بھابی پر گئی اور بھائی پر بھی تھوڑی تھوڑی ہم نے اس کا نام دعا فاطمہ رکھا ہے بہت پیاری ہے وہ ہم سب کی جان ہے آپی نیلم جو کہ بھابی بننے والی ہے ہم نے انہیں بہت مس کیا کیونکہ وہ شادی پر نہیں آ سکیں اور طیبہ کے چاہنے والی ثنا جانی جو کہ لاہور میں رہتی ہے اس نے طیبہ کو شادی کی مبارک باد دی شکریہ ثنا جانی آپ نے ہمیں دعاؤں میں یاد رکھا طیبہ کا شادی کا احوال کیسا لگا ضرور بتایئے گا اور دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

شازیہ مصطفیٰ

"دیکھیے بابا آپ‘ میں مجبور تھا اور یہ برا تو نہیں کیا؟" وہ حسن احمد سے مسلسل بحث میں مصروف انہیں منانے کی بھی کوشش کررہے تھے۔

"تمہارا باپ مر گیا تھا یا تمہاری ماں۔" وہ غضب ناک انداز میں دھاڑ رہے تھے۔ ذکیہ تو لرز رہی تھیں کب سے دونوں باپ بیٹا بحث میں لگے ہوئے تھے۔

"بابا اس وقت میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کروں؟ ایک دکھی اور بیمار انسان کی بیٹی نے عزت رکھ لی کیا برا کیا۔" شہریار اتنے افسردہ اور غمگین ہورہے تھے‘ حسن احمد کے ایسے درشت رویے پر جو اس وقت صرف اپنی عزت کا سوچ رہے تھے۔ اس لڑکی کی عزت کا نہیں سوچ رہے تھے جو سارے زمانے میں رسوا ہوجاتی‘ اس کا گناہ کوئی ایسا تو نہیں تھا‘ لڑکے نے عین نکاح کے وقت اپنی شرائط رکھ دی تھیں ہر کوئی سوچ میں پڑ گیا تھا اور خود ونیزہ کے چچا بھی سوچ میں پڑ گئے تھے۔ ان کے مرحوم بھائی کی اولاد تھی جسے انہوں نے اپنی اولاد کی طرح سینے سے لگا کے پالا تھا۔

"میں تمہاری ایسی شادی کو نہیں مانتا‘ یہاں بھول کے بھی نہیں لے کے آنا‘ اپنی بیوی کو۔" وہ یہ کہہ کر روم سے ہی نکل گئے۔

"ٹھیک ہے جب میری بیوی کے لیے اس گھر میں جگہ نہیں تو میں بھی نہیں رہوں گا۔" شہریار نے اپنا کوٹ اٹھایا۔

"نہیں شہریار‘ میرے بچے ایسے نہیں بولو۔" ذکیہ تو ماں تھیں ان کی دو ہی اولادیں تھیں شہریار اور دوسرا احسن جو امریکہ میں زیر تعلیم تھا‘ اسے تو یہاں کے حالات کا کچھ نہیں پتہ تھا۔

"ذکیہ اسے روکنے کی ضرورت نہیں...... ایسی خود مختار اولاد کی مجھے ضرورت بھی نہیں۔" حسن احمد پلٹ کے واپس آئے۔

شہریار نے افسردہ اور مایوس نگاہوں سے اپنے بابا کو دیکھا جو اصولوں کے ذرا خلاف نہیں جاتے تھے۔ مگر یہاں بات اصول کی نہیں اس کی زندگی اور عزت کی تھی۔ اگر انہوں نے اس کا خیال کیا تو کیا برا کیا تھا۔

"ایسے تو نہیں بولیے اس کی اتنی سی غلطی کی ایسی سزا تو نہیں دیں۔"

"اتنی سی غلطی...... ارے پورے خاندان اور آفس میں میری ناک کٹوادی۔" وہ آگ بگولہ ہورہے تھے۔

"شیرازی کی بیٹی سے میں نے اس کا رشتہ پکا کیا تھا۔ کیا یہ بھول گیا تھا۔" شہریار سر جھکائے نادم مجرموں کی طرح کھڑے تھے۔ وہ مزید کیا بولتے۔ شیرازی کی بیٹی کو وہ کب پسند کرتے تھے بس بابا کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیا تھا۔

"اس سے کہو دفع ہوجائے‘ میرے سامنے شکل لے کے نہیں آئے۔" شہریار پھر رکے نہیں‘ تیزی سے لمبے لمبے ڈگ بھرتے نکل گئے‘ احمد کی دھاڑ نے انہیں روک دیا۔

وہ اپنے درد سے پھٹتے سر کے ساتھ اندر آئے تھے‘ وہ انہیں دیکھ کر اندر جانے لگی۔

"ایک تم نے ڈرامہ لگا رکھا ہے‘ آخر چاہتی کیا ہو؟" ان کا غصہ ونیزہ پر اترا اور وہ سہم کے صوفے میں ہی دھنس گئی۔ شہریار کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں وہ بہت الجھے

بکھرے ہوئے تھے۔ بابا کی ناراضگی اور غصہ اور اس لڑکی کے نخرے آخر کیا برداشت کریں۔

"کب تک روتی رہوگی۔" انہوں نے اس کا نرم ونازک بازو اپنے آہنی شکنجے میں لیا' وہ سی کرکے کراہنے لگی۔

"ایک بار ہی مار ڈالیں۔" وہ چیخی۔

"بکواس نہیں کرو' پلیز میری پریشانیوں کو نہیں بڑھاؤ میں بہت پریشان ہوں۔" وہ روہانسا ہوکر اپنا سر تھامنے لگے' ونیزہ کا بازو چھوڑ دیا تھا۔ وہ خود کو بہت تنہا محسوس کررہے تھے۔ واثق بھی یہاں نہیں تھا ورنہ وہی معاملہ سنبھال لیتا۔

"میری وجہ سے پریشان ہیں...... آپ کے والد نے آپ کو نکال دیا' مجھے بہو قبول نہیں کررہے۔" وہ سب جانتی تھی' کیونکہ یہ سب اس نے دریبا کے منہ سے سنا تھا۔ شہریار اسے رخصت کروا کے اپنے ذاتی فلیٹ پر لائے تھے۔ ونیزہ کو یہی دکھ مارے ڈال رہا تھا' اسے اس کے سسرال والے کبھی قبول نہیں کریں گے' وہ ان کے برابر کی نہیں تھی۔

"نہیں ایسا نہیں ہے۔" وہ اس کی سہمی ہوئی صورت دیکھ کر نرم پڑے۔ اس میں ونیزہ کا کیا قصور؟ وہ تو کسی اور کے ساتھ رخصت ہورہی تھی' اسے کیا خبر تھی اس کا نصیب شہریار احمد کے ساتھ لکھا ہے۔

"آپ مجھے چھوڑ دیں' واپس اپنے والدین کے پاس چلے جائیں۔" وہ رونے لگی۔

"جسٹ شٹ اپ' حلیہ درست کرو اور اندر آؤ فوراً۔" وہ اسے حکم دے کر اندر بیڈروم میں چلے گئے۔

اسٹائلش فرنشڈ فلیٹ تھا' کسی بھی چیز کی یہاں کمی نہیں تھی۔ مگر ان سب سے بھی ونیزہ کو کوئی خوشی نہیں مل رہی تھی۔ پندرہ دنوں میں اس کی زندگی کیا سے کیا ہوگئی تھی۔ کتنی بدنصیب تھی دنیا میں آئی ماں چلی گئی' جب ہوش سنبھالا باپ کا سائبان بھی اٹھ گیا اور وہ چچا کے پاس آگئی' انہوں نے اپنے بچوں کی طرح اسے رکھا تھا۔

دریبا اسکول آف ہوتے ہی یہاں چلی آئی تھی۔ اسے خبر تھی ونیزہ نے اپنا برا حال کیا ہوا ہوگا۔

"پلیز آپ انہیں سمجھائیے اس طرح کیسے چلے گا؟" شہریار بہت بیزار اور تھکے ہوئے لگ رہے تھے۔ شاکنگ پنک کپڑوں میں وہ سادہ سے حلیے میں بیٹھی مغموم لگ رہی تھی۔

"آپی جو ہوا ختم کریں' اس پر رونا۔" وہ سمجھانے لگی۔

"ایسے کیسے کہہ رہی ہو میں ناپسندیدہ بن کے زندگی نہیں گزار سکتی۔"

"کس نے کہا آپ ناپسندیدہ ہیں۔" دریبا نے ایک نظر شہریار پر بھی ڈالی' شاید انہوں نے ونیزہ کو کچھ کہا ہو۔

"کسی کے کہنے سے کیا...... ان کے والد تو مجھے ساری زندگی قبول نہیں کریں گے۔" وہ رونے لگی۔

"شہریار بھائی آپ کو پہلے اپنے والد صاحب کو منانا چاہیے تھا پھر ہی آپی کو لے کے جائیں۔"

"دریبا آپ جانتی ہیں یہ شادی کن حالات میں ہوئی ہے' پھر بھی آپ ایسی بات کہہ رہی ہیں۔" اسے دریبا کی بات پر افسوس ہوا۔

"ساری شرائط میں نے آپ کی مانیں حتیٰ کہ مہر بھی میں نے آپ کا مقرر کردہ رکھا' پچاس لاکھ۔" اس نے جتایا۔ مہر رکھنے کے وقت دریبا نے ہی یہ نکتہ اٹھایا تھا اسے خبر تھی امیر لوگوں کی اولادیں دل بہلا کے بیویاں چھوڑ دیا کرتے ہیں' کم از کم ونیزہ کے فیوچر کے لیے تو کچھ ہو۔

"یہ آپ کے لیے کوئی بڑی بات نہیں ہے بڑی بات تو یہ ہے کہ ونیزہ آپی کو آپ کے گھر میں بہو کی طرح قبول کیا جائے۔" اس نے طنز کرتے ہوئے کہا۔

"میں کوشش میں ہوں اور پھر میں یہ کہتا ہوں جب میری بیوی کے لیے اس گھر میں جگہ نہیں تو میں بھی اس گھر میں نہیں جانا چاہتا۔" شہریار کا دل بھی خراب ہوگیا تھا بابا جان کے ایسے سخت گیر رویہ کی وجہ سے اس نے خود کو ان کے معاملات سے دور ہی رکھنے کا سوچ لیا تھا۔

"ساری زندگی آپ کے والدین مجھے کوسیں گے' میں

نے ان کا بیٹا چھین لیا۔" ونیزہ نے ایک اچٹتی نگاہ ڈالی۔
شہریار کو یہ لڑکی جانے کیوں یک دم اچھی لگنے لگی تھی۔
وہ اسے چھونا چاہتے تھے‘ چاہنا چاہتے تھے‘ اس کی محبت پانا چاہتے تھے تاکہ وہ بھی سارے دکھ وغم بھول کے اپنی نئی زندگی شروع کریں۔ وہ افسردہ نہیں رہنا چاہتے تھے۔ اسے خبر تھی‘ اس کے بابا ایک دن اسے معاف کرہی دیں گے انہیں غصہ یہ تھا کہ نکاح کرنے سے پہلے انہیں بتایا کیوں نہیں یا پھر یہ غصہ تھا شیرازی کی بیٹی سے انہوں نے رشتہ کردیا تھا۔ دریا سے اس کی کافی دیر بات ہوتی رہی تھی‘ پھر انصر علی اسے لینے آگئے تھے۔
"کیسی ہے میری بیٹی۔" انہوں نے ونیزہ کو ساتھ لگاتے پیار کیا‘ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔
"آپ کی بھتیجی تو ہر وقت ہی رونے کو تیار رہتی ہیں۔" شہریار کو اب کوفت ہونے لگی تھی۔
"یہ اگر رونے کو تیار رہتی ہے تو آپ کس لیے ہیں‘ ہم نے تو بہت امیدوں کے ساتھ اپنی بہن دی ہے‘ یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپی کی آنکھوں سے آنسو کب ختم کرتے ہیں۔" دریا بہت جتا کے گویا ہوئی۔ ساتھ اس کے لہجے میں جیسے چیلنج تھا۔
"میں تو ہر ممکن کوشش کررہا ہوں۔" وہ خفیف سے ہوئے۔
"شہریار بیٹا آپ اتنا پریشان نہیں ہوں‘ سب ٹھیک ہوجائے گا۔" انصر علی اسے تسلی دینے کے بعد ذوق بھرے لہجے میں بولے۔
انصر علی اور دریا کے جانے کے بعد شہریار رات کے کھانے کے لیے کچھ لینے چلے گئے اور ونیزہ اپنا منہ دونوں بازوؤں میں چھپائے بیٹھی تھی اسی دوران شہریار کے سیل پر بپ ہونے لگی وہ چونکی۔ اطراف میں نگاہیں دوڑائیں بپ کدھر سے ہورہی تھی‘ اسے سیل کچن کے کاؤنٹر پر رکھا مل گیا۔
پتہ نہیں کس کا نمبر تھا۔ ونیزہ شش و پنج میں مبتلا ہوگئی ریسیو کرے یا نہیں۔ اس نے سیل وہیں چھوڑ دیا۔ بپ مسلسل ہوئے جارہی تھی۔ اتنے میں شہریار بھی آگئے۔
"چلیے یہ رونا دھونا ختم کریں اور کھانا لگائیے مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔" انہوں نے سارے شاپرز کاؤنٹر پر رکھ کر اسے حکم دیا۔
"مجھے بھوک نہیں ہے۔" ٹکا سا جواب دیا۔
"محترمہ آپ کو بھوک نہیں ہے مگر مجھے تو ہے۔" لہجہ معنی خیز اور شرارتی بنایا تو وہ جھینپ گئی۔ دوبارہ بپ ہوئی اور جھٹ سے شہریار نے ریسیو کرلیا۔
"اوہ تم ہو...... کیسے ہو؟"
"مجھے چھوڑئیے یہ بتائیے اتنا کچھ ہوگیا‘ مجھے تو بتاتے پلیز۔" دوسری طرف واصق تھا‘ وہ تو ناراض ہی ہونے لگا۔
"بس یار چھوڑو‘ تمہیں بھی بتا کے کیا کرتا۔" وہ صوفے پر ٹیک لگا کے بیٹھ گئے‘ ونیزہ شاپرز سے چکن تکہ‘ کباب وغیرہ پلیٹوں میں نکالنے لگی۔ اسے شہریار کی آواز نہیں آرہی تھی مگر اسے یہ پتہ چل گیا تھا شہریار کے بھائی کی کال ہے شہریار سے ابھی تک اس کی بے تکلفی نہیں تھی جبکہ وہ ونیزہ سے باتیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ انہیں موقع ہی نہیں دیتی تھی۔

❀ ❀ ❀

دونوں کی شادی کو دو ماہ ہوگئے تھے اور شہریار مسلسل گھر پر ہی تھے۔ آفس بھی نہیں جارہے تھے۔ اسے ان سب باتوں کا علم تھا اور ساری خبریں ذکاء دے رہا تھا‘ حسن احمد بہت گھبرائے ہوئے اور پریشان تھے۔ واصق کو بھی جلد ہی پاکستان آنے کا کہہ دیا تھا‘ ان سے اتنا بڑا بزنس خود سے نہیں سنبھل رہا تھا۔ سب کچھ تو شہریار دیکھتے تھے۔ حسن احمد صرف چکر لگاتے تھے یا پھر آفس میٹنگز میں شرکت کرتے تھے۔
"سر...... بڑے سر بہت پریشان ہیں‘ دو تین ڈیلنگ بھی کینسل کردی ہیں۔" ذکاء اس کے پاس چلا آیا تھا۔
"یار میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" وہ بہت مجبور اور بے بس تھے۔
"سر...... میں نہیں چاہتا آپ کا بزنس خسارے میں جائے‘ بہت لاس ہورہا ہے۔ عاشی اینڈ کو کی بھی ڈیلنگ

کینسل کررہے ہیں' کیونکہ اس کے بارے میں سر کو کچھ نہیں پتہ ہے اور خود سے نئی ڈیلنگ کررہے ہیں۔"

"اوہ...... یہ تو بہت برا ہوگا' بابا بھی بالکل سوچتے سمجھتے نہیں! سنو میں جو بھی کروں گا خاموشی سے' میرا نام بالکل نہیں آئے سمجھے۔" شہریار یہ نہیں چاہتے تھے حسن احمد کو کچھ پتہ چلے' وہ اپنے بڑھتے ہوئے بزنس کو یوں ڈوبتے تو نہیں دیکھ سکتے تھے۔

"اوکے سر۔" ونیزہ' چائے اور لوازمات کی ٹرے لیے چلی آئی تھی۔ ونیزہ ٹرے رکھ کر جاچکی تھی' شہریار گہری سوچ میں تھے۔ ذکاء چلا گیا تھا اور وہ ادھر ادھر کالز میں لگ گئے۔ لیپ ٹاپ بھی کھولے بیٹھے تھے۔ ونیزہ کو بوریت سے کوفت ہونے لگی' شہریار نے پچھلے چار پانچ گھنٹوں سے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی اور نہ ہی اس کی جانب توجہ دی تھی۔

"کچھ کہنا ہے۔" لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نگاہیں مرکوز کیے ونیزہ کو مخاطب کیا۔

"مجھے چچا جان کے گھر جانا ہے۔" وہ فوراً ہی مڑی تھی۔

شہریار اس کی جانب مکمل طور پر متوجہ ہوگیا تھا۔ بلیک پرنٹڈ کپڑوں میں سرخ وسپید رنگت دمک رہی تھی۔ الجھے بکھرے بال چہرے پر پڑے تھے۔

"کبھی خود پر توجہ بھی دے لیا کریں' کب سے گیسو دراز نہیں سنوارے۔" وہ مسکرائے۔

"جی کل ہی تو بنائے تھے۔" وہ گڑبڑائی۔

شہریار صوفے سے ٹیک لگاکے ایسے ہی بغور دیکھنے لگے۔ ونیزہ اس کی آنکھوں سے الجھنے لگی تھی۔ نگاہوں میں خمار اور پیار کا رنگ بہت واضح ہوتا تھا۔

"آج بھی بنائے جاسکتے ہیں' کپڑوں کی بھی آپ کے پاس کمی نہیں...... ہر چیز میں نے آپ کو مہیا کی ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ اپنا آپ بھی مگر پتہ نہیں کیوں آپ ان سب کو اگنور کیے ہوئے ہیں۔" لیپ ٹاپ بند کیا' گرے قمیص شلوار میں ان کا اونچا لمبا قد اس کے مقابل تھا۔ ونیزہ جھینپ کے دو قدم پیچھے ہوئی۔

"مجھے چچا جان کے گھر جانا ہے۔" وہ پھر اپنا مدعا بیان کرنے لگی۔

"جی میں نے سن لیا ہے پہلے میں آپ کا جائزہ لے لوں' کہاں کہاں کمی ہے۔" وہ معنی خیزی سے مسکراتے ہوئے اس کے قریب آگئے۔ ونیزہ کا دل دھک دھک کرنے لگا' شرم وحیا سے کانوں کی لوئیں تک سرخ ہوگئیں۔

"کیا مطلب......؟" وہ پیچھے ہوئی۔

"مطلب مجھے سمجھانا ہی پڑے گا۔" انہوں نے اس کی نازک کلائی اپنے مضبوط ہاتھ میں محبت سے تھام لی۔

"دیکھو تم اپنا اور میرا وقت ضائع کررہی ہو اتنا پیارا ہینڈسم شوہر تمہیں ملا ہے اس کی قدر ہی نہیں کررہی......" شہریار کی شرارتوں میں اضافہ ہونے لگا اور اس کا دل ڈھک ڈھک کرنے لگا' ان کی آنکھوں میں خمار اور لہجہ بھی ترنگ لیے ہوئے تھا۔

"چھوڑیے مجھے......" وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کی ناکام کوشش کرنے لگی' مگر شہریار اس کے نزدیک سے نزدیک تر آگئے۔

"کیوں مجھ پر اعتبار کرنا نہیں چاہتی کیا' اتنا برا ہوں' جو تم میرے قریب آنے پر اپنی توہین سمجھتی ہو۔"

"ایسی بات نہیں ہے مجھے اپنی قسمت پر اعتبار نہیں' یہ کبھی بھی میرے ساتھ اچھی نہیں رہی...... مجھے اس قسمت نے کچھ نہیں دیا۔" وہ افسردہ اور مغموم سے لہجے میں بولی۔

"قسمت تمہاری بہت اچھی ہے' دیکھو اتنا محبت کرنے والا شوہر ملا ہے۔"

"صرف مجبوری کا سودا نبھا رہے ہیں' آپ اور میں' ساری زندگی سر اٹھا کے نہیں جی سکتے' کیونکہ مڈل کلاس لڑکیوں کی زندگی میں آپ جیسے اپر کلاس کے مرد نہیں آتے۔"

"فلسفہ تو اچھا ہے ویسے ہو بڑی چالاک' خود کو لڑکی اور مجھے مرد کہا۔" وہ مذاق میں اس کی بات اڑانے لگے' ونیزہ کھسیا کے رہ گئی' وہ کوئی بھی بات اور ان حالات کو سنجیدگی

سے کیوں نہیں لے رہے تھے۔

"جاؤ تیار ہوجاؤ پھر چلتے ہیں۔" انہوں نے مسکرا کے اس کے دونوں ہاتھوں کو چوم لیا وہ کسمسا کے رہ گئی۔

❀......❀......❀

"امی اتنی بڑی بات آپ نے مجھ سے چھپا کے رکھی اور وہ بھائی انہیں دیکھیں کہہ رہے ہیں میری فکر چھوڑ دو۔" واحق امریکہ سے واپس آ گیا تھا' یہ اس کا آخری سال تھا' اسے اس سال کے اینڈ میں آنا تھا مگر وہ حالات سن کے جلدی واپس آ گیا تھا۔

"تمہارے بابا نے سختی سے منع کیا تھا کہ میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں۔" وہ رو رہی تھیں' شہریار کو ہر وقت یاد کرتی رہتی تھیں مگر چھپ چھپ کے روتی تھیں حسن احمد کے غصہ کی وجہ سے وہ اندر ہی اندر گھل رہی تھیں۔

"مجھے تو ذکاء نے فون پر بتایا...... بزنس کا بھی کتنا نقصان ہورہا ہے کیونکہ بھائی ہی کو سب کاروباری امور پتہ ہیں۔" وہ اتنا پریشان اور متفکر زدہ تھا سمجھ نہیں آ رہا تھا حالات کو کہاں سے سمیٹنا شروع کرے دو دن پہلے ہی وہ آیا تھا' ذکیہ بیگم کی طبیعت خراب تھی وہ ان میں لگ گیا۔ اس لیے ابھی تک شہریار کی طرف گیا ہی نہیں تھا۔

"وہ تو اپنی انا کو لے کر بیٹھے ہیں' اس نے اگر کسی لڑکی کا ایسے وقت پر ہاتھ تھام لیا تو کیا برا کیا' کسی لڑکی کی عزت ہی بچ گئی' کیا برائی ہے پڑھی لکھی لڑکی ہے۔"

"آپ ملی تھیں۔" واحق نے انہیں دوا دی' پانی کا گلاس لے کر ان کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"دیکھا تو نہیں ہے شہریار مجھے بتا رہا تھا۔" وہ اپنی بہو سے ملنے کے لیے بے چین تھیں سارے ارمان بھی نکالنا چاہتی تھیں مگر حسن احمد کی وجہ سے خاموش ہو کے بیٹھ گئی تھیں۔

"تم کب جاؤ گے شہریار کے پاس۔" چھ ماہ ہو گئے تھے بیٹے کی صورت اور آواز کو ترس گئی تھیں وہ۔ ماں تھیں اپنی ممتا کا تو گلا نہیں گھونٹ سکتی تھیں۔

"آج شام میں جاؤں گا' ذکاء سے پوچھ لیا ہے وہ کس فلیٹ میں ہیں۔"

"تمہارے بابا کو خبر نہیں ہو۔" وہ ڈر رہی تھیں۔

"امی آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے بابا مجھ پر کم از کم پابندی نہیں لگا سکتے اور آپ دیکھنا بابا خود کہیں گے بھائی کو اس گھر میں آنے کو۔" واحق کا لہجہ پراعتماد اور شوق بھرا تھا۔ وہ ارادہ باندھ کے آیا تھا کہ وہ اپنے بھائی اور بھابی کو اس گھر میں لا کے رہے گا۔

"آپ آرام کریں میں جب تک فریش ہولوں۔" وہ ان کے روم کا دروازہ بند کر کے باہر آ گیا۔ اسے پہلے آفس کا بھی چکر لگانا تھا۔ بابا کا حکم تھا جبکہ وہ شہریار کے بغیر اس آفس میں بیٹھنا تک نہیں چاہتا تھا۔

☆☆☆......

بلیک پینٹ پر لائٹ پنک شرٹ میں ملبوس لمبا چوڑا سرخ و سپید واحق خوشبوؤں میں بسا لفٹ کی سائیڈ پر آ گیا۔ اس نے اپنا دوپٹہ شانوں پر برابر کیا اور سمٹ کے ایک طرف ہوگئی۔ لفٹ ابھی بزی تھی۔ وہ بھی ویٹ کرنے لگی۔

"کتنا پرفیوم لگایا ہوا ہے' خوب صورت اور ڈیشنگ بھی ہے' آہ ہمارے نصیب میں ایسے خوب صورت لوگ کہاں ہوسکتے ہیں؟ ونیزہ آپی کو ملا بھی تو مگر وہ سب کچھ نہیں ملا جو ہر لڑکی کا خواب ہوتا ہے' سارے امیر لوگ اتنے خوب صورت ہی کیوں ہوتے ہیں' اسے دیکھ کر ہی لگ رہا ہے کافی امیر کبیر ہوگا' خوشبو بھی بہت اعلیٰ لگائی ہوئی ہے۔" اس کا ذہن سوچے جارہا تھا جبکہ واحق کے چہرے سے لگ رہا تھا وہ اسے نوٹ کر رہا ہے وہ فوراً جھینپ گئی۔

"اس مردود لفٹ کو اتنی دیر کیوں لگ رہی ہے نیچے آنے میں۔" وہ تاثر ایسے دینے لگی جیسے وہ کوفت میں مبتلا ہو۔ لفٹ نیچے آ گئی تو وہ آگے بڑھی واحق بھی بڑھا دونوں کا شانہ ٹکرایا۔

"میڈم آرام سے اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" واحق نے بروقت خود کو سنبھالا جبکہ وہ لفٹ کی دیوار سے لگ گئی۔

"مجھے واقعی جلدی ہے' آپ بعد میں جائیے گا۔"

اسے لفٹ کے اندر اس کے ساتھ جاتے ہوئے گھبراہٹ محسوس ہوئی۔

''آپ کو کون سے فلور پر جانا ہے؟'' وہ اس لڑکی کے گھبرانے پر مسکرایا' بڑی پرکشش لگ رہی تھی۔ پنک ٹراؤزر پر بلیو پرنٹڈ قمیص دوپٹہ میں اس کا سراپا خاصا دلکش لگ رہا تھا۔

''مجھے سیکنڈ پر جانا ہے۔'' بیگ شانوں پر سیٹ کیا۔

''مجھے بھی اتفاق سے وہیں جانا ہے۔'' واصق نے لفٹ کا بٹن پش کر دیا۔

''ذرا تمیز نہیں ہے کسی لڑکی سے بات کرنے کی۔''

''میڈم میں نے آپ سے کوئی بدتمیزی نہیں کی ہے بلکہ آپ ہی میرا جائزہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے لے رہی تھیں۔'' وہ تو شرمندہ ہوگئی۔

''آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' اس نے بیل پر ہاتھ رکھا اور وہ حیران و پریشان ہوگئی۔

''میں اپنے بھائی کے گھر آیا ہوں' یہ آپ پوچھنے والی کون ہیں؟'' ڈور کھل چکا تھا۔

''واصق تم۔'' شہریار اسے دیکھ کر خوشی سے اچھلے اور گلے سے لگالیا۔ دریا نے حیرت وانبساط میں مبتلا ہو کے ان دونوں کو دیکھا۔ وہ سیدھی اندر چلی گئی۔

''آپ سے میں سخت ناراض ہوں...... پہلے یہ بتایئے بھابی کہاں ہیں۔'' وہ اندر کی طرف بڑھا۔ شہریار مسکراتے ہوئے دونوں کا تعارف کرانے لگے۔

❁......❁......❁

''امی مبارک ہو آپ دادی جان بننے والی ہیں۔'' واصق نے دوسرے دن ناشتے کی ٹیبل پر خوش ہوتے ہوئے بتایا۔

''کیا سچ؟'' ذکیہ بیگم تو فرط مسرت سے دونوں ہاتھ اوپر کر کے خوشی سے شکر ادا کرنے لگیں۔

''تم رات دیر سے آئے تھے میں شہریار کی اور دلہن کی خیریت پوچھنا چاہ رہی تھی۔ تمہارے بابا کی وجہ سے میں تمہارے کمرے میں نہیں آئی۔'' وہ بوائل انڈے ٹیبل پر رکھ رہی تھیں۔

''میں نے سوچا آپ کو اسی وقت بتا دوں کیونکہ بات ہی اتنی خوشی کی ہے۔''

''شہریار اس کا خیال تو رکھ رہا ہے ناں۔'' وہ اپنی بہو کی طرف سے فکرمند بھی ہوئیں۔

''امی ویسے بھابی کے پاس کسی کا ہونا ضروری ہے بھائی جان کیا' کیا دیکھیں گے۔'' واصق نے بوائل انڈے اپنے آگے کیے۔

''مجھے لے چلنا سارا دن تو گزار آؤں گی ابھی تک میں نے اپنی بہو کو دیکھا تک نہیں۔'' وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔

''واصق پھر تم نے کیا سوچا آفس جوائن کرنے کا؟'' بابا کو اپنے بزنس کی فکر تھی جو نقصان کا شکار ہو رہا تھا۔ شہریار کے ہاتھ میں سارے معاملات تھے وہی سب کچھ دیکھتے تھے ڈیل کرتے تھے۔

''سوری بابا میں بھائی جان کی سیٹ پر نہیں بیٹھوں گا اور مجھے ابھی بزنس کے معاملات سے دور ہی رکھیں مجھے ان سب کا کچھ پتہ نہیں۔'' اس نے صاف اپنا دامن بچالیا۔

''اللہ نے دو اولادیں دیں اور دونوں ہی نامعقول اور اپنی چلانے والی۔'' وہ غصے میں آگئے۔

''بابا میں آفس جوائن کرنے سے منع نہیں کر رہا مگر ابھی نہیں۔'' وہ ناشتہ ختم کر چکا تھا۔ ذکیہ چپ تھیں' حسن احمد آج کل بلاوجہ غصہ کرنے لگتے تھے۔

''شہریار نے پتہ نہیں کیا کیا پھیلا رکھا ہے' میں کہاں سے ہینڈل کروں اور وہ نامعقول ذکاء اسے بھی کچھ پتہ نہیں۔'' وہ بہت بے زار اور پریشان ہو رہے تھے۔

''بھائی جان کو واپس بلالیں کیونکہ بزنس کے معاملات ان ہی پر سوٹ کرتے ہیں...... بابا آپ کہاں ان میں الجھ رہے ہیں۔'' اس نے نارمل انداز میں کہا۔

''یہ ممکن نہیں۔'' وہ چیئر گھسیٹ کے بیٹھ گئے۔

''اب تو اس کی سزا ختم کر دیں...... آپ دادا بننے والے ہیں۔'' ذکیہ نے انہیں بتایا۔

"مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں اس کے بغیر بھی میں بزنس ہینڈل کرسکتا ہوں۔" انہوں نے دادا بننے کی بات کو اگنور کردیا۔

"بابا اتنا غصہ اچھا نہیں...... بھائی جان نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ شادی کرلی ہے وہ بھی آپ کو بتائے بغیر آپ حالات بھی تو سنیں کیا تھے۔" واصق شہریار کی حمایت میں بول رہا تھا۔ حسن احمد نے اسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھا۔

"شیرازی سے میری بات خراب کی میری تو عزت دو کوڑی کی کروادی۔" وہ تیز لہجے میں گویا ہوئے۔

"شیرازی انکل کو اپنی بیٹی کے لیے ایک سے ایک رشتے مل جائیں گے ضروری ہے بھائی جان ہی سے ہوتی۔"

"تم کان کھول کر سن لو شیرازی کی بیٹی سے تمہاری شادی ہوگی۔"

"واٹ......!" وہ تو اچھل ہی گیا۔ ذکیہ تو بوکھلا گئیں۔ حسن احمد ایسے ہی اپنے اچانک فیصلوں کے دھماکے کرتے تھے۔

"میں نے بات کرلی ہے ڈائریکٹ شادی ہوگی۔" وہ اپنا آخری فیصلہ قطعیت بھرے انداز میں دے چکے تھے۔

"بابا میں بالکل بھی اس کے حق میں نہیں ہوں۔"

"کیوں کیا تم نے بھی وہاں باہر کوئی شادی وادی تو نہیں کرلی......؟" ان کا انداز تفتیشی اور طنزیہ ہوگیا۔

"بابا...... میں وہاں پڑھنے گیا تھا، شادی کرنے نہیں۔" وہ پیر پٹختا ہوا ڈائننگ ہال سے ہی نکل گیا۔

"آپ کیوں ایسا کررہے ہیں، ہمارے دو ہی بیٹے ہیں، کیوں انہیں دور کررہے ہیں۔" ذکیہ تو رونے لگیں۔

"تم چپ کرو۔" وہ اکتا گئے۔ حسن احمد شہریار کے جانے سے بہت بے کل اور پریشان تھے۔ شہریار نے ہی ساری ذمے داری اٹھائی ہوئی تھی۔ اب ان پر یہ سب ذمے داری پڑی تو وہ جھنجلائے اور کھسیانے ہوگئے تھے۔

"اپنے بیٹے کو سمجھا دینا، میں شیرازی کو ہاں کرچکا

ہوں۔" وہ اپنے فیصلے سے ذرا بھی ہٹنے کو تیار نہیں تھے۔
"ایسے فیصلے نہ کریں ہمارا یہ بیٹا بھی ہمیں چھوڑ کے چلا جائے گا۔" انہیں بہت دکھ و غم تھا' شہریار کی صورت تک کو ترس گئی تھیں' مگر اپنے دل پر پتھر رکھے ہوئے تھیں' مجبور تھیں مگر جب سے دادی بننے کی خبر سنی تھی ان کا دل شہریار اور اپنی بہو کو دیکھنے کو مچل رہا تھا۔ وہ اس کنڈیشن میں اپنی بہو کو اکیلا تو نہیں چھوڑ سکتی تھیں۔

......☆☆☆......

"بھائی جان کیا آپ نے شیرازی انکل کی بیٹی کو دیکھا ہے۔" وہ لاؤنج میں کاؤچ پر دراز تھا' ونیزہ کچن میں مصروف ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔
"ہاں کئی دفعہ دیکھا ہے۔" شہریار کی نگاہ ٹی وی کی اسکرین پر تھی ونیزہ نے چونک کے ان کے تاثرات دیکھے۔
"کیسی ہے؟"
"یہ بتاؤ تمہیں اس سے شادی کرنی ہے؟" شہریار کو اس لڑکی کا ذکر ناگوار گزر رہا تھا' کیونکہ ونیزہ پہلے ہی اس سے اتنی بدگمان تھی جانے پھر سے کیا سوچنے لگے' اتنی مشکل سے تو وہ ان کے قریب آئی تھی اور انہیں سمجھنے لگی تھی۔
"میرا دماغ ابھی خراب نہیں ہوا جو ان کی بیٹی سے شادی کروں۔"
"پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟" انہوں نے حیرانگی سے الٹا سوال ہی کیا۔ "واصق تم ایسا کرو شیرازی انکل کی بیٹی سے شادی کرلو' بابا مجھ سے بہت ناراض ہیں' ان کی یہ خواہش تم ہی پوری کردو۔" وہ اس کے پیچھے لگ گئے۔
"بھائی جان...... کیا ہوگیا ہے آپ کو' میرا ابھی شادی کا کوئی ارادہ نہیں اور شادی کے لیے میرا انتخاب وہ ماڈرن نک چڑھی نہیں ہوسکتی۔"
"بھابی کھانا پک گیا۔" واصق نے یک دم ہی ہانک لگائی۔ ونیزہ کے کان ان دونوں کی باتوں پر لگے ہوئے تھے وہ اچھل ہی گئی۔

"ہاں پک گیا۔" شہریار اس کی حالت کی بھی فکر رکھتا تھا' زیادہ کام نہیں کرواتا تھا۔ صفائی وغیرہ کے لیے ماسی رکھ لی تھی مگر کھانا وہ ملازمہ کے ہاتھ کا پسند نہیں کرتا تھا' گھر میں بھی امی ہی کھانا پکاتی تھیں۔
"او کے باس۔" وہ حکم کی تعمیل کے لیے اٹھ گیا۔
"آپ دوسری شادی بھی تو کرسکتے ہیں کم از کم آپ کے بابا آپ کو گھر میں تو رکھ لیں گے۔" وہ ٹیبل پر پلیٹیں رکھتے ہوئے بولی۔
"میں ایک شادی کرکے باز آیا اور ابھی میں تم سے بے زار نہیں ہوا کہ دوسری شادی کرلوں۔" انہوں نے ونیزہ کو پیچھے سے اپنی باہوں کے حصار میں لیا تو وہ گھبرا گئی۔
"کیا ہے میں کام کررہی ہوں۔"
"ہر وقت کام کرتی رہتی ہو کبھی میرے پاس بھی بیٹھ جایا کرو۔" انہوں نے منہ بسور کے کہا' وہ اس سے ہر وقت فریش اور خوشگوار انداز میں مخاطب ہوتے تھے۔
"میں آپ سے جو بات کیا کروں اسے گھمایا نہیں کریں۔" وہ خفگی سے انہیں گھورنے لگی۔ ٹیبل سیٹ کرلی تھی صرف روٹیوں کا انتظار تھا' جو واصق لینے گیا تھا۔
"تم کیوں ہر وقت میری شادی کے چکر میں الجھی رہتی ہو۔ شکر ادا کرو اتنا قدر و محبت کرنے والا شوہر ملا ہے۔"
"وہ تو میں ہر وقت ہی ادا کرتی ہوں' آپ بس شیرازی انکل کی بیٹی سے شادی کرلیں۔" وہ چیئر پر بیٹھ کے نگاہیں گھمانے لگی۔
"آج کے بعد اگر یہ شادی کی فضول بات کی تو یاد رکھنا میں تم سے بات نہیں کروں گا۔" وہ خفگی سے تیز لہجے میں اسے وارننگ دینے لگے ونیزہ لب بھینچ کے رہ گئی۔ ڈور بیل پر شہریار اٹھ گئے۔
"توبہ ہے بھائی جان آپ نے بھی مجھے کس جگہ بھیج دیا اتنی لمبی لائن تھی۔ کیا ساری ہی خواتین کام چور ہوتی ہیں۔" وہ معنی خیزی سے آنکھیں گھما کے شرارت سے گویا ہوا۔
"ایسی بات نہیں ہے' میں تو روٹیاں پکا رہی تھی انہوں نے ہی منع کردیا۔" وہ جھٹ صفائی دینے لگی۔

"بھابی آپ تو برا مان گئیں میں تو ایسے ہی کہہ رہا تھا۔" اس نے سالن کا ڈونگا آگے کیا۔

"واؤ قیمہ آلو سچ بھابی پردیس میں رہ کے بندہ اپنے کھانے بہت یاد کرتا ہے۔" وہ گہری سوچ کے ساتھ گویا ہوا۔

"اچھا باتیں کم کرو کھانا کھاؤ۔" اس نے روٹیاں شہریار اور واصق کے آگے رکھیں۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ لاؤنج میں ٹی وی آن کر کے بیٹھ گیا۔

"بھائی جان...... بزنس کا بہت نقصان ہو رہا ہے بابا اپنی انا کے آگے کبھی آپ کو نہیں بلائیں گے۔ پلیز آپ آجائیں' اتنے پروجیکٹ کینسل ہو گئے ہیں' صرف آپ کی وجہ سے وہ سب آپ سے ڈیل کرنا چاہتے ہیں۔" وہ اسے بتا رہا تھا' ونیزہ دونوں کے لیے چائے بنا کے لے آئی تھی۔

"کیوں تم کچھ نہیں کر رہے' ارے آفس میں بیٹھو۔" شہریار سن کے فکر مند ہو گیا۔

"بھئی مجھے اس آفس سے دور ہی رکھیں' خود ہی سنبھالیے۔ مجھے کچھ آتا بھی نہیں۔" اس نے فوراً ہی ہاتھ اٹھا کے منع کیا۔

"واصق یار...... ایسے تو سب کچھ بگڑ جائے گا۔"

"پھر خود ہی آئیے اور سنبھالیے میں نے تو اطلاع دے دی۔" واصق نے اس کے فکر مند چہرے کو جانچا' جبکہ شہریار بابا کی ناراضگی کی وجہ سے خود کو ساری چیزوں سے دور کیے ہوئے تھے۔

❀......❀......❀

دوسرے دن شہریار آفس میں تھے' سارا اسٹاف ہی ان کی آمد سے بہت خوش ہوا تھا' حسن احمد نے حیرانگی سے دیکھا تھا' شہریار نے انہیں نارمل انداز میں سلام کیا۔

"تم سارے معاملے دیکھو جو تمہیں پتہ ہیں۔" حسن احمد کو اس کی آمد سے سکون کا احساس ہوا تھا' مگر وہ اپنی خوشی ظاہر نہیں کر رہے تھے۔

"جی...... " وہ سر ہلا کے رہ گئے۔

پورا دن شہریار کا آفس میں اتنا مصروف گزرا انہیں ونیزہ کا بھی خیال نہیں رہا' اس کی ڈلیوری کے آخری مراحل چل رہے تھے اور ڈلیوری کسی وقت بھی متوقع تھی۔

"تم روتو نہیں' میں آرہا ہوں۔" وہ پریشان ہو گئے۔ حسن احمد نے چونک کے سنا وہ کسی فائل پر شہریار سے ڈسکس کر رہے تھے کہ ونیزہ کی کال آ گئی۔

"او کے میں دریا کو بھی کال کر دیتا ہوں' وہ جلدی آجائے گی' مجھے کچھ ٹائم لگ سکتا ہے۔" وہ حسن احمد کی وجہ سے کچھ جھجک کر بات کر رہے تھے۔ اتنے میں واصق بھی آ گیا۔

"یار بھائی جان' وہاں بھابی اتنی پریشان ہو رہی ہیں مجھے کال کیے جا رہی تھیں' آپ نے سیل آف کیا ہوا تھا۔" واصق خاصا برہم اور ناراض ہو رہا تھا۔ حسن احمد اٹھ کر باہر جانے لگے۔

"آپ گھر جائیے بھابی کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔" وہ اسے جانے کو کہنے لگا۔ حسن احمد نے اتنا بھی نہیں کہا کہ وہ چلا جائے' اپنی انا کا جھنڈا وہ اونچا کیے ہوئے تھے۔

"یار...... تم امی کو لے جاؤ گھر ہو سکتا ہے ہاسپٹل جانا پڑے۔" وہ اس سے سرگوشی میں بولے۔

"میں آرہا ہوں آپ جائیے۔" اس نے جلدی جلدی شہریار کو وہاں سے بھیجا۔

"بابا اتنا بھی غصہ نہیں کریں' بھائی جان کو دیکھیں آپ کی پریشانی کی انہیں خبر ہوئی تو وہ فوراً چلے آئے' آپ کیا ایسے وقت میں ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔" واصق ہر طرح سے انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔

"مجھ پر احسان نہیں کیا ہے اس نے یہاں آ کر...... اور وہ اپنے فیصلوں کا خود مختار ہے' میرے ساتھ کی اسے ضرورت بھی نہیں ہے۔" وہ اپنے لہجے کو پتھر بنا کے بولے تھے۔ مگر اندر سے دل بھی پریشان ہو رہا تھا بیٹا باپ بننے جا رہا تھا اور انہیں بھی تو دادا بننے کی خوشی ہو رہی تھی۔

"یہ آپ سمجھتے ہیں ورنہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے میں امی کو لے کے جا رہا ہوں کیونکہ وہ سن کے پریشان ہو گئی

تھیں۔" وہ گویا انہیں یہ سب بتانے بھی آیا تھا۔
ونیزہ کو جلدی سے ہاسپٹل ایڈمٹ کروادیا تھا۔ امی بھی آ گئی تھیں وتیزہ کی چچی چچا اور دریا بھی آ گئی تھی۔ واصق کی نگاہ بار بار الجھ کے دریا کے چہرے پر چلی جاتی تھی جو اس کی طرف بالکل بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔ ڈاکٹر نے اندر سے آ کر جو خبر دی امی تو فوراً مسرت سے چچی جان کے گلے لگ گئیں۔
"اللہ نے بیٹی کی مراد ایسے پوری کردی' پوتی کی صورت میں۔"
"مبارک ہو خالہ بن گئی ہیں آپ۔" واصق نے شوخ سے لہجے میں دریا کو مبارک باد دی۔ وہ جھینپ کے مسکرانے لگی۔ واصق کی شوخ اور گہری نگاہوں سے وہ کچھ جھجک سی جاتی تھی۔
"شکریہ۔" اس نے پشت گھمائی۔
"یہ مٹھائی بھی کھائیے۔" وہ ڈبہ لے کر پھر اس کے سامنے آ گیا۔
سارے ہی اندر روم میں تھے وتیزہ بھی بہت خوش تھی' کیونکہ اس کی ساس جو اس سے ملنے چلی آئی تھیں۔ ننھی گڑیا انہی کی گود میں تھی۔
"کوئی نہیں دیکھ رہا' آپ زیادہ بھی کھا سکتی ہیں۔" اس نے پھر شرارت سے کہا۔
"شکریہ میں میٹھا زیادہ نہیں کھاتی۔"
"جب ہی اتنی کڑوی بھی ہیں۔" واصق جیسے اسے زچ کرنے کے چکر میں تھا۔
"بھائی آپ کی یہ کزن اتنی روکھی پھیکی کیوں ہیں؟"
"واصق کیا بدتمیزی ہے۔" ذکیہ نے اسے سرزنش کی۔ شہریار اور وتیزہ بھی ہنسنے لگے تھے۔ چچا جان اور چچی جان وتیزہ سے مل کر چلے گئے تھے دریا کو اس کے پاس رکنے کے لیے چھوڑ گئے تھے۔
"بیٹا آپ اس کی باتوں کا برا نہیں مانیے گا۔" ذکیہ جیسے دریا کے چہرے کے تاثرات بھانپ گئی تھیں۔ دریا نے مسکراتے ان کی بات پر سر ہلایا وہ کوئی بھی ایسی بات کہہ کر ماحول اور موڈ خراب کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ذکیہ رات تک تو وتیزہ کے پاس رکی تھیں مگر پھر حسن احمد کی وجہ سے اٹھ گئیں۔

❁ .... ❁ .... ❁

تین دن بعد وتیزہ کو ڈسچارج کر دیا گیا' ذکیہ بچی کے لیے بہت سے کپڑے اور دیگر سامان لے کے آئی تھیں۔ وتیزہ کو خود اندازہ نہیں تھا وہ بیٹی کی پیدائش پر اتنی خوش ہوں گی۔
"ہماری بیٹی اتنی خوش نصیب ہے دادی خود چلی آئیں' دیکھنا اس کے دادا بھی آ جائیں گے۔" شہریار کے لہجے میں ذوق اور یقین تھا ننھی گڑیا اتنی پیاری تھی وہ اسے دیکھ کر پھولے نہیں سما رہے تھے۔
"سنیے اس کا نام کیا رکھیں گے۔" وتیزہ بیڈ کی بیک کراؤن سے ٹیک لگا کے بیٹھی ہوئی تھی' کافی کمزور اور زرد ہو رہی تھی۔
"اس کا نام واصق رکھے گا۔"
"آپ اپنی امی سے کہیں وہ رکھیں۔" وتیزہ نے کہا۔
"امی اور واصق کا مشترکہ تجویز کردہ ہی ہوگا۔ تم بے فکر رہو۔" وہ بچی کو بہت آرام سے اس کے پہلو میں لٹانے لگے۔ وہ خود دو ہی تو بھائی تھے' امی کو اور بابا کو کتنا شوق تھا ایک بیٹی بھی ہو۔ ان کی یہ خواہش اس طرح پوری ہوگئی تھی۔ شہریار نے شوخ اور شرارتی لہجے میں بولتے اسے میٹھی میٹھی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے شہریار کو ایسے انداز میں پہلی دفعہ دیکھا تھا یا بیٹی کی خوشی تھی اسے نہیں پتہ تھا بیٹی اتنی خوش کن ثابت ہوگی کہ سب یوں مل جائیں گے کیا ہوا وہ خوش نصیب نہیں تھی اس کی بیٹی تو تھی۔
"تم دیکھنا ایک دن بابا بھی راضی ہو جائیں گے۔" ان کے لہجے میں حسرت و امید تھی' کبھی بھی وہ بابا کے فیصلوں سے اختلاف نہیں کرتے تھے مگر یوں اچانک سے شادی کا فیصلہ صرف مجبوری کے تحت کیا تھا' انہیں بابا کے شدید ردعمل کا اندازہ نہیں تھا۔
"مجھے تو ابھی تک یہ حیرانگی ہے بابا اتنے سخت کیسے

بن گئے۔“

”ظاہر ہے آپ نے اپنے سے کم تر لوگوں کی لڑکی سے شادی کی ہے آپ کے اسٹیٹس سے میچ تو نہیں کھاتی۔“ ونیزہ کو بھی افسوس اور دکھ رہتا اس کی وجہ سے شہریار اپنے گھر سے بے گھر ہوگئے۔ اس کی کون سا قسمت ایسی تھی جو اپنے سے اونچے خواب دیکھتی‘ ہمیشہ ابو کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کیا تھا‘ امی تو اس کی پیدائش پر ہی چل بسی تھیں‘ اس نے تو ماں کا لمس تک محسوس نہیں کیا تھا‘ ابو کی وفات بھی چند ماہ پہلے ہی تو ہوئی تھی‘ وہ اسے چچا جان کے حوالے کرکے اس دنیا سے چلے گئے تھے‘ کتنا روئی تھی کوئی رشتہ بھی اس کے پاس نہیں رہا تھا‘ چچا جان اور چچی جان نے بہت محبت سے رکھا تھا۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔“ انہوں نے نفی کی‘ وہ ونیزہ کی احساس محرومی سمجھ رہے تھے۔

”میں جو کہہ رہی ہوں‘ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ ہم غریبوں کی بیٹیاں امیر گھرانوں میں نہیں بیاہی جاتیں۔“

”وہ امیر کوئی اور ہوتے ہوں گے اور مال و دولت ہونے سے کوئی امیر نہیں ہوجاتا‘ جب تک دل میں پاسداری نہ ہو۔“ شہریار اسے ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کرتے تھے۔

”مگر یہاں مال و دولت کی ہی اہمیت ہے‘ اگر میں امیر ماں باپ کی بیٹی ہوتی تو آپ کے بابا آپ کو یوں گھر سے نہیں نکالتے۔“

”بابا ایسے نہیں ہیں اور بابا نے کبھی ہمیں ایسی تربیت نہیں دی‘ کہ ہم صرف امیروں سے بات چیت رکھیں بابا سب کو برابر سمجھتے ہیں اور ہمیں بھی ایسی ترغیب دی ہی نہیں کہ اپنے سے کم کو کم تر سمجھو ارے کم تر تو ہم ہیں اللہ کی ذات سب سے اونچی اور اعلیٰ ہے اس کے آگے کوئی کچھ بھی نہیں یہ تو ہم انسانوں کے درجے بنائے ہوئے ہیں۔“ شہریار بڑی سنجیدگی سے اتنی گہری باتوں کے ساتھ اسے سمجھا رہے تھے۔

”ارے خاصا وقت گزر گیا ہے‘ آفس میں میٹنگ ہے مجھے نکلنا ہوگا۔“ شہریار کو ایک دم ہی یاد آیا۔

”سنو میں دریا کو کہتا جاؤں گا وہ آجائے گی۔“

”اسے رہنے دے اس کے اسکول کا حرج ہو رہا ہے۔“ ونیزہ نے ننھی گڑیا کے رخسار پر بڑی آہستگی سے پیار کیا۔ دریا اسکول میں پڑھاتی تھی‘ یہاں روز آنے کی وجہ سے اس کی چھٹیاں ہو رہی تھیں۔

”یار تم اکیلی کیسے رہو گی اور ابھی تمہاری خود کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے‘ بچی کو بھی سنبھالنا ہوگا۔“

”سنبھال لوں گی۔“ وہ مسکرائی‘ شہریار خاصے فکر مند ہو رہے تھے۔

”امی کو بلانا اچھا نہیں لگ رہا‘ کیونکہ تین دنوں میں وہ مسلسل آئی ہیں ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ وہ گویا ہوئے۔

”آپ کیا گھر نہیں جاتے۔“ وہ پوچھنے لگی۔

”گھر ہاں ابھی تک نہیں گیا۔“ وہ وارڈروب سے اپنے کپڑے نکال کے اسے بغور دیکھنے لگے آفس میں میٹنگ تھی اسی لحاظ سے وہ کپڑوں کا انتخاب کر رہے تھے۔

”کیوں بابا نے ابھی بھی پابندی لگائی ہوئی ہے۔“

”ونیزہ میں نے تہیہ کیا ہوا ہے تم میرے ساتھ اس گھر میں جاؤ گی تو جاؤں گا ورنہ نہیں۔“ وہ گھوم کے گویا ہوئے۔

”آپ یہ تو ناممکن سی ضد کر رہے ہیں‘ دیکھیں وہ آپ کا گھر ہے اور آپ کے والدین کا گھر ہے‘ آپ وہاں جاسکتے ہیں‘ میرا مسئلہ نہیں بنائیں مجھے آپ نے یہاں سر چھپانے کے لئے جگہ دی ہوئی ہے اور مجھے کیا چاہیے۔“ وہ حسرت وافسردگی سے گویا ہوئی۔

”ونیزہ تم اور اب میری بیٹی میری زندگی ہیں‘ تم دونوں کو لیے بغیر اس گھر میں کبھی داخل نہیں ہوں گا‘ کیونکہ بابا نے مجھے ابھی تک گھر آنے کی دعوت نہیں دی۔“

”اپنے گھر جانے کے لیے دعوت کی ضرورت نہیں ہوتی‘ آپ جاسکتے ہیں بغیر اجازت اور دعوت کے۔“ وہ شہریار کے خاموش چہرے کو دیکھنے لگی وہ ہاتھ لینے کے لیے واش روم میں چلے گئے تھے ونیزہ کے لیے سوچوں کے اور

دروا ہو گئے مگر دل میں یہ اطمینان ضرور ہو گیا تھا کہ وہ اس گھرانے کے بچے کی ماں بن گئی ہے ایک دن اسے بھی قبول کرلیا جائے گا۔

❁......❁......❁

"شکر ہے اس مالک کا اس نے ہماری بچی کو خیر خیریت سے فارغ کیا اب بس یہی دعا ہے کہ ساس سسر اسے گھر بھی لے جائیں۔" سلمیٰ نے کبھی ونیزہ اور اپنی بیٹیوں میں فرق نہیں کیا تھا' ونیزہ کو بھی اپنی اولاد کی طرح ہی پیار کرتی تھیں۔

"ان کی ساس تو لے جانا چاہتی ہیں مگر ونیزہ آپی کے سسر میں بہت اکڑ ہے' مجھے نہیں لگتا کہ کبھی لے کے جائیں۔" دریبا نے ابھی تک ونیزہ کے سسر کو دیکھا نہیں تھا مگر ان کا غائبانہ تعارف جس طرح کا تھا اس نے ویسے ہی اندازہ لگالیا تھا وہ اپنے اصولوں سے ہٹنے والے نہیں تھے کیونکہ شہریار کو ہی ابھی تک گھر سے باہر کیا ہوا تھا جبکہ وہ آفس کے تمام معاملات دیکھ رہے تھے' پھر بھی انہوں نے ذرا رعایت نہیں برتی تھی۔

"ارے کب تک نہیں لے جائیں گے' اپنی اولاد کی اولاد کی جو محبت ہوتی ہے وہ ہلا کے رکھ دیتی ہے۔ ایک نا ایک دن وہ مجبور ہو جائیں گے۔" سلمیٰ کے لہجے میں وثوق تھا' ان کی ہر پل یہی دعا تھی کہ ونیزہ کو اس کے سسرال والے گھر لے جائیں۔

"یہ امیر لوگ بھی اپنی ناک اونچی رکھتے ہیں چاہے اولاد انہیں زمین پر لے آئے۔ ان کے بیٹے نے غریب لڑکی سے شادی کرلی ورنہ انہوں نے تو مل اونر کی بیٹی سے بات طے کی تھی۔" دریبا کو شہریار کے بارے میں سب علم تھا وہ کسی شیرازی صاحب کی بیٹی سے منسوب تھے اور اب ان کے والد چھوٹے بیٹے کے پیچھے پڑے تھے وہ کرلے شادی۔

"تم دعا کیا کرو اللہ انہیں نیک ہدایت دے۔" انہیں دریبا کا اس طرح تیز لہجے میں بولنا اچھا نہیں لگا تھا وہ تو اپنے بچوں کو یہی ترغیب دیتی تھیں برے کو بھی برا نہیں کہو بلکہ اس کی ہدایت کی اور بہتری کی دعا مانگو۔

"میں تو سچ بات کہہ رہی ہوں۔" وہ اسکول کے بچوں کی ہوم ورک کاپیاں چیک کررہی تھی۔ سلمیٰ عشاء کی نماز پڑھنے اس کے کمرے میں آ گئی تھیں۔

"اریبہ سے کہو کھانا لگالے تمہارے ابو آ گئے ہوں گے۔" وہ جائے نماز اٹھا کے کمرے سے نکل گئی تھیں۔

دریبا نے کچن میں خود ہی جا کے جائزہ لیا۔ اریبہ تو ٹی وی کے آگے بیٹھی تھی اور وجدان کمپیوٹر پر مصروف تھا۔

"اریبہ ابو آ گئے ہیں کھانا تو لگالو۔"

"ابو کے ساتھ کوئی صاحب آئے ہیں وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں کہہ رہے تھے وہ ان کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔" اس نے ٹی وی پر ہنوز نگاہ مرکوز کیے تفصیل سے اسے بتایا۔

"کون ہے؟" دریبا کو تجسس ہوا۔

"پتہ نہیں' یہ تو ان کے جانے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔"

دریبا اور اریبہ نے کھانے کے لیے برتن وغیرہ سیٹ کر کے وجدان سے کھانا لگوایا اور خود وہ لوگ برآمدے میں دستر خوان لگا کے کھانے بیٹھ گئی تھیں۔

"امی کون آیا تھا۔" اس نے ان کے جانے کے بعد پوچھا۔

"تمہارے ابو کے کوئی جاننے والے تھے' اپنے بیٹے کے لیے بات کررہے تھے۔" وہ سادگی سے اسے بتانے لگیں جبکہ اس کے چتون پر گہری سوچ کے بل پڑ گئے۔

"کیسی بات؟"

"ہر بات کے پیچھے پڑ جاتی ہو میری بھی مت ماری گئی جو تم سے کرنے لگی بات۔" وہ کچن سے نکل کے جانے لگی تھیں۔

دریبا کچن سمیٹ کے باہر آ گئی۔ سلمیٰ انصر علی سے باتوں میں مصروف تھیں۔ دریبا کو خطرے کی گھنٹی محسوس ہو رہی تھی کیونکہ ابو اور امی کو اس کی رات دن فکر جو تھی۔

"کیا بات ہے بجو؟" اریبہ نے اسے سوچوں میں مستغرق دیکھا جو بیڈ کے سرے پر ٹک گئی تھی۔

"کچھ نہیں۔" تکیہ سیدھا کیا اور لیٹ گئی۔
"کچھ تو ہے۔" وہ اس کے قریب آ گئی۔
"ارے بابا کچھ نہیں ہے جاؤ اپنی جگہ پر جا کر لیٹو اور ہاں میرے صبح کے لیے کپڑے پریس کر دینا۔" اس نے ساتھ ہی ہدایت دی کیونکہ اریبہ سے جان چھڑانے کے لیے یہی سمجھ آیا۔
"مجھے پتہ ہے آپ کیا سوچ رہی ہیں' خیر کوئی بات نہیں۔" وہ معنی خیزی سے مسکراتی ہوئی الماری سے اس کے لیے کپڑے نکالنے لگی۔
ونیزہ کی جب سے شادی ہوئی تھی وہ ڈر گئی تھی اور شادی کے نام سے ہی خوف آنے لگا تھا پتہ نہیں کس طرح کے لوگوں سے پالا پڑے اور اس میں تو برداشت کا مادہ ہی نہیں تھا کیسے سسرال والوں کو فیس کرے گی' غلط برتاؤ بے ترتیبی اسے برداشت ہی نہیں ہوتی تھی اور اس کے لیے رشتے آخر پلمبر الیکٹریشن کے ہی کیوں آتے تھے' غریب ہونا اتنا بڑا جرم ٹھہرا کہ غریب گھر کی لڑکی کسی امیر لڑکے کے خواب نہیں دیکھ سکتی۔

❁.......❁.......❁

شہریار نے آفس کے تمام معاملات پہلے جیسے کر دیئے تھے۔ ورنہ سارا بزنس ہی خسارے میں جا رہا تھا۔ حسن احمد کو اس کے آنے سے اطمینان ہو گیا تھا مگر انا اور ضد کی وجہ سے شہریار سے تعریفی کلمات بھی نہیں کہہ رہے تھے وہ ان سے صرف نپی تلی گفتگو کرتے تھے۔
"بابا بھائی جان کی سزا میں اب تو کمی کر دیں' کیسے وہ آپ کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔" واصق انہیں احساس دلانے لگا کہ شہریار کو جتنی سزا دینی تھی وہ دے چکے۔
"تم سے میں نے کچھ بات کی تھی میری بات کا تم نے ابھی تک جواب کیوں نہیں دیا۔" وہ ایسے بن گئے جیسے واصق کی بات کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہو۔
ذکیہ تو حسن احمد کے آگے بولنے کی ہمت نہیں رکھتی تھیں کہ وہ شہریار کی حمایت میں کچھ بولیں مگر حسن احمد نے انہیں شہریار کے گھر جانے سے منع نہیں کیا تھا۔ پوتی کی خبر سن کر بھی وہ سپاٹ ہی تھے جیسے انہیں کوئی پروا اور فکر نہیں ہو۔
"میری بات کا جواب دو' تم نے کیا سوچا شیرازی کی بیٹی کے بارے میں۔"
"بابا آپ میری بات سن کیوں نہیں رہے۔"
"سن لی تمہاری بات...... اب تم میری بات کا جواب دو۔" وہ نروٹھے پن سے گویا ہوئے۔
"بابا پھر آپ میری بات کے جواب میں کچھ نہیں کہیں گے۔"
"میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ شیرازی کی بیٹی سے شادی کرو گے یا نہیں۔" ان کا لب ولہجہ سخت اور درشت ہو گیا۔ انہیں اس وقت اپنی انا اور ضد عزیز تھی اولاد کی محبت اور خوشی کا سوچ ہی نہیں رہے تھے۔
"میں یہ شادی نہیں کروں گا نہ ہی میں کسی اور سے کروں گا جب تک بھائی جان اور بھابی کو اس گھر میں ان کا مقام نہیں ملے گا' مجھ پر ہر طرح کی خوشی حرام ہے۔" وہ یہ کہہ کر اٹھ گیا۔ ذکیہ بیگم کا ہاتھ اسے روکنے کے لیے ہوا میں ہی معلق رہ گیا۔
"ایسی ضدی اور نافرمان اولاد میں نے نہیں دیکھی جیسا بڑا بیٹا ہے یہ بھی اسی کے نقش قدم پر چلے گا۔" وہ بہت زیادہ برہم ہو رہے تھے مگر اندر سے انہیں لگ رہا تھا کچھ ٹوٹ رہا ہو وہ اکیلے رہ گئے ہوں' ذکیہ بیگم حسرت وافسردگی سے مغموم لب کچل رہی تھیں۔
"آپ کی بھی اتنی ضد اور انا ٹھیک نہیں ہے...... ایک بیٹے کو تو دور کر دیا...... اسے بھی دور کر رہے ہیں۔ کیوں زبردستی کے رشتے باندھ رہے ہیں۔" وہ روہانسی ہو رہی تھیں۔ حسن احمد کو جیسے چپ لگ گئی۔
"اپنے بزنس کی بھینٹ اپنی اولاد کو چڑھا رہے ہیں' ارے ہماری جمع پونجی یہی تو ہیں کیوں ان کا خون کر رہے ہیں۔" وہ رو دیں۔
"پلیز ذکیہ اسٹاپ اٹ۔" وہ انہیں تیز لہجے میں

خاموش ہونے کو کہہ رہے تھے۔

"کب تک چپ کرائیں گے مجھے میں اب برداشت نہیں کروں گی چلی جاؤں گی میں بھی یہاں سے۔" وہ رونے لگی حسن احمد سر ہاتھوں میں تھام کے رہ گئے تھے۔

❀......❀......❀

"کہاں چلی جاؤ گی۔"

"اپنے بیٹے کے پاس کیونکہ آپ کے گھر میں جب میرے بیٹے کے لیے جگہ نہیں تو میری بھی جگہ نہیں ہوگی۔ آپ کو تو اپنی منوانے کی عادت ہے جب ہم سب ہی نہیں رہیں گے تو کس سے منوائیں گے اپنی۔" وہ آج بہت دکھ دتاسف سے ان کو احساس دلا رہی تھیں۔

"بیٹے کا اتنا بڑا جرم ہے کہ اسے اس گھر میں آنے کی اجازت نہیں ہے اور اب دوسرے بیٹے کو بھی کھونا چاہتے ہیں۔"

"ذکیہ خاموش ہو جاؤ تمہارے منہ میں جو زبان ہے یہ تمہارے چھوٹے بیٹے کی ہے وہ باہر ملک سے پڑھ کے آیا ہے تو اب ہمیں پڑھانے چلا ہے۔" وہ جیسے ارادہ باندھ کے بیٹھے تھے وہ اپنے فیصلوں کے خلاف بالکل نہیں جائیں گے بلکہ اٹل فیصلہ تھا ان کا اس کے لیے انہیں کچھ بھی کرنا پڑے گا۔

"واصق بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے شہریار نے سارا کام سنبھال لیا اب تو اسے بخش دیں۔"

"میں نے نہیں کہا تھا وہ آ کے سنبھالے۔"

"آپ اتنے کٹھور اور سنگ دل نہیں بنیں اولاد کو اتنی بڑی سزا نہیں دیں۔"

"سزا اس نے خود تجویز کی ہے میرے فیصلے اور اصولوں کے خلاف گیا ہے اور میں اپنی بات سے مکرتا نہیں ہوں۔ شیرازی سے میں نے وعدہ کیا تھا اس کی بیٹی میرے گھر کی بہو بنے گی۔"

"جب بیٹا ہی نہیں رہے گا تو کس سے بیاہیں گے۔" وہ بھی جھٹکے سے اٹھیں۔ "اس خالی گھر میں لے آیئے بہو۔" واصق ان دونوں کی گفتگو باہر کوریڈور میں کھڑا سن رہا تھا۔

❀......❀......❀

"واصق یہ تم نے اچھا نہیں کیا جو بابا کہتے ہیں مان لو۔"

"بھائی جان یہ آپ کہہ رہے ہیں۔" وہ دو دن سے ادھر ہی رہ رہا تھا۔ اس نے بابا کی ضد اور تمام باتیں انہیں بتادی تھیں۔

"زبردستی کے رشتے کبھی مضبوط نہیں رہتے اور بھائی جان میں شیرازی انکل کی بیٹی سے ملا ہوں اس کا کوئی ارادہ نہیں مجھ سے شادی کرنے کا۔" وہ ایک پرسنل کام کے سلسلے میں شیرازی انکل ہی کی بیٹی سے ملا تھا جو تھی تو مختلف لڑکی مگر اس کی باتوں سے واصق نے یہ اندازہ لگایا تھا وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے۔

"میں بابا کا حکم نہیں مان سکا تم ہی ان کی یہ خواہش پوری کر دو۔" ونیزہ نے چونک کر سر اٹھایا وہ ننھی عائشہ کو اٹھائے ادھر ہی آرہی تھی اس نے شہریار کے لہجے کی افسردگی بھی محسوس کی تھی۔

"آپ کو میں اجازت دیتی ہوں آپ بابا کی بات مان لیں۔" دونوں نے ہی چونک کر آواز پر دیکھا وہ ان کے سامنے ہی کھڑی تھی۔

"بھابی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔" واصق کاؤچ سے اٹھ بیٹھا۔

"انہیں احساس ہو رہا ہے اور یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔"

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں لایئے عائشہ کو دیں...... آج امی آئیں گی اپنی پوتی کو دیکھنے۔" وہ دوسری بات کرنے لگا عائشہ نام بھی ذکیہ بیگم نے رکھا تھا ابھی ونیزہ کا سوا مہینہ نہیں ہوا تھا ذکیہ بیگم گھر سے کھانا پکوا کے بھیج رہی تھیں جبکہ دریا بھی آتی رہتی تھی وہ بھی خاصے کام کر کے جاتی تھی۔

"واصق بابا جو کہتے ہیں مان لو۔"

"دیکھیے بھابی شیرازی انکل کی بیٹی شادی شدہ اور ایک بچی کے باپ سے تو بالکل بھی شادی نہیں کرے گی۔" اس

نے عائشہ سے کھیلنا شروع کردیا۔ تھا بھی وہ چند دنوں کی تھی زیادہ تر سوتی رہتی تھی۔

"تم ان باتوں کو نہیں سوچو، میں واصق کو سمجھا رہا ہوں کہ وہ بابا کی بات مان لے اور پھر کل سے یہ یہاں ہے بابا کیا سوچتے ہوں گے۔" شہریار نے جھٹ ونیزہ کے ذہن کو صاف کیا جو شاید کچھ الٹی سیدھی سوچ رہا تھا۔

"مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے میں بات ختم کر کے آیا ہوں۔" اسی دوران ڈور بیل بجی۔

"امی ہوں گی۔" واصق نے عائشہ کو کیری کاٹ میں لٹایا اور اسے جھلانے لگا۔

"اوہو بھئی آج تو بڑے بڑے لوگ تشریف لائے ہیں۔" ونیزہ کی چچی اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ آئی تھیں۔ واصق دریا کو کاسنی لان کے پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس دیکھ کر شوخ ہوگیا' وہ جھجک کے رہ گئی تھی۔

"کیسی ہے گڑیا؟" دریا نے اسے گود میں اٹھایا۔

"گڑیا کا نام عائشہ رکھ دیا گیا ہے۔" واصق نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"واؤ بہت پیارا نام ہے۔" اس نے اس کے روئی جیسے گالوں پر پیار کیا۔

"تم بتاؤ...... تمہاری طبیعت کیسی ہے؟" چچی جان نے ونیزہ سے پوچھا۔

"سر میں بہت درد ہوگیا تھا رات کو ڈاکٹر نے دوائی لکھ کے دی تھی وہ کھائی تو ٹھیک ہوگیا۔"

"دریا کچن تو آپ کو سنبھالنا پڑے گا' چائے وغیرہ بنالو۔" شہریار نے مسکرا کے اسے کہا۔

"ابھی رک جائیں' میں خود بنالوں گی۔" ونیزہ نے ان سب کے بیٹھنے کے بعد کہا۔

"بھابی بنادیں' چائے کا بہت موڈ ہو رہا ہے۔" واصق چائے کا سن کے رہ نہیں سکا جبکہ دو دفعہ خود بنا کے پی چکا تھا۔

"واصق اتنی چائے نہیں پیو کیا تم باہر بھی اتنی ہی چائے پی رہے تھے۔"

"نہیں میں وہاں اتنی نہیں پیتا تھا بس مجھے ویسے ہی پینی ہے۔" اس کی معنی خیز نگاہ دریا پر پڑی' وہ لب بھینچے بیٹھی تھی۔

دریا کچن میں تھی' ذکیہ بیگم بھی آ گئی تھیں چچی جان کی ان سے باتیں شروع ہوگئی تھیں۔

"کھانا پکانا آتا ہے۔" وہ موقع دیکھ کے کچن کے باہر کاؤنٹر کے ساتھ کھڑا ہوگیا۔ دریا چکن کا قورمہ پکا رہی تھی جبکہ ذکیہ بیگم گھر سے بھی کھانا لائی تھیں واصق کی فرمائشی لسٹ ہی اتنی لمبی تھی انہیں آتے آتے بھی عشاء ہوگئی تھی۔

"ابھی آپ کو کیا نظر آ رہا ہے۔" اس نے بے رخی اور ناگواری سے طنزیہ جواب دیا۔

"اکثر لڑکیاں کام وغیرہ سے بھاگتی ہیں۔"

"وہ آپ جیسے امیر گھرانوں کی لڑکیاں بھاگتی ہیں۔" وہ بدستور کام میں منہمک تھی۔ مگر واصق کی موجودگی ہاتھ پیروں میں کپکپاہٹ پیدا کر رہی تھی جب سے آئی تھی اس وقت سے اسے ہی نوٹ کر رہا تھا۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔" واصق مسکرایا۔

"محترمہ خاصی خائف ہیں امیر لوگوں سے۔" وہ سوچ بھی رہا تھا۔

"میں کیسے کہہ سکتی ہوں' کیا یہ سچ نہیں۔" وہ اپنا آنچل شانوں پر برابر کرتے پشت پھیرے کام میں مگن تھی۔

"جب تک آپ کو کسی بات کا پتہ نہیں ہو اس پر شیور نہیں رہنا چاہیے۔" واصق کو باخوبی اندازہ ہو رہا تھا وہ امیر لوگوں کو خاصا ناپسند کرتی ہے۔

"آپ پلیز مجھے فضول باتوں میں نہیں الجھایئے اپنا کام کیجیے۔" دریا کا لہجہ ناگوار اور تلخ ہوگیا۔

واصق کو یہ لڑکی آہستہ آہستہ دل میں گھر کرتی ہوئی لگ رہی تھی اسے ایسی ہی صاف گو اور بناوٹ و تصنع سے مبرا لڑکی پسند تھی۔

"میں اپنا کام ہی تو کر رہا ہوں۔" اس کے قریب آ کے فرج کھولا تو دریا اچھل گئی' مسحور کن مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تو وہ گھبرا کے پیچھے ہوگئی۔

"ورنہ روٹیاں نہیں پکانا میں بازار سے منگوالوں گی۔"
ونیزہ بھی کچن میں چلی آئی واحق مسکراتا ہوا ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔
"میں پکالوں گی۔" وہ جان کے بھی روٹیاں خود پکانا چاہ رہی تھی تاکہ واحق کو موقع نہ مل جائے۔
"میں اس کے متعلق کیوں سوچنے لگی۔" جھٹ اپنا سر بھی جھٹکا۔

❁......❁......❁

ونیزہ کا سوا مہینہ بھی گزر گیا تھا' شہریار کی مصروفیت بزنس میں بڑھ گئی تھی حسن احمد اس سے کوئی بات نہیں کررہے تھے مگر وہ اپنا کام مستعدی سے کررہا تھا۔
"کیا بات ہے' آج زیادہ تھکن ہورہی ہے۔" ونیزہ نے فکرمندی سے پوچھا۔
"آں ہاں نہیں تو بس یونہی۔" وہ پھر دراز ہوگیا۔
"یہ عائشہ کدھر ہے؟" جھٹ اٹھ کے بھی بیٹھ گئے۔
"واحق گھر لے گیا ہے۔" اس نے مسکرا کے بتایا۔
"ارے یار تم نے کیوں بھیجا بابا کا غصہ دیکھا ہے اور پھر وہ اتنی چھوٹی سی ہے بار بار فیڈ کرتی ہے۔" شہریار کو تو بیٹی کی فکر ہونے لگی۔
"سارا سامان ساتھ دے کے بھیجا ہے' امی کا بھی دل کررہا تھا دیکھنے کو وہ خود بھی سنبھال لیتی ہیں' آپ پریشان نہیں ہوں۔" وہ اطمینان دلانے لگی۔
"تم کیسی ماں ہو ایک ننھی سی بچی کو بھیج دیا۔" وہ ناراض ہونے لگے۔
"وہ ننھی سی بچی اپنے گھر والوں کے پاس گئی ہے مجھے یہ خوشی ہے اور دیکھیے گا آپ کے بابا بھی اپنی پوتی سے منہ نہیں پھیر سکیں گے۔" وہ ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔
"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" انہوں نے دل میں دعا کی۔
"اچھا بات تو سنیے' وہ شیرازی انکل کی بیٹی کا معاملہ کہاں تک پہنچا؟" اس نے پھر پوچھا۔
"واحق بتارہا تھا بابا کو چپ لگی ہوئی ہے۔"
"واحق تو بالکل بھی تیار نہیں ہے اس سے شادی کے لیے۔" ونیزہ نے پرسوچ انداز میں کہا۔
"ہم آج آفس میں شیرازی انکل بابا سے پتہ نہیں کیا باتیں کررہے تھے دونوں میٹنگ روم میں بیٹھے تھے۔ فضا بھی آئی تھی وہ بھی کافی دیر میں گئی۔ شیرازی انکل اور فضا کا موڈ کچھ خراب تھا۔"
"آپ کو نہیں پتہ کیا باتیں ہورہی تھیں۔" ونیزہ کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کررہی تھی۔ ضرور شادی ہی کا موضوع ہوگا۔
"میں کیسے پتہ لگاتا واحق ہوتا تو وہ پوچھتا۔ شیرازی انکل کے جانے کے بعد سے ہی بابا کو چپ لگ گئی۔" شہریار کو فکر بھی ہورہی تھی وہ پارٹنر شپ نہ توڑ دیں۔
"اچھا ایک بات تو بتائیں' آپ کے بزنس میں ان کا کتنا پرسنٹ حصہ ہوتا ہے۔" اس نے پوچھا۔
"زیادہ تو نہیں کیونکہ میں تو شروع سے ہی بابا سے یہی کہتا آرہا تھا کہ کسی کی بھی پارٹنر شپ نہیں رکھیں' ہمیں ضرورت بھی کیا ہے اللہ کا شکر ہے۔" وہ قدرے توقف کے بعد گویا ہوئے۔
"شیرازی انکل کو اپنے بزنس میں خسارہ ہوا تھا' وہ زبردستی بابا کے پیچھے پڑ گئے کہ مجھے بھی شامل کرلو بابا نے دوستی کی وجہ سے شامل کیا تھا۔ لیکن مجھے حالات کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے ہیں۔" انہوں نے باتوں سے اندازہ کرلیا تھا کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔
"ارے تم بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گئیں' میرا اسیل دو میں اپنی بیٹی کا پتہ کرتا ہوں وہ رو تو نہیں رہی۔" شہریار کو عائشہ کی فکر ہورہی تھی۔ ونیزہ مسکرانے لگی وہ پھر اپنے ادھورے کام سمیٹنے لگی' کھانا تو وہ دن میں پکالیتی تھی' دو لوگوں کا پکانا بھی کون سا زیادہ ہوتا تھا' واحق آگر آتا تھا تو وہ زیادہ اہتمام کرتی تھی۔

☆☆☆......

ننھی عائشہ کاٹ میں لیٹی ٹکر ٹکر سب طرف دیکھ رہی تھی۔ گھر کی ملازمہ اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ ذکیہ اس کا دودھ بنانے گئی ہوئی تھیں۔ حسن احمد کی نگاہ اس پر بار بار

پڑ رہی تھی۔ خون جوش مار رہا تھا۔ آفس سے وہ کتنے الجھے
ہوئے آئے تھے مگر اس ننھی گڑیا کو دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا
سب بھول گئے ہوں‘ کب تک نگاہ چراتے آخر کو وہ اس
کے پاس آ کے بیٹھ گئے۔ ملازمہ اٹھ کے چلی گئی‘ ذکیہ بیگم
نے حیرانگی سے دیکھا۔ عائشہ کو وہ گود میں اٹھائے ہوئے
تھے۔ ذکیہ بیگم پر تو شادیٔ مرگ طاری ہو گیا‘ انہوں نے
اپنے رب کا شکر ادا کیا۔ حسن احمد پوتی کو سینے سے لگائے
ہوئے تھے۔

”بچی کو یہاں اکیلا چھوڑ کے کہاں چلی گئی تھیں؟“ وہ
برہم ہونے لگے مگر ان کے چہرے سے یہ اندازہ نہیں ہو رہا
تھا کہ وہ زبردستی بشاشت رکھ رہے تھے۔

”فیڈر بنانے گئی تھی۔“

”اس نامعقول کی بیٹی بہت پیاری ہے۔“ انہوں نے
بچی کے ماتھے پر پیار کیا۔ واثق بھی جھومتا ہوا آ رہا تھا
شہریار سے سیل پر بات ہوئی تھی وہ عائشہ کے لیے فکر مند
ہو رہے تھے۔

”ننھی سی بچی کو اس کی ماں سے اتنا دور رکھا ہوا ہے۔“
وہ خفگی سے نگاہ چرا کے گویا ہوئے۔

”بابا آپ نے بھی تو ایک بیٹے کو اس کے ماں باپ
سے دور رکھا ہوا ہے۔“ واثق کا ایسا غیر متوقع جملہ سن کے
وہ لاجواب ہو گئے۔ ذکیہ بیگم آنکھوں آنکھوں میں اسے
تنبیہہ کرنے لگیں۔

”یہ بات کہنے والے تم کیا ہمارے باپ ہوتے ہو تم
نے میری کون سی مانی ہے جو وہ خود کو دور کیے وہاں بیٹھا
ہے۔“ وہ درشت لہجے میں خاصے بگڑے انداز میں بول
رہے تھے۔ واثق جز بز ہو گیا‘ مگر فوراً ہی سنبھل گیا۔

”بابا میں تو آپ کی بات پر کہہ رہا تھا بھائی جان کی اتنی
بڑی غلطی تو نہیں ہے عزت سے شادی کی ہے اور دیکھیے
کتنی پیاری ان کی بیٹی ہے۔“ اس نے فیڈر پیتی عائشہ کو
پیار کیا۔

”یہ بچی اس کا کوئی کارنامہ نہیں ہے ہمارے خاندان
میں سب ہی پیارے ہیں۔“

"واہ بابا! آپ تو ہار بھی مانتے ہیں اور اپنی انا بھی مقدم رکھتے ہیں۔" وہ سوچنے لگا۔

"جاؤ جا کے بچی کو دے کے آؤ اور اس نامعقول سے کہنا آئندہ اسے ماں کے بغیر نہیں بھیجے۔"

"بابا پھر آپ کی اجازت ہے بھائی جان کو یہاں لے آؤں۔"

"ذکیہ آپ کے دونوں بیٹے نکمے اور بے کار ہیں۔ انہیں باپ کا ذرا خیال نہیں ہے۔" وہ اب ذکیہ پر اپنا نزلہ گرانے لگے۔

"نہیں بابا ایسی بات نہیں کریں' ہمیں آپ کا بہت خیال ہے' ہم آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔" وہ حسن احمد کے قدموں میں بیٹھ گیا وہ اپنے باپ کو ایسا رنجور اور ملول کبھی نہیں دیکھ سکتا تھا' ہمیشہ دونوں نے اپنے ماں باپ کا خیال کیا تھا مگر شہریار نے جن حالات میں شادی کی تھی یہ بھی اس نے کسی لڑکی کی عزت بچانے کے لیے کی تھی۔

"آپ غصہ کو دور پھینک کے دیکھیں تو بابا آپ کے دونوں بیٹے آپ کی تربیت پر چل رہے ہیں' بھائی جان نے کسی لڑکی کو اگر عزت دی تو کیا برا کیا' آپ بھی تو ہمیشہ دوسروں کو عزت دینے کی ہی ترغیب کرتے آئے ہیں اور آپ یہ بھی تو دیکھیں ونیزہ بھابی بہت سادہ مزاج اور سب کا خیال کرنے والی ہیں وہاں رہ کے بھی آپ کی ہی فکر میں رہتی ہیں' اپنے آپ کو مجرم سمجھتی ہیں کہ انہوں نے بھائی جان کو آپ سے دور کردیا' ورنہ حقیقت یہ تو نہیں ہے۔" واصق اتنے مدھم لہجے میں بول رہا تھا حسن احمد جیسے قائل ہوگئے تھے۔ ونیزہ اور فضا میں یہی فرق تھا ونیزہ دوسروں کی عزت کرنا جانتی تھی اور فضا سوائے نخروں کے کچھ نہیں جانتی تھی۔

"ہٹو یہاں سے مجھے آرام کرنا ہے۔" وہ لب بھینچ کے کھڑے ہوگئے۔ ذکیہ بیگم ننھی عائشہ کو کاٹ میں جھلا کے سلا چکی تھیں۔ انہوں نے اندازہ کرلیا تھا حسن احمد بہت تھک گئے ہیں۔

"پلیز بابا آپ بھائی جان کو گھر آنے کی اجازت دے دیں۔" وہ ملتجی لہجے میں ان سے گویا ہوا۔

"میں نے کبھی اسے یہاں سے نہیں نکالا وہ تو خود ہی یہاں سے چلا گیا تھا۔" لہجہ ٹوٹا ہوا اور افسردہ لگ رہا تھا۔

"بابا کیا بات ہے آپ بہت اداس ہورہے ہیں۔"

"جب جوان بیٹے ماں باپ کو تنہا چھوڑ دیں تو وہ ایسے ہی ہوجاتے ہیں' شہریار سے کہو ہماری بہو کو لے کے فوراً آجائے۔" وہ رکے نہیں یہ کہہ کر تیزی سے چلے گئے' ذکیہ بیگم کی آنکھوں میں خوشی و مسرت سے آنسو آگئے۔ واصق ان کے گلے لگ گیا۔

"جلدی جا ان دونوں کو لے آ۔" ذکیہ بیگم سے اور صبر نہیں ہورہا تھا۔ عائشہ کو بے اختیار اٹھا کے سینے سے لگالیا' ان کی پوتی کی بدولت سب کچھ ٹھیک ہوگیا تھا۔

❀......❀......❀

ونیزہ کو تو یقین نہیں آرہا تھا' واصق نے اتنی جلدی مچائی تھی کہ اسے پیکنگ تک کرنے نہیں دی' فوراً ہی انہیں لے آیا تھا۔ چچا اور چچی جان کو بتادیا تھا' دریا بھی حیران تھی۔ ننھی عائشہ کے گھر میں آتے ہی ایک رونق اور زندگی میں رنگ آگئے تھے۔ حسن احمد تو پوتی کو دیکھ کر نہال ہوتے رہتے تھے۔

"دیکھا اپنے بابا کو بیٹے کی اولاد کے آگے سارا غصہ بھول گئے۔" ذکیہ بیگم نے شہریار سے کہا۔ سب ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھے تھے اور حسن احمد کاٹ میں لیٹی عائشہ کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ ونیزہ ملازمہ کے ساتھ ناشتہ لگوا رہی تھی۔ آج اس کا دوسرا دن تھا گھر میں آتے ہی اس نے اپنی ذمے داریوں کو سمجھ لیا تھا۔

"ذرا جلدی ناشتہ کرو نو بجے میٹنگ ہے۔" حسن احمد نے شہریار سے کہا۔

"خود اتنی دیر سے پوتی کے ساتھ لگے ہوئے تھے یہ تو کب سے ناشتے سے فارغ آپ کا انتظار کررہا ہے۔"

"ہاں میں وہ بس اس کے ساتھ لگ گیا اس نامعقول کی اولاد ہے ہی اتنی پیاری۔" شہریار جھینپ کے مسکرانے لگے تو ونیزہ کی بھی دبی دبی ہنسی نکلی تھی۔

"یہ واصق ابھی تک اٹھا نہیں۔"
"وہ بھائی کے آنے سے اطمینان سے ہوگیا ہے کہہ رہا تھا مجھے آفس کے کسی کام کے لیے نہیں کہا جائے۔"
"اس گھامڑ سے کہنا زیادہ پھیلے نہیں۔" حسن احمد ناشتہ کرنے لگے تھے۔
"ونیزہ بیٹے آپ واصق کے لیے بھی کوئی لڑکی دیکھیں۔"
"کیا کہہ رہے ہیں آپ۔" ذکیہ تو حیران رہ گئیں۔
"بابا وہ ابھی اپنی تعلیم مکمل کرکے آیا ہے کچھ تو آزادی سے گھومنے پھرنے دیں۔" شہریار جھٹ گویا ہوئے۔
"اسے بھی جلدی باندھ دیا جائے تو اچھا ہے تاکہ یہ اپنی ذمہ داریوں کو تو سمجھے گا۔"
"ونیزہ وہ آپ کے چچا کی بیٹی ہے ناں کیا نام تھا بھلا سا۔" حسن احمد کو تو جیسے جلدی تھی۔
"دریبا۔" شہریار نے یاد دلایا۔
"اس کے لیے بات کرو کیونکہ ایسی ہی لڑکی ٹھیک رہے گی۔"
"بابا وہ لوگ حیثیت والے نہیں ہیں۔"
"مجھے لڑکی سے مطلب ہے اس کی حیثیت سے نہیں۔" وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کھڑے ہوئے۔ ونیزہ اور شہریار ایک دوسرے کو دیکھنے لگے' کیونکہ حسن احمد میں ایسی حیران کن تبدیلی کسی اچھنبے کا باعث تھی۔
"واصق سے پوچھے بغیر بابا یہ سب کرنا مشکل ہے۔"
"جب تم ہم سے پوچھے بغیر اپنی شادی رچا سکتے ہو اس گدھے کی ہم اس سے پوچھے بغیر کریں گے۔" شہریار اور ونیزہ جز بز سے ہو کے رہ گئے۔ ذکیہ بیگم عائشہ کو گود میں لے کے بیٹھی ہوئی تھیں وہ بھی ان کی ایسی بات پر خفیف سی ہوگئی تھیں۔
"امی بابا تو ساری زندگی یہی طعنہ مارتے رہیں گے۔" شہریار کچھ افسردہ ہوگئے تھے۔
"میں نے طعنہ نہیں مارا ہے ویسے ہی ایک بات کررہا تھا' واصق کبھی اپنی چلائے اور شیرازی کی بیٹی کی بھی مرضی نہیں تھی اس لیے میں خاموش ہوگیا۔" حسن احمد نے ان کی بات سن لی تھی وہ وضاحت دینے پھر چلے آئے تھے۔
"جتنی جلدی ہوسکے یہ رشتہ ہوجائے۔"
"میں چچا جان سے ذکر کروں گی۔" ونیزہ نے مودب انداز میں کہا اسے حسن احمد سے ابھی بھی ڈر لگ رہا تھا جبکہ انہوں نے اسے کچھ بھی نہیں کہا تھا مگر واصق کے لیے چچا جان کی دریبا کے لیے کہنا یہ تو بہت ہی حیران کن بات تھی۔
واصق کی صبح دس بجے ہوگئی تھی۔ وہ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد ٹی وی دیکھنے لگا تھا۔ ونیزہ اور ذکیہ نے اس سے بات کرلی تھی وہ تو بیٹھے سے اچھل گیا تھا۔
"بھابی آپ کی کزن یان جائے گی۔" اس کی تو خواہش بن کہے پوری ہورہی تھی اسے کیا چاہیے۔
"تمہیں اعتراض نہیں کیا؟" ونیزہ کو حیرانگی ہورہی تھی کیونکہ واصق امریکہ سے اپنی تعلیم مکمل کرکے آیا تھا اس کی تو سوچ ہی کچھ اور ہوگی مگر دریبا کے لیے رضامندی دینا یہ انہونی بات تھی۔
"میں تو چچا اور چچی جان سے بات کروں گی وہ جو فیصلہ کریں گے اسے ماننا پڑے گا۔" واصق کو بدگمان ناراض سی دریبا نے اول روز سے ہی متاثر کیا تھا' وہ صاف گو لڑکی تھی اور بناوٹ و تصنع سے پاک تھی اور لڑکیوں کی طرح اس میں اٹھلانا اور اترانا نہیں تھا۔
"بابا یوں اچانک سے فیصلہ دیں گے مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا۔" وہ خود سے ہمکلام تھا۔
رات میں ہی ذکیہ بیگم ونیزہ کے ساتھ چلی گئی تھیں۔
واصق گھر میں تھا اور وہ انتظار کررہا تھا کیا جواب ملتا ہے۔ اسے اندازہ تو تھا وہ لڑکی اتنی جلدی ماننے گی نہیں کیونکہ امیروں کے خلاف اس کے دل میں زہر جو بھرا ہوا تھا وہ بھی اس لیے کہ ونیزہ کے ساتھ جو سلوک ہوا تھا وہ اسے بدگمان کرنے کو کافی تھا۔

❀ .... ❀ .... ❀

دریا تو حیرانگی کے سمندر میں غوطہ زن ہوگئی تھی‘ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا بس ایک بات سوچی تھی کہ کیا غریبوں کی لڑکیوں کے لیے امیر گھروں سے رشتے نہیں آسکتے اور جبکہ انجانے میں سوچی گئی اس کی یہ بات سچ بھی ہوگئی تو وہ بے کل اور پریشان تھی‘ واصق احمد کا رشتہ یعنی ونیزہ کے دیور کا رشتہ وہ جانتی تھی وہ کتنے بڑے لوگ ہیں پھر بھی عام سے لوگوں میں رشتہ بھیج دیا...... مگر جب سے ونیزہ کی شادی ہوئی تھی وہاں اس کے سسر نے تو بے دخل ہی کر دیا تھا وہ کب بھولی تھی وہ سب‘ ونیزہ کو شہریار نے الگ فلیٹ میں رکھا ہوا تھا‘ وہ شہریار کے بابا سے کچھ متنفر سی ہوگئی تھی اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے زبردستی یہ رشتہ بھیجا گیا ہو اور وہ اتنے بڑے گھر میں جانا ہی نہیں چاہتی تھی۔

''بجو کب سے سوچے جارہی ہیں اب رہنے بھی دیں۔'' اریبہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا وہ اچھل ہی گئی۔

''آپ کو امی بلا رہی ہیں۔''

''خیریت تو ہے۔'' اس نے دیکھا تو بجنے والے تھے رات کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

''خیریت ہی ہوگی۔'' دریا اپنا زرد آنچل قرینے سے شانے پر ڈال کے امی کے کمرے میں آئی ابو بھی جیسے اس کے منتظر ہی بیٹھے تھے۔

''آؤ بیٹا بیٹھو'' انصر علی نے اسے سامنے والی چیئر پر بیٹھنے کو کہا۔

سلمیٰ عشاء کی نماز کے بعد کی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ دریا خاموش سی گھبرائی گھبرائی بیٹھ گئی۔

''بیٹا دیکھو میں لمبی چوڑی تمہید بالکل نہیں باندھوں گا اس رشتے پر اگر تمہیں اعتراض نہیں ہو تو میں جواب دے دوں۔'' دریا کا سانس رکنے لگا‘ اتنی جلدی فیصلہ اور وہ جو پچھلا پرپوزل تھا اسے بھی تو کوئی جواب نہیں دیا تھا‘ پھر اس کے لیے اتنی جلدی کیوں؟

''جی آپ نا کا جواب دے دیں۔'' اس نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں جکڑا۔

''بیٹا میں تو رضامندی دے رہا تھا۔'' اس کے ایسے جواب کی توقع نہیں تھی۔

''ابو رشتہ اگر برابر والوں میں کیا جائے تو اچھا ہے ہماری حیثیت نہیں ہم ان کا مقابلہ کریں۔'' اس نے سمجھداری سے معقول وجہ کی ساتھ انکار کیا تھا۔ انصر علی اور سلمیٰ حیرت وانبساط میں مبتلا ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

''بیٹا ونیزہ بہت زور دے کے گئی ہے‘ انکار نہیں کریں۔''

''ابو آپی کے ساتھ جو ہوا وہ تو ہم سے مخفی نہیں‘ اگر ہم حیثیت میں ان کے برابر ہوتے تو وہ ونیزہ آپی کو خوشی خوشی بیاہ کے لے جاتے۔'' وہ ان لوگوں سے زیادہ ہی بدگمان تھی جیسے وہ حسن احمد کو احساس دلانا چاہتی تھی پیسہ امیری کچھ نہیں ہوتا انسان کا کردار اور وقار سب سے بڑی دولت ہوتا ہے۔

''آپ مجھے مجبور نہیں کیجیے گا مجھے یہ رشتہ منظور نہیں۔'' وہ یہ کہہ کر رکی نہیں چلی گئی۔

''میری بیٹی بہت حساس ہے‘ اسے گوارہ نہیں کہ کوئی اسے گرا ہوا سمجھے۔'' انصر علی پرسوچ انداز میں گویا ہوئے۔

''میں تو چاہ رہی تھی اس کی بھی وہیں ہوجائے۔''

''جب وہ راضی نہیں تو زبردستی نہیں کرنی چاہیے۔'' انصر علی نے سلمیٰ کو سمجھایا۔

سلمیٰ کو رات دن اپنی دونوں بیٹیوں کی فکر تھی‘ بیٹیاں ایک فرض اور ذمہ داری ہوتی ہیں‘ جو پوری کرنا ہوتی ہے۔

❀......❀......❀

واصق کو جب اس کے انکار کی وجہ کا علم ہوا تو وہ تو سناٹے میں آ گیا‘ حسن احمد بھی جز بز ہوگئے تھے۔ انہوں نے خود پھر دریا سے بات کرنے کا سوچا اور وہ انصر علی سے ملنے چلے آئے تھے۔

''چلو تمہیں بابا بلا رہے ہیں۔''

''بجو یہ کیا ہو رہا ہے؟'' دریا کے تو وہم وگمان میں بھی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

نہیں تھا کہ وہ یوں اس طرح آجائیں گے۔

"تمہارے انکار کی وجہ انہیں سمجھ نہیں آئی..... اسی لیے بابا خود سے چل کے آئے ہیں۔" ونیزہ اس کے بالوں کو ہاتھ سے سنوارنے لگی۔

"بجو آپ میری بات کو مجھیے میں نے کچھ سوچ کے ہی انکار کیا ہے۔" وہ تو بوکھلائی اور سٹپٹا گئی تھی۔ ونیزہ اس کی کوئی بات سنے بغیر ڈرائنگ روم میں لے آئی تھی جہاں ذکیہ بیگم اور شہریار بھی موجود تھے۔ اس نے سلام کیا اور جھجکتی ہوئی گھبرائی ہوئی امی کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

"بیٹا..... ہمیں آپ کے انکار کی یہ وجہ کچھ سمجھ نہیں آئی، رشتہ برابر والوں میں ہی اچھا لگتا ہے یہ بات تو ٹھیک ہے اور ہم اسی لیے رشتہ کرنے آئے ہیں۔" حسن احمد کو اس کی صاف گوئی اچھی لگی تھی۔ اس کی نگاہیں شرم وحجاب کی وجہ سے جھکی ہوئی تھیں، حسن احمد کے اپنائیت سے پر لہجے پر تو یقین ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"میں کوئی شروع سے پیسے والا نہیں تھا، میں بھی آپ لوگوں کی طرح تھا، بس قسمت نے ساتھ دیا محنت کی اور رنگ لائی، آج میں اتنا اسٹیبلش ہوں صرف اللہ تعالیٰ کی مہربانی کی وجہ سے۔ میں رشتہ اپنے برابر والوں میں ہی کر رہا ہوں۔ اگر آپ اس لیے پریشان ہیں کہ میں نے ونیزہ بیٹی کو بہو تسلیم نہیں کیا تھا اس وجہ سے نہیں کہ یہ غریب تھی بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ شہریار نے مجھے بتائے بغیر شادی کی اور میں اپنے بزنس پارٹنر کی بیٹی کے لیے زبان دے چکا تھا، بس مجھے اپنی بات کا پاس تھا، ساری ناراضگی کی وجہ بھی یہی تھی۔" انہوں نے تفصیل سے ساری بات بتائی۔

"انصر علی اب انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے چلیے ذکیہ آپ ہماری بیٹی کا منہ میٹھا کروائیں۔" انصر علی بھی کچھ نہیں بولے کیونکہ انہوں نے بات ہی اتنی آسانی سے کلیئر کردی تھی انکار کی کوئی توجیہ نہیں بنتی تھی۔

دریبا کے منہ سے تو لگتا تھا الفاظ ہی نہیں نکل رہے تھے۔ باری باری اس کا سب نے ہی منہ میٹھا کروایا تھا، ونیزہ بہت خوش تھی۔

حسن احمد نے تو شادی کی تاریخ بھی جلدی کی سیٹ کرلی کیونکہ وہ شاید سمجھ گئے تھے دریبا کہیں کوئی بھی بات لے کے انکار نہ کردے۔

"حسن صاحب..... اتنی جلدی۔" انصر علی گھبرا گئے۔

"انصر علی نیک اور اچھے کاموں میں دیر نہیں ہمیں صرف آپ کی بیٹی چاہیے اور کچھ نہیں۔" وہ مسکراتے ان کے ہاتھوں کو تھام کے گویا ہوئے۔

ذکیہ بیگم نے دریبا کے ہاتھ میں اپنی سونے کی دو چوڑیاں بھی پہنادی تھیں۔

"چچا جان دریبا کو ہم بہت پیار سے لے کے جائیں گے، آپ پریشان نہیں ہوں۔" ونیزہ نے بھی انہیں تسلی اور اطمینان دلایا۔

دریبا اندر اپنے کمرے میں بیٹھی کلس رہی تھی۔ پتہ نہیں کیوں اسے ایسا بھی لگتا تھا کہ واصق کے دس بارہ چکر تو ضرور ہوں گے گوری میموں کے ساتھ اگر شادی کے بعد کوئی افیئر سامنے آ گیا تو وہ تو بالکل بھی برداشت نہیں کر سکے گی۔ مسلسل لب کچل رہی تھی، اریبہ اسے چھیڑ رہی تھی۔ اسے بھی ڈانٹ کے بھگا دیا تھا۔ دو ماہ کے بعد کی تاریخ فکس کردی گئی تھی اس کی تو حالت ہی غیر ہونے لگی تھی۔

❁.......❁.......❁

واصق کو بابا کے اس اقدام پر بہت خوشی تھی۔ وہ تو سارا معاملہ ہی فٹ کر آئے تھے اور وہ مسلسل مسکرائے جا رہا تھا۔ شہریار نے اس کے سر پر چپت لگائی دی۔

"ہاں..... ہاں مسکرا لو بعد میں تو شاید مسکرانے کے لیے بھی سوچنا پڑے گا۔" شہریار کو دریبا کی چچوئیشن کا اندازہ تھا اسی لیے اسے چھیڑ بھی رہے تھے۔

"کیوں آپ کی سالی صاحبہ اتنی خوف ناک ہے کہ مجھے ڈر لگے گا۔" اس نے جھینپ کے بات کا تمسخر اڑایا۔

"اصول پسند اور ڈسپلن بہت ہے اور تم بے ترتیب انسان۔"

"کوئی بات نہیں آپ کی بھی تو سالی صاحبہ کی بڑی بہن نے بے ترتیبی ختم کردی دوسری کو بھی کرنے دیں اپنے بھائی پر یہ ظلم۔" وہ کارپٹ پر فلور کشن کے سہارے لیٹا اسکرین پر نگاہ جمائے ڈسکوری چینل دیکھ رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو لقمہ دیتے رہے پھر بابا آگئے تو دونوں ہی مودب بن گئے۔

"صاحب زادے آج آپ کا بھی آفس میں ہونا ضروری ہے۔"

"جی......جی۔" جھٹ ریموٹ سے ٹی وی آف کیا اور اٹھ بیٹھا شہریار مسکرانے لگے۔

"سنیے گھر کی گاڑی تو خراب ہے آپ آفس کی گاڑی اور ڈرائیور بھیج دیجیے گا' بازار جانا ہے ونیزہ کو اور مجھے۔"

"امی پلیز ماسی کو بھی ساتھ لے کے جایئے گا' عائشہ کو سنبھال لے گی۔ آپ دونوں پریشان ہوں گی...... ونیزہ کی نہیں سنیے گا۔" شہریار کو اپنی بیٹی کا بہت خیال رہتا تھا۔

"تم پریشان نہیں ہو' میں ماسی کو ساتھ لے کے جاؤں گی۔" انہوں نے تسلی دی۔

واصق کی شادی کی وہ جلدی جلدی شاپنگ کررہی تھیں کیونکہ وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور وہ اس کی شادی پر اپنے سارے ہی ارمان نکالنا چاہتی تھیں۔ تیاریوں میں احساس ہی نہیں ہوا' شادی کے دن آگئے' مایوں' مہندی کی رسم ایک ہی دن کرلی تھی' شادی اور ولیمے کا فنکشن تھا جس پر حسن احمد نے اپنے خاصے دوست احباب کو بھی بلایا تھا۔

ادھر دربیا کا دل جانے کیوں وسوسوں میں گھرا ہوا تھا' ذکیہ بیگم نے اس کی بری شاندار بنائی تھی سارے رشتے دار حیران تھے۔ شادی کے سرخ لہنگے میں میچنگ جیولری میک اپ میں اس کا حسن تو نکھر گیا تھا اس پر روپ بھی خوب چڑھا تھا۔ انصر علی اور سلمٰی نے تشکر بھرا سانس لیا اور اللہ کا بھی شکر ادا کیا تھا ان کی بیٹی کا بھی نصیب کھل گیا تھا۔

واصق شہزادوں کی سی آن بان لیے اسے رخصت کروا کے اپنے گھر لے آیا تھا۔ دربیا کا گھبراہٹ کے مارے برا حال تھا اس کے پاؤں بھی ادھر ادھر پڑرہے تھے۔

"ونیزہ تم اسے بیڈروم میں لے جاؤ میں کھانے وغیرہ کے لوازمات ماسی کے ہاتھ بھیجتی ہوں۔" ذکیہ بیگم نے کہا۔

بارات کے ساتھ جو مہمان آئے تھے ذکیہ بیگم پہلے انہیں رخصت کرنے چلی گئی تھیں۔

خوب صورت سا بیڈروم مسحور کن خوشبو گلاب موتیے اور دنیا جہان کے پھول جتنے بھی تھے لگتا تھا سارے ادھر ہی ہیں۔

"واصق لگتا ہے خاصا رومینٹک ہے جب ہی بیڈروم دیکھو کتنا خوب صورت ڈیکوریٹ کروایا ہے۔" ونیزہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ دربیا سکڑ سمٹ کے بیٹھی ہوئی تھی' جانے کیوں اسے ایسا ہی لگ رہا تھا واصق نے حسن احمد کے دباؤ میں شادی کی ہے اور اس کے دس ہزار چکر ہوں گے۔

"بھابی جی وہ عائشہ رو رہی ہے شہریار بھائی بلا رہے ہیں۔" ماسی لوازمات سے پر ٹرالی اندر لائی تھی پیچھے پیچھے واصق بھی مسکراتا ہوا داخل ہوا تھا دربیا کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ حتائی ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں پسینہ آگیا۔

"آہہم......" اس نے زوردار انداز میں کھنکارتے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

ماسی کے جاتے ہی اس نے کمرہ بھی لاک کرلیا تھا۔ وہ اس کے قریب بیٹھنے ہی والا تھا واصق کا سیل بپ دینے لگا۔

"اس وقت کون ہے؟" اس نے شیروانی کی پاکٹ سے سیل نکالا۔

"اسے اس وقت فون کرنے کی کیا ضرورت پڑگئی؟؟" وہ بڑبڑایا۔

"ایک منٹ ابھی آیا۔" وہ اٹھ کے باہر نکل گیا۔

"ضرور کوئی پرانا افیئر ہوگا۔" وہ دانت پیس کے اپنے اندر کے انتشار کو روکنے لگی' آدھے گھنٹے سے اوپر ہوگیا واصق نہیں آیا وہ اٹھی اور اپنے کپڑے اٹھا کر چینج کرنے چل دی۔

واصق اندر آیا تو اسے تو حیرانگی کا جھٹکا لگا' جیولری'

گجرے سارا کچھ بیڈ پر پڑا تھا۔

"یہ...... یہ تم نے کیا کیا؟" دریا کو پنک قمیص شلوار میں دیکھ کے وہ تو غصے میں آ گیا۔ اس نے تو اس کا عروسی روپ ابھی تک دیکھا نہیں تھا پورا وقت وہ یہی سوچتا رہا اور خوش ہوتا رہا آرام سے استحقاق سے وہ روبرو اپنے بیڈ روم میں اسے دیکھے گا۔

"کیا...... کیا" وہ انجان بنی۔

"دریا ہماری آج شادی ہوئی ہے...... آج ہماری......؟" آگے بولتے بولتے رک گیا کیونکہ وہ واش روم میں گھس گئی تھی۔

"یہ اپنے آپ کو سمجھ کیا رہی ہے؟" وہ بھنا کے رہ گیا اور خود بھی چینج کر کے آ گیا۔ وہ تلملا رہا تھا۔ مگر ضبط کیا ہوا تھا۔

"یہ تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔"

"یہ تو آپ کو خود پتہ ہوگا کون اچھا اور برا کر رہا ہے۔" وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"تم میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہو۔" وہ ہراساں ہوا۔

"سوری میں تھکی ہوئی ہوں۔" وہ منہ لپیٹ کے لیٹ گئی۔ واصق ان ساری باتوں کا مطلب سمجھ گیا وہ ابھی تک ان لوگوں سے خائف ہے اسی لیے وہ ایسا کر رہی ہے۔

"دیکھتا ہوں کب تک تم مجھ سے گریز کرتی ہو میں بھی واصق ہوں۔" اس نے بھی مصمم ارادہ باندھ لیا تھا۔ دریا کو زچ کرتا رہے گا۔ صبح بہت انوکھی اور نئی تھی واصق نارمل انداز میں سب سے ہی بات کر رہا تھا البتہ وہ کچھ جھجکی ہوئی تھی۔

"بیٹا کچھ دیر آرام کر لو شام میں پھر ولیمے کے لیے تیار ہونے پارلر جانا ہوگا۔" ذکیہ بیگم نے اسے کہا جو شاید بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی گھر سے وجدان اور اریبہ آئے تھے مگر دریا ساتھ نہیں گئی تھی ونیزہ نے کہا ولیمے کے بعد آ جائے گی۔ اس دوران دریا کو تو چپ لگ گئی تھی ولیمے میں بھی وہ خاموش ہی تھی واصق ہی سارا وقت چہکتا رہا اس کے دوست وغیرہ اس سے بھی ملے دریا زبردستی کی مسکراہٹ سجائے مل رہی تھی۔

ولیمے کے بعد دعوتیں ہونے لگی تھیں پھر حسن احمد نے کہا کہ وہ دریا کو لے کر گھومنے پھرنے نکل جائے مگر دریا حیل و حجت کرنے لگی۔

"ارے دریا تمہیں تو خوش ہونا چاہیے تم دونوں کو تنہائی کے پل ملیں گے۔" ونیزہ معنی خیزی سے مسکراتے اسے چھیڑنے لگی۔ وہ اسے کیا کہتی وہ ایسا بالکل نہیں چاہتی کہ واصق کو اپنی کرنے کا موقع ملے۔

"ضروری ہے کیا جانا...... مجھے آپ سب کے ساتھ رہنا ہے۔" واصق نے لب بھینچ کے مسکراہٹ روکی۔

"ساتھ تو ساری زندگی رہنا ہے اچھا ہے تم دونوں ایک دوسرے کو سمجھ لو گے۔" ونیزہ نے عائشہ کو اپنی گود میں اٹھایا۔

"بھابی آپ کی بہن لگتا ہے ہم سب سے کچھ خائف ہیں۔" اس نے کن انکھیوں سے دریا کو دیکھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" اس نے جھٹ کہا۔

"کچھ بھی کہو میں نے جانے کی ٹکٹیں کروالی ہیں کل اسلام آباد کے لیے روانہ ہونا ہے۔" وہ فیصلہ سنا کے اٹھ گیا۔

"مگر اتنی جلدی کیسے؟" وہ بوکھلا گئی۔

ونیزہ اور واصق ہنسنے لگے۔ دریا جھینپ کے رہ گئی۔

❀......❀......❀

اسلام آباد کے مہنگے ترین ہوٹل میں وہ رکے تھے۔ سارا سامان سیٹ کر کے وہ ستانے کے لیے بیڈ پر لیٹا دریا اسے دیکھنے لگی کتنے آرام سے وہ لیٹ گیا تھا۔

"تم بھی آرام کر لو۔"

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔" وہ کلس کے رہ گئی۔

"ایسے کب تک کرو گی اور کیوں کر رہی ہو۔" کہنی ٹکا کے وہ اس سے استفسار کرنے لگا۔

"آپ یہ کمبل مجھے دیں میں نیچے کارپٹ پر سو جاؤں گی۔" اس نے واصق کے سوال کو نظر انداز کر کے اپنی صورت ایسی بنالی جیسے واقعی نیند آ رہی ہو۔

"اسلام آباد کی ٹھنڈ ہے کراچی کی نہیں تمہاری قلفی جم

جائے گی۔"

"کس نے کہا تھا اتنی ٹھنڈ میں نکلنے کو۔" وہ الٹا اس پر غصہ کر کے اپنی جھنجلاہٹ نکالنے لگی۔

"ایسے ہی موسم میں ہنی مون منایا جاتا ہے۔" وہ مسکرا کے اسے سلگانے لگا۔ دریا نے اسے گھورا اور بیڈ سے کمبل اٹھایا اور کاؤچ پر لیٹ گئی۔

"میں بھی دیکھتا ہوں کب تک آپ کی اکڑ چلتی ہے۔" اس نے دوسرا کمبل اٹھا کے اوڑھ لیا۔

پوری رات دریا کو نئی جگہ کی وجہ سے نیند ہی نہیں آئی اور پھر ان کی شادی کو ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا' واصق اسے یہاں لے آیا تھا اس کا وہ ہر طرح سے خیال کر رہا تھا اس نے تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا اس کی انجانے میں سوچی گئی باتیں اس طرح بھی پوری ہوں گی کل تک وہ امیر گھرانے میں شادی ہونے کے خواب دیکھتی تھی۔ لیکن جب سے ونیزہ کی شادی ہوئی تھی اس کی سوچیں بدل گئی تھیں حالانکہ حسن احمد نے اسے کتنا اپنی باتوں سے مطمئن کیا تھا مگر وہ واصق کی طرف سے مطمئن نہیں تھی۔

صبح آنکھ پہلے واصق کی ہی کھلی تھی گھر سے امی کی کال آئی تھی دونوں کی خیر خیریت پوچھ رہی تھیں۔ اس نے پھر دریا کو بھی اٹھایا۔

"دریا اٹھو مجھے بھوک لگ رہی ہے میں نے ناشتہ منگوایا ہے۔" اس نے دریا کا شانہ ہلایا۔ وہ بے ترتیب سی کمبل تانے سو رہی تھی' لمبے دراز سلکی بال منتشر ہو کے تکیے پر بکھرے ہوئے تھے اس نے بمشکل آنکھ کھول کے اسے دیکھا ایک دم پھر اسے یاد آ گیا وہ کہاں ہے جھٹ اٹھ کے بیٹھی۔ دوپٹہ شانوں پر برابر کیا کن انکھیوں سے واصق کو بھی دیکھا جو بلیو جینز پر جیکٹ پہنے سنورا نکھرا اس کے سامنے تھا۔

"جلدی اٹھو تیار ہو جاؤ...... ناشتہ کر کے ہمیں پھر نکلنا ہے۔"

"مجھے کہیں نہیں جانا۔" ترش روی سے وہ گویا ہوئی ہوٹل کے اس روم میں ہر چیز کی سہولت تھی اسے تو یہ تک گمان نہیں ہو رہا تھا وہ کہیں اور بیٹھی ہے۔ کیونکہ واصق کا روم بھی تو ایسا ہی جدید سہولیات سے بھرپور تھا۔

"دیکھو جو بھی نخرے کرنے ہیں اپنی سسرال میں جا کے کرنا مجھے تو تم یہاں بور مت کرو۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

وہ لب بھینچ کے رہ گئی۔ ناچاہتے ہوئے بھی وہ تیار ہوئی' کاٹن کے پنک ایمبرائیڈری کے سوٹ پر خوب صورت سے سوئیٹر اور شال کے ساتھ وہ تیار تھی۔ واصق اپنا والٹ اٹھا ہی رہا تھا کہ سیل نے بپ دی۔

"تمہیں چین نہیں ہے وہاں امریکہ میں بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑا اور یہاں بھی پیچھے پڑی ہو۔" وہ جانے کس پر برہم ہو رہا تھا' دریا نے چونک کے اس کی بات سنی۔

"اچھا...... اچھا یار چیخ کیوں رہی ہو ابھی میں نکل رہا ہوں۔" اس نے دریا کو ہاتھ کے اشارے سے نکلنے کو کہا وہ دانت پیسنے لگی۔ دونوں ساتھ ساتھ کوریڈور سے نکل رہے تھے اور واصق کسی لڑکی سے باتوں میں مصروف تھا۔

"او کے واپسی پر کوشش کروں گا میں بند کر رہا ہوں۔" اس نے یہ کہہ کر کال بند کر دی تھی۔

"جان کو ہی آ جاتی ہے پتہ ہے یہ امریکہ میں بھی میرا دماغ چاٹ جاتی تھی۔" وہ روانی میں اسے بتا رہا تھا' جبکہ وہ پیچ و تاب کھا رہی تھی کیونکہ اس کا شک یقین میں بدل گیا تھا۔ اس کی زندگی میں پہلے ہی کوئی لڑکی موجود تھی۔

وہ اسے مختلف مقامات پر لے کے گھومتا پھرتا رہا۔ دریا کا ذرا بھی دل نہیں لگ رہا تھا۔ نو بج گئے تھے دریا خاصی تھک گئی تھی مگر واصق نے کسی بڑے سے آہنی گیٹ کے آگے گاڑی روکی تھی۔ سیل نکالا اور کال کی۔

"سنو جلدی سے دروازہ کھول دو بھوک کے مارے حشر ہو رہا ہے۔" وہ پھر کسی سے مخاطب تھا۔

"یہ آپ کہاں لے آئے ہیں؟" وہ حیرانگی سے پوچھ رہی تھی۔ اسی دوران گیٹ کھلا واصق نے گاڑی اندر کی اور وہ لڑکی آندھی طوفان کی طرح اس کی طرف بڑھی تھی۔

"دھوکے باز فریبی مجھے بتایا بھی نہیں اور شادی کر لی۔"

وہ دریا کا خیال کیے بغیر واصق پر چڑھ دوڑی تھی۔

"آرام سے سانس تو لینے دو۔" واصق شاید دریا کے چہرے کی ناگواریت دیکھ چکا تھا اس لیے وہ ذرا سنبھل کے گویا ہوا۔

"آؤ اندر چلو آئیں دریا آپ بھی۔" اس نے دریا کا ہاتھ پکڑا اور اندر کی طرف بڑھ گئی وہ تو ان دونوں کی دوستی کی نوعیت جو سمجھ رہی تھی اسے سوچ کے غصہ آنے لگا۔ نبیلہ نے کھانا لگوایا اور ان دونوں کے لیے روم بھی سیٹ کروادیا تھا مگر دریا کو اس دوران چپ لگی ہوئی تھی۔

❀......❀......❀
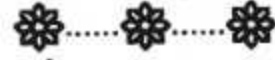
"تمہیں میں نے امریکہ میں کہا بھی تھا جب بھی شادی کرو ایک کال کردینا مگر تم نے تو بتانا تک ضروری نہیں سمجھا۔" وہ واصق پر کشن اور جانے کیا کیا برسا رہی تھی۔

"اگر تمہیں کال نہیں کی تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ تم سے شادی کرنا تھی۔" دریا واصق کو روم میں نہ پاکے اسے دیکھنے کے لیے باہر آئی تھی مگر لاؤنج میں تو نبیلہ واصق کی درگت بنانے میں مصروف تھی اور وہ اپنے دفاع میں جانے کیا کیا نہیں کہہ رہا تھا۔

"تم پتہ نہیں کس مٹی کے بنے تھے اثر ہی نہیں ہوا میری محبت کا۔" دریا کے کانوں میں لگتا تھا کوئی بم پھٹا ہو۔ وہ تو سناٹے میں ہی آ گئی۔

"تم سے شادی کرکے مجھے پاگل نہیں ہونا تھا۔" واصق کی یک دم نگاہ ستون کے ساتھ کھڑی دریا پر پڑی جس کی رنگت تک اڑی ہوئی تھی اور وہ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ نبیلہ نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔

"دریا تم کب آئیں۔" وہ دونوں بوکھلا گئے۔

"جب آپ دونوں ایک دوسرے کی محبت کی نفی کررہے تھے۔" طنزیہ میں کہہ کر وہ رکی نہیں دانت پیستی ہوئی اندر چلی گئی۔

"واصق یہ تو برا ہوگیا دریا لگتا ہے ناراض ہوگئی ہے۔" نبیلہ کو فکر ہوئی۔

واصق بھی حواس باختہ ہوگیا دریا کے پیچھے روم میں بھی آیا اس کا چہرہ تنا ہوا تھا۔ دریا کا شک ٹھیک نکلا نبیلہ اس کی محبت تھی اور اس سے شادی ہوگئی۔

"دریا جیسا تم سوچ رہی ہو ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"میں کچھ نہیں سوچ رہی یہ بتایئے ہم یہاں سے کب چلیں گے۔" انداز روکھا اور سرد مہر تھا وہ واصق پر نگاہ ڈالنا بھی عبث سمجھ رہی تھی۔

"کھانے کے بعد چلیں گے نبیلہ ایسے تو جانے نہیں دے گی اس کی فیملی ہے سب سے مل کے جائیں گے۔" وہ قدرے توقف کے بعد رک رک کے گویا ہوا۔

دریا مٹھیاں بھینچ کے اندر کے انتشار کو روکنے کی پوری کوشش کررہی تھی اس کا لگتا تھا سانس رک رہا ہو وہ ایک منٹ یہاں رکنا نہیں چاہتی تھی۔

"اس کی فیملی سے مل کے کیا پرانا رشتہ جوڑنا ہے۔" پھر طنز میں ڈوبا تیر پھینکا۔ واصق کو اس کی صورت دیکھ کر ہنسی آرہی تھی وہ مکمل غلط فہمی میں گرفتار ہوگئی تھی اور اسے اس سچویشن پر مزا آرہا تھا۔

"رشتہ تو پہلے سے جڑا ہوا ہے بس فیملی سے تمہیں بھی ملادوں کیونکہ بعد میں آنا جانا تو لگا رہے گا۔"

"جی......!" وہ تو بیٹھے سے کھڑی ہوگئی۔ "مجھے فوراً کراچی جانا ہے نہیں رہنا آپ کے ساتھ آپ کے پرانے افیئرز تھے ان سے ہی کیوں نہیں کی شادی۔" وہ بری طرح غصے میں اندر ہی اندر تپ رہی تھی۔

"ضرورت محسوس نہیں کی۔" وہ مسکراہٹ روک کے گویا ہوا۔

"دیکھو کراچی جانے کی تو بات نہیں کرو کیونکہ نبیلہ بالکل بھی ابھی جانے نہیں دے گی۔"

"ٹھیک ہے آپ رہیے اپنی نبیلہ کے ساتھ۔" وہ سیل پر نمبر ملانے لگی۔

"کسے کال ملا رہی ہو۔" واصق کو اندازہ ہوگیا کہ وہ ضرور گھر کال کررہی ہے۔

"شہریار بھائی کو کررہی ہوں وہ مجھے لینے آجائیں۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔" اس نے سیل

جھپٹ لیا۔

"دیکھیں آپ اور نبیلہ میری توہین نہیں کر سکتے...... اگر آپ کو نبیلہ کے ساتھ رہنا ہے تو رہیے مجھے جانے دیں۔" اس نے آواز میں درشتگی اور ناگواری ہنوز رکھی۔

"واصق...... واصق......" نبیلہ کی آواز آرہی تھی۔ وہ دریا میں الجھا ہوا تھا۔

"ارے آوازیں کیوں دے رہی ہیں اندر آجائیے آپ ہی کا روم ہے گھر ہے۔" دریا نے طنزیہ کہا۔ نبیلہ چوکھٹ پر کھڑی تھی نگاہوں میں پشیمانی تھی۔

"دریا آپ شاید غلط سمجھ رہی ہیں۔"

"میں نے جو کچھ دیکھا اور سنا پھر بھی شاید کہہ رہی ہیں۔ اگر آپ کا انٹرسٹ واصق میں تھا تو آپ نے کیوں نہیں کہا ان سے اور یہ سب تماشہ دکھانے کے لیے مجھے یہاں لائے۔" وہ روہانسی ہوگئی تھی۔

"واصق تم نے انہیں بتایا نہیں؟" وہ تو گھبرا ہی گئی دریا کا رنگ یکلخت بدل جو گیا تھا۔

"میں نے یا تم نے ایسا کیا جرم کردیا' ارے ہم فرینڈ ہیں اس طرح تو چلتا ہی ہے۔" واصق بات کو دوسرے رخ پر لے جارہا تھا۔

"ارے واصق بیوی ہے یہ تمہاری۔"

"غلطی سے...... میں تو پہلے ہی راضی نہیں تھی میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ؟" دریا اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کے رہ گئی۔ واصق نے اشارے سے نبیلہ کو چپ رہنے کو کہا۔

❁......❁......❁

دریا روم میں تھی وہ واصق سے بات تک نہیں کررہی تھی۔ سیل تک واصق نے اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔

"کتنا ڈھیٹ انسان ہے ذرا اسے شرمندگی نہیں اور اسی لڑکی کی سائیڈ لے رہا ہے۔" وہ دانت پیس رہی تھی۔ نبیلہ کتنی دفعہ اسے کھانے کا پوچھ چکی تھی مگر وہ بات ہی نہیں کررہی تھی۔

"گھر جاکے میں سیدھی امی ابو کے پاس چلی جاؤں گی مجھے اپنی بے عزتی ذرا بھی گوارا نہیں۔" وہ سوچے جارہی تھی۔

کافی ٹائم گزر گیا تھا واصق اندر نہیں آیا تھا اور وہ کلاک پر نگاہ جمائے ہوئے تھی۔ گھر میں چہل پہل ہورہی تھی۔ بچی کے رونے کی بھی آواز آرہی تھی اور کوئی شخص لگتا تھا وہ نبیلہ سے لڑ رہا تھا یا پھر وہ غصہ کررہا تھا اور واصق درمیان میں بولے جارہا تھا۔ پھر کچھ ہی دیر میں وہ لوگ باتیں کرتے ہوئے ادھر کی طرف آرہے تھے۔ دروازے پر وہ تینوں ہی کھڑے تھے۔ دریا سنبھل کے بیٹھ گئی۔ دریا کو اچانک سے اتنے شور شرابے پر حیرانگی تھی بچی کی بھی آوازیں تھیں۔

"السلام علیکم بھابی۔" آنے والے نے زوردار انداز میں بڑے فریش موڈ میں سلام کیا تھا اس کے پیچھے نبیلہ چھ ماہ کی بچی کو گود میں لیے ہوئے تھی اور کچھ ندامت میں گھری ہوئی تھی۔ وہ تو گڑبڑا گئی سلام کا جواب بھی دینا بھول گئی۔

"بھابی مجھے پتہ ہے ضرور اس بے وقوف عورت نے آپ کے درمیان غلط فہمی ڈال دی ہوگی۔" ارسلان بولا تھا۔

"ارسلان...... ایسی کوئی بات نہیں ہے اور نہ ہی دریا کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" واصق وضاحت دینے لگا۔ دریا بیٹھے سے کھڑی ہوگئی وہ کیا بول رہا تھا وہ حواس باختہ نا سمجھی کی کیفیت میں ان لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔

"اصل میں بھابی میں صبح ہی نکل گیا تھا ورنہ آپ سے ملاقات کرکے جاتا یہ دونوں تو وہاں امریکہ میں بھی ایسے ہی لڑتے تھے ان کی لڑائیاں پوری یونیورسٹی میں مشہور تھیں۔" ارسلان خوشگوار انداز میں اسے بتا رہا تھا۔

"سوری دریا اصل میں...... میں بھول گئی تھی واصق کی شادی ہوگئی ہے اس کی بیوی کو برا لگ سکتا ہے۔"

"اچھا یہ بتاؤ نبیلہ جب میں تم سے لڑتا تھا وہاں' کبھی ارسلان کو برا نہیں لگتا تھا' جبکہ تم دونوں کی شادی ہوگئی تھی۔" واصق نے دریا کو گویا جتایا' وہ چونک کے اس کی بات پر غور

کرنے لگی۔

"ارے یار واصق کیوں بھابی کو پریشان کررہے ہو ہنی مون پر آئے ہو خوشی خوشی انجوائے کرو۔" ارسلان نے بات کو ادھر ادھر کیا۔ دریبا کو شرمندگی ہوئی وہ تو نبیلہ کو غلط سمجھ رہی تھی وہ شادی شدہ اور ایک بچی کی ماں بھی تھی۔

"بھابی اس کا کوئی افیئر وغیرہ بھی رہا ہی نہیں' میں تو حیران ہوتا تھا کہ اسے کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آتی۔"

"پھر یہ نبیلہ کیا بول رہی تھی۔" دریبا کا ذہن ابھی بھی الجھا ہوا تھا' مگر اندر کے سوال کو زبان پر نہیں لائی تھی۔

"اصل میں نبیلہ کا بچپنا نہیں گیا جبکہ ایک بچی کی ماں بن گئی ہے۔" ارسلان نے ننھی اریبہ کو گود میں لیا۔ ارسلان پتہ نہیں اسے اور کیا کیا بتا رہا تھا وہ خاموشی سے سن رہی تھی۔ واصق نے اس تمام عرصے میں جان لیا وہ کسی مخمصے میں الجھی ہوئی ہے۔

اس نے لنچ بھی برائے نام ہی کیا' نبیلہ تو نارمل طریقے سے اپنی میزبانی نبھا رہی تھی جبکہ وہ خاموش ہی رہی تھی۔

"دریبا پلیز سوری۔" وہ سوری کرنے لگی۔

"سوری کی آپ کو ضرورت نہیں ہے غلطی ان کی ہے اگر یہ بتا دیتے تو میں آپ کو اتنا کچھ نہیں سناتی۔" وہ خود بہت شرمسار تھی نبیلہ سے آنکھ بھی نہیں ملا رہی تھی۔

"واصق کی اور آپ کی جوڑی بہت زبردست ہے اور واصق ایسی ہی لڑکی کے لیے ڈیزرو کرتا تھا' اس نے کبھی وہاں کسی لڑکی کو بری نظر سے نہیں دیکھا۔ میری اور ارسلان سے اس کی بہت دوستی تھی ہماری فیملیز وہیں تھیں اور ہم آپس میں کزن بھی ہیں۔ ہماری شادی وہیں ہوئی تھی مگر رخصتی اس وقت ہوئی جب ارسلان کی فیملی یہاں پاکستان آ گئی' میں بھی یہیں آ گئی اور یہ ہماری چھوٹی سی پیاری سی دنیا ہے ارسلان کے امی ابو عمرے پر گئے ہوئے ہیں ورنہ میں آپ کو ان سے بھی ملواتی۔" نبیلہ اسے تفصیل سے سب بتا رہی تھی۔

"نبیلہ چائے تو بناؤ۔" ارسلان نے کہا۔

واصق اور دریبا چائے کے بعد جانے کی تیاری کرنے لگے تھے مگر ارسلان نے نہیں جانے دیا بلکہ زبردستی ان کا سارا سامان ادھر ہی منگوالیا' حالانکہ دریبا کا رکنے کا دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا واصق نے فیصلہ کیا اسے ان دو دنوں میں واپس چلے جانا چاہیے۔

> کافر کافر کہتا جائے
> فتویٰ مجھ پر لگتا جائے
> تیرا مسلک میرا مسلک
> لڑتے لڑتے مرتا جائے
> دولت کے لالچ میں آ کر
> منصب، مذہب کھوتا جائے
> دورِ حاضر کا یہ انساں
> اپنے ہاتھوں مرتا جائے
> بدقسمت تو ظالم بھی تو
> اس بدبو میں سڑتا جائے
> نیکی کرنا مرضی تیری
> لکھنے والا لکھتا جائے
>
> شاعرہ...... فاطمہ عبدالخالق۔ فیصل آباد

❁ .... ❁ .... ❁

وہ ہنی مون سے واپس آ کے میکے رہنے کی تیاری کر رہی تھی واصق اس کا ارادہ بھانپ گیا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ دونوں گھرانوں میں کوئی بدمزگی ہو وہ دریبا کو خوش رکھنا چاہتا تھا مگر اس کی چھوٹی سی شرارت نے دریبا کو دور کر دیا تھا' ایک تو وہ پہلے ہی اس سے گریز برتتے ہوئے تھی۔

"تمہیں جانے کی کیوں جلدی ہو رہی ہے' کل ہی تو آئی ہو۔" ونیزہ کو تشویش بھی ہو رہی تھی کیونکہ ایک ہفتے کے اندر دونوں واپس آ گئے تھے ذکیہ نے حسن احمد سے بھی حیرانگی کا اظہار کیا تھا۔

"بس آپی دل کر رہا ہے کہ آزادی سے لمبی تان کے سونے کا۔" دونوں کچن میں تھیں شام کی چائے بنا رہی تھیں حسن احمد اور شہریار بھی جلدی گھر آ گئے تھے۔

"خیریت تو ہے تم دونوں میں کوئی جھگڑا تو نہیں ہوگیا؟" ونیزہ نے پنک کپڑوں میں ملبوس دریا کو بغور دیکھا' اس کے چہرے سے صاف لگ رہا تھا وہ کچھ چھپا رہی ہے۔

"آپی میرے ساتھ ہی نہیں واحق کے ساتھ بھی ٹھیک نہیں ہوا۔" وہ یک دم ہی گویا ہوئی۔ ونیزہ ٹرالی ترتیب دے رہی تھی' اس کی غیر متوقع بات پر حیرانگی سے دیکھنے لگی جیسے وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"دریا یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"آپی واحق کسی لڑکی کو پسند کرتے ہیں۔" واحق کچن کی ہی طرف آرہا تھا دریا کی باتیں سنیں تو وہ سناٹے میں آگیا اور یہ باتیں بڑوں تک پہنچ گئی تو بہت برا ہوگا' بابا پہلے ہی اسے وارننگ دے چکے تھے۔

"واحق اگر تمہاری وجہ سے مجھے کوئی بھی شرمندگی اٹھانی پڑی اس لڑکی کے سامنے یا اس کے گھر والوں کے سامنے یاد رکھنا میں تمہیں گھر سے نکالنے میں دیر نہیں کروں گا۔" بابا کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔

"ارے باپ رے باپ یہ تو برا ہوگیا۔" عائشہ اس کی گود میں تھی وہ کچن میں آگیا تھا۔ ونیزہ نے فہمائشی نگاہوں سے واحق کو دیکھا۔ دریا تو فوراً ہی اس کے پیچھے سے نکل گئی تھی۔

"بھابی دریا کیا کہہ رہی تھی؟"

"جو وہ کہہ رہی تھی تم جانتے ہو۔" ٹرالی میں اس نے کیتلی رکھی اور کپ اور ساسر کو ترتیب سے وہ نیچے کے پورشن میں رکھنے لگی۔

"بھابی ایسی کوئی بات نہیں ہے' کیا آپ کو لگتا ہے میں ایسا ہوں گا۔"

"پھر وہ نبیلہ کا کیا قصہ ہے؟" وہ ٹرالی کھسکا کے کچن سے نکلنے لگی عائشہ کو اس نے تھاما ہوا تھا۔

"وہ تو بس مذاق تھا نبیلہ سے میری کوئی ایسی وابستگی نہیں تھی اور نہ ہی ہے۔"

"وہ تو غلط ہی سمجھ رہی ہے دیکھو واحق دریا حقیقت پسند لڑکی ہے اور میرے چچا اور چچی جان بہت حساس طبیعت کے ہیں وہ ایسی کوئی بات برداشت نہیں کرسکیں گے' دیکھو تم ہم غریب لوگوں کو مذاق کا نشانہ نہیں بناؤ' ہمارا نصیب ہے جو ہم دونوں کزن اس بڑے گھر کی بہوئیں بن گئیں' اس سے زیادہ توہین نہیں کرنا کہ تمہیں سنبھالنا مشکل ہوجائے۔" ونیزہ بھی افسردہ ہوگئی تھی وہ اس گھر میں آتو گئی تھی مگر اپنا ماضی نہیں بھولی تھی۔ دریا بارات میں ہی چلی گئی تھی واحق تو چور بن گیا تھا۔

❀.......❀.......❀

دریا کا دل ٹوٹ گیا تھا نبیلہ کی باتیں بھولتی ہی نہیں تھیں۔

"آپی وہاں کہاں کہاں کی سیر کی آپ نے۔" وجدان اس کے پاس آکے بیٹھا' اسے جاننے کی بھی بے چینی تھی۔

"زیادہ گھومے ہی نہیں ٹھنڈ ہی اتنی ہو رہی تھی۔" اس نے بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔

"آپی آپ اسلام آباد گئے تھے وہاں کا موسم کتنا زبردست ہوگا۔" اریبہ اسے دیکھ کر رشک کرنے لگی۔

"اچھا چلو جاؤ تم لوگ یہاں سے مجھے نیند آرہی ہے۔" وہ کمبل کھول کے خود پر ڈالنے لگی۔

وجدان منہ بناتا ہوا اٹھ گیا' جبکہ اریبہ اپنے اسکول کا کام کرنے لگی دریا کا ذہن الجھا ہوا تھا واحق مسلسل اسے کال کیے جارہا تھا مگر وہ ریسیو نہیں کررہی تھی۔ اریبہ نے اس کا سیل پھر اس کے ہاتھ میں دیا۔

"آپی واحق بھائی کی کال ہے۔"

"کہہ دو سو رہی ہوں۔" اس نے سیل واپس اس کے ہاتھ میں تھمایا۔ دریا نے بھی سوچ لیا تھا وہ واحق سے کوئی بات نہیں کرے گی اور ہرگز نہیں جائے گی۔

امی اور ابو سے تھکن کا بہانہ کرکے وہ رک گئی تھی ورنہ امی کو سب سے زیادہ اس کی فکر ہوتی' مگر انہوں نے اندازہ لگایا تھا وہ کچھ چپ چپ سی ہے ورنہ شادی کے بعد تو لڑکیاں کھل جاتی ہیں مگر دریا انہیں مرجھائی ہوئی لگ رہی تھی انہیں اندیشے ستا رہے تھے وہ پہلے ہی اس رشتے پر

راضی نہیں تھی۔

❀......❀......❀

اسے گئے ایک ہفتے سے اوپر ہوگیا تھا اور عقدہ بھی کھل گیا تھا واصق کو تو بابا نے خوب ہی سنائی تھی اور وہ شرمندہ شرمسار فکر مند دانتوں میں انگلیاں چبا رہا تھا۔ ذکیہ بیگم نے تاسف سے سر ہی پکڑ لیا تھا۔

"مجھے اس نالائق سے یہی توقع تھی کیا ضرورت تھی تمہیں اپنے فرینڈز کے گھر جانے کی۔" وہ اسے سخت سست سنانے لگے۔

"بابا چھوڑیں اس کے فرینڈز ہیں کیا ہوگیا جو چلا گیا۔" شہریار کو اس کی حالت پر ترس آ رہا تھا۔

"تم تو چپ ہی رہو اس نامعقول نے بہت غلط کیا ہے۔ بیوی کو پہلے اپنے فرینڈز کے بارے میں بتاتا پھر ہی ملتا اور یہ گھومنے پھرنے کے لیے اسے لے کے گیا تھا' فرینڈز کی گیدرنگ میں نہیں۔"

"سوری بابا بس بھی کریں اور کتنا ڈانٹیں گے۔" واصق نے منمناتے اپنی روہانسی صورت کے ساتھ کہا۔

"آپ پلیز خود بات کریں۔"

"کوئی بات نہیں کروں گا اور نہ ہی کوئی تمہاری حمایت میں بات کرے گا' سب کان کھول کے سن لیں' خاص طور پر ونیزہ میں تم سے کہہ رہا ہوں' اس پر ترس کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔" انہیں شاید اندازہ تھا وہ ونیزہ کو اپنا حمایتی بنا کے بھیجے گا۔ ونیزہ جزبز ہوگئی' ذکیہ بیگم کی بھی آگے سے بولنے کی ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی۔

"میں نے تمہاری ہر حرکت معاف کی ہے مگر یہ میں معاف نہیں کروں گا وہ پہلے ہی اس شادی کے لیے تیار نہیں تھی شاید انہی باتوں کی وجہ سے۔" وہ اسے اچھی طرح سنانے کے بعد وہاں سے اٹھ گئے۔

"امی یہ سب کیسے ہوگا؟" وہ بہت فکر مند اور بے حال بھی ہو رہا تھا۔

"جب معاملہ بگاڑا ہے تو سنبھالو بھی تم ہی۔ کیا ضرورت تھی تمہیں مذاق کرنے کی۔" ذکیہ بیگم کو واصق کی

میں کس طرح بتاؤں

میرے وطن میں اب جو حالات ہو رہے ہیں
میں کس طرح بتاؤں کیا عذاب ہو رہے ہیں
پہلے نہیں تھا ایسا میرا وطن اے لوگو
اب ظلم ہی ہر سُو بے حساب ہو رہے ہیں
مائیں تڑپ رہی ہیں بچے بلک رہے ہیں
سایہ نہیں ہے سر پر نیلام ہو رہے ہیں
اُن بہنوں پہ کیا ہے گزری کوئی تو اُن سے پوچھے
جن کے بھائیوں کے قتل سرِ عام ہو رہے ہیں
جن نوجوانوں کو بننا تھا اِس قوم کا مقدر
اب اُن کی لاشوں سے قبرستان آباد ہو رہے ہیں
جن کے سُہاگ اُجڑے اُن کا نہ حال پُوچھو
اُن کی ویران آنکھوں میں جو سوال ہو رہے ہیں
کوئی تو آ کر کہہ دے یہ خواب تھا اے لوگو
اِس خواب کو بھلا دو کہ گُل شاداب ہو رہے ہیں

شاعرہ: آبرو نبیلہ اقبال (راولپنڈی)

حالت پر فکر بھی ہو رہی تھی ایک ہفتے سے کتنا پریشان تھا دریہا سے بھی بات نہیں ہو رہی تھی۔ شہریار اور ونیزہ دو دفعہ اس سے ملنے جا چکے تھے' چلنے کو بھی کہا تھا مگر اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

واصق نے آئندہ مذاق سے توبہ کر لی تھی اسے کیا پتہ تھا یہ اسے مہنگا پڑے گا اور لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ سچ کہا ہے کسی نے مذاق بھی کرو تو ایک حد میں رہ کے کسی کی دل آزاری نہیں ہو۔ اس نے پھر سیل پر اسے کال کی۔

"اریبہ دریہا سے بات کروا دو۔"

"واصق بھائی آپی نہا رہی ہیں۔" اس کی آواز آئی واصق کا منہ اتر گیا جانے وہ سچ کہہ رہی تھی یا جھوٹ۔

"اچھا میری بات کروا دینا تم خود...... وہ مجھ سے بات نہیں کر رہی۔"

"جی اچھا۔" وہ جھٹ بولی۔

وہ اپنے بیڈ روم میں ادھر سے ادھر گھوم رہا تھا ابھی شادی کو ایک ماہ بھی نہیں ہوا تھا اور دونوں میں رنجش ہوگئی تھی۔

"چل واثق بچے ہمت کرنی ہی پڑے گی ورنہ بابا تو گھر سے نکال باہر کریں گے۔" وہ بھی باتھ لے کے فریش ہوگیا۔ بلیک پینٹ پر گرے شرٹ میں ملبوس سنورا نکھرا ڈیشنگ لگ رہا تھا۔ اسے دریا کو منانا ہی تھا اپنی زندگی کو منانا ہی تھا۔

❀......❀......❀

کب سے وہ آیا بیٹھا تھا انصر علی سے باتوں میں بھی لگ گیا تھا اریہ شام کی چائے کے ساتھ کافی کچھ لوازمات لائی تھی۔ وجدان سے بھی اس کی خاصی گپ شپ ہوئی۔

"آنٹی دریا تیار ہوگئی ہے مجھے گھر جانا ہے۔"

"بیٹا میں نے کہہ تو دیا ہے ایسا کرو تم خود اندر چلے جاؤ۔" وہ سمجھ گئی تھیں ان دونوں میں کوئی ناراضگی ہے کیونکہ دریا نے انہیں کچھ نہیں بتایا تھا وہ ماں تھیں اولاد کا چہرہ دیکھ کے ماں تو بھانپ جاتی ہے کہ وہ کیوں پریشان ہے یا کوئی الجھن اور فکر ہے۔ انصر علی عصر کی نماز کے لیے چلے گئے تھے وہ اٹھ کے اندر کی طرف جانے لگا۔

دروازے پر دستک دے کر وہ اندر آ گیا صاف ستھرا نفیس سا کمرا تھا سنگل بیڈ ایک واڈروب اور رائٹنگ ٹیبل سائیڈ پر دیوار گیر بڑا سا شیشہ تھا۔ اسے دیکھ کر گڑبڑا گئی اسے یہ اندازہ نہیں تھا وہ یوں اچانک سے اندر آ جائے گا کاسنی کپڑوں میں ناراض ناراض سی اسے بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"یہ کیا طریقہ ہے سیل تک آف رکھتی ہو بات بھی نہیں کرتی، کب تک ایسا کروگی۔" وہ ناراضگی اور خفگی سے گویا ہوا۔ اور اس کے مقابل آ کے کھڑا ہوگیا۔ گہری نگاہیں اس پر جمادی تھیں۔

"میرے خیال میں ہمیں یہ رشتہ ہی ختم کردینا چاہیے کیونکہ بالکل میچ نہیں ہوتا۔" وہ یک دم ہی بولی۔

"ک...... ک...... کیا؟" واثق کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو رہا تھا۔

"مجھ میں اتنا ظرف اور برداشت نہیں آگے زندگی میں قدم قدم پر آپ کے راز سامنے آتے رہیں گے۔" وہ پشت پھیر کے بڑی معنی خیزی سے طنز کرنے لگی۔

"دریا میں تم سے معافی مانگتا ہوں سوری۔"

"کیا سوری، اتنی آسانی سے سوری...... آپ کیا سمجھ رہے ہیں جو کچھ ہوا وہ ٹھیک تھا اور بعد میں بھی ٹھیک ہوتا رہے گا۔ بالکل بھی نہیں، میں اسی وجہ سے اس شادی کے خلاف تھی، آپ فرنگیوں کے ملک میں رہتے ہیں ضرور آپ کے سابقہ عشق نکل کے سامنے آتے رہیں گے۔"

"جسٹ شٹ اپ......" دبی دبی آواز میں چیخا تھا کیونکہ ایسی الزام تراشیاں وہ برداشت نہیں کرسکتا تھا۔

"میں نے نبیلہ کے ساتھ مل کر تمہیں بے وقوف بنانے کے لیے مذاق کیا تھا اور کچھ نہیں تھا۔ نبیلہ اور ارسلان شروع سے ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ تم مجھ سے دور دور تھیں اس لیے یہ مذاق کرلیا شاید تمہیں شراکت برداشت نہیں ہو اور تم میرے قریب آ جاؤ، مجھے یہ نہیں پتہ تھا کہ تم میرے متعلق کیا کیا اخذ کرتی رہیں اگر میں ایسا ہوتا تو کب کا اپنی مرضی سے وہیں امریکہ میں شادی کرلیتا اور تمہارے لیے راضی نہیں ہوتا۔ ارے اگر میرے متعلق کوئی غلط فہمی تھی تو مجھ سے کلیئر تو کرتیں، تمہاری وجہ سے بابا سے الگ ڈانٹ سنی...... اگر تم گھر نہیں آئیں تو وہ مجھے گھر میں گھسنے نہیں دیں گے۔" وہ بولتا جارہا تھا اور دریا حیرانگی سے سنتی رہی۔

"دریا میں تو تمہیں چپکے چپکے چاہنے لگا تھا...... اگر میں کسی کو پسند کرتا تو پہلے ہی کرلیتا مجھے تمہاری معصومیت اور صاف گوئی بہت اچھی لگی تھی تم میں اور لڑکیوں کی طرح عیاری اور دکھاوا نہیں تھا میں تو دل ہار بیٹھا تھا۔" وہ قدرے توقف کے بعد پھر گویا ہوا۔

"اور تم نے نبیلہ کو سنا تو دی بے چاری روز کال کرتی ہے یہی پوچھنے کے لیے کہ تمہاری ناراضگی ختم ہوئی یا نہیں۔" وہ چہرے پر ہاتھ پھیر کے سانس بحال کرنے لگا۔

"تمہیں چلنا ہے تو آجاؤ ورنہ میں جارہا ہوں تمہارا جب دل کرے آجانا۔" وہ بہت رنجور اور دل گرفتہ ہوگیا تھا۔ دریا کو کچھ وقت سوچنے کے لیے دینا چاہتا تھا۔

"دریا پلیز دل و دماغ سے سوچنا رشتے کوئی کھلونے نہیں ہیں جو توڑ دیئے جائیں ان سے جذباتیت کا بھی رشتہ ہوتا ہے، میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا اور اگر تمہیں مجھے اذیت دے کے خوشی ملتی ہے تو ٹھیک ہے، تم یہاں جتنا دل چاہے رہو مگر رشتہ توڑنے کی بات نہیں کرنا۔" اس نے دریا کا نرم و ملائم ہاتھ بڑے پیار سے اپنے ہاتھ میں لے کے سہلایا۔

"اور ہاں میں تو گھر جانے والا نہیں جب تک تم یہاں ہو میں بھی تمہارے ساتھ یہیں رہوں گا۔"

"جی......" وہ کرنٹ کھا کے پیچھے ہوئی۔

"بالکل بھی نہیں امی اور ابو کو پتہ چل جائے گا۔" وہ تو گھبرا گئی۔

"تم اچھا ہے اسی طرح انہیں بھی پتہ چلے وہاں ادھر میرے گھر میں بھونچال آیا ہوا ہے، اچھا ہے ادھر بھی آجائے گا۔" وہ اسے تنگ کرنے کو بولا اور بیڈ پر لیٹنے لگا۔

"اسی روم میں سوتی ہونا بیڈ سنگل بھی چلے گا۔" وہ معنی خیزی سے ہنسا۔

"ایسے کیسے سو سکتے ہیں؟" وہ تو حواس باختہ ہی ہوگئی۔

"محترمہ میں بھی سوچ کے آیا ہوں، تمہیں لیے بغیر تو بالکل نہیں جاؤں گا۔" وہ اس کی حالت سے مزہ لینے لگا۔

"اچھا چل رہی ہوں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ روہانسی ہو کے بول اٹھی۔ واصق کے ہونٹوں پر فتح مند مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"زبردستی نہیں جاؤ، تمہارا اس وقت دل کرے جب چلیں گے ذرا سسرال کے بھی دن رات کے مزے لے لوں گا۔"

"ہم نہیں رک رہے۔" وہ پھر بولی۔

"کیوں کیا ہوا؟" اس نے دریا کے چہرے پر نگاہ کی وہ نگاہیں جھکائے ہوئے تھی۔

"سوری مجھے بھی اتنا ہائپر نہیں ہونا چاہیے تھا آپ سے سب کہہ دیتی تو شاید یہ نوبت نہیں آتی۔"

"جو ہوا سو ہوا...... جلدی سے سامان پیک کرو اور گھر چلو۔"

"سوری......" وہ شرمسار لہجے میں گویا ہوئی۔

"او کے لیکن آئندہ اس بات کا خیال رکھنا میری طرف سے بدگمان ہونے سے پہلے بات کلیئر کرلینا۔" اس نے دریا کے دونوں ہاتھوں کو مسکرا کے پکڑا۔

"تم نے میرے اتنے اچھے دن خراب کیے ہیں ان کا حساب کون دے گا۔" وہ معنی خیزی سے ان دنوں کو یاد کرنے لگا جب شادی ہوئی تھی۔

"ہم کیا دوبارہ ہنی مون پر نہیں جاسکتے۔" وہ شرمائی شرمائی گویا ہوئی۔

"کیا پھر سے بولو۔" واصق پر تو شادی مرگ طاری ہوگیا۔

"نبیلہ کے گھر رہیں گے۔"

"ہاں ٹھیک ہے اس سے بھی درگت بنوا لینا اپنے میاں کی۔" وہ روہانسا ہونے کی ایکٹنگ کرنے لگا۔

"نبیلہ کو میں خود کال کر کے بتاؤں گی۔" وہ ہنسی۔

"سچ بتاؤ دل سے معاف کردیا۔" دریا نے اثبات میں سر ہلایا وہ ابھی کوئی کارروائی کرتا بابا کی کال آگئی۔

"جی...... جی بابا جان مان گئی ہے آپ کی بہو۔" وہ فوراً مودب بن گیا۔ دریا نے جھینپ کے واصق کے شانے پر سر رکھ دیا۔ واصق نے بات کر کے کال بند کی۔

"آپی...... ونیزہ آپی اور شہریار بھائی آئے ہیں۔" اریبہ کی آواز پر وہ تیزی سے نکلا تھا۔

"یار جلدی آجانا سامان سمیت۔" یہ کہہ کر وہ نکل گیا۔

دریا کو ایسا لگا اس کے بے چین دل کو سکون مل گیا ہو۔ واصق کی کھلی محبت کے اظہار نے اسے مطمئن کردیا تھا۔ ساتھ ہی دل کی فضا مہکنے لگی تھی، چار سو روشنی جھلکنے لگی تھی۔

❀

اقبال بانو

ٹرن...... ٹرن...... ٹرن

فون کی گھنٹی بجی تو اس نے کتاب پر نظریں جمائے ہوئے ہی ہاتھ بڑھا کر بیڈ سائیڈ پر رکھے فون کا ریسور کا بٹن دبایا۔

"ہیلو جی۔" اس نے چشمہ اتارتے ہوئے ماؤتھ پیس میں اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"آپ...... وہ جی مجھے محترمہ شہپال فاروقی سے بات کرنی تھی۔" دوسری جانب سے عجیب گھبراتے ہوئے انداز میں کہا گیا۔

"کہیئے بات بول رہی ہوں۔" اس نے کتاب رکھ دی۔

"آپ یونیورسٹی کی پرنسپل شہپال فاروقی......" لہجے میں بے یقینی تھی۔

"شک کی وجہ عادل بھائی؟" شہپال کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"تو آپ نے اتنے برسوں بعد میری آواز سنی اور پہچان لیا۔ حیرت ہے بھئی۔" عادل پرویز کی حیران آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ ہنس دی۔

"عادل بھائی...... یہ تو صرف تیس برس بعد آپ کی آواز سنی ہے میرا دعویٰ ہے کہ تیس صدی بعد بھی میں پہچان لوں گی کہ یہ میرے بھائی عادل پرویز کا لہجہ اور انداز ہے۔"

"تمہاری ذہانت پر مجھے کبھی بھی شک نہیں رہا۔" عادل برسوں پرانی بے تکلفی سے بولا۔ "ریئلی میں نے اتنا اچھا حافظہ کسی کا نہیں دیکھا۔"

"مسکا نہیں عادل بھائی...... مطلب کی بات کریں۔"

"یعنی میں تم سے مطلب سے بات کروں گا؟" عادل رعب سے بولا۔

"زمانہ ہی ایسا جارہا ہے کوئی کام؟" اس نے بے پروائی سے کہا۔

"تم کیا کام کرسکتی ہو؟"

"آج کل صرف ایڈمیشن کا مسئلہ ہے اور مجھے یہ فخر ہے کہ میں شہر کے سب سے بہترین یونیورسٹی کی پرنسپل ہوں۔ جہاں لوگ اپنی بچیوں کو پڑھانا پسند کرتے ہیں اور ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی بچیوں کا میری یونیورسٹی میں داخلہ ہوجائے۔" اس کے لہجے میں اعتماد اور سچ تھا۔

"صحیح کہہ رہی ہو شہپال مگر میں نے تمہیں کسی اور وجہ سے فون کیا ہے۔" عادل نے آہستہ سے کہا۔

"حیرت ہے؟"

"اس کی وجہ۔"

"خیر بتائیں کیا کام ہے؟ وہ کون سی وجہ ہے جس نے آپ کو مجبور کردیا کہ آپ مجھے فون کریں۔"

"طنز مت کرو۔"

"پتا نہیں لوگوں کو میری بات طنز کیوں لگتی ہے۔"

"کیوں ہے تمہارے لہجے میں اتنا زہر؟"

"کچھ عرصہ ایک سانپ کے ساتھ رہی تھی اس کا زہر میرے اندر اتر گیا ہے اور......"

"پلیز شہپال۔" عادل نے اس کی بات کاٹی۔ "مت چبھواؤ مجھے تیر۔"

"حیرت ہے میری سیدھی سی بات آپ کو تیر بن کر لگ رہی ہے حالانکہ میری آپ سے کوئی دشمنی نہیں عادل بھائی کہ میں آپ سے تلخی سے بات کروں مگر کیا کروں کہ زبان

کا ذائقہ ہی یہی ہو گیا ہے...... تو سوری ہاں تو بتائیں کیا کام ہے؟"

"تم پرسوں زوار شاہ سے ملی تھیں اسے دیکھا تھا تم نے؟"

"یہ کس جانور کا نام ہے؟"

"پلیز شہپال مجھے بتاؤ" نہایت سنجیدگی سے۔

"میں اس سے نہیں ملی عادل بھائی۔ بس وہ خود ہی میرے سامنے آ گیا۔ مجھے کیا پتا تھا کہ......" ایک دم ہی وہ خاموش ہو گئی۔

"پتہ ہے شہپال پرسوں رات ہی اس پر زبردست دل کا دورہ پڑا اور......"

"اور کیا وہ مر گیا......" وہ نہایت سفاکی سے بولی۔

"کیا تم یہی چاہتی ہو؟"

"میں کیا چاہتی ہوں یہ تو مجھے خود بھی علم نہیں عرصہ گزر گیا ہے خود سے پوچھے کہ میری کیا خواہش ہے؟"

"مگر کسی دوسرے شخص کی خواہش تو تم جان سکتی ہو اور پھر اس خواہش کو پورا کر سکتی ہو؟"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"زوار تم سے ملنا چاہتا ہے شہپال......"

"واٹ؟"

"ہاں۔"

"وجہ؟"

"وہ...... وہ تم سے پوچھنا چاہتا ہے کہ تم نے اسے اگنور کیوں کیا تھا؟ برسوں پہلے تم جو کہا کرتی تھیں بچھڑنے کے بعد وہ جب بھی تمہارے سامنے آیا ساری دنیا کو چھوڑ کر تم اس کی طرف لپکو گی۔ پھر بتاؤ شہپال پرسوں تم نے اپنا وعدہ کیوں نہ نبھایا؟"

"میں نے وعدہ نہ نبھایا اور آپ کے دوست کا دل ڈوب گیا یہی کہنا چاہتے ہیں نا آپ......"

"ہاں۔"

"تو عادل بھائی اپنے دوست کو یاد کروا دیں کہ وہ بائیس برس قبل مجھ سے ملا تھا تقریبات میں، بازاروں میں شہر کی وسیع و عریض سڑکوں پر۔ چلچلاتی دوپہروں میں۔ خنک شاموں میں اور میں اس کی طرف لپکتی تھی۔ بالکل ایسے جیسے لوہا میگنٹ کی طرف کھنچتا ہے مگر وہ مجھے اگنور کر کے راہ بدل لیتا۔ اس کی آنکھوں میں شناسائی کی کوئی رمق نظر نہ آتی میں منجمد سی اپنی جگہ کھڑی اسے تکتی رہ جاتی اور وہ میری نظروں سے دور ہو جاتا تب میری آنکھوں میں سنگ ریزے ضرور چبھتے مگر عادل بھائی میرے دل نے کبھی نہیں لگا میں چھڑائیں۔ یہ دل کبھی نہیں ڈوبا اور آپ کے دوست اتنے دل کے چھوٹے ہیں۔"

"طنز مت کرو شہپال تمہیں پتا ہی ہوگا کہ محبت پیشانی کی ایک شکن بھی نہیں دیکھ سکتی...... چہ جائیکہ تم اسے بالکل ہی اگنور کر دو۔" عادل نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"یہ خیال آپ کو اتنے عرصے بعد آیا ہے عادل بھائی اپنے دوست سے پوچھیں اس نے میرے ساتھ جو سلوک کیا، کیا اسے وہ یاد نہیں؟"

"یہ مت بھولو کہ اس نے تمہیں بہت چاہا ہے اور اب

تک......"

"مجھے یہ باتیں اب خوش نہیں کرسکتیں پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا ہے عادل بھائی۔ اب تو نہ وہ عمر ہے اور نہ ہی وہ ولولے......" وہ ہنس کر بولی۔

"وہ تم سے ملنا چاہتا ہے شہپال......"

"مگر میں آپ کے دوست سے نہیں مل سکتی۔"

"یہ کیا تم بار بار اسے میرا دوست کہہ رہی ہو آخر تم سے بھی اس کا تعلق ہے۔"

"میرا اس سے کوئی تعلق نہیں...... رہی نام لینے کی بات تو میں اس کا نام لبوں پر نہیں لانا چاہتی۔"

"دل کے تعلق اتنی جلدی نہیں ٹوٹتے شہپال۔"

"یہ جلدی ہے۔" اس کے لہجے میں حیرتیں عود کر آئیں۔ "پورے تیس برس گزر چکے ہیں اور جب راستے بدل جائیں تو تعلق خود بخود ہی ٹوٹ جایا کرتے ہیں۔"

"واقعی؟"

"شک کی وجہ؟"

"کیا تمہیں وہ یاد بھی نہیں آتا؟"

"یاد......؟" شہپال ہنسی۔

"اتنا وقت ہی نہیں ملتا۔"

"یعنی تم نے اس کی یادوں سے بچنے کے لیے خود کو مصروف کرلیا۔"

"اب ایسی بات بھی نہیں ہے جبران نے کہا تھا جو محبت روز نہیں عود کر آتی وہ مر جاتی ہے اور واقعی وہ محبت مر چکی ہے عرصہ ہوا۔ یقین کریں عادل بھائی کبھی خیال بھی آیا تو وہ اپنی طالب علمی کے دور کی حماقت ہی لگی۔ سب بکواس ہے۔" شہپال نہایت زہریلے انداز میں کہہ رہی تھی مگر نہ جانے کیوں اس کی آنکھیں نم ہوتی جارہی تھیں یہ تو شکر تھا عادل پرویز فون پر اس کی آواز سن رہا تھا اسے دیکھ نہ سکتا تھا ورنہ سچ کیا تھا وہ اسے دیکھ لیتا تو جان جاتا۔

"تم اس سے مل لو شہپال......"

"نہیں ملوں گی۔" اس نے پتھریلے لہجے میں کہا۔

"پلیز......" عادل منمنایا۔

"عادل بھائی...... میرا اس سے کیا رشتہ ہے؟ کیا ناتا ہے جو میں اس سے ملوں؟"

"گئے برسوں میں جو ناتا تھا اس حوالے سے مل لو۔"

"اب تو اس ناتے کی پرچھائیں بھی نہیں رہی۔"

"شہپال تم اتنی ظالم تو نہ تھیں۔"

"کہا نا بہت وقت گزر گیا اور گزرتے وقت نے مجھ میں ڈھیر ساری تبدیلیاں پیدا کردی ہیں اور اب میں وہ لاابالی لڑکی نہیں جس کے لبوں سے قہقہوں کا چشمہ قل قل کرتا رہتا تھا نہ ہی وہ لڑکی ہوں جو زوار شاہ کی ذرا سی خفگی پر پاگل ہوجاتی تھی۔ کبھی کبھی مجھے خود حیرت ہوتی ہے وہ لڑکی کہاں گئی؟"

"تم سے وہ صرف ایک بار ملنا چاہتا ہے۔"

"مگر کیوں؟" اپنے آپ ہی اس کا لہجہ نرم ہوگیا۔

"کچھ کہنا ہے تم سے اس نے۔ میری خاطر شہپال آجاؤ کارڈیو میں روم نمبر ۲۳ میں...... آؤ گی نا؟" عادل نے پوچھا۔

عجیب شش و پنج میں وہ پھنس گئی تھی نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن والا معاملہ تھا کتنے مان سے عادل کہہ رہا تھا۔

"میں نے اس سے کہا ہے کہ تم میرا کہا نہیں ٹالو گی بہت ہرٹ ہوا ہے وہ تمہارے رویے سے...... بس تم اس سے مل لو۔"

"کوشش کروں گی عادل بھائی کہ آپ کی خاطر ایسے شخص سے مل لوں جس سے میرا کوئی تعلق ہے اور نہ ہی کوئی رشتہ مگر ذرا وقت لگے گا۔"

"کیوں؟"

"مجھے سوچنے کا موقع تو دیں ناں؟ آخر بھولے ہوئے راستے پر جانا ہے۔" وہ خوامخواہ ہی ہنس دی حالانکہ اس وقت اس کا رونے کا بے تحاشا دل چاہ رہا تھا اور وہی ہوا عادل سے بات ختم کرکے وہ بے تحاشا رو دی۔ بھلا اس طرح کب ہاری تھی۔ ہمیشہ زوار شاہ سے وہ ہاری تھی۔

اس کے جذبوں اور شدتوں نے اسے شکست دی تھی

زوار شاہ کی پیشانی کی شکن نے شہپال فاروقی کے حوصلے پست کیے تھے۔زوار شاہ کا موڈ آف ہوتا تو شہپال کے دل میں اندر بہت ہی اندر تہوں میں دکھ کا ایک انجانا احساس جاگ اٹھتا۔اب بھی اس درد نے اس پر ایک دم حملہ کردیا تھا۔وہ درد جو برسوں سے دل کی تہوں میں دفن کررکھا تھا آج موقع ملا تو وہ درد دل کی گہرائیوں سے اٹھا اور شہپال فاروقی جیسی مضبوط عورت کو اس نے اپنی گرفت میں لے لیا اس درد کی شدت سے وہ بے حال ہی تو ہوگئی۔یہ جذبہ محبت کتنا عجیب ہوتا ہے۔عجیب وغریب سانحہ ہے کرب و ملال کے موسم دل پر نہایت طمطراق سے اترتے ہیں۔

شہپال فاروقی کو تو پتا ہی نہ چلا تھا وہ کب اس سانحے سے دوچار ہوئی تھی۔ہر عورت کی زندگی میں کوئی نہ کوئی کمزور لمحہ ضرور آتا ہے جب وہ اس سانحے سے گزرتی ہے۔محبت بھی تو ایک سانحہ ہے۔

❀ ❀ ❀

شہپال نے ایف ایس سی کے بعد ایک دم ہی اپنے سبجیکٹ بدل لیے تھے سائنس پڑھنے کا رجحان نہ تھا بڑے بھائی کی خواہش پر اس نے ایف ایس سی کیا تھا کہ منصور فاروقی خود ڈاکٹر تھے چاہتے تھے ان کے سارے بہن بھائی ڈاکٹر بنیں۔مگر چاہنے سے کیا ہوتا ہے چھوٹے بھائی صفدر انجینئرنگ کی طرف نکل گئے ثریا آپا نے بی ایس سی کرکے بی ایڈ کرلیا۔مہ پارہ جی نے میٹرک سائنس سے کیا پھر آرٹس سے بی اے کیا۔رہی شہپال تو اس نے ایف ایس سی کیا تھا فرسٹ ڈویژن بھی آئی تھی مگر اتنے اچھے نمبر نہ تھے کہ میڈیکل میں داخل ملتا۔تب اس نے یونیورسٹی میں بی اے آنرز پولیٹیکل سائنس میں ایڈمیشن لے لیا۔حالانکہ بڑے بھائی کی بہت سی امیدیں اس سے وابستہ تھیں لیکن ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔تب انہوں نے سروش کو اپنی تمناؤں کا مرکز بنالیا اور اٹھتے بیٹھتے اس کے ذہن میں یہ بات ٹھونستے رہتے۔

''تم کو ڈاکٹر بننا ہے سروش۔پھر ہم دونوں بھائی اپنا ایک شاندار اسپتال کھولیں گے۔''

سروش میٹرک میں تھا اور ان کی باتوں میں اونچے خوابوں میں آکر دل لگا کر پڑھتا تھا شہپال رات گئے اس کے کمرے میں روشنی دیکھتی تو سمجھ جاتی کہ سروش پڑھائی میں مصروف ہے۔سب سے چھوٹا تھا سروش اس لیے بقول شہپال کے بڑے بھائی کے پنجے میں جکڑا جاچکا تھا۔

شہپال نے سوچا چلو بڑے بھائی اب ایک طرف توجہ دیں گے شاید ان کے ارمان پورے ہوجائیں اور وہ تو آنرز کرکے اپنا تعلیمی ارمان پورا کررہی تھی۔بہت جلد ہی ان کا ایک گروپ بن گیا۔شائستہ امین عذرا وحید زوار شاہ عادل پرویز اور شہپال فاروقی۔پانچوں ہر جگہ ساتھ ہی نظر آتے۔اس لیے ان کا گروپ فائیو اسٹار کے نام سے مشہور ہوگیا۔

وہ پانچوں آپس میں بہت اچھے دوست تھے ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھی ایک دوسرے کی بات مانتے تھے بس زوار شاہ ہی کچھ اکڑتا تھا اپنی بات سے انحراف وہ برداشت نہ کرسکتا تھا۔اپنے فیصلے مسلط کرکے وہ خوش رہتا۔

کبھی ان کا موڈ ہوتا پڑھنے کا جو کبھی کبھی ہی بنتا خصوصاً جب سمسٹر ہونے والے ہوتے مگر تبھی زوار شاہ کہتا۔

''لائبریری نہیں جاتے گرم گرم چائے پیتے ہیں۔'' اور وہ لان میں پھسکڑا مار کر بیٹھ جاتا لامحالہ انہیں اس کی بات ماننی پڑتی۔

عادل نہایت ہی شریف تھا اور سب سے پہلے شہپال نے اسے عادل بھائی کہنا شروع کیا تھا تب وہ شائستہ امین کا بھی بھائی بن گیا تھا اور جب ایک بار شائستہ نے عذرا وحید سے کہا تھا۔

''تم عادل کو بھائی کیوں نہیں کہتیں؟'' تو عذرا وحید نے نہایت بے پروائی سے کہا تھا۔

''میں یونیورسٹی میں رشتے جوڑنے نہیں آتی بھائی صرف اپنے ماں جائے ہی ہوتے ہیں ہم سب اچھے دوست ہیں اور بس۔'' عذرا وحید کی بات کی زوار شاہ نے بھرپور تائید کی تھی۔عادل پرویز واقعی شہپال فاروقی

اور شائستہ امین کو بہنوں کی طرح چاہتا تھا۔ عذرا وحید سے اس کا جو تعلق اور رشتہ تھا یہ بھی بہت جلد ان لوگوں نے جان لیا تھا۔

''عذرا وحید تو کہتی تھی وہ یونیورسٹی رشتے جوڑنے نہیں مگر رشتے جوڑے کب جاتے ہیں؟'' یہ سنجوگ تو آپ ہی آپ قدرت کر دیتی ہے۔ تبھی تو عادل پرویز سے اس کا ایک تعلق ہو گیا تھا۔

دل کا تعلق...... جو بہت مضبوط ہوتا ہے کبھی کبھی زوار شاہ موڈ میں ہوتا تو کہتا۔

''بھئی شائستہ اور شہپال کبھی تم لوگ عذرا کو تنہا چھوڑ دیا کرو۔ میرا یار اس سے دو چار باتیں ہی کر لیا کرے۔'' زوار شاہ کے لہجے اور آنکھوں میں اس قدر شرارت ہوتی کہ عذرا وحید بلش ہو جاتی اور عادل پرویز کا قہقہہ فضاؤں میں بکھر جاتا۔

یوں ہی دن گزرتے رہے وہ آنرز فائنل میں آ گئے تھے انہی دنوں یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہو رہے تھے طلبہ تنظیم کے کاشف مسعود نے ان سے منت کی تھی کہ وہ لوگ بھی اسٹالوں پر کھڑے ہوں۔

کاشف مسعود زوار شاہ کا شناسا تھا اور زوار شاہ کی وجہ سے صرف انجوائے منٹ کے لیے وہ لوگ بھی اسٹالوں پر آ گئیں بس انہی دنوں نجانے کیسے ایک دم ہی زوار شاہ شہپال فاروقی کے دل میں بہت اندر تک اتر گیا۔ وہ کام بہت لگن سے کرتا تھا اور واقعی تھک کر چور ہو جاتا جب وہ تھکا تھکا اسٹال پر آتا تو شہپال فاروقی کا دل چاہتا زوار شاہ سے کہے۔

''اپنی ساری تھکن مجھے دے دو۔'' مگر وہ کہہ نہ پاتی۔ وہ جو اس سے نہایت دھڑلے سے ہر بات کہہ دیا کرتی تھی ملکی و غیر ملکی سیاست پر زور دار بحث کرتی تھی اب اپنے دل کی واردات اس تک پہنچانے کے لیے اس کے پاس الفاظ ہی نہ تھے اور اس روز تو عجیب واردات ہو گئی وہ تنہا ہی اپنے اسٹال پر کھڑی فارم سیٹ کر رہی تھی شائستہ اور عذرا پانی پینے گئی تھیں تبھی زوار شاہ آ گیا۔

''وہ دونوں کہاں گئی ہیں؟''

''پانی پینے۔'' شہپال نے سر جھکائے جھکائے کہا۔ مگر اس نے محسوس کیا کہ زوار شاہ قریب آیا ہے تو اس کے ہاتھ کانپنے لگے ہیں۔ گالوں کی تپش بھی وہ بڑی شدت سے محسوس کر رہی تھی اور زوار شاہ اس وقت حیرت سے اس کے چہرے کے رنگوں کو دیکھ رہا تھا۔ گلابی سوٹ میں اس کا گلابی چہرہ کسی گلاب کی طرح کھلا کھلا سا لگ رہا تھا۔ زوار شاہ بھی کمزور لمحے کی زد میں آ گیا۔ بے ساختہ اس کے لبوں سے نکل گیا۔

''بہت خوب صورت لگ رہی ہو شہپال۔''

شہپال نے اپنی گھنی پلکیں اٹھا کر نہایت حیرت سے اسے دیکھا وہ آنکھوں میں ٹھاٹھیں مارتا سمندر لیے لبوں پر مسکراہٹ سجائے اسے دیکھ رہا تھا۔ اپنے جذب دل کی تمام تر شدتوں کے ساتھ۔

''ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟''

''یہ دیکھ رہی ہوں کہ تم نے جھوٹ بولنا شروع کر دیا ہے۔''

''میں جو کہتا ہوں سچ کہتا ہوں۔''

''میں تو پہلے بھی کئی بار یہ سوٹ پہن کر آئی ہوں تب تو تم نے تعریف نہیں کی۔''

''ہمت نہیں پڑی مجھے ڈر لگتا تھا۔''

''مجھ سے......!''

''انسان کسی سے ڈرتا نہیں...... مگر مجھے تمہاری شرافت سے ڈر لگتا تھا نہ کہ تم سے آئی سمجھ۔''

''زوار شاہ تم......'' شہپال کچھ کہہ ہی نہ سکی سر جھکا کر رہ گئی کہ اس کی محبت کو اظہار کا پانی مل گیا تھا اور محبت تو ایسا بوٹا ہے جسے اظہار کا پانی روز ملے تو بہت جلد وہ تناور درخت بن جاتا ہے۔ اسی لیے تو زوار شاہ کی محبت کا پودا چند دنوں میں ہی شہپال کے دل میں تناور درخت بن گیا۔

زوار شاہ اپنے جذبوں کے اظہار میں بہت سچا تھا۔ وہ نہ ہی عادل پرویز کا لحاظ کرتا۔ نہ ہی اسے عذرا وحید کی شرم تھی۔ اور نہ وہ شائستہ امین سے ڈرتا تھا سب کے سامنے

برملا اظہار کردیتا تھا۔ اس نے کئی بار زوار شاہ کو سمجھایا تھا کہ کم ازکم دوستوں کے سامنے اسے شرمندہ نہ کیا کرے مگر وہ کب سنتا تھا؟ اور جب اس نے شہپال کو بتایا تھا۔

''کہ میں نے بھابی...... کو بتایا تھا کہ میری کلاس کی خوب صورت لڑکی نے ان کے دیور کے دل میں مضبوط قلعے پر کمند ڈال کر اپنا اسیر کرلیا ہے۔'' تو شہپال کتنے ہی دن اڑی اڑی پھری تھی۔

اسے یقین تھا کہ زوار شاہ اس کے ساتھ مخلص ہے اس کی باتوں اور انداز نے یہ ثابت کردیا تھا شہپال کی سالگرہ آئی تو زوار شاہ نے اسے فراز کی کتاب جاناں جاناں گفٹ کی اس پر اس نے نہایت خوب صورت انداز میں لکھا تھا۔

''اپنی جاناں کے لیے فراز کی جاناں جاناں۔''

یہ ایک جملہ پڑھ کر شہپال کو بے تحاشا شرم بھی آئی اور زوار شاہ پر بہت ہی پیار بھی آیا۔

زوار شاہ نے اسے ایک سوٹ پیس بھی دیا تھا زوار شاہ کے بقول اس کی بڑی بھابی نے اس کے لیے بھیجا تھا۔

''دیکھ لو تم نے ابھی سے میرے گھر کے کینوں کے دل میں گھر کرنا شروع کردیا ہے۔'' زوار شاہ نے کہا تھا۔

''تم میں حوصلہ ہے کہ تم میرا ساتھ کبھی نہ چھوڑو گے تو میں آج ہی اعلان کردوں۔''

''بے یقینی کی وجہ؟''

''جامعہ کی دیواروں میں وفا نہیں ہے زوار شاہ۔'' شہپال نے کہا تو زوار شاہ خفا ہوگیا۔ وہ پورے دو روز تک شہپال سے نہ بولا تھا اور وہ بولائی بولائی پھری تھی۔ اسے کیا خبر تھی کہ اس کی اتنی سی بات پر وہ خفا ہوجائے گا آخر شہپال نے خود ہی اس سے معافی مانگی تھی تب زوار شاہ کی اکڑ ختم ہوئی۔ انہوں نے آنرز فائنل کرلیا تھا کہ عادل پرویز کو آرمی میں کمیشن مل گیا۔ وہ ٹریننگ کے سلسلے میں چلا گیا مگر جاتے جاتے وہ عذرا وحید کے دائیں ہاتھ کی دوسری انگلی میں خوب صورت رنگ پہنا کر اپنے نام کی مہر اس پر لگا گیا تھا اس کی منگنی کی تقریب میں پہلی بار شہپال نے زوار شاہ کی فیملی کو دیکھا تھا۔ مگر زوار شاہ نے کسی کا بھی اس سے تعارف نہ کروایا تھا زوار شاہ کی والدہ بھابیاں اور دونوں بہنیں عادل پرویز کی منگنی پر آئی تھیں۔ اور زوار نے تو اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا تھا شہپال کے دل میں تو دراڑیں پڑ گئی تھیں۔ اس کے شکوے پر زوار نے نہایت خوب صورت انداز میں ''وجہ'' بتائی تھی۔

''دیکھو شہپال تمہارا تعلق صرف بڑی بھابی سے ہے اور میں نے انہیں اشارے سے تمہیں دکھایا تھا انہیں تم بہت اچھی لگی ہو۔ بس وہ خود ہی اماں سے بات کرلیں گی ہمارا بڑا روایتی سا ماحول ہے میری آج بھی ہمت نہیں کہ ڈائریکٹ اماں سے اپنی پسند کا اظہار کروں تم جاناں برا نہ مانا کرو۔ یہ سمجھو کہ میں بڑا روایت پسند لڑکا ہوں تعلیم مکمل ہوجائے جاب مل جائے بس دوسرے ہی دن بھابی کو تمہارے گھر لے آؤں گا۔'' زوار شاہ نے باتوں ہی باتوں میں اسے پھر خواب دکھانے شروع کردیئے اور وہ خواب دیکھتی رہی کہ یہی مقدر تھا۔

عادل پرویز کے جانے سے عذرا وحید اداس ضرور ہوئی تھی مگر ایک انجانی سی چمک اس کے چہرے اور آنکھوں میں جمی ہوئی تھی۔ جس روز عادل کا فون آتا اس دن وہ بہت خوش نظر آتی اس کے لفظوں کا نشہ عذرا کے وجود پر چھایا رہتا۔

وقت گزرتا رہا اور دن بدن شہپال فاروقی زوار شاہ کی محبت کے سمندر میں دھنستی چلی گئی۔ زوار شاہ کی خفگی تو وہ برداشت ہی نہ کرسکتی تھی وہ ناراض ہوتا تو شہپال کا دل ڈوبنے لگتا۔ ان کے فائنل سمسٹر ہوئے تو یونیورسٹی جانا بند ہوگیا مگر شہپال ہر تیسرے دن یونیورسٹی جاتی تھی صرف زوار شاہ سے ملاقات کے لیے' وہ چاہتی تھی اب زوار شاہ اس ہجر کو ختم کردے مگر زوار کو تو ابھی اچھی جاب کا انتظار تھا۔ اور ابھی ان کا رزلٹ بھی نہ آیا تھا۔ پھر زوار شاہ کو فیڈرل گورنمنٹ میں اسلام آباد میں جاب مل گئی وہ ادھر چلا گیا اور شہپال اس کا انتظار کرنے لگی۔

اسلام آباد جا کر اس نے ہر روز فون بھی نہ کیے' ہاں البتہ کبھی کبھی فون ضرور کرلیتا۔ ان دنوں وہ ایم فل کی تیاری

کرنے کے ساتھ ساتھ زوار شاہ کی بھابی کی آمد کا انتظار کررہی تھی زوار شاہ کو بھی اسلام آباد میں سروس کرتے ایک سال تو ہو ہی گیا تھا مگر کوئی پیش رفت نہ ہوئی تھی۔ پھر عادل پرویز کی شادی کے موقع پر شہپال کا ٹکراؤ زوار شاہ سے بمعہ اس کی بھابیوں کے ہوا تب بھی اس نے اس کا تعارف اپنی بھابی سے نہ کروایا تھا۔ بلکہ شہپال سے اس نے بات ہی نہ کی تھی اسے دیکھ کر بری طرح اگنور کردیا تھا۔ مگر وہی ہوا جب وہ سامنے آیا اور وضاحتیں کیں تو وہ مان گئی زوار شاہ نے کہا۔

''میں نے تمہیں آنے کی اطلاع اس لیے نہ دی کہ تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا سب کے سامنے تم سے بات کرتا تو باتیں بنتیں میری بہن کی نند بھی وہاں عادل کی شادی میں موجود تھی ناں۔'' زوار کی باتیں اس کے دل کو لگی تھیں اس لیے خفگی ختم ہوگئی تھی مگر پھر بھی وہ زوار سے کہہ نہ سکی تھی کہ اب کاہے کی دیر ہے وہ اپنی ماں کو اس کے گھر کیوں نہیں بھیجتا۔ زوار شاہ ایک ہفتہ رہا تھا اور وہ تقریباً روز ہی چند گھنٹوں کے لیے ملتے تھے مگر شہپال اس سے کہہ نہ سکی تھی کہ اب دوری برداشت نہیں ہوتی۔ زوار شاہ واپس لوٹ گیا یہ بتائے بغیر کہ ابھی ہجر کا بن باس اس نے اور کتنا کاٹنا ہے دن نہایت بوجھل بوجھل گزرتے رہے۔ وہ نہایت لگن سے اپنا تھیسس تیار کررہی تھی زوار شاہ کو اسلام آباد گئے آٹھ ماہ ہوگئے تھے اور کئی دنوں سے اس کا فون بھی نہ آیا تھا وہ خود ہی فون کرتا تھا شہپال اسے فون کبھی نہ کرتی تھی۔ اس روز وہ ثریا آپا کے بیٹے احسن کے لیے بے بی کیئر سے اونی سوٹ لے رہی تھی کہ شاپ میں مخصوص خوشبو کا احساس ہوا اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو جہاں دل شدت سے دھڑکا وہاں آنکھوں کی مہمان حیرتیں بھی ہوگئیں۔ سامنے ہی تو زوار شاہ ایک کومل سی لڑکی کے ساتھ کھڑا تھا اس لڑکی کا ابھرا ابھرا جسم صاف چغلی کھا رہا تھا کہ وہ تخلیق کے مرحلے سے گزر رہی ہے اس نے سنا۔ زوار شاہ اس لڑکی سے کہہ رہا تھا۔

''جاناں یہ کمبل لے لو۔'' نرم نرم گلابی کمبل پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے کہا اور شہپال کو لگا اس کے سپنوں کا تاج محل اس پر آن پڑا ہو۔ وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں سمجھ گئی کہ زوار شاہ کا اس لڑکی سے کیا تعلق ہے اور کیسا خوب صورت تعلق ہے جس میں کوئی ڈر خوف شامل نہیں زوار شاہ نے بھی اسے دیکھ لیا تھا مگر اس کی آنکھوں میں شہپال کے لیے کوئی آشنائی کی چمک نہ تھی بلکہ اس کا انداز ایسا تھا جیسے کسی عام سی لڑکی کو سرسری طور پر دیکھا جاتا ہے شہپال نے احسن کے لیے کچھ نہ خریدا اور چلی آئی۔ پھر ایک روز شام کے دھندلکے میں شہپال نے پھر زوار شاہ کو اسی لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا وہ زوار کی طرف لپکی تھی کہ اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی مگر وہ تو آگے ہی بڑھ گیا اسے دیکھ کر رکا ہی نہ تھا کہ وہ اس سے کچھ کہہ سکتی پھر کئی بار اسے زوار شاہ نظر آیا۔ مگر اس سے شہپال کی بات نہ ہوسکی۔ البتہ شہپال نے دل ہی دل میں ایک عہد کرلیا تھا شادی نہ کرنے کا عہد اور اس عہد کی خبر جب اس کی ماں کو ہوئی تھی تو انہوں نے اسے کتنا سمجھایا تھا مگر شہپال نے تو وہی سمجھا جو اس کے دل نے کہا تھا اس عہد پر وہ بہت مطمئن تھی۔ محبت میں ناکامی کو اس نے روگ نہ بنایا بلکہ آگے بڑھنے کی جستجو بہت بڑھ گئی تھی اس نے پی ایچ ڈی کرلیا تھا اور پھر اسکالرشپ پر ایم ایس کرنے وہ امریکہ چلی گئی۔ اس نے اپنا شہر حتیٰ کہ ملک چھوڑ دیا تھا مگر اسے زوار شاہ یاد آتا اور بے تحاشا یاد آتا۔ اسے دکھ تو یہ تھا کہ زوار شاہ اس کی سچے اور نوکیلے جذبوں سے کھیلا تھا۔ جھوٹ کا خول چڑھائے رہا اور اس کی محبت کے جرعے پیتا رہا اپنے جذبوں کی ناقدری کا اسے دکھ تھا اور یہ دکھ اس کے دل کے ساتھ ساتھ روح کو بھی زخمی کرتا تھا۔

ایم ایس کرنے کے بعد اسے وہیں شکاگو یونیورسٹی میں لیکچرارشپ کی آفر ہوئی اور اس نے انکار نہ کیا کہ اس کے سوا چارہ نہ تھا وہ لوٹ کر جانا نہ چاہتی تھی۔ وہاں وہ اپنے اسٹوڈنٹس کی ہر دل عزیز استاد تھی اس کے لہجے میں بہت نرمیاں تھیں۔ بہت گداز تھا جو لفظوں کی صورت دل میں اتر جاتا تھا

وقت کا کام تو گزر جاتا ہے اور وقت گزرتا رہا اور وہ جو کبھی تھی کہ اب لوٹ کر نہ جائے گی مگر پورے گیارہ برس بعد اسے لوٹنا پڑا۔ امی کی طبیعت بہت خراب تھی اور اسی وجہ سے وہ استعفیٰ دے کر مستقل ہی لوٹ آئی کہ بیمار ماں کے ساتھ رہنا چاہتی تھی یوں بھی ماں کو جس طرح بیٹیاں دیکھ سکتی ہیں اس طرح بہویں کب دیکھتی ہیں؟ بس اسی خیال سے وہ مستقل آ گئی منصور بھائی اور صفدر بھائی تو رہتے ہی الگ تھے البتہ سروش اور اس کی بیوی تابندہ کے ساتھ امی رہتی تھیں اس لیے وہ بھی سروش کے ساتھ رہنے لگی یوں بھی وہ دونوں میاں بیوی ڈاکٹر تھے صبح اسپتال میں ہوتے اور شام ان کی اپنی کلینک پر گزرتی۔ امی تنہا ہی رہتیں ان کی تنہائی پر شہپال کا دل کٹ کر رہ جاتا۔ ہائے یہ عورت جس نے چھ بچوں کو جنم دیا اور آج خود تنہا ہے کتنا بڑا ظلم ہے۔ بس یہی دکھ اسے ماں کے ساتھ رہنے پر مجبور کر گیا تھا اب ماں کی شامیں تنہا نہ تھیں شہپال انہیں شام کا پورا وقت دیتی تھی پھر اس نے بھی سروس کر لی آخر کب تک بھائی کی محتاج رہتی یونیورسٹی میں جاب مل گئی جہاں گزشتہ چھ سال سے وہ اپنے فرائض نہایت احسن طریقے سے انجام دے رہی تھی امی کی تو اب بھی خواہش تھی کہ شہپال اپنے گھر کی ہو جائے کئی بار انہوں نے دبے دبے لفظوں میں اس بات کا اظہار بھی کیا تھا شہپال ہنس کر ٹال دیتی۔

''لو بھلا امی اب بھی کوئی عمر ہے شادی کی۔''

مگر ماں تو ماں ہی ہوتی ہے۔ جس کی نظر میں وہ اڑتیس برس کی ہو جانے کے باوجود بچی ہی تھی۔ کچھ لوگ عمر چور ہوتے ہیں وہ بھی ایسے ہی لوگوں میں سے تھی مگر چہرہ تو چیخ چیخ کر عمر کا اعلان کرتا ہے۔ اور جب مہ پارہ جی کے رنڈوے دیور کا اس کے لیے پروپوزل آیا کہ اتنی عمر میں ایسے ہی رشتے آتے ہیں جس کے تین بچے بھی تھے سروش اور امی تقریباً راضی تھے تب شہپال نے امی کی گود میں سر رکھ کر انہیں زوار شاہ کے بارے میں بتا دیا۔

''امی میں کسی اور کا تصور نہیں کر سکتی اور نہ ہی...... زوار شاہ کو بھول سکتی ہوں اپنی تمام تر بے وفائی کے باوجود وہ آج بھی میرے دل کا مکین ہے۔ یہ درست ہے کہ برسوں سے ہم ایک دوسرے سے نہیں ملے مگر یاد ملاقات کی محتاج تو نہیں ہوتی۔ اس لیے مجھے مجبور مت کریں۔ مجھے اس کی یادوں کے سہارے زندہ رہنے دیں اور اگر مجھے مجبور کیا گیا تو میں امریکہ چلی جاؤں گی پھر واپس نہیں آؤں گی اور مجھے آپ کی تنہائی کا احساس بھی نہ روک پائے گا۔''

اس کا آخری جملہ اتنا سخت تھا کہ پھر امی نے اسے کبھی مجبور نہ کیا انہیں واقعی تنہائی سے خوف آتا تھا اور آخری عمر میں تنہائی کے اژدھے سے وہ خود کو ڈسوانا نہ چاہتی تھی اس لیے اس کی بات مان لی تھی اور اب وہ خاصی مطمئن تھی مگر آج اس کے اطمینان کے سمندر میں عادل پرویز نے اطلاع کا پتھر پھینک کر لہریں پیدا کر دی تھیں۔ بات تو کچھ بھی نہ تھی برسوں ہی کی تو بات تھی جب برسوں بعد اسے زوار شاہ نظر آیا تھا۔ باوجود خواہش کے اس نے زوار شاہ پر ایک سرسری نظر ڈالی تھی بات یہ تھی اس کے کالج کی ایک لیکچرار مس شمیم کی شادی تھی اور اس میں کالج کا پورا اسٹاف موجود تھا وہیں زوار شاہ بھی آیا تھا جس کی خوب صورت بیٹی اریبہ شاہ شہپال کے کالج میں ہی تھرڈ ایئر کی طالبہ تھی۔ شہپال میں جو گریس اور وقار تھا اور لوگوں کی اپنے اسٹاف کی نظر میں اس کا جو احترام اور مقام تھا وہ بھلا کس طرح چاہتی کہ زوار شاہ کو تشنہ نظروں سے بار بار دیکھے اور لوگ جان جائیں اس کے اکیلے پن کی وجہ......

اریبہ شاہ نے شہپال کو اپنی ماں طاہرہ شاہ سے ملوایا تھا اور طاہرہ سے وہ خاصی دیر باتیں کرتی رہی تھی۔ وہیں اسے پتا چلا کہ مس شمیم زوار شاہ کی بڑی آپا کی بیٹی تھی۔

''کبھی سارے جانے پہچانے چہرے ہیں یہاں۔'' شہپال نے سوچا۔

زوار شاہ بار بار زنانے کے چکر لگا رہا تھا شاید وہ خواہش مند تھا کہ شہپال اس سے بات کرے مگر آج تو شہپال کو موقع ملا تھا۔ آج ہی تو پرانے قرض بمعہ سود وہ لوٹانے کی پوزیشن میں تھی جب گئے دنوں میں وہ خود شہپال کو نظر انداز کرتا تھا تب اسے علم نہ تھا کہ وہ درد کے کون سے صحراؤں

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

سے گزرتی تھی مگر شہپال کو یہ امید نہ تھی کہ زوار شاہ اتنی سی بات کو دل پر لے لے گا۔ وہ تو اس واقعہ کو بھول بھی گئی تھی کہ اب بھول جانے کے سوا چارہ نہ تھا کہ تھوڑی دیر پہلے عادل پرویز نے اسے کیسی خبر سنائی تھی جو شہپال کے لیے خوش کن بھی تھی اور دلدوز بھی۔

اس کا مطلب ہے زوار شاہ تمہارے دل کے کسی گوشے میں آج بھی میں مقیم ہوں ورنہ تمہارا دل لگا میں تو نہ چھڑاتا میں دیکھوں تو سہی تم ٹوٹے ہوئے بکھرے ہوئے کیسے لگتے ہو۔

بس یہی خواہش تھی...... اسے دیکھنے کا یہی جذبہ تھا جو اسے کارڈیو کی طرف لے آیا تھا گاڑی پارک کرتے ہوئے اس نے دیکھا عادل پرویز نے بھی بالکل اس کے قریب ہی کار پارک کی تھی اسے دیکھ کر وہ مسکرا دیا اس کی قریب آ کر بولا۔

''مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گی۔''

''آپ نے کہا تھا اس لیے میں آئی ہوں۔''

''چلو یہ احسان میں مانتا ہوں۔'' عادل پرویز ہنسا پھر اس کے ساتھ ہی زوار شاہ کے کمرے تک آیا۔

''جاؤ اندر کوئی نہیں ہے اس وقت اس کے پاس میں ابھی آتا ہوں۔''

''آپ؟'' شہپال نے کہنا چاہا۔

''وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے شہپال پلیز اس وقت اس پر کوئی طنز نہ کرنا۔'' عادل کا لہجہ ملتجیانہ تھا وہ ایک دم ہی پلٹ گیا اور شہپال کمرے میں داخل ہوگئی سامنے ہی وہ تکیوں سے ٹیک لگائے دیوار کو گھور رہا تھا زرد زرد چہرے والا زوار شاہ۔ اس کی حالت دیکھ کر شہپال کو دکھ تو ہوا مگر اس نے اظہار نہ کیا۔

''کیسی طبیعت ہے زوار شاہ؟'' شہپال اس کے قریب پہنچ کر بولی۔ زوار نے ایک دم ہی گردن ترچھی کر کے اسے دیکھا اس کی آنکھیں مشعل سی کی طرح روشن ہوگئیں۔

''شہپال۔'' زوار شاہ کے لبوں کے در بچے وا ہوئے۔

''کیوں بلوایا ہے مجھے؟''

''شہپال کیا یہ حق نہیں ہے مجھے۔''

''جب تم نے مجھے کبھی یہ حق نہ دیا کہ میں تمہیں بلا سکوں تو یہ حق تمہیں کس طرح دے سکتی ہوں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ تلخ سا ہوگیا تھا۔

''شہپال...... تمہارا لہجہ کبھی اتنا تلخ ہوا تو نہ تھا تم تو ریشم جیسے لہجے میں گفتگو کرتی تھیں۔''

''کس زمانے کی بات کر رہے ہو زوار شاہ۔'' وہ ہنسی۔

''پھر بے وفائی کا دکھ سہنے کے بعد لہجے میں نرمیاں کیسے رہ سکتی ہیں؟''

''میں نے تم سے بے وفائی نہیں کی شہپال۔ تمہیں علم نہیں کہ تمہیں زوار شاہ نے اتنا چاہا ہے کہ تم نے بھی اسے نہیں چاہا ہوگا۔''

''تبھی مجھے اگنور کرتے رہے مجھ سے جھوٹ بولتے رہے غلط وضاحتوں سے مجھے بہلاتے رہے بتاؤ تمہیں کیا ملا زوار شاہ؟'' شہپال نے کہا۔

''ہاں واقعی کیا ملا؟ میرے ہاتھ تو خالی ہیں مگر شہپال فاروقی مجھے بہت بڑا خزانہ ملا۔''

''طاہرہ شاہ۔'' شہپال جلدی سے بولی۔

''نہیں۔'' زوار جلدی سے بولا۔ ''تمہاری بے لوث اور سچی محبت یہ کسی خزانے سے کم تھی بھلا؟''

''مت بہلاؤ مجھے اب وہ عمر نہیں رہی کہ میں لفظوں کے جال میں الجھ جاؤں مجھے نفرت ہے زوار شاہ تم سے بے حد نفرت......'' شہپال پھنکارتے ہوئے بولی۔

''مگر میں تم سے نفرت نہیں کر سکتا۔''

''ایسی کیا مجبوری ہے؟''

''میں نے تمہیں چاہا ہے اور چاہنے والے کبھی نفرت نہیں کر سکتے۔ یہ میرا تجربہ ہے واقعی تم حق بجانب ہو نفرت کرنے کی...... شہپال مگر میری مجبوری تو جانو کہ میرے گھر والے ایک غیر سید خاندان میں میری شادی پر راضی نہ تھے۔''

''اور تم جو کہتے تھے تمہاری بھابی۔''

''بھابی کے راضی ہونے سے کیا ہوتا ہے انہوں نے

مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں کورٹ میرج کرلوں تو وہ میرا ساتھ دیں گی مگر میں تمہیں نہایت عزت سے اپنے گھر لے جانا چاہتا تھا۔ کورٹ میرج کر کے نہیں۔ تبھی تو اماں نے میری بہن کی نند طاہرہ کو میرے لیے منتخب کرلیا۔ میں احتجاج اس لیے نہ کرسکا کہ میری بہن کی خوشیاں بھی تو اس گھر سے وابستہ تھیں اور میں بہن کی خوشیوں کی بھینٹ چڑھ گیا پلیز شہپال تم ٹھنڈے دل سے سوچو۔ مجھ سے نفرت مت کرو میں مرجاؤں گا شہپال۔'' زوار شاہ نہایت بکھرا بکھرا سا تھا۔

''مجھے تم سے کوئی غرض نہیں' جیو یا مرو زوار شاہ۔ میں بہت انتہا پسند ہوں محبت کی تو جم کے اور نفرت کی تو بے تحاشہ آئی ہیٹ یو زوار شاہ آئی ہیٹ یو۔''

شہپال نے دل کے احتجاج کے باوجود لبوں سے شعلے برسائے پھر رکی نہیں بھلا اتنا بڑا جھوٹ بولنے کے بعد وہ زوار شاہ کا سامنا کیسے کرسکتی تھی۔ دل میں تو زوار شاہ کے دکھ پر بے تحاشا درد کی بارش ہورہی تھی۔ زوار شاہ کے دکھ پر اس کا جی چاہ رہا تھا اسے کہے۔

زوار شاہ میں تم سے مر کر بھی نفرت نہیں کرسکتی۔ مگر انا کے ناگ نے پھن اٹھا لیا تھا تبھی تو انا کی دھوپ سے اس نے زوار شاہ کو جھلسا دیا تھا۔ اسے کوئی خوشی دیئے بغیر وہ لوٹ آئی۔ مگر ساری رات اسے ایک پل بھی چین نہ آیا تھا۔

''زوار کی کیا حالت ہوگی؟ تم اتنی ظالم تو نہ تھیں شہپال۔''

''بھلا جس سے محبت کی جائے اسے دکھ کب دیا جاتا ہے مگر اس نے بھی بقول اس کے مجھ سے محبت کی تھی پھر مجھے دکھ کیوں دیا؟''

نجانے کیوں وہ ایک دم ہی بہت سخت ہوگئی تھی پتھر جیسی سختی تھی اس کے لہجے میں اور انداز میں مگر اس کا دل رو رہا تھا۔

آنگن دل میں زوار شاہ کی محبت نوحہ کناں تھی اور دوسری صبح جب وہ کالج جانے کے لیے بالکل ہی تیار تھی کہ تابندہ بھابی نے آ کر کہا۔

''شہپال تمہارا فون ہے۔''

''آرہی ہوں۔'' وہ بولی اور پھر چند لمحوں بعد وہ ریسیور کانوں سے لگائے سن کھڑی تھی عادل پرویز نے کیسی دلدوز خبر سنائی تھی۔

''شہپال رات میرے دوست کے دل پر دوسرا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ شہپال اسے تمہاری محبت نے تو نہیں مگر نفرت نے مار ڈالا ہے۔ بہت مبارک ہو۔ وہ کہتا تھا اگر شہپال نے مجھ سے نفرت کی تو میں مرجاؤں گا اور وہی ہوا وہ مرگیا...... شہپال۔'' عادل بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا پھر سلسلہ منقطع ہوگیا۔

شہپال فاروقی کچھ بھی نہ کہہ سکی مگر اس نے ریسیور رکھتے ہی اپنی کلائی میں پہنی سونے کی چھ چوڑیاں اتار دیں کیا آج اس کی محبت بیوہ ہوگئی تھی اور بھلا وہ اتنا بھی نہ کرسکی تھی۔ پھر وہ اپنے کمرے میں آ کر بالکل بچوں کی...... طرح سر پر ہاتھ رکھ کر رو دی۔ اس قدر تو وہ اپنے دل کی موت پر بھی نہ روئی تھی۔ جس قدر وہ زوار شاہ کی موت پر آنسو بہا رہی تھی۔ جسے اس نے اپنی انا کے بھالے سے قتل کردیا تھا اور اب پچھتاوے کا ناگ اس کے دل کی دیواروں سے لپٹ گیا تھا۔

''تم زوار شاہ کی قاتل ہو شہپال فاروقی۔'' کوئی مسلسل...... سرگوشیاں کررہا تھا۔

''کیا واقعی؟'' قاتلوں کی شکل ایسی ہوتی ہے اس نے قدآور آئینے میں خود کو دیکھا۔ ستا ہوا چہرہ۔ سوجی ہوئی بھیگی بھیگی آنکھیں کپکپاتے لب۔ بھلا قاتل ایسے ہوتے ہیں؟

''نہیں میں قاتل نہیں ہوں۔ میں تو اپنے دل کی قاتل ہوں اپنی روح کی قاتل ہوں۔''

اپنے دل اور روح کی قتل پر وہ بے تحاشا روئے جارہی تھی۔

قسط نمبر 14

میرے خواب زندہ ہیں

نادیہ فاطمہ رضوی

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

سونیا کو اپنے روم میں دیکھ کر فراز دنگ رہ جاتا ہے سونیا کے خطرناک عزائم اسے بہت کچھ باور کرادیتے ہیں مگر فی الحال وہ یہ راز کسی سے شیئر نہیں کرپاتا۔ لالہ رخ زرتاشہ کے ساتھ کراچی آتی ہے اور یوں فراز کے سمجھانے پر تاشو اپنی پڑھائی کے سلسلے کو جاری رکھنے پر آمادہ ہوجاتی ہے زرینہ کے کہنے پر لالہ رخ فراز سے بات کرکے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہے جب ہی فراز اسے ولیمہ کی تقریب میں شرکت کے لیے مدعو کرتا ہے مگر وہ سہولت سے انکار کردیتی ہے اس کے انکار پر فراز اسے ایک کپ چائے کی آفر کرتا ہے لالہ رخ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے خلوص کی خاطر ہامی بھر لیتی ہے، زرتاشہ یونیورسٹی پہنچ کر زرینہ کے ساتھ زندگی کی رنگینیوں کی طرف لوٹ آتی ہے، لالہ رخ سے مطمئن دیکھ کر واپسی کے لیے روانہ ہوجاتی ہے۔ مہروں کی ماں گڈو بیٹی کے مستقبل کو لے کر کافی فکر مند ہوتی ہے مومن جان اس کا رشتہ اپنے دوست کے بیٹے سے طے کرنا چاہتا ہے جو اچھے کردار کا مالک نہیں ہوتا۔ مہرو کی ماں اس بات پر قطعی آمادہ نہیں ہوتی اپنی پریشانی کا ذکر وہ لالہ رخ کی ماں سے کرتی ہے اور اسی دوران ان کی گفتگو مہرو بھی سن لیتی ہے اسے باپ کی بے حسی پر رونا آتا ہے جو اس کو اپنے مقاصد کی خاطر استعمال کرنا چاہتا ہے۔ لالہ رخ کی غیر موجودگی کو بٹو اور مہرو دونوں ہی محسوس کرتے ہیں جب ہی وہ دونوں ایک ساتھ وقت گزارتے ہیں اسی دوران داور کی نظر مہرو پر پڑتی ہے تو وہ بٹو سے اس کے متعلق استفسار کرتے اپنے فارم ہاؤس آنے کا کہتا ہے۔ بٹو داور کے رویے سے بہت کچھ سمجھ جاتا ہے جب ہی وہ مہرو کو نظر انداز کرتا اس سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ عنایہ نامی لڑکی باسل حیات سے دوستی کی خواہاں ہوتی ہے وہ سونیا کے ولیمے میں اسے دیکھ کر باسل کے قریب آنے کی کوشش کرتی ہے جبکہ باسل اس لڑکی کو نظر انداز کردیتا ہے۔ ماریہ کی گمشدگی گھر والوں کے لیے مزید مشکلات لاتی ہے جیسکا اور ابرام اسے ہر جگہ تلاش کرتے ہیں مگر ناکام رہتے ہیں، ابرام جیکولین سے ماریہ کی گمشدگی کا ذکر کرتے پولیس میں رپورٹ درج کرانے کا کہتا ہے مگر جیکولین صاف انکار کردیتی ہے اسے لگتا ہے ماریہ کسی لڑکے کے ساتھ فرار ہوگئی ہے۔ جب ہی وہ اس کا نام سننا بھی پسند نہیں کرتی اسی دوران ماریہ گھر آجاتی ہے تو جیکولین نہایت مشتعل انداز میں اس کی طرف بڑھتی ہے، ماں کی بدگمانی ماریہ کو مزید تکلیف سے دوچار کردیتی ہے جب ہی وہ اپنے بے ہوش ہونے کا ذکر کرتے ڈی سوزا نامی عورت سے رابطہ کرنے کا کہتی ہے تاکہ سب کو یقین آسکے ڈی سوزا ماریہ کی بات کی تصدیق کردیتی ہے لیکن جیکولین اور ماریہ دونوں ہی ایک دوسرے سے خائف نظر آتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......☆......❀

"جی جناب عنایہ ابراہیم...... جس سے آپ کی ملاقات صرف دو دن پہلے سونیا کی شادی میں ہوئی تھی۔ میرے خیال میں اب تو آپ کو یاد آگیا ہوگا نا۔" شوخی و شرارت سے بھرپور لہجہ جب باسل حیات کی سماعت سے ٹکرایا تو یک لخت ذہن کی اسکرین روشن ہوگئی اور عنایہ ابراہیم کا سراپا چھم سے سامنے آگیا۔

"اوہ آپ......!" وہ بے ساختہ کہہ اٹھا جب کہ دوسری جانب عنایہ نے جیسے سکون و طمانیت کا سانس بھرا۔
"تھینک گاڈ آپ مجھے پہچان گئے ویسے آپ کی میموری خاصی ویک معلوم ہوتی ہے۔" اس بار اس کے لہجے میں طنز کی آمیزش بھی تھی۔ باسل کی نگاہوں میں اس کا چہرہ بخوبی گھوم رہا تھا۔ وہ اچھی خاصی خوب صورت لڑکی تھی۔ ویل ایجوکیٹڈ اور ویل آف فیملی سے تعلق رکھتی تھی۔ جبکہ اس کا شوخ و شنگ اور نٹ کھٹ انداز بھی ہرگز نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھا مگر نجانے کیوں نیلم فرمان والے قصے کے بعد باسل حیات کا دل لڑکیوں کی طرف سے خاصا مکدر سا ہو گیا تھا حالانکہ کچھ ماہ پہلے تو صنف نازک میں وہ خاصی دلچسپی لیتا تھا نت نئی لڑکیوں سے دوستیاں کرنا اور ان کے ساتھ رنگین لمحات گزارنا اس کا مشغلہ تھا مگر آج کل یہ تمام چیزیں اسے بے زار کر رہی تھیں یہی وجہ تھی کہ وہ عنایہ ابراہیم جیسی بھرپور لڑکی میں بالکل بھی انٹرسٹ نہیں لے رہا تھا۔
"ہیلو...... ہیلو مسٹر باسل آر یو دیئر؟" دوسری جانب گہری خاموشی کو طول پکڑتا دیکھ کر عنایہ جلدی سے بولی تو اسی پل باسل حیات اپنے دھیان سے یک دم چونکا پھر فوراً سے پیشتر بولا۔
"یس آئی ایم ہیر......"
"تو باسل جی کچھ تو بات کیجیے کچھ تو کہیے۔" وہ ایک بار پھر شوخی پر اتر آئی۔
"وہ ایکچولی مس عنایہ میں اس وقت ایک بہت ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں فری ہو کر آپ سے بات کرتا ہوں۔" باسل جان چھڑانے کی غرض سے عجلت بھرے انداز میں بولا چونکہ عنایہ نے اس دن شادی میں اپنے آپ کو سونیا کے ریفرنس سے متعارف کروایا تھا لہٰذا وہ چاہ کر بھی اس سے بداخلاقی نہیں کر سکتا تھا ورنہ اس لمحے اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو وہ اس کی اچھی طرح طبیعت صاف کر دیتا۔
"ہوں اوکے باسل جی آپ اپنا ضروری کام نمٹائیں مگر ہاں مجھے کال ضرور کیجیے گا میں ویٹ کروں گی۔" عنایہ ابراہیم کچھ پرسوچ انداز میں بولی تو باسل نے "اوکے" کہہ کر فوراً لائن ڈس کنیکٹ کر دی پھر بے حد ناگواری سے بڑبڑایا۔
"یہ لڑکی تو گلے ہی پڑ گئی ہے۔" پھر سر جھٹک کر حورین کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

❀......☆......❀

سفید دودھیا آسمان جس پر بادلوں کی دبیز تہہ نے اس کے اصل رنگ کو چھپا رکھا تھا سورج کی سنہری کرنوں کی روشنی میں بے حد خوب صورت لگ رہا تھا جو بادلوں کے کسی بھی کونے سے نکل کر اپنا جلوہ دکھانے میں مصروف عمل تھیں جیسکا کالج کے لان میں بیٹھی اپنے اسائمنٹ کو الٹ پلٹ کر کے دیکھ رہی تھی جو نیکسٹ پیریڈ میں سر پال کو جمع کرانا تھا۔ ماریہ تین دن سے کالج نہیں آ رہی تھی کچھ اس واقعہ کے زیر اثر اور کچھ طبیعت کی خرابی کے باعث وہ گھر پر آرام کر رہی تھی حالانکہ ان کے سمسٹرز کافی نزدیک آ چکے تھے اور ماریہ کا یوں اکثر و بیشتر کالج سے چھٹیاں کرنا اس کی اسٹڈی کے لیے نقصان دہ ثابت ہو رہا تھا جیسکا پوری طرح اپنے اسائمنٹ میں جھکی ہوئی تھی جب ہی اسے اپنے ولیم کی آواز سنائی دی۔
"جیسکا ماریہ آج بھی کالج نہیں آئی سمسٹرز بالکل سر پر ہیں اور ان میڈم کو اپنی ایکٹیویٹیز سے فرصت نہیں۔" ولیم کے لب و لہجے میں عجب سی کاٹ اور قدرے ناگواری محسوس کر کے جیسکا نے سرعت سے سر اٹھایا تو ولیم عین اس کے سامنے کھڑا دکھائی دیا بلیک جینز کی جیبوں میں دونوں ہاتھ ڈالے اس وقت وہ اسے کافی سنجیدہ لگ رہا تھا۔
"وہ...... وہ دراصل ولیم ماریہ......" جیسکا کو بالکل بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ولیم کو کیا جواب دے ماریہ کے یوں غائب ہو کر واپس گھر آ جانے کے بعد جیکولین نے اسے بہت سختی سے تنبیہہ کی تھی کہ اس معاملے کی بھنک ولیم کو ہرگز نہیں پڑنی چاہیے۔ وہ بولتے بولتے ہکلا گئی پھر دوسرے ہی لمحے خود کو فوراً سنبھال کر نارمل لہجے میں گویا ہوئی۔ "اوہ...... کم آن ولیم تم تو

جانتے ہو نا کہ ماریہ کو پڑھائی کا خبط ہے وہ یقیناً گھر پر بیٹھ کر پڑھائی کررہی ہوگی۔‘‘

’’اچھا میں پچھلے دو دن سے اس کو فون کررہا ہوں پہلی بات تو یہ کہ اس کا سیل فون مسلسل بند ہے اور گھر کے فون پر کبھی ابرام برو کہتے ہیں کہ وہ آنٹی کے ساتھ شاپنگ پر گئی ہے اور جب آنٹی فون ریسیو کرتی ہیں تو کہتی ہیں کہ ابرام کے ہمراہ اس کے دوست کے گھر پارٹی میں گئی ہے اور آج صبح جب میں اس کے گھر پہنچا تو آنٹی اور ابرام برو دونوں گھر پر تھے آنٹی نے مجھ سے کہا کہ وہ کل رات ان کی سسٹر کے گھر پر چلی گئی تھی وہ اسے بہت یاد کررہی تھیں۔‘‘ ولیم خاصے چبھتے ہوئے لہجے میں بولتا چلا گیا جبکہ جیسکا گویا بغلیں جھانکنے لگی۔

’’ایک بات تو بتاؤ جیسکا۔‘‘ ولیم نے اس کی خوب صورت آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا پھر چند قدم آگے بڑھ کر بینچ پر اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے ہنوز لہجے میں بولا۔ ’’ماریہ کے ساتھ پرابلم کیا ہے؟‘‘ جیسکا گردن موڑ کر پوری طرح ولیم کی جانب دیکھا اور اس ہی پل اس کا حلق بالکل سوکھے پتے کی طرح خشک ہوگیا تھا۔

’’کیا مطلب ولیم...... بھلا ماریہ کے ساتھ کیا پرابلم ہوسکتی ہے۔‘‘ جیسکا خوامخواہ میں ہنستے ہوئے بولی تو ولیم نے اسے خاصی جتاتی نگاہوں سے دیکھا پھر ہنکارہ بھر کر بولا۔

’’جیسکا میں کوئی بچہ نہیں ہوں جو یہ باتیں میری سمجھ میں نہیں آئیں گی ماریہ کا اتنا بدلا ہوا رویہ اور انداز مجھے اب بہت کچھ سمجھانے لگا ہے۔‘‘

’’ولیم تمہیں آج ہو کیا گیا ہے ماریہ کے ساتھ کوئی پرابلم نہیں ہے سب کچھ ٹھیک ہے اور پہلے جیسا ہے...... اور رہا ماریہ کا رویہ اور انداز تو مائی ڈیئر وقت کے ساتھ ساتھ کچھ لڑکیاں چینج ہوجاتی ہیں یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے اوکے۔‘‘ جیسکا تیزی سے بولتی چلی گئی جبکہ ولیم محض اسے دیکھتا رہ گیا۔

’’اچھا تم پریشان بالکل مت ہو میں تمہاری آج ماریہ سے ضرور بات کرواؤں گی پھر تم اس کے کان کھینچنا۔‘‘ وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تیزی سے بولی تو اس بار بھی ولیم کچھ نہیں بولا جب کہ جیسکا اندر ہی اندر بری طرح ڈسٹرب ہوگئی تھی۔

❀.......☆.......❀

مومن جان واپس گھر کیا آیا گڈو بیگم کی جان جیسے سولی پر آن ٹکی وہ بخوبی جانتی تھیں کہ مومن جان ان سے بات کرنے کے لیے موقع کی تلاش میں ہے وہ جان بوجھ کر مومن کو موقع فراہم نہیں کررہی تھیں مستقل مہرو کے ساتھ لگی ہوئی تھیں جبکہ مومن جان مہرو کے سامنے بات کرنے میں کچھ کترا رہا تھا۔ مہرو عشاء کی نماز پڑھنے اور گڈو باورچی خانے میں کھانا نکالنے کی غرض سے آئیں تو پیچھے پیچھے وہ بھی آدھمکا۔

’’ہاں تو پھر تو نے کیا سوچا ہے؟‘‘ عقب سے اپنے مجازی خدا کی آواز سن کر ان کا دل دھک سے رہ گیا۔

’’کس بارے میں کیا سوچا؟‘‘ وہ انجان بنتے ہوئے بولیں تو مومن جان دل بھر کر بیزار ہوا۔

’’افوہ عقل کی دشمن۔ میں مہرو کے حوالے سے بات کررہا ہوں اس کے علاوہ تجھے کیا کشمیر کا معاملہ حل کرنے کا سوچنا تھا تو بھی نا بہت کند ذہن ہے۔‘‘ اس پل اماں کے اندر سے طیش واشتعال کی ایک تیز لہر اٹھی تھی وہ تو مہرو کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا تھا اس لمحے اماں نے اس سے صاف صاف بات کرنے کی ٹھان لی۔

’’مومن جان میری تو یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ آخر تمہیں اس رشتے میں کون سے سرخاب کے پر نظر آرہے ہیں جو تم اس نشئی لڑکے کے لیے بے قرار ہوئے جارہے ہو۔‘‘ اماں تل کو بند کرکے کافی ناگواری سے پلٹتی ہوئی تنک کر بولیں تو پہلے کچھ پل مومن جان نے قدرے الجھ کر انہیں دیکھا پھر اپنی جون میں واپس آتے ہوئے بے حد بدتمیزی سے بولا۔

’’اگر تیری جیسی عورت کے اندر سمجھ عقل نام کی کوئی چیز ہوتی تو تجھے کچھ سمجھ آتا نا ارے تیرے سر میں تو بھیجے کی جگہ بھس

بھرا ہوا ہے مجال ہے جو کوئی سیدھی سی بات تیرے پلے پڑ جائے اونہہ اماں نے بھی کیسی عقل سے پیدل عورت میرے متھے منڈھ دی۔“

”ہاں نہیں ہے میرے اندر عقل‘ نہیں ہے بھیجہ میرے پاس‘ مگر اتنی سمجھ مجھ میں ہے کہ مہرو کے لیے کیا اچھا ہے اور کیا نہیں......اس کا فیصلہ میں کرسکوں۔“

”اچھا......تو تو فیصلہ کرے گی کہ مہرو کا رشتہ کہاں طے ہونا چاہیے اور کہاں نہیں۔“ بے حد استہزائیہ انداز میں مومن جان بولا تو یک لخت اماں ٹھنڈی پڑ گئیں اس پل انہیں اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا کہ انہیں مومن جان سے یوں الجھنا نہیں چاہیے تھا وہ یک دم ڈھیلی پڑ کر نرمی سے بولیں۔

”دیکھو مومن یہ فیصلے یوں بیٹھے بٹھائے اچانک نہیں کیے جاتے کچھ وقت دو مجھے پھر میں مہرو سے بھی بات کرتی ہوں۔“

”کیوں مہرو سے بات کرنے کی کیا ضرورت ہے ہمارے خاندان میں لڑکیوں سے ان کی مرضی نہیں پوچھی جاتی نری بے حیائی اور بے غیرتی ہے یہ۔“ وہ تیوری پر بل چڑھا کر بے حد ناگواری سے بولا تو گڈو بیگم بے بس سی ہوگئیں پھر کچھ سوچ کر مصالحانہ انداز میں گویا ہوئیں۔

”اچھا ابھی تو مجھے کھانا لگانے دو رات کو سونے سے پہلے ہم آرام سے بات کرتے ہیں۔“ انہیں اس بات کا خوف تھا کہ کہیں آوازیں سن کر مہرو ادھر نہ آن دھمکے اور ہوا بھی یہی مہرو کا متفکرانہ چہرہ باورچی خانے کے دروازے سے برآمد ہوا۔

”کیا ہوا اماں؟“ وہ مختصراً بولی البتہ اس کے لہجے سے جھلکتی گہری تشویش اور الجھن صاف محسوس کی جاسکتی تھی اماں پل بھر کو ہڑبڑا سی گئیں پھر دوسرے ہی لمحے سرعت سے خود کو سنبھال کر بولیں۔

”ک......کچھ نہیں ایسے ہی بات کر رہے تھے۔ تم نماز سے فارغ ہوگئیں تو جاؤ جا کر دستر خوان بچھاؤ میں بس کھانا لے کر آ رہی ہوں۔“ وہ بادل نخواستہ واپس جانے کو مڑی تو اماں جلدی سے چولھے کی طرف لپکیں جبکہ مومن غصے میں وہاں سے نکل گیا۔

❁......☆......❁

بھیگی بھیگی خاموش فضا اور دور دور تک پھیلے جامد سناٹے کو چیرتی اذان فجر کی آواز کے نور نے ماحول کو پلک جھپکتے میں ہی یکسر بدل کر رکھ دیا۔ سرو قد درخت اور ان پر لگی ٹہنیاں تو یہ سحر سن کر جھومنے لگیں فضاء کا ذرہ ذرہ جیسے اپنے خالق کی حمد و ثنا میں سر بسجود ہوگیا دلفریب شبنم میں تر پھول اپنے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف عمل ہوگئے اور تاحد نگاہ پھیلے آسمان نے صبح کاذب کا لبادہ بڑے فخر و انبساط سے زیب تن کیا اس وقت جب مبہوت کردینے والا منظر تھا کائنات کی ہر شے گویا عبادت الٰہی میں مشغول تھی فراز اپنے کمرے سے ملحق بالکنی میں کھڑا یہ روح پرور منظر دم بخود سا کھڑا دیکھتا رہ گیا پھر کافی دیر بعد وہ اپنے دھیان سے چونکا اور ایک گہری سانس بھر کر تر و تازہ ہوا اپنے پھیپھڑوں میں بھری اور پھر وہ بھی اپنے مالک کی بارگاہ میں حاضری دینے کی غرض سے اپنے کمرے کی طرف پلٹا اور وضو کرنے واش روم میں گھس گیا پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے بستر پر آ کر دراز ہوگیا آج اسے پھر ساری رات نیند نہیں آئی تھی وہ مسلسل جاگتا رہا تھا یہ حقیقت تھی کہ سونیا جب سے کامیش کی بیوی بن کر اس گھر میں آئی تھی تب ہی سے فراز کا چین‘ سکون‘ نیند اور اطمینان سب کچھ غارت ہوگیا تھا۔ بستر پر لیٹے لیٹے اس کے دماغ میں وہ لمحہ در آیا جب اس نے سونیا کو انکار کیا تھا اسے اس وقت بھی سونیا کی گہری خاموشی اور سپاٹ انداز پر بے حد حیرت ہوئی تھی مگر اسے اس بات کا قطعی اندازہ نہیں تھا کہ سونیا کی خاموشی کی تہہ میں اتنا سنگین طوفان چھپا ہوا تھا۔

”آخر سونیا اب مجھ سے چاہتی کیا ہے؟ وہ یقیناً مجھ سے بدلہ لینا چاہتی ہے اس کو ریجیکٹ کرنے کی سزا دینا چاہتی ہے مگر وہ کیا کرنے والی ہے......؟“ بے حد مضطرب ہو کر اس نے کروٹ بدل کر سوچا۔ ”شادی سے پہلے اس نے مجھے

ذراسی بھنک لگنے نہیں دی کہ وہ مجھ سے اتنی بدظن ہے...... وہ کیا کرنے والی ہے؟" بے ساختہ فراز خود سے بولتا اٹھ کر بیٹھ گیا وہ مزید کچھ آگے سوچتا کہ اسی پل اس کے سیل فون پر میسج بیپ بجی تو قدرے چونک کر فراز نے اپنے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر دھرے موبائل کو دیکھا تو نگاہوں کے سامنے ہنستا مسکراتا زرمینہ کا میسج آ گیا۔

"صبح بخیر فراز بھائی اللہ سے دعا ہے کہ آپ کی ہر صبح ہمیشہ روشن اور خوش گوار ہو آپ کی بہن آپ کو ہمیشہ دعاؤں کے حصار میں رکھتی ہے اللہ آپ کو ہر بلا سے محفوظ رکھے آمین۔" بے ساختہ فراز شاہ کے دل میں ڈھیروں اطمینان اور سکون اترتا چلا گیا کچھ دیر پہلے کا بوجھل پن اور کثافت سرعت سے غائب ہوگئی ذہن بالکل فریش سا ہو گیا۔ وہ بے اختیار دلکشی سے مسکرا دیا پھر بلند آواز میں موبائل اسکرین کو دیکھ کر خود سے بولا۔

"تھینکس آلاٹ مائی سوئیٹ لٹل سسٹر مجھے تمہاری دعاؤں کی ضرورت ہے اور یقین ہے کہ تمہاری دعائیں ہمیشہ میری حفاظت کریں گی۔" پھر پرسکون ہو کر اس نے دوبارہ لیٹ کر تکیہ اپنے منہ پر رکھ لیا اور کچھ ہی دیر میں نیند کی وادیوں میں اترتا چلا گیا تھا۔

❀......☆......❀
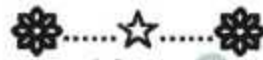
اس وقت کلاس روم مچھلی بازار بنا ہوا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی سر وقار کے جانے کے بعد سب ہی اسٹوڈینٹس اگلے ہفتے شروع ہونے والے اسٹوڈینٹ ویک پر زور و شور سے تبادلہ خیال کر رہے تھے زرمینہ بھی دانیال کے گروپ کے ساتھ نجانے کون کون سے پروگرام بنا رہی تھی جبکہ زرمینہ کے فارغ ہونے کا انتظار کرتی زرتاشہ اب بے تحاشہ بور ہو چلی تھی ناچار وہ اس کے قریب آ کر زور سے بولی۔

"افوہ زری اب بس بھی کرو۔ آج ہی ساری پلاننگ کرنی ہے کیا؟" زرتاشہ کی پہلو سے آتی آواز پر جوش سے بولتی زرمینہ قدرے چونکی پھر رخ موڑ کر کافی مصروف لہجے میں بولی۔

"بس دو منٹ ٹھہرو تاشو...... ہاں تو دانیال بس میں نے کہہ دیا کہ بیت بازی میں میرا نام بالکل فائنل کردیں مجھے ہر صورت میں اس میں حصہ لینا ہے اور پہلا انعام بھی جیتنا ہے۔" زرمینہ کی بات پر دانیال نے اسے کافی زچ ہو کر دیکھا پھر خود پر ذرا کنٹرول کرتے ہوئے نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

"دیکھیے زرمینہ آپ میری بات کیوں نہیں مان لیتیں یہ شیر و یا آپ کے پکڑنے کے بس کی بات نہیں ہے آپ کسی اور چیز میں حصہ لے لیں۔"

"کیوں...... کیوں بھئی کیوں نہیں پکڑ سکتی میں شیر......" وہ تو جیسے آستینیں چڑھا کر اس پر چڑھ دوڑی۔

"مم...... میرا مطلب ہے شعر...... اور یہ آپ پکڑنے کی کیا بات کر رہے ہیں مجھے کون سا جنگل میں جا کر شیر پکڑنا ہے؟" زرمینہ کی بات پر دانیال نے اسے کافی بے بسی سے دیکھا پھر زرتاشہ سے مخاطب ہو کر قدرے روہانسا ہو کر بولا۔

"زرتاشہ پلیز آپ ہی اپنی سہیلی کو سمجھائیے کہ بیت بازی ان کے بس کا روگ نہیں ہے پھر کیوں یہ بضد ہیں۔"

"افوہ بھئی میں کیوں نہیں کرسکتی بیت بازی دنیا کا ایسا کوئی کام نہیں ہے جو میں نہیں کرسکوں سمجھے آپ۔" زرمینہ اپنا دلیاں ہاتھ اپنی کمر کی خم پر رکھ کر بے حد تنک کر بولی تو زرتاشہ نے پہلے تو دونوں کو باری باری ناسمجھی سے دیکھا پھر سہولت سے دانیال کو مخاطب کر کے بولی۔

"آپ نہیں جانتے دانیال یہ زری بہت ضدی ہے جب اس نے ٹھان لیا ہے کہ یہ بیت بازی میں حصہ لے گی تو دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں سمجھا سکتی۔" زرتاشہ کی بات پر زرمینہ نے اسے خفگی سے دیکھا جو میرون اینڈ پیچ رنگ کے امتزاج کے کاٹن کے سوٹ میں بہت کیوٹ لگ رہی تھی۔

"تاشو مجھے تم سے اس قدر ذلالت کی امید نہیں تھی۔" جبکہ زرینہ کے ریمارکس پر زرتاشہ نے لاپروائی سے شانے اچکائے۔
"افوہ زرتاشہ آپ میری بات سمجھ نہیں رہیں۔" دانیال تو جیسے اپنے بال نوچنے کو ہوگیا تھا۔
"اچھا...... انہیں بہت شوق ہورہا ہے نا بیت بازی میں حصہ لینے کا تو چلیں ان سے ذرا شعر سن لیجیے۔"
"ہاں...... ہاں کیوں نہیں میں ابھی شعر سناتی ہوں...... اچھا کس کا سناؤں۔" زرینہ پل بھر کو گڑبڑائی پھر دوسرے ہی لمحے خود اعتمادی سے بولی تو دانیال طنزاً گویا ہوا۔
"پروین شاکر کا کوئی شعر سنا دیجیے۔"
"ہوں...... ہوں یہ کون سی بڑی بات ہے ابھی سناتی ہوں۔" وہ تھوڑا ہکلائی پھر گلا کھنکھار کر بولی۔
ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
وہ پریشان ہو تو ہمیں نیند نہیں آتی
زرتاشہ جو کافی بے زاری کھڑی تھی یک لخت دو فٹ اپنی جگہ سے یوں اچھلی جیسے پیروں پر اسپرنگ لگ گئے ہوں اس نے بے حد بھونچکا سا ہو کر زرینہ کو دیکھا مارے تحیر کے بے اختیار منہ بھی کھل گیا تھا۔
"ک...... کیا تم نے کیا پڑھا زری۔" وہ بے تحاشا حیران ہو کر استفسار کرتے ہوئے بولی تو زرینہ نے ایک بار پھر بڑے جوش و خروش سے وہ شعر دوبارہ لہک لہک کر پڑھ ڈالا تو زرتاشہ نے بڑی مشکل سے اپنے وجود کو جنبش دے کر دانیال کو بے حد اچنبھے سے دیکھا۔
"جی جناب یہ محترمہ مجھے دو دن سے کچھ اسی طرح کے شعر سنا کر کافی ایمپریس کررہی ہیں۔" دانیال استہزائیہ انداز میں بولا تو بے ساختہ زرتاشہ نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھاما پھر دوسرے ہی لمحے وہ زرینہ سے مخاطب ہو کر بولی۔
"زری تمہیں معلوم ہے کہ یہ شعر کس کا ہے؟"
"افوہ دانیال نے پروین شاکر کا شعر سنانے کو بولا تھا تو پھر انہی کا ہے نا۔" زرینہ زرتاشہ کی بات پر تیزی سے بولی تو زرتاشہ نے حقیقی معنوں میں اپنا سر پیٹ لیا۔
"او اللہ کی بندی جون ایلیا کی بھتیجی یہ پروین شاکر کا شعر نہیں ہے بلکہ تو نے دو شاعروں کے شعر کو ملا دیا ہے پہلا مصرعہ مرزا غالب کا ہے اور دوسرا احمد فراز کا۔" زرتاشہ یوں دانت چبا کر بول رہی تھی جیسے زرینہ کو بھی ساتھ ساتھ چبا رہی ہو زرتاشہ کی بات پر زرینہ قدرے چونکی پھر تھوڑا کھسیانی سی ہو کر بولی۔
"آ...... اچھا...... یہ کیسے ہوگیا چلو خیر غلطی ہوگئی اچھا دانیال میں آپ کو دوسرا شعر......؟"
"بس بس زرینہ پلیز کوئی دوسرا شعر مت سنائیے گا ورنہ میں ابھی اور اسی وقت خودکشی کرلوں گا۔" دانیال زرینہ کی بات درمیان ہی سے قطع کرکے بے پناہ زچ ہو کر بولا تو زرتاشہ کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑ گئی پھر دانیال سے تسلی آمیز لہجے میں بولی۔
"آپ ٹینشن مت لیں دانیال میں اس عقل کی دشمن کو سمجھا دوں گی بے فکر رہیے۔"
"او تھینک گاڈ اور آپ کا بھی۔" دانیال نے جیسے سکھ کا سانس لیا۔
"کیا مطلب تاشو میں تھوڑی محنت کرلوں گی کچھ اشعار یاد بھی کرلوں گی اب میں پیدائشی شاعرہ تھوڑی ہوں کہ......"
"بس بس تم فی الحال اس وقت میرے ساتھ کینٹین چلو۔" زرتاشہ اس کے جملے کو قطع کرکے بازو تھام کر بولتی دروازے کی جانب بڑھی تھی۔
"ارے بھئی مجھے دانیال سے......"

”تم ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ باہر چل رہی ہو او کے۔“ زرتاشہ اسے ہنوز کھینچتی ہوئی باہر لے گئی۔

☆

لالہ رخ آفس سے گھر آئی تو امی کو کچھ متفکر اور الجھا الجھا سا پایا فریش ہو کر کھانے سے فراغت کے بعد جب وہ دونوں چائے پی رہی تھیں تب ہی لالہ رخ ان سے استفسار کرتے ہوئے بولی۔

”کیا بات ہے امی آپ کسی بات پر پریشان ہیں؟ میں جب سے گھر آئی ہوں آپ کو اپ سیٹ دیکھ رہی ہوں بتایئے نا کیا بات ہے؟“ امی نے لالہ رخ کو چند ثانیے بغور دیکھا پھر ایک گہری سانس بھر کو بولیں۔

”ہاں لالہ بیٹا پریشان تو میں ہوں۔“

”تاشو کی وجہ سے پریشانی ہے کیا؟ امی وہ ماشاء اللہ بہتر ہو رہی ہے اور اللہ نے چاہا تو بہت جلد ہماری پہلے والی تاشو بن جائے گی مینا کی طرح چہچہاتی ہوئی۔“ لالہ رخ امی کی پریشانی کو از خود ہی زرتاشہ پر محمول کر کے بولتی چلی گئی تو امی کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ آ ٹھہری پھر رسانیت سے گویا ہوئیں۔

”میں تاشو کی جانب سے فکر مند نہیں ہوں بیٹا...... دراصل دوپہر میں گڈو آئی تھی وہ بے چاری کافی دنوں سے مہرو کی وجہ سے بے حد پریشان ہے۔“

”مہرو کی وجہ سے......؟ کیا مطلب امی میں کچھ سمجھی نہیں۔“ وہ الجھ کر بولی۔

”مہرو کا باپ مومن جان اس کا رشتہ اپنے دوست کے بیٹے سے زبردستی طے کرنا چاہ رہا ہے۔“

”زبردستی...... امی پلیز کھل کر بتایئے نا کہ کیا معاملہ ہے؟“ لالہ رخ کے پلے کچھ نہ پڑا تو اس نے کافی متفکر ہو کر امی سے استفسار کیا جواباً امی نے لالہ رخ کو سب کچھ بتا دیا۔

”گڈو کی تو راتوں کی نیندیں اڑی ہوئی ہیں۔“ امی کے آخری جملے پر لالہ رخ نے تاسف سے کہا۔

”مجھے تو اس بات کی سخت حیرت ہے کہ مومن چچا اس قدر خود غرضی اور بے حسی کا مظاہرہ کیسے کر سکتے ہیں؟“ اس لمحے امی نے کچھ چونک کر اسے دیکھا پھر کسی گہری سوچ میں مستغرق ہو گئیں دونوں کے درمیان لمبی خاموشی طاری ہو گئی لالہ رخ، مومن جان کے عزائم جان کر بے حد متعجب اور افسردہ تھی مہرو اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھی اس معصوم اور پیاری لڑکی کے نجانے کیا کیا خواب تھے اور اس کا سنگ دل باپ محض دولت کے لالچ میں اس کی شادی ایک نشئی جاہل گنوار لڑکے سے کرنا چاہتا تھا۔

”کچھ بھی ہو جائے امی میں مہرو پر اتنا بڑا ظلم ہرگز نہیں ہونے دوں گی اس کی زندگی کو یوں تباہ و برباد کرنے کا حق کسی کو بھی نہیں دوں گی چاہے وہ اس کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔“ خاموشی کے پردے کو چیرتی لالہ رخ کی مضبوط اور کچھ مشتعل آواز جب امی کی سماعت سے ٹکرائی تو بے ساختہ انہوں نے لالہ رخ کو دیکھا پھر دوسرے ہی پل تائیدی انداز میں اپنا سر اثبات میں ہلا کر بولیں۔

”بالکل، ہم اپنی بچی کے ساتھ یہ ظلم و زیادتی کبھی نہیں ہونے دیں گے...... مگر لالہ تم اپنے چچا کی فطرت سے بخوبی آگاہ ہو ہم کیا کر لیں گے؟“ دوسرے ہی لمحے ان کے لہجے میں خوف و ناامیدی در آئی تھی لالہ رخ نے امی کو محبت سے دیکھا پھر ان کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر ہولے سے دبا کر بولی۔

”یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے کہ آگے کرنا کیا ہے بس آپ دعا کیجیے گا کہ یہ مصیبت ہمارے سروں سے بخیر و عافیت ٹل جائے۔“

”میں تو تم تینوں کے لیے ہر لمحہ دعائیں کرتی ہوں بیٹا اللہ یقیناً ہماری پریشانی دور کرے گا۔“

”ان شاء اللہ۔“ لالہ رخ امی کی بات پر ایک جذب سے بولی۔

❀.......☆.......❀

صبح ناشتے کی ٹیبل پر سونیا خوب چہک رہی تھی اتوار ہونے کی وجہ آج فراز اور سمیر شاہ بھی گھر پر تھے جبکہ کامیش اکثر اوقات سنڈے کو بھی گھر سے غائب رہتا تھا۔ مگر آج وہ بھی موجود تھا ساحرہ بھی بہت خوش گوار موڈ میں تھی۔

"سونیا بیٹا تم لوگوں نے اپنا ہنی مون پلان کیا؟ کہاں جانے کا ارادہ ہے؟" ساحرہ بوائل ایگ کا چھوٹا سا پیس منہ میں رکھ کر اسے چباتے ہوئے بولی تو سونیا نے بڑی دلکشی سے رخ موڑ کر ساحرہ کو دیکھا۔

"یہ تو آپ اپنے پولیس آفیسر بیٹے سے پوچھیے۔" ٹائٹ بلو جینز پر لیڈیز چیک کی میرون اینڈ بلیک کنٹراسٹ کی شرٹ پہنے سونیا نے ساحرہ سے کہا تو ساحرہ نے یک دم کامیش کو دیکھا جو اس پل بلیک شلوار کرتے میں بہت نکھرا نکھرا سا لگ رہا تھا۔

"مام اس منتھ تو بہت مشکل ہے میں نے سونیا سے کہہ دیا ہے کہ نیکسٹ منتھ میں چھٹیاں لینے کی کوشش کروں گا۔" کامیش جگ میں سے جوس گلاس میں نکالتے ہوئے بولا تو ساحرہ کی تو جیسے حیرت سے آنکھیں باہر آ گئیں۔

"واٹ ڈو یو مین کامیش......! تم دونوں کی ابھی نئی نئی شادی ہوئی ہے تمہیں تو ویسے کے دوسرے دن ہی ہنی مون کے لیے نکل جانا چاہیے تھا اور...... نیکسٹ منتھ کے لیے بھی تم ٹرائی والی بات کررہے ہو اس کا مطلب کنفرم بھی نہیں ہے۔"

ساحرہ کے اتنے پرزور عمل پر سمیر شاہ اور فراز نے پل کے پل نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا پھر دوبارہ اپنے ناشتے کی طرف متوجہ ہوگئے۔ ساحرہ نے جب سمیر شاہ کو خاموش اور لاتعلق سا بیٹھے دیکھا تو توپوں کا رخ ان کی طرف ہوگیا۔

"آپ سن رہے ہیں نا کہ آپ کا بیٹا کیا فرما رہا ہے لو بھلا بتاؤ یہ اپنا ہنی مون اتنا ڈیلے کررہا ہے اور کتنا لائٹلی لے رہا ہے اسے۔" سمیر شاہ نا چاہتے ہوئے بھی ان کی جانب متوجہ ہوئے پھر بے حد سرسری انداز میں کہا۔

"بیٹا کم از کم اگلے مہینے کا کنفرم تو کرلو۔" باپ کی بات پر کامیش تھوڑا خفیف سا ہوا پھر سہولت سے بولا۔

"ڈیڈ آپ کو تو معلوم ہے نا کہ آج کل میرا کتنا بزی شیڈول چل رہا ہے شہر کے حالات ٹھیک نہیں اور پھر کچھ ہی دنوں میں غیر ملکی ڈیلیگیشن حکومتی اراکین سے ملنے آ رہا ہے۔"

"ہاں تو سب کو سیکیورٹی فراہم کرنے کا ٹھیکہ صرف تم نے لے رکھا ہے کیا؟" ساحرہ کافی ناگواری سے بولی جبکہ سونیا ان باتوں سے بے نیاز ناشتہ کرتی رہی۔

"مام پلیز ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ می۔" کامیش کے لہجے میں اس لمحے بے بسی در آئی۔ اس نے امداد طلب نگاہوں سے فراز شاہ کو دیکھا تو فراز کو نا چاہتے ہوئے بھی میدان میں کودنا پڑا وہ ہولے سے گلا کھنکھار کر بولا۔

"مام دراصل کامیش فری آف مائنڈ کے ساتھ ہنی مون پر جانا چاہتا ہے۔" فراز کی بات پر ساحرہ نے اسے تیکھے چتونوں سے گھورا۔

"ہوں خوب جانتی ہوں میں کامیش کو اسے تو اپنے کام سے عشق ہے اپنی نوکری کے آگے اسے کچھ اور کہاں دکھائی دیتا ہے۔" فراز کامیش کی حمایت میں ابھی مزید کچھ بولتا کہ یک دم سونیا بڑے ترنگ میں آ کر لہک کر گویا ہوئی۔

"فراز تمہیں یاد ہے نا یونیورسٹی لائف میں ہم پیرس روم اور مصر جانے کی خوب پلاننگ کرتے تھے۔ ہم دونوں کو اہرام مصر دیکھنے کا کتنا شوق ہے نا او مائی گاڈ وہ بھی کیا دن تھے۔" سونیا کا لب ولہجہ بظاہر نارمل سا تھا مگر نجانے کیوں فراز شاہ بری طرح گڑبڑا کر رہ گیا جب کہ اسی پل سمیر شاہ نے فراز کو بغور دیکھا تھا ساحرہ بھی پوری طرح ان دونوں کی طرف متوجہ تھیں۔

"تمہیں تو کریز ہے نا ان کنٹریز میں گھومنے پھرنے کا۔" اپنے شولڈر کٹ بالوں کو ایک ادا خاص سے جھٹکا دیتے ہوئے بڑے شرارت آمیز انداز میں بولی۔

"آ...... ہاں بس ایسے ہی۔" فراز خوامخواہ چور سا بن گیا تھا بڑے پھیکے لہجے میں بولا۔

”تو اس کا مطلب ہے کہ اب تم اپنی وائف کے ساتھ وہاں جاؤ گے ناں۔“ اف سونیا نے تو جیسے آج فراز شاہ کا خون خشک کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ سمیر شاہ بخوبی اپنے بیٹے کی اندرونی کیفیت کو سمجھ رہے تھے۔ جب ہی رسانیت سے موضوع بدلنے کی غرض سے بولے۔

”ساحرہ وہ حورین بھابی اور خاور ہم لوگوں کو ڈنر پرائیوٹ کرنا چاہ رہے ہیں خاور پوچھ رہا تھا کہ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں چلنا ہے یا پھر گھر پر اہتمام کیا جائے...... میں نے فی الحال اس سے یہ کہہ دیا ہے کہ کامیش اور تم سب سے پوچھ کے بتا دوں گا۔“

”ارے میں تو بھول ہی گئی تھی سمیر کہ مسز افتخار بھی نیو کپل کے ساتھ ہم سب کو بھی ڈنر پر انوائیٹ کر رہی تھیں۔“ سمیر کی بات پر یک دم ساحرہ بھی بولی اور صد شکر باتوں کا رخ دوسری جانب مڑا تو فراز نے بے اختیار طمانیت کی سانس بھری اور اپنی پلیٹ پر جھک گیا جبکہ سونیا مسکراتی مگر معنی خیز نگاہوں سے گاہے بگاہے فراز پر نگاہ ڈالتی رہی۔

❁......☆......❁

”میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ابرام کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ہم جتنا معاملے کو سلجھانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ اتنا ہی الجھتا جا رہا ہے۔ مجھے ویلیم کے تیور کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے وہ ماریہ سے کافی خفا تھا۔“ جیسکا تشویش زدہ لہجے میں بولتی چلی گئی جب کہ ابرام خاموشی سے محض اسے دیکھے گیا۔ بلیک جینز پر ڈارک گرین شرٹ پہنے اپنے بالوں کی اونچی سی پونی ٹیل بنائے وہ دلکش لگنے کے ساتھ ساتھ کافی ڈسٹرب بھی لگتی تھی اس وقت ابرام اپنے اپارٹمنٹ کے قریب ہی بنے پارک میں جیسکا کے ہمراہ بیٹھا تھا ڈھلتی دھوپ اور آتی شام کے اس پہر چہار سو سکون و خاموشی تھی۔ ”میں نے تو فی الحال اسے یہ کہہ کر ریلیکس کرنے کی کوشش کی کہ میں آج ہی ماریہ سے اس کی بات کرواؤں گی ابرام پلیز کیا تم مجھے کچھ بتاؤ گے کہ یہ سب چل کیا رہا ہے؟ تم لوگ ماریہ کو ویلیم سے کیوں نہیں ملنے دے رہے؟“ آخر میں وہ کافی ناراضی سے بولی تو ابرام نے بے اختیار ایک گہری سانس کھینچی پھر جیسکا کی جانب دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے گویا ہوا۔

”مام ماریہ سے فی الحال بے حد ناراض ہیں اور ماریہ......“ وہ قدرے ٹھہرا پھر دوسرے ہی لمحے ہموار لہجے میں بولا۔ ”وہ تو ہمارے لیے امتحان بنتی جا رہی ہے تین دن سے اپنے کمرے میں بند ہے باہر نکلنے کو آمادہ ہی نہیں ہے میں ہی اس کے کمرے میں جا کر زبردستی کچھ کھلا پلا دیتا ہوں۔“ جیسکا نے یہ سب بے حد حیرت سے سنا پھر جب ابرام کی بات ختم ہوئی تو بے ساختہ جیسکا نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا چند ثانیے دونوں خاموش بیٹھے رہے پھر جیسکا نے ہراساں ہو کر کہا۔

”ابرام یہ سب ٹھیک نہیں ہو رہا ایسا بالکل نہیں ہونا چاہیے تم...... تم ماریہ کو سمجھاتے کیوں نہیں ہو کہ آخر وہ یہ سب کیوں کر رہی ہے یا پھر جیکولین آنٹی کو ہی کنوینس کر لو کہ وہ ویلیم اور ماریہ کی منگنی توڑ دیں۔“ ابرام جیسکا کی بات پر محض اسے خاموش نگاہوں سے دیکھتا رہ گیا۔

❁......☆......❁

رات ابھی تنہائی کی پہلی دہلیز پہ ہے
اور میری جانب اپنے ہاتھ بڑھاتی ہے
سوچ رہی ہوں
ان کو تھاموں
زینہ زینہ سناٹوں کے تہہ خانوں میں اتروں
یا اپنے کمرے میں ٹھہروں
چاند مری کھڑکی پہ دستک دیتا ہے!

لالہ رخ اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑی حسب عادت آسمان پر نگاہیں ٹکائے کھڑی تھی۔ جب ہی عقب سے مہرو کی آواز ابھری۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم یہیں ہوگی لالہ..... آج تو تم مجھے بتا ہی ڈالو کہ آخر آسمان پر تم کیا تلاش کررہی ہوتی ہو۔" جبکہ مہرو کی جانب پلٹتی لالہ رخ چڑ کر بولی۔

"تم اس وقت رات کو منہ اٹھا کر اکیلے چلی آئیں مہرو کتنی بار تمہیں سمجھایا ہے کہ اس طرح یوں بہادر خان بہادر بن کر مت چلی آیا کرو۔" لالہ رخ نے مہرینہ کی اچھی خاصی کلاس لے ڈالی تھی جب کہ مہرو پرپل رنگ کے شال کے شلوار سوٹ میں کھڑی برے برے منہ بنا رہی تھی۔

"اب منہ سے بھی کچھ بولو کہ اس وقت یہاں آنے کی کیا وجہ تھی۔"

"لالہ کی بچی تجھ جیسی بداخلاق، بدزبان لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ بھلا اپنے گھر میں آنے والے کو کوئی یوں بھی کہتا ہے کیا اور رہا اکیلے آنے کا سوال تو میرا گھر چار قدم پر تو ہے۔" مہرو اچھا خاصا برامان گئی تھی جب ہی کافی غصے میں بولی تھی۔ لالہ رخ نے ایک نگاہ اس کے سرخ و سپید ملیح چہرے کی جانب دیکھا پھر اس کی جانب بڑھتے ہوئے نرمی سے بولی۔

"پاگل لڑکی میں صرف تیری فکر میں یہ سب کہہ رہی ہوں مہرو اس طرح رات کی تنہائی میں یوں اکیلے نکلنا کسی طور پر مناسب نہیں ہے چاہے چار قدم پر ہی مگر تمہیں پتہ تو ہے کہ یہاں سورج ڈھلتے ہی کتنا سناٹا ہوجاتا ہے ناں۔"

"معلوم ہے مجھے۔" مہرو ہنوز منہ پھلائے ناراضی سے بولی تو لالہ رخ کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ در آئی۔

"اب یہ بتاؤ کہ کسی ضروری کام سے آئی ہو یا یونہی ملنے چلی آئیں۔" لالہ رخ تیزی سے بولی تو مہرو خاموشی سے چلتی ہوئی اس کے بیڈ پر ٹک کر کچھ پرسوچ لہجے میں گویا ہوئی۔

"لالہ دراصل میں بٹو کی وجہ سے کچھ پریشان ہوں۔"

"بٹو کی وجہ سے..... کیوں بٹو کو کیا ہوا؟" لالہ رخ نے کچھ چونک کر استفسار کیا تو مہرو نے ایک گہری سانس کھینچی پھر کچھ متفکرانہ لہجے میں بولی۔

"لالہ تم تو جانتی ہو ناکہ بٹو کتنا حساس اور معصوم بچہ ہے اور پھر لوگوں کے دل شکن اور برے رویوں کا بھی شکار ہے۔ یہاں تک کہ خود اس کے گھر والے اس کی تضحیک کرتے ہیں جس میں اس کی ماں تک شامل ہے۔" مہرو کی بات سن کر لالہ رخ نے بھی افسوس بھرے انداز میں سرہلا کر کہا۔

"ہوں یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو..... انسان پوری دنیا سے تو لڑسکتا ہے مگر اپنوں سے نہیں وہ بیچارا اپنوں کی محبت وچاہت اوران کی توجہ کا طالب ہے مگر....." اتنا کہہ کر ایک گہری آہ بھر کر لالہ رخ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تو مہرو کسی گہری سوچ میں ڈوبی آواز میں گویا ہوئی۔

"لالہ نجانے کیوں بٹو مجھ سے کچھ کھینچا کھینچا سا ہے نہ وہ مجھ سے ملنے آیا اور نہ ہی کل جب وہ مجھے رستے میں ملا تو اس نے ڈھنگ سے مجھ سے بات کی۔"

"اچھا..... مگر مہرو بٹو ایسا کیوں کررہا ہے؟" لالہ رخ نے استفسار کیا تو کسی سوچ میں مستغرق مہرو خفیف سا چونکی پھر بڑی بے مزہ سی ہوکر بولی۔

"اف اللہ لالہ تم بھی ناں..... اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ ایسا کیوں کررہا ہے تو میں رات کو اس وقت تمہارے پاس یہ پوچھنے نہیں آتی۔" مہرو کی جھنجلاہٹ پر لالہ رخ نے ایک نگاہ اسے دیکھا پھر تھوڑا خجل سا ہوکر بولی۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا میں یہ پوچھنا چاہ رہی ہوں کہ تمہارے خیال میں ایسی کون سی بات ہوسکتی ہے جس کی وجہ سے

وہ ایسا کر رہا ہے۔"

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ ایسا بھلا میرے ساتھ کیوں کر رہا ہے؟ اگر بالفرض اس کی ماں یا باپ نے منع کیا ہو تو مجھے معلوم ہے کہ وہ اپنے والدین کی یہ بات ہرگز نہیں مانے گا اور ہاں......" بولتے بولتے مہرو کو اچانک کچھ یاد آیا تو وہ قدرے رک کر دوبارہ گویا ہوئی۔ "جب راستے میں بٹو سے بات کر رہی تھی تو وہ کچھ گھبرایا گھبرایا سا لگ رہا تھا مجھ سے تو ایسے بات کر رہا تھا جیسے فی الفور مجھ سے جان چھڑانا چاہ رہا ہو یا پھر اگر کوئی اسے میرے ساتھ دیکھ لے تو گویا اس کی جان پر بن جائے۔" لالہ رخ مہرو کی زبانی یہ سب سن کر خود بھی کچھ متفکر ہوگئی آج سے پہلے بٹو نے ایسا رویہ تو کبھی اختیار نہیں کیا تھا۔

"واقعی یہ بات تو کافی الجھا دینے والی ہے میں تو خود حیرت زدہ ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ ایسا کیوں کر رہا ہے....؟ مہرو ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ جلدی میں ہو اور واقعی اسے کوئی ضروری کام ہو۔"

"نہیں لالہ میں بٹو کو اچھی طرح جانتی ہوں وہ واقعی مجھے جلد از جلد ٹرخانے کی کوشش کر رہا تھا۔" مہرو یقین آمیز مگر افسردہ لہجے میں بولی تو لالہ رخ خاموش سی ہوگئی پھر قدرے توقف کے بعد بولی۔

"اچھا ایسا کرتے ہیں ہم دونوں کل اس کے پاس جائیں گے اور ڈائریکٹ اس سے پوچھیں گے کہ یہ سب وہ کیوں کر رہا ہے اوکے اب تم پریشان مت ہو۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہی ہوگا۔" مہرو کو پریشان بیٹھا دیکھ کر وہ اسے دلاسہ دینے والے انداز میں بولی تو مہرو نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

❀......☆......❀

باسل کلاس لے کر باہر نکلا تو گارڈن میں کھڑی لڑکی کو دیکھ کر وہ بے ساختہ چونکا عنایہ ابراہیم اپنے مخصوص انداز میں شاید نہیں بلکہ یقیناً اسی کی منتظر تھی باسل کی جونہی نگاہ اس پر پڑی تو وہ بڑی دلکشی سے مسکرائی تھی ناچار باسل نے بھی اسمائل پاس کی تو وہ اس کے پاس آ ٹھہری۔

"سرپرائز کیسا لگا آپ کو؟" وہ بے پناہ شوخی سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی تو باسل اپنے دھیان سے چونکا پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

"سرپرائز تو نہیں آپ نے مجھے جھٹکا ضرور دیا۔" جواباً عنایہ ابراہیم قہقہہ لگا کر ہنس پڑی بلو جینز پر براؤن کرتی پہنے اور گلے میں آف وائٹ اسکارف لیے وہ بہت دلکش لگ رہی تھی۔

"آپ تو ہم سے ہر ممکن طور پر چھپنے کی کوشش کر رہے تھے مگر دیکھ لیں ہم نے آپ کو ڈھونڈ ہی لیا۔" وہ ہنوز انداز میں بولی تو باسل بے ساختہ مسکرا دیا پھر اس کی جانب دیکھتے ہوئے ہموار لہجے میں گویا ہوا۔

"آپ سے بھلا چھپنے کی جسارت کون کر سکتا ہے میڈم۔"

"اچھا تو پھر آپ نے تو مجھے کال بھی نہیں کی حالانکہ میں آپ کے فون کا ویٹ کر رہی تھی۔" وہ شکوہ کرتے ہوئے بولی تو باسل مصنوعی شرمندگی سے اپنا دایاں کان کھجاتے ہوئے بولا۔

"ایم رئیلی سوری عنایہ میں واقعی کافی بزی تھا۔"

"اوکے باسل میں آپ کا سوری ایکسیپٹ کر سکتی ہوں مگر شرط یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ کافی پئیں۔"

"آف کورس وائے ناٹ۔" وہ خوش دلی سے بولا آج عدیل اور احمر دونوں غائب تھے لہٰذا وہ اکیلا تھا اس نے سوچا کہ چلو اچھا ہے عنایہ کے ساتھ کچھ ٹائم ہی پاس ہو جائے گا اور پھر وہ خود ہی گلے پڑ رہی تھی تو ناچار باسل کو اس کی جانب توجہ دینا پڑ رہی تھی پھر وہ کینٹین کی جانب چل دیے معاً باسل کو کچھ یاد آیا تو وہ عنایہ سے استفسار کرتے ہوئے بولا۔

"آپ میرے ڈپارٹمنٹ میں کیسے پہنچیں...... آئی مین آپ کو کیسے معلوم کہ میں یہاں ہوتا ہوں۔" عنایہ جوگن سے انداز

میں چیونگم چباتے ہوئے اس کے ہمراہ چل رہی تھی باسل کی بات پر رک کر اس کی جانب دیکھ کر شرارت آمیز لہجے میں بولی۔

"دراصل کل رات میں نے اپنے گھر کے لان میں چہل قدمی کرتے ہوئے آتی جاتی ہواؤں سے آپ کا پتہ پوچھا تو انہوں نے مجھے یہاں کا راستہ بتایا اور دیکھیے میں فوراً سے پیشتر یہاں چلی آئی۔" باسل نے بھی اپنی جگہ ٹھہر کر اس کی طرف دیکھا پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا۔"

"اوکے...... اوکے بابا بتاتی ہوں۔ ایکچولی کل ہم سونیا کے گھر گئے تھے تو کامیش بھائی نے مجھے بتایا تھا کہ آپ یہاں پڑھتے ہیں تو جناب جب ہمیں یہ معلوم ہوا کہ آپ یہاں پائے جاتے ہیں تو ہم یہاں چلے آئے۔" وہ ایک بار پھر قدم بڑھاتے ہوئے بولی تو باسل محض اسے خاموشی سے بس دیکھ کر رہ گیا۔

❀......☆......❀

وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی اسے ایک عجیب سی گھٹن اور وحشت کا احساس ہوا اس نے چہار سو نگاہ ڈالی کمرہ خاصی ابتری کا شکار نظر آیا جب کہ نگاہوں کے عین سامنے سنگل بیڈ پر بلینکٹ منہ تک اوڑھے اس کا وجود کچھ ساکت سا محسوس ہوا جیسکا ہونق سی کچھ دیر یونہی دروازے پر کھڑی رہی ماریہ تو کافی نفاست پسند اور صفائی ستھرائی کی دلدادہ تھی اپنے کمرے کی ایک ایک چیز انتہائی نفاست اور قرینے سے رکھتی تھی مگر آج تو صورت حال بالکل الٹ تھی اسٹڈی ٹیبل پر ان گنت بے ترتیب کتابوں کا انبار اور شیلف پر دھری چیزیں اپنی ناقدری پر رو رہی تھیں کافی دیر یونہی ساکت سے کھڑے رہنے کے بعد جیسکا نے ایک گہری سانس بھری اور پھر ماریہ کے بستر کے سرہانے آ ٹکی عین اسی پل ماریہ نے اس کی جانب کروٹ بدلی تو کمبل اس کے چہرے سے تھوڑا سا سرکا یک دم اسے احساس ہوا کہ کوئی اس کے سر پر کھڑا ہے تو وہ بری طرح ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی جبکہ جیسکا اسے یوں گھبرایا ہوا دیکھ کر جلدی سے بولی۔

"ریلیکس ماریہ میں ہوں جیسکا' تم پریشان مت ہو۔" جیسکا جلدی جلدی بولی تو ماریہ نے ایک لحظہ کے لیے اسے دیکھا پھر اگلے ہی لمحے اس نے ایک گہری سانس بھری جیسکا اسے دیکھ کر قدرے شرمندگی سے بولی۔ "آئیم سوری ماریہ میں نے تمہاری نیند خراب کردی میں نے ہلکا سا دروازہ ناک کیا تھا مگر مجھے لگا تھا کہ شاید تم جاگ رہی ہوگی۔" جیسکا کی معذرت خواہانہ وضاحت پر ماریہ نے محض خاموشی سے اس کی جانب دیکھا اس لمحے جیسکا کو ماریہ بے حد اجنبی لگی۔

"میں کل بھی تم سے ملنے آئی تھی مگر تم سو رہی تھیں۔" جیسکا نرمی سے بولی مگر اس بار بھی اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ ایک گہری سانس بھر کر اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ماریہ یہ تم نے اپنی کیا حالت بنائی ہوئی ہے آخر تم نے خود کو کمرے میں کیوں مقید کرلیا ہے تم کالج بھی نہیں آرہیں اور......" یک دم بولتے بولتے وہ بے ساختہ رکی۔ وہ ولیم کی بابت بتانے ہی والی تھی کہ پھر خود ہی خاموش ہوگئی اس وقت اسے ولیم کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں لگا تھا' ماریہ اس بار بھی کچھ نہیں بولی تھی یک دم جیسکا کو اس کی خاموشی سے وحشت ہونے لگی۔ "ماریہ فار گاڈ سیک ڈیئر کچھ تو بولو اس طرح کیوں چپ ہو کچھ تو کہو نا۔"

"جیسکا اس وقت میرے سر میں درد ہے میں کچھ بہتر محسوس نہیں کر رہی۔" ماریہ کی اس بات سے صاف ظاہر تھا کہ وہ مزید کوئی گفتگو سننے کے موڈ میں نہیں ہے اور یہ کہ وہ فی الحال اسے اس کے حال پر چھوڑ دے۔ جیسکا نے لبوں کو بھینچ کر بغور اس کی جانب دیکھا پھر تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کچھ برا ماننے والے انداز میں بولی۔

"اوکے تم ریسٹ کرو میں بعد میں آؤں گی۔" دوسرے ہی پل تیزی سے کمرے سے نکل گئی ماریہ کے کمرے سے نکلتے ہی اسے جیکولین لاؤنج میں بیٹھی دکھائی دی تو کچھ سوچ کر اس نے مضبوط قدم جیکولین کی جانب بڑھاتے ہوئے اس سے

ہیلو ہائے کرنے کے بعد ماریہ کے متعلق بات کرنے لگی۔

"میری تو خود سمجھ سے بالاتر ہے یہ سب مگر ماریہ کا یہ ڈرامہ اب میں زیادہ عرصہ برداشت کرنے والی نہیں ہوں اس لڑکی نے میری ناک میں دم کررکھا ہے اونہہ...... اس کے باپ کو تو سوائے دنیا بھر کی خاک چھاننے اور الکوحل کا استعمال کرنے سے فرصت نہیں ہے اور اس ماریہ نے مجھے ٹینشن پر ٹینشن دی ہوئی ہے کبھی یہ بیمار پڑ جاتی ہے کبھی گھر سے غائب ہوجاتی ہے۔" جیکولین بے حد غصے میں تھی انتہائی مشتعل ہوکر بولتی چلی گئی جبکہ جیسکا خاموشی سے محض جیکولین کو دیکھتی رہ گئی۔

"اب میں ماریہ کی مزید کوئی بھی حماقت برداشت کرنے والی نہیں ہوں اب جلد از جلد میں خود کو اس کی ذمہ داری سے آزاد کرنے والی ہوں بس۔" جیکولین قطعیت بھرے لہجے میں بولتی جیسکا کو بے حد ہراساں کرگئی اس نے انتہائی بدحواسی سے جیکولین کی جانب دیکھا جس کا چہرہ اس وقت بالکل انار کی طرح سرخ ہورہا تھا۔

"ک...... کیا مطلب آنٹی آپ کیا کرنے والی ہیں۔" جیسکا نے دھڑکتے دل سے پوچھا تو چند ثانیے کے لیے جیکولین نے لب بھینچے پھر بے حد سنگین انداز میں بولی۔

"میں جلد سے جلد ولیم سے اس کی شادی کرکے یہاں سے اسے چلتا کروں گی۔" جیسکا جیکولین کی بات پر دم بخود سی بیٹھی رہ گئی جبکہ لاؤنج میں داخل ہوتا ابرام جہاں کا تہاں کھڑا رہ گیا۔

❁......☆......❁

آج چھٹی ہونے کے سبب لالہ رخ نے کپڑے دھونے کے لیے مشین لگائی تھی وہ تمام کام سمیٹ کر جیسے ہی اپنے کمرے میں داخل ہوئی اپنے بستر پر پڑے موبائل فون پر اس کی نگاہ پڑی جو اس وقت بڑے زور و شور سے بج رہا تھا لالہ رخ سرعت سے اس کے قریب آئی اور ہاتھ بڑھا کر اٹھاتے ہوئے جونہی اسکرین پر نگاہ ڈالی ایک مہربان سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر در آئی۔ فراز شاہ کا نام اس پل بلینک کررہا تھا۔ لالہ رخ نے یس کا بٹن آن کرکے جونہی کان سے لگایا فراز کی دلکش سی آواز اس کے کان میں ابھری۔

"کیسی ہیں لالہ رخ آپ......؟" وہ حال احوال پوچھنے لگا پھر تھوڑی دیر بعد قدرے شکوہ کناں انداز میں بولا۔ "ویسے آپ کافی بے مروت لڑکی ہیں۔" فراز کے اس جملے پر لالہ رخ پریشان سی ہوگئی۔

"میں...... مگر کیوں؟" اس لمحے اس کے لہجے میں حیرت ہی حیرت تھی۔ فراز شاہ لالہ رخ کی تصور میں بڑی بڑی آنکھیں پوری طرح کھولے دیکھ کر مزے سے مسکرایا پھر دھیرے سے بولا۔

"آپ اپنے گھر پہنچ گئیں اور مجھے پلٹ کر ایک فون بھی نہیں کیا کم از کم خیریت سے پہنچنے کی اطلاع تو دے دیتیں ویسے زرمینہ نے مجھے بتادیا تھا ورنہ میں خود آپ کو ضرور فون کرتا۔" فراز کی بات پر لالہ رخ کچھ شرمندہ سی ہوئی پھر بات بناتے ہوئے خوشگواری سے بولی۔

"دراصل یہاں آکر گھر اور آفس کے جھمیلوں میں مصروف ہوگئی تو آپ کو فون کرنا یاد نہیں رہا...... اس کے لیے میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔" وہ ان کا محسن ان کا مددگار تھا بھلا اتنے اچھے انسان سے وہ بے رخی کیسے برت سکتی تھی۔

"چلیے میں نے آپ کی معذرت قبول کی۔ آپ بھی کیا یاد کریں گی۔" وہ دلکشی سے ہنس کر بولا تو لالہ رخ بھی دھیرے سے ہنس دی پھر کچھ شوخی سے بولی۔

"ذرہ نوازی ہے آپ کی۔" جواباً وہ بھی ہنس دیا پھر کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد فراز سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"لالہ رخ کیا ہم اچھے دوست نہیں بن سکتے؟" فراز شاہ کے منہ سے اس قدر غیر متوقع بات سن کر لالہ رخ متحیر سی بیٹھی رہ گئی وہ جس ماحول میں پلی بڑھی تھی وہاں لڑکوں سے اس طرح دوستیاں کرنے کا ہرگز رواج نہیں تھا بلکہ اسے بے حد معیوب

سمجھا جاتا تھا اور حقیقت تو یہ بھی تھی کہ آج سے پہلے کسی بھی لڑکے نے اسے یوں دوستی کرنے کی آفر نہیں کی تھی کوئی اور ہوتا تو وہ بے حد برا مان کر اسے ڈپٹ کر انکار کر دیتی مگر مقابل فراز شاہ تھا جس نے بنا کسی غرض اور لالچ کے اس کی ان حالتوں میں مدد کی تھی جب کوئی بھی اپنا یا پرایا اس کے پاس نہیں تھا اور پھر فراز شاہ کوئی سڑک چھاپ عام لڑکا نہیں تھا بے حد سمجھ دار عقل مند اور بردبار انسان تھا مگر لالہ رخ کو اپنی روایات کا پاس تھا بھلا وہ کیسے اس سے دوستی کر سکتی تھی۔

"دیکھیے فراز آپ پلیز برا مت منایئے گا دراصل میں جس ماحول اور گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں وہاں لڑکوں سے دوستی کرنا بہت برا سمجھا جاتا ہے آپ بہت اچھے انسان ہیں فراز یقین کیجیے جب بھی میں نے کسی پرابلم میں خود کو بے بس سمجھا آپ ہی سے مدد مانگی آپ کی دوستی بھی میرے لیے قابل فخر ہوتی مگر میری فیملی اس چیز کو شاید پسند نہیں کرے۔" وہ بڑی رسانیت سے بولتی چلی گئی جبکہ دوسری جانب فراز بے حد غور سے سنتا رہا جب وہ مسلسل خاموش رہا تو لالہ رخ کچھ پریشان سی ہو کر بولی۔ "فراز آپ کو شاید میری بات بری لگی ہے ناں۔" فراز نے ایک گہری سانس کھینچی پھر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"نہیں لالہ رخ ایسی کوئی بات نہیں ہے مجھے کچھ بھی برا نہیں لگا مگر میں آپ سے ایک وعدہ لینا چاہوں گا۔"

"وعدہ...... کیسا وعدہ؟" وہ کچھ الجھ کر بولی تو لالہ رخ کے لہجے سے پریشانی بھانپ کر وہ دھیرے سے ہنستے ہوئے بولا۔

"ارے آپ اتنا ٹینس نہ ہوں، بہت آسان اور چھوٹا سا وعدہ ہے۔"

"اچھا وہ کیا؟" لالہ رخ محظوظ کن انداز میں بولی۔

"وہ یہ لالہ رخ کہ آپ کو جب بھی کوئی بھی پریشانی ہو یا مسئلہ ہو تو آپ مجھے فون ضرور کریں گی اور اگر میں ڈسٹرب ہوا تو آپ سے بات کر لوں گا اوکے۔" فراز شاہ کی بات پر لالہ رخ بنا سوچے سمجھے فوراً گویا ہوئی۔

"کیوں نہیں آپ مجھے فون کر سکتے ہیں فراز اور میں تو ویسے ہی آپ کو اپنی پرابلمز بتاتی ہوں۔" فراز نے یہ سن کر تیزی سے کہا۔

"تو پھر ڈن......"

"اوکے جناب ڈن۔" لالہ رخ مسکرا کر بولی تو دوسرے ہی پل فراز نے اللہ حافظ کہہ کر فون بند کر دیا جبکہ لالہ رخ نے جب فون بند کرنے کے بعد نئے سرے سے فراز شاہ کے وعدے کی بابت سوچا تو بے اختیار "اف" کہہ کر اس نے اپنے دائیں ہاتھ پر اپنے سر کو گرا لیا۔ "فراز آپ بہت چالاک ہیں۔" لالہ رخ بے دھیانی میں فراز سے وعدہ کر چکی تھی۔ وہ زیر لب بڑبڑا کر بولی تھی۔

❀......☆......❀

یونیورسٹی میں اس وقت رونقیں اپنے عروج پر تھیں آج سے اسٹوڈینٹ ویک کا آغاز ہو چکا تھا۔ تمام اسٹوڈینٹس بے فکرے قہقہے لگاتے شوخ وشنگ جملے ایک دوسرے پر اچھالتے اپنے دوستوں ساتھیوں کو چھیڑتے ہوئے زندگی کی رنگینیوں سے خوب لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اردو ڈپارٹمنٹ کے زیر اہتمام بیت بازی کا مقابلہ تھا صد شکر تھا کہ زرتاشہ کے سختی سے منع کرنے پر زرمینہ نے اس میں حصہ نہیں لیا تھا مگر اسی وجہ سے اس کا موڈ کچھ خاص اچھا نہیں تھا۔

"زری پلیز ذرا اپنے منہ سے یہ ہوا کچھ کم کر لو بالکل غبارے کی طرح پھولا ہوا ہے۔" زرتاشہ بظاہر سنجیدگی سے بولی مگر زرمینہ نے اس سنجیدگی کے پردے کے پیچھے چھپی اس کی شرارت کو بخوبی محسوس کر لیا تھا۔

"تم سے مطلب میرا منہ غبارے کی طرح لگے یا پھر سموسے کی طرح تمہیں اس سے کیا۔" وہ تو جیسے کاٹ کھانے کو دوڑی تھی زرتاشہ قدرے سہم کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

"یا وحشت زری تم نے تو میرا دل ہی دہلا دیا اور سموسے سے کیا خوب تشبیہہ دی تم نے میرا تو سموسے کھانے کا دل

چاہیے لگاؤ یسے ذرا میری جانب دیکھو۔" وہ یک دم بولی تو زرینہ نا سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔ "او مائی گاڈ زرینہ واقعی تمہارا چہرہ تو بالکل آلو والے سموسے سے مل رہا ہے۔" وہ مصنوعی حیرت و اشتیاق سے بولی تو زرینہ بری طرح تپ گئی۔

"تاشو کی بچی میں تجھے کچا کھا جاؤں گی۔" وہ دانت کچکچا کر خطرناک تیوروں سے اس کی جانب لپکی تو زرتاشہ نے پیچھے ہٹ کر اپنا بچاؤ کیا البتہ اس کی دلکش ہنسی کی جھنکار دور دور تک پھیلی تھی اور اس کے ساتھ ہی زرینہ کے دل و روح میں طمانیت و سکون بھی تیزی سے پھیلتا چلا گیا تھا زرتاشہ واپس زندگی کی جانب لوٹ رہی تھی پھر یونہی ہنستے مسکراتے انہوں نے بیت بازی کا مقابلہ اٹینڈ کیا وہ دونوں جب ہاسٹل آئیں تو زرینہ نے ہوسٹل کے احاطے میں بنے باغیچے میں مہوش کو کسی لڑکے جو غالباً اس کا بھائی تھا بیٹھے دیکھا دونوں کسی بات کو لے کر زور و شور سے بحث کر رہے تھے۔

"بھائی آپ پلیز مجھے فورس مت کیجیے ایک بار میں نے کہہ دیا نہیں تو آپ لوگ مجھے بار بار کیوں کنوینس کر رہے ہیں۔"

بے اختیار زرینہ اور زرتاشہ ان دونوں کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

"اس لیے کہ تم بالکل عقل کی کوری ہو اور اپنی نا سمجھی اور نادانی کی بدولت اپنا بہت بڑا نقصان کرنے پر تلی ہوئی ہو۔" مہوش کے بھائی کی پیٹھ ان دونوں کی جانب تھی وہ ان دونوں کی آمد سے لاعلم تھا جب ہی کافی اونچی آواز میں بولا تھا جب کہ اسی اثناء میں مہوش کی نگاہ ان دونوں پر پڑی تھی۔

"اف زری تھینک گاڈ تم آ گئیں۔ مجھے تم سے بہت ضروری کام تھا۔" مہوش کے اسے یوں مخاطب کرنے پر زرینہ الرٹ سی ہو گئی جبکہ مقابل نے کچھ چونک کر ایڑیوں پر گھوم کر پیچھے دیکھا اسی دن والی لڑکی کے ساتھ اسی کی ہم عمر ایک دوسری لڑکی بھی تھی جو سنجیدگی سے کھڑی تھی۔ مہوش کے بھائی نے چند ثانیے اسے دیکھا پھر گھمبیر لہجے میں بولا۔

"آپ چھپ کر ہماری باتیں سن رہی تھیں محترمہ۔" وہ اتنی غیر متوقع بات بولا کہ زرینہ اور زرتاشہ کے ساتھ ساتھ مہوش بھی دو فٹ اچھلی تھی۔

"واٹ...... واٹ ڈو یو مین محترم...... آپ کا دماغ تو ٹھیک ہے ناں، ہم بھلا آپ کی باتیں کیوں چھپ چھپ کر سننے لگے۔" زرینہ بے حد ناگواری سے بولی جبکہ زرتاشہ کے فی الفور کچھ پلے ہی نہیں پڑا تھا وہ ہونقوں کی طرح دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"تو پھر یہاں کھڑے ہو کر آپ کیا دن میں تارے گن رہی تھیں؟"

"احمر بھائی فار گاڈ سیک اور پلیز زرینہ کو سوری بولیے۔" مہوش خود بے حد حیران تھی احمر اپنے نیچر کے خلاف اس طرح کا ایٹی ٹیوڈ دکھا رہا تھا۔

"ایک منٹ مہوش...... جی تو آپ کا کہنے کا مقصد ہے کہ ہم آپ کی چھپ کر باتیں سن رہے تھے۔" وہ آستین چڑھا کر گویا میدان میں اتر آئی تھی اور یہی تو احمر یزدانی چاہتا تھا لہٰذا وہ بھی تن کر سامنے آ گیا۔

"ہم نہیں صرف آپ...... آپ کی سہیلی تو بہت معصوم سی لگ رہی ہیں یقیناً یہ اوصاف صرف آپ کے اندر ہی موجود ہیں۔"

"آپ پہلے تو جا کر کسی اچھے سے ڈاکٹر سے اپنا علاج کروائیں اگر وہاں سے فائدہ نہ ہو تو بجلی کے جھٹکے لگوایے مسٹر...... اور آپ اپنی بہن سے کون سا کسی خزانے کے نقشے کے بارے میں بات کر رہے تھے جو میں کان لگا کر آپ کی بات کو سنتی۔" مہوش اس صورت حال سے کچھ خائف ہو کر زرینہ کے پاس آ کر بولی۔

"ایم سوری زری ایکچولی بھائی میری وجہ سے ڈسٹرب ہیں تو وہ خوامخواہ تم سے الجھ رہے ہیں۔"

"کیا مطلب ہے مہوش...... کیا میں یونہی ان موصوفہ سے الجھ رہا ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے تمہارے بھائی کو

پاگل کہا ہے۔" احمر بے حد ناگواری سے مہوش سے مخاطب ہو کر بولا تو زرتاشہ بھی اچھی خاصی گھبرا گئی۔
"نہیں بھائی زری نے آپ کو پاگل نہیں بلکہ کسی ڈاکٹر سے اپنا علاج کرنے کو کہا ہے۔" زرتاشہ بھی خائف سی ہو کر تیزی سے بولی تو احمر نے اس کی جانب دیکھ کر کہا۔
"ہاں تو پاگلوں کے ڈاکٹر سے علاج کروانے کو بولا ہے نا۔"
"اف یہ سب کیا ہو رہا ہے میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" مہوش نے بے اختیار اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا کر کہا تو زرتاشہ نے بھی پریشانی سے ان دونوں کو دیکھا۔
"جی ہاں اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ میں نے آپ کو پاگلوں کے ڈاکٹر سے ہی علاج کرنے کو کہا ہے مگر اب تو مجھے لگ رہا ہے کہ آپ کا مرض لاعلاج ہے چلو تاشو۔" بے حد مشتعل ہو کر وہ آخر میں زرتاشہ کو مخاطب کرتے ہوئے پلٹی ہی تھی کہ عقب سے پھر اس کی آواز ابھری۔
"محترمہ آپ کو اس بدتمیزی پر مجھے سوری کرنا پڑے گا ورنہ میں آپ کی جان نہیں چھوڑوں گا۔" زرمینہ تیزی سے بل کھا کر اس کی جانب پلٹی۔
"مائی فٹ۔" یہ کہہ کر وہ بے حد غصے سے اندر کی جانب بڑھی جبکہ بھونچکا سی کھڑی زرتاشہ کے حواسوں نے کچھ کام کرنا شروع کیا تو وہ جلدی سے اس کے پیچھے لپکی۔
"او کے مہوش میں چلتا ہوں ویک اینڈ پر گھر آؤ گی تو بات کریں گے۔ اپنا خیال رکھنا۔" وہ مہوش کی طرف پلٹتے ہوئے اتنے نارمل انداز میں بولا جیسے وہاں تھوڑی دیر پہلے پانی پت کی لڑائی نہیں بلکہ بے حد خوشگوار ماحول میں گپیں لڑائی جا رہی تھیں مہوش ششدر سی منہ کھولے احمر کو وہاں سے جاتا دیکھتی رہ گئی۔

❁.......☆.......❁

دھول مٹی سے اٹے کپڑوں اور تھکے چہرے سمیت بٹو ڈیرے سے نکلنے ہی والا تھا کہ یک دم داور کی جیپ اس کے بالکل قریب آ کر رکی تھی۔
"اور بھئی بٹو کام ختم ہو گیا تیرا۔" داور اپنے مخصوص کھردرے انداز میں بولا تو بٹو نے تیزی سے سر اثبات میں ہلا کر کہا۔
"جی......جی میں نے تمام صاف صفائی کر دی ہے۔"
"ہوں دل لگا کر صفائی کی ہے نا۔"
"بالکل جی آپ خود جا کر دیکھ لو ایک ایک چیز شیشے کی طرح چمک رہی ہے۔" بٹو نے بڑے شوق سے کہا تو داور مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔
"تیری بات پر بھروسہ ہے مجھے جب تو کہہ رہا ہے تو ٹھیک ہی کہہ رہا ہوگا۔"
"شکریہ جی۔" بٹو انکساری سے نگاہیں جھکا کر بولا تو چند ثانیے بعد داور کی آواز دوبارہ فضاء میں ابھری۔
"اچھا بٹو یہ تو بتا اس دن جس چھوکری کے ساتھ کھڑا تو باتیں کر رہا تھا وہ کون ہے بھلا؟" داور کے ان جملوں نے بٹو کے دل کی رفتار کو تین گنا تیز کر دیا جبکہ بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں بٹو جس بات سے اندر ہی اندر خائف تھا وہی بات ہونے جا رہی تھی۔
"ک......کون......کون جی......" اس وقت بٹو نے بھرپور طور پر انجان بننے کی ایکٹنگ کی جبکہ بٹو کے اس طرز عمل پر اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے داور نے اسے پہلے سر سے نیچے تک بے حد معنی خیز نگاہوں سے دیکھا پھر اس کی جانب بڑھ کر اس کے کندھے پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے مسکراتی آواز میں بولا۔

"لگتا ہے تیری یادداشت کچھ کمزور ہوگئی ہے آ چل میں تجھے یاد دلاتا ہوں ارے وہ سوہنی سی لڑکی جو گلابی کپڑے پہنے ہوئی تھی۔ جس کو تو نے میرے اچانک آ جانے پر وہاں سے کھسکا دیا تھا۔"

"آ...... اچھا وہ...... وہ تو میری باجی ہیں جی۔" بٹو اب مزید انجان نہیں بن سکتا تھا۔ لہٰذا یاد آنے کی اداکاری کرتے ہوئے خوش دلی سے بولا تو داور نے اس بار پھر اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"او سوہنے بادشاہوں، ہم کب کہہ رہے ہیں کہ ہماری باجی ہے بالکل تیری باجی ہوگی پر...... یہ تو بتا اس باجی کا کوئی نام شام بھی تو ہوگا ناں۔"

"یا اللہ یہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا مجھے باجی مہرو کی آبرو اپنی جان سے بھی زیادہ پیاری ہے اب میں کیا کروں؟" وہ بے ساختہ دل ہی دل میں خود سے بولا تو داور نے ایک بار پھر اسے ٹوکا۔

"بتاناں نام کیا ہے تیری باجی کا۔" اس پل بٹو بے بسی و لاچاری کی انتہا پر تھا بے حد مجبور ہو کر وہ آہستہ سے بولا۔

"مہرو باجی۔"

"ہوں مہرو۔" داور اتنی خباثت سے مسکرا کر بولا کہ بٹو کا بے اختیار دل چاہا کہ وہ اس شخص کا منہ نوچ ڈالے جس کی آنکھوں میں چھلکتے ہوس و غلاظت کے رنگ، بٹو جیسا حساس دل انسان پہلے دن ہی دیکھ چکا تھا۔

"اچھا ایسا کر ابھی تو...... تو جا، ہاں مگر کل سویرے ہی آ جائیو اصطبل ذرا گھوڑوں کی مالش وغیرہ کر دیجیوں صحیح ہے نا۔" وہ ایک نیا حکم صادر کر کے بولا تو بٹو نے انتہائی لاچاری سے سر جھکا دیا۔

❁......☆......❁

"او مائی گاڈ باسل تو ہمیں اب بتا رہا ہے قسم خدا کی یار تو تو بہت ہی کمینہ بنتا جا رہا ہے یعنی اتنا سب کچھ ہو گیا اور ہمیں کانوں کان خبر تک نہیں لگنے دی...... باسل میرے جگر، مجھے تجھ سے اس قدر بے اعتنائی کی امید نہیں تھی۔" عدیل نان اسٹاپ بولتا چلا گیا جب کہ باسل محض فہمائشی نظروں سے اسے گھورتا رہ گیا۔

"اب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے کیا دیکھ رہا ہے میں تجھے ہرگز معاف نہیں کرنے والا۔" عدیل مزید بولا تو باسل بری طرح چڑ گیا انتہائی تپ کر گویا ہوا۔

"او ہیلو تجھ سے معافی مانگ بھی کون رہا ہے...... حد ہے تیری کم عقلی کی اب میں نے ایسا کون سا کام کر دیا جس کے لیے تو اس قدر جذباتی ہو رہا ہے اور رہی بات اس کا ذکر نہ کرنے کی تو میری نظر میں اس کی اتنی اہمیت ہی نہیں تھی کہ یہ بات ذہن میں رکھتا یا تم لوگوں سے کہتا۔" اس وقت وہ تینوں عدیل کے گھر میں اس کے کمرے میں ڈیرہ ڈالے بیٹھے تھے جب ہی باسل حیات کو عنایہ ابراہیم کا خیال آیا تو اس نے تمام روداد عدیل اور احمر کے گوش گزار کر دی۔

"اچھا وہ لڑکی...... کیا نام ہے اس کا...... ہاں عنایہ ابراہیم اتنی ماڈ اور خوب صورت دوشیزہ وہ تیرے لیے اہم نہیں تھی۔" عدیل اپنا دایاں ہاتھ لڑاکا عورتوں کی طرح کمر پر ٹکاتے ہوئے بے حد طنزیہ انداز میں بولا تو باسل جی بھر کر بے زار ہو گیا۔

"میں اسی لیے تمہیں بتانا نہیں چاہ رہا تھا تو...... تو بات کی کھال نکالنے بیٹھ جاتا ہے میں نے کہا ناں کہ مجھے اس لڑکی میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے خوانخواہ میں گوند کی طرح چپکے جا رہی ہے۔" آخر میں وہ برا سا منہ بنا کر بولا تو عدیل نے باسل کو بے حد رشک سے دیکھتے ہوئے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"ہائے کاش یہ پھل میری جھولی میں گر جاتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔" پھر دوسرے ہی پل حاسدانہ نگاہوں سے باسل کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اپنی جلن کا برملا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ "مگر نجانے کیوں ان عقل کی اندھی لڑکیوں کو آخر میں کیوں نہیں نظر آتا شہد کی طرح تجھ پر ہی کیوں مکھی بن کر ٹوٹنے لگتی ہیں۔" باسل نے اس کی بات کو ایک کان سے سن کر دوسرے

کان سے نکالتے ہوئے یونہی احمر کی جانب دیکھا تو قدرے چونکا کیونکہ وہ اپنے اردگرد سے بے نیاز نجانے کون سی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا اسی دوران عدیل بھی احمر کی جانب متوجہ ہوا اور پھر دوسرے ہی پل باسل اور عدیل نے ایک دوسرے کی جانب معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔

"ایک تو میں اس لڑکے کی غائب دماغی سے پریشان رہنے لگا ہوں۔" عدیل خود سے بڑبڑا کر بولا پھر احمر کے قریب جا کر عین اس کی نگاہوں کے سامنے چٹکی بجا کر اسے متوجہ کیا تو دوسرے ہی لمحے وہ بری طرح ہڑبڑا کر صوفے سے دو فٹ اچھلا پھر انتہائی ہونقوں کی طرح بولا۔

"میرے خیال میں باسل بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے سر احسان کا پروجیکٹ ہمیں آؤٹ ڈور جا کر ہی کرنا چاہیے۔" احمر کی بات پر پہلے تو دونوں دوست کچھ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ قدرے پریشان ہوئے پھر بے اختیار دونوں نے ہی اپنا سر پیٹ لیا۔

"یا اللہ یہ تو گیا کام سے...... او میرے دوست، میرے پیارے بھائی ہم اس موضوع پر تقریباً آدھا گھنٹے پہلے بات کر رہے تھے اور تو ابھی تک وہیں پر اٹکا ہوا ہے یا اللہ اسے دن بہ دن کیا ہوتا جا رہا ہے؟" آخر میں عدیل بے حد تشویش زدہ لہجے میں بولا تو احمر دل بھر کر شرمندہ ہو گیا۔

"اچھا اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے یار میں ذرا کسی اور خیال میں گم ہو گیا تھا۔" احمر بے پناہ کھسیا کر بولا تو باسل نے اسے فہمائشی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہی تو ہم تجھ سے کئی دن سے پوچھ رہے ہیں کہ آخر یہ کن چکروں میں گم ہے تو کس کا خیال اتنا افسوں خیز اور زورآور ہے جو تجھے دنیا و مافیہا سے بے پرواہ و بیگانہ کر دیتا ہے۔" عدیل بھی اسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ "احمر فوراً سے پیشتر ابھی کہ ابھی سب کچھ بتا دے ورنہ تو ہمارے ہاتھوں آج سچ مچ قتل ہو جائے گا۔" عدیل خطرناک تیوروں سمیت آگے بڑھا تو احمر قدرے سہم کر پیچھے کی طرف ہٹا۔

"یار تم تو خوامخواہ میں جذباتی ہو رہے ہو ایسی کوئی بات......"

"احمر تیرے پاس صرف دو منٹ ہیں ایک بھی لمحہ ضائع کیے بناء فوراً سب کچھ بتانا شروع کر دو ورنہ آگے کے نتائج کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔" باسل بے حد ڈرامائی انداز میں بولا تو کچھ کہتے کہتے احمر یک دم خاموش سا ہو گیا پھر سر جھکا کر بڑے جھینپتے ہوئے بولا۔

"وہ دراصل ایک لڑکی ہے......"

"ہاں...... ہاں وہ تو ہمیں معلوم ہے کہ لڑکی ہی ہے آگے بتا۔" عدیل احمر کی بات اچک کر بڑی بے صبری سے بولا تو احمر نے سر اٹھا کر دونوں کو باری باری دیکھا پھر ایک گہری سانس بھرتا تا چلا گیا۔

❁......☆......❁

فراز شاہ بہت ہی خوشگوار موڈ میں گھر آیا تو شام چہار سو پھیل چکی تھی۔ فضاء میں چہچہاتے پرندوں کی آوازیں کانوں کو بے حد بھلی لگ رہی تھیں لان میں بچھی کین کی کرسیوں پر اس وقت ساحرہ ہمیر شاہ کے ہمراہ سونیا خان بھی براجمان تھی۔

"ارے فراز آج تم جلدی گھر آ گئے۔" ساحرہ نے اسے دیکھ کر بے حد خوشی کا اظہار کیا تھا جبکہ فراز ساحرہ کی خوشی کی وجہ فی الفور نہیں سمجھ سکا تھا وہ ان کے پاس آ کر رکا اور تمام حاضرین کو سلام کیا پھر وہیں پر رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"دیکھو نا کو میش کو کوئی ارجنٹ کام نکل آیا ہے وہ نہیں آ سکے گا اور سونیا کو آج شاپنگ پر جانا تھا۔" فراز نے نا سمجھی والے انداز میں دیکھا پھر اگلے ہی لمحے سمجھ گیا کہ ساحرہ آگے کیا کہنے والی ہے۔ "اچھا ہوا تم آ گئے اب تم سونیا کو

شاپنگ پر لے جاؤ۔"

"مام میں.......مگر میں تو......." وہ بے حد جز بز ہو کر فقط اتنا ہی بولا کہ ساحرہ اس کی بات درمیان میں ہی اچک کر عجلت آمیز لہجے میں بولی۔

"آج فائیو اسٹار ہوٹل میں ہماری بزنس میٹنگ اور پھر ڈنر ہے ورنہ میں چلی جاتی اپنی بیٹی کے ساتھ۔"

"اٹس اوکے آنٹی آپ بے فکر ہو کر جائیے میں فراز کے ساتھ چلی جاؤں گی ویسے بھی میری اور فراز کی چوائس میں کافی مشابہت ہے مجھے شاپنگ کرنے میں مشکل نہیں ہوگی۔" اسکن ٹائٹ بلیک پاجامے پر کریم کلر کی ہاف کرتی پہنے وہ فراز کو کافی بری لگی بے ساختہ اس کے ذہن کے پردے پر لالہ رخ کا سراپا آ دھمکا کتنا پروقار انداز تھا اس کا نشست و برخاست کا مہذب طریقہ اور ملبوسات پہننے کا خوب صورت قرینہ واقعی یہ سب کوئی لالہ رخ سے سیکھتا وہ بے اختیار سوچ گیا جب ہی سونیا کی آواز نے اسے حال کی دنیا میں لا پٹخا۔

"فراز تم جب تک چائے پیو میں ذرا چینج کر کے آتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ فراز کو کچھ بھی کہنے کا موقع دیے بغیر اندر کی جانب چلی گئی۔

"سمیر میں بھی تیاری اسٹارٹ کر دیتی ہوں تمہیں تو معلوم ہے ناں کہ مجھے تیار ہونے میں کتنی دیر لگتی ہے۔ اف نجانے ساجدہ نے میرے کپڑے پریس کیے یا نہیں آج کل بہت کام چور ہوتی جا رہی ہے۔" آخر میں وہ خود سے مخاطب ہوتے ہوئے کرسی سے اٹھ کر بولی تو سمیر شاہ سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

"ساجدہ بی بی کی کچھ دنوں سے کافی طبیعت خراب ہے اب وہ کافی ضعیف بھی ہو گئی ہیں ان سے زیادہ کام نہیں ہوتا۔" اندر کی جانب جاتے جاتے ساحرہ چونک کر پلٹی پھر تنک کر بولی۔

"جب ساجدہ پورے کام کے پیسے لیتی ہے تو پھر میں کیوں اس سے آدھا کام لوں تم بھی حد کرتے ہو سمیر۔" ساحرہ اندر چلی گئی تو سمیر شاہ طنزیہ مسکراہٹ سمیت فراز سے مخاطب ہو کر بولے۔

"دو دن پہلے ساحرہ نے مجھے بتایا تھا کہ ان کے آفس میں بہت بڑا سیمینار منعقد ہوا تھا جس کا موضوع تھا' گھریلو ملازمین پر کاموں کا بے پناہ بوجھ......"

"چھوڑیے ناں ڈیڈ......" فراز محض اتنا ہی بول پایا پھر یک دم چپ ہو گیا۔ سمیر شاہ نے اپنے بیٹے کو بے حد گہری نگاہوں سے دیکھا جس کے چہرے پر اس پل تفکرات و سوچوں کا جال بچھا ہوا تھا وہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گئے۔

"فراز بیٹا میں نے تم سے کہا تھا کہ لندن کی برانچ کا جا کر انسپکشن کر آؤ اس بار میرے جانے کی ہمت نہیں ہو رہی۔" سمیر شاہ کی آواز فضا میں ابھری تو فراز شاہ بے اختیار اپنے دھیان سے چونکا پھر ان کی جانب دیکھتے ہوئے قدرے شرمندگی سے بولا۔

"آئی ایم سوری ڈیڈ.....آپ نے مجھ سے بہت پہلے کہا تھا مگر میں یہاں کے جھمیلوں میں اس قدر الجھ گیا کہ اس جانب سوچنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔"

"بیٹا میں یہی چاہتا ہوں کہ فی الحال تم یہاں سے چلے جاؤ تمہارا یہاں سے جانا تمہارے حق میں بہتر ہے۔" سمیر شاہ گھمبیر سنجیدگی سے کسی غیر مرئی نقطے پر نگاہ جمائے بولے تو فراز نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ایک گہری سانس فضاء کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"اوکے رائٹ ڈیڈ مجھے جلد سے جلد یہاں سے چلے جانا چاہیے۔"

"ویٹس گڈ اب تم تمام خرافات دماغ سے نکال کر بس لندن جانے کی تیاری کرو اور وہاں صرف بزنس میں ہی مصروف

مت ہو جانا جا کر گھومنا پھرنا وکے۔“

”او کے ڈیڈ جیسا آپ کا حکم۔“ وہ ہنس کر بولا کہ اسی اثناء میں کامیش شاہ کی سرکاری جیپ کا ہارن مین گیٹ پر بجا تو دونوں باپ بیٹا یک دم چونکے پھر اگلے ہی پل چوکیدار کے گیٹ کھولنے پر کامیش کی جیپ پورٹیکو میں رکی اور کامیش کو ڈرائیونگ سیٹ سے نکلتا دیکھا تو مارے خوشی و جوش کے فراز اچھل پڑا جبکہ اپنی ترنگ میں نک سک سے تیار ہو کر باہر آتی سونیا کے ارمانوں پر ٹھنڈی اوس پڑ گئی۔

”ارے کامیش بیٹا تم...... تم تو کسی ضروری کام میں انگیج ہو گئے تھے نا۔“ سمیر شاہ نے گردن موڑ کر حیرت و مسرت کے ملے جلے لہجے میں کہا تو کامیش وہیں سے بولا۔

”بس ڈیڈ کام جلدی ختم ہو گیا تو میں گھر آ گیا۔“ پھر سامنے کھڑی سونیا کو دیکھ کر گویا ہوا۔ ”مجھے یاد ہے کہ آج تمہیں شاپنگ پر لے کر جانا تھا تم ریڈی ہو گڈ بس مجھے پندرہ منٹ دو میں فریش ہو کر ابھی آتا ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ اس کے پہلو سے گزر کر اندر چلا گیا جبکہ سونیا کے اندر آگ سی لگ گئی تھی۔

❁......☆......❁

لالہ رخ بے حد خوشی و انبساط بھرے انداز میں امی کے کمرے میں آئی اور آتے ہی ان سے لپٹ گئی۔ امی نے قدرے حیران ہو کر اس کے جوش و خوشی کو دیکھا پھر مسکرا کر گویا ہوئیں۔

”کیا بات ہے آج میری بیٹی بڑی خوش نظر آ رہی ہے۔“ امی کی بات پر لالہ رخ نے ان کے شانے سے سر اٹھا کر بے حد ایکسائیٹڈ ہو کر کہا۔

”امی میں واقعی آج بہت خوش ہوں پتہ ہے میری ابھی تھوڑی دیر پہلے زرینہ سے بات ہوئی تھی وہ بتا رہی تھی کہ زرتاشہ ماشاءاللہ پہلے کی طرح ہی ہو کرنے لگی ہے۔“ لالہ رخ کی زبانی یہ سب جان کر انہیں بھی بے حد خوشی ہوئی۔

”یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے تو نے میری تاشو کو سنبھال لیا۔ بے شک تیری ہی ذات سب سے بڑی ہے۔“ وہ بے اختیار اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر بولتیں بے ساختہ رونے لگیں۔

”امی بلاشبہ اللہ ہی ہم سب کا کارساز ہے وہ اپنے بندوں پر اتنا ہی بوجھ ڈالتا ہے جتنا وہ سہہ سکتے ہیں وہی گرتے ہوئے کو سنبھال لیتا ہے۔“ بولتے بولتے لالہ رخ کی آواز بھی بھیگ چلی تھی پھر سہولت سے امی کے وجود سے علیحدہ ہوتے ہوئے گویا ہوئی۔ ”زرینہ جیسی پیاری اور مخلص دوستیں بھی اللہ کا بہت بڑا انعام ہیں امی۔“

”بالکل بیٹا زرینہ بہت اچھی بچی ہے اللہ اس کے نصیب چمکائے وہ ہمیشہ خوش و خرم رہے آمین۔“ امی خلوص و محبت سے بولیں تو لالہ رخ نے بھی بھیگی پلکوں سے اثبات میں سر ہلایا۔

❁......☆......❁

وادی میں پھیلی دھوپ کی کرنیں ایسے معلوم ہو رہی تھیں جیسے کسی سنہری پری نے تمام وادی میں اپنے پروں کو پھیلا کر اپنا تمام حسن وادی میں بکھیر دیا ہو سردیوں کے قافلے نے یہاں اچھی طرح اپنا ڈیرہ ڈال لیا تھا لہٰذا دھوپ میں پر کیف سی حدت کے ساتھ ساتھ سرد سی چبھن تھی جب کہ ان دونوں کا امتزاج وجود پر بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا لالہ رخ اور مہرینہ نے آج بڑی مشکلوں سے بنو کو گھیر کر اپنے سامنے بٹھا رکھا تھا جو بالکل مجرموں کی طرح سر جھکائے ہوئے تھا۔

”ہاں بنو اب تم بغیر کسی فل اسٹاپ کے فوراً شروع ہو جاؤ۔ یہ بتاؤ کہ تم آج کل غائب کیوں ہو گئے ہو اور مجھے تو تمہارا چہرہ بھی کافی اترا اترا سا لگ رہا ہے۔ کیا بات ہے بنو پلیز ہمیں بتاؤ کوئی پریشانی ہے کیا۔“ لالہ رخ بنو سے مخاطب ہو کر بولتی چلی گئی تب ہی بنو نے چہرہ اٹھا کر دونوں کو باری باری دیکھا پھر بڑی آہستگی سے بولا۔

"کچھ نہیں باجی کچھ بھی نہیں بس ایسے ہی۔" مہرو اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بغور نوٹ کر رہی تھی تب ہی تیزی سے بولی۔

"بٹو اب تم میرے ہاتھ سے مار کھاؤ گے فوراً بتاؤ کیا بات ہے آخر کیوں تم مجھ سے ملنے سے کترا رہے ہو اور آج بھی تم کہاں ہاتھ آنے والے تھے کیسے بہانے بنا رہے تھے کہ مجھے گھر میں کچھ کام ہے۔"

"باجی آپ خوامخواہ میں مجھ پر شک کر رہی ہو ایسی کوئی بات نہیں ہے جی...... بس ذرا گھر پر بے بے مجھے کاموں میں لگا دیتی ہے۔"

"اور کیا وہ ہم سے ملنے سے بھی منع کرتی ہیں؟" لالہ رخ نے استفسار کیا تو دوسرے ہی لمحے وہ شدومد سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"نہیں جی وہ بھلا کیوں منع کرنے لگی۔" مہرو نے خاصی الجھ کر لالہ رخ کو دیکھا تو لالہ رخ نے بھی اسے کافی پریشان کن انداز میں دیکھا آج بٹو کا لب ولہجہ انداز سب بدلا بدلا باعث تشویش محسوس ہو رہا تھا۔ اتنے کم عرصے میں وہ ان کے بہت قریب ہو گیا تھا بظاہر معذور اور اپنی ہیت کے لحاظ سے نامکمل اور غیر متوازن دکھائی دینے والے بٹو کا دل کتنا خوب صورت اور پیارا تھا یہ شاید مہرو اور لالہ رخ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا۔

"اچھا بٹو ایک بات تو بتاؤ تم ہم سے پیار تو کرتے ہو نا۔" لالہ رخ کچھ سوچ کر قدرے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی تو بٹو نے ایک بھی لمحہ ضائع کیے بنا کہا۔

"باجی میں آپ دونوں کے لیے تو جان بھی دینے کو تیار ہوں۔" بٹو کی آنکھوں میں تیزی سے نمی اتری تھی۔

"تو پھر کیوں ہم دونوں کو پریشان کر رہے ہو میرے بھائی؛ ہم تمہاری وجہ سے واقعی پریشان ہو رہے ہیں کیا تم اپنی باجیوں کو اپنے دل کی بات نہیں بتاؤ گے۔" لالہ رخ نے بہت سہولت سے کہا تو بٹو نے بے پناہ بے بسی سے دونوں کو دیکھا۔

"باجی میں آپ لوگوں کو......" وہ فقط اتنا ہی بولا تھا کہ یک دم مخصوص جیپ کی آواز وادی میں گونجی تو بٹو اپنی جگہ سے یوں اچھل کر کھڑا ہوا جیسے وہاں ببول کے کانٹے اگ آئے ہوں چہرے پر یک لخت گھبراہٹ وحشت کے رنگ اور پسینہ بھی در آیا۔

"کک...... کیا ہوا بٹو۔" مہرو نے بے حد حیران ہو کر اس سے استفسار کیا تو وہ بڑی بدحواسی سے بولا۔

"ہم...... میں بعد میں آپ لوگوں سے ملتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ جیسے گرتا پڑتا یہ جا وہ جا جب کہ دونوں اسے پیچھے سے آوازیں دیتی رہ گئیں۔

"لالہ یقیناً کوئی بڑی بات ہے، بہت سنگین بات جس کی وجہ سے ہمارا بٹو بے چارا اتنا پریشان اور ہراساں ہے۔" مہرو روہانسی لہجے میں بولی تو لالہ رخ نے ایک متفکرانہ نگاہ اس پر ڈالی پھر سر اثبات میں ہلا کر کہنے لگی۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو مہرو یقیناً بٹو کسی بہت خاص بات کو لے کر بے حد پریشان ہے۔" مہرو ابھی مزید کچھ بولنے ہی والی تھی کہ یک دم قریب ہی جیپ رکنے کی آواز پر بے ساختہ دونوں نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

(باقی اگلے ماہ ان شاء اللہ)

طلعت نظامی

نازیہ کے سسرال والوں نے اسے میکے روانہ کردیا۔ دوٹوک بات کی کہ دھوکا دہی سے کی گئی شادی کو اب نہیں نبھا سکتے۔ جس جس نے سنا گفتگو کے لیے ایک نیا موضوع مل گیا۔ کچھ چہرے تو یوں شانت ہوئے جیسے یہی سننے کے منتظر ہوں۔ کانا پھوسی کا بازار گرم ہوگیا' پر کا کوا بنایا جانے لگا۔ دیورانیوں' جٹھانیوں کے سر یوں جڑ گئے جیسے پیدائشی جڑواں ہوں...... یا ان سے زیادہ دوستی اور یگانگت کی مثالیں تاریخ کے صفحات میں نہ درج ہوئی ہوں۔ بھلے سے پورا دن اپنے اپنے بچوں کی لڑائیوں میں ایک دوسرے سے جنگ عظیم نہ لڑی ہو۔

ساس بہو میں ایکا ایکی ہوگئی۔ پر کچھ اذہان ایسے بھی تھے جنہیں تاسف نے آن گھیرا تھا کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ نازیہ کے ماں باپ اگر تھوڑا بہت بھی اس کے حالات سے آگہی لڑکے والوں کو دے دیتے تو آج صورت حال کچھ تو مختلف ہوتی۔

"انہیں تو بس عیب دار بچی کا نصیب کھلتا نظر آیا اس لیے آؤ دیکھا نہ تاؤ' ہتھیلی پہ سرسوں جمالی۔ اسی خود غرضی میں لڑکے کی زندگی سے کھیل گئیں اب بھگتیں۔"

"صاف کہہ دیا تھا میری بچی کسی لیے کم مائیگی کا شکار نہ ہو کہ باقی تینوں بہنوں کے نصیب کھل گئے اور یہ سب سے بڑی ہو کر بھی بیٹھی رہ گئی۔"

"ارے ایسی بھی کیا خود غرضی کہ ایک بچی کی آبادی کے لیے ایک خاندان کی خوشی ملیامیٹ کردے۔ اس کی بہت پکڑ ہوگی اللہ کے آگے...... توبہ...... توبہ۔" انوری خالہ نے پان کلے میں دبایا۔

"وہ تو لڑکے کی شرافت ہے کہ اتنی بڑی خامی سے بے بہرہ ہو کر بھی واویلا نہیں مچایا ورنہ داماد تو ایسے بھی ہوتے ہیں جو ذرا ذرا سی خامی پر وہ طوفان بدتمیزی مچاتے ہیں کہ الامان الحفیظ۔ بس شرافت وسادگی کا ڈسا ہوا ہے۔"

"ارے ہوا کیا...... کون نازیہ؟ کس کی باتیں اتنی دیر سے ہو رہی ہیں کچھ مجھے بھی تو پتہ چلے۔" عاصمہ چٹخارہ لیتی آگے بڑھی اور سب کے بیچ میں گھس کر بیٹھ گئی۔

"لو...... اور سنو...... جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے۔ تمہاری بڑی جٹھانی کی بھانجی کی سسرال والوں نے ہمیشہ کے لیے گھر بٹھا دیا ہے۔ ہسٹریا کی بیماری ہے بچی کو یہ بات بھلا چھپنے والی ہے' دو چار بار گری' سسرال میں بس بات نوٹ ہوگئی کہ یہ چکر کیا ہے تو نازیہ نے خود گل افشانی کردی کہ بیماری لے کر میکے سے آئی ہے' پیٹ کی ہلکی تو شروع کی ہے کچھ چھپا بھی نہ سکی بے چاری۔"

"اچھا ہاں...... کچھ اڑتی پڑتی خبر میں نے بھی سنی ہے کہ کئی بار چکر کھا کر گری ہے سسرال میں لیکن معاملہ اس حد تک پہنچ گیا مجھے تو خبر بھی نہ ہوئی۔" چہرہ کھل سا گیا تھا۔ ساس بھی معذور ہے بے چاری' نچلا دھڑ تو کام ہی نہیں کرتا' جوڑوں کے درد نے' دیکھا نہیں تھا بہو کو بیاہنے بھی آئیں تو دونوں کنوارے بیٹوں نے سہارا دیا ہوا تھا۔ بمشکل گاڑی سے نکالا اور بٹھایا گیا تھا۔ بتاؤ ذرا اور تو اور پہلے بیٹے کی شادی جس سے ساری آس' امیدیں وابستہ ہوتی ہیں وہی کچی مٹی کی دیوار کی طرح ڈھے جائے تو آگے کیا ہوگا؟ کون کرے گا بڑھیا بے چاری کی خدمت' جب بہو ہی ڈگمگا رہی ہو۔ لگتا ہے سدا بے چاری بے آس ہی رہے گی۔" مختلف قسم کی آہیں بلند ہوئیں۔

"غریب اور سیدھے سادھے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک دیا رشیدہ نے...... ارے اللہ کے آگے بڑی پکڑ ہے۔ دھوکہ دہی کی۔"

"خیر ہمیں کیا...... جیسی کرنی ویسی بھرنی، بہت اترا رہی تھی پاگل بیٹی کا رشتہ آنے پر جیسے چند مہینوں کے علاج سے مرض دب ہی تو جائے گا، کیسے سامنے آیا سارا عیب کھل کھلا کر۔ خیر...... چلو میں ذرا منی کی ساس کی خبر لوں سنا ہے بہت بیمار ہیں، ذرا عیادت ہی کر آؤں۔" انہوں نے چپلیں پہنیں اور ایک اور ثواب کمانے نکل پڑیں۔

☆☆☆......☆☆☆

اماوس کی کالی رات ہر سو چھائی ہوئی تھی اس کے نصیب کی تیرگی کی طرح، پیپل کے دراز پیڑ سے ٹیک لگائے اپنی زندگی میں اتفاقیہ در آنے والی خوشیوں اور تشنگیوں کا جائزہ لے رہی تھی جو اس کی محروم زندگی کو مزید مایوسیوں سے ہمکنار کر گئے تھے۔ محتاجی کا احساس سوا ہو گیا تھا۔ وقتی اور لحاتی خوشی پانے کی تگ و دو میں بدنامیاں اور رسوائیاں تو گلے پڑی ہی تھیں اس کی باقی تین بہنوں کی راہ بھی کھوٹی کر گئی تھیں۔ کون اب انہیں شناخت دینے آئے گا۔ سب کو یہی خطرہ لاحق رہنے لگا کہ باقی بہنیں بھی تو اس مرض کا شکار نہیں۔

سارا قصور اماں کا تھا جس نے اس کی بیماری لڑکے والوں سے پوشیدہ رکھ کر اس کی شادی کرائی تھی، اس کی خوشی کا خیال کم کیا تھا اور اپنے سر سے بوجھ اتار پھینکنے کی زیادہ جلدی تھی۔ ایک لہر غصے کی چھو گئی تھی ماں کے خلاف۔ درختوں سے سر سرا کر آنے والی ہوا اس کے سانولے چہرے سے ٹکرا گئی۔ یخ بستہ ہوا رگ و پے میں ٹھنڈک بکھیر رہی تھی۔ لیکن کمرے میں جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ تھا ہی کیا کمرے میں تین معصوم بہنوں کی اداس شکلیں، جو اس کے اجڑنے کے خیال سے کبیدہ خاطر تھیں، کچھ اپنی بے مایا زندگی کے مزید تہی داماں رہ جانے کے احساس سے ملول بھی۔ یا اس کے بستر کی شکنیں جو بے خواب راتوں کی گواہی تھیں غلطی جو ہوئی ماں نے فریب سے کسی کی زندگی برباد کی لیکن ایک غلطی اس سے بھی ہو گئی تھی منور کو چاہنے کی۔ محبت پر مصلحت کا بند باندھتی تو کیسے، اس کی بے پایاں چاہت بپھرے ہوئے سمندر کی طرح تھی۔ کیسے دامن بچاتی ان بھڑکتے ہوئے شعلوں سے جو اس کی یخ ہوتی ہڈیوں کو سکون بخش گئے تھے منجمد ہوتی روح کو حرارت دے کر سکون دے گئے تھے اور اسی بے ریا شخص کو دھوکہ دہی کا بھگتان بھگتنا پڑ گیا تھا۔ اس کا کیا تھا وہ تو عادی تھی اپنی محروم زندگی کی، بیماری کب اس کے جسم میں پیوست ہوئی تھی اسے خبر بھی نہ ہوئی جب اچانک پے در پے چکر آنے لگے، دماغ سن ہو گیا، شروع میں تو ماں نے یہی سمجھا کہ کمزوری ہے، ویسے بھی گھر میں محتاجی ہو تو ڈاکٹروں کے بجائے، پیروں، فقیروں اور مزاروں جیسی جگہوں پر جانے کی ناعاقبت اندیشی سوجھنے لگتی ہے، سب نے اپنی اپنی کہی، سایہ، آسیب، جیسے عفریت کے چنگل

میں آنے کے خطرے کے پیش نظر روپے بھی بنورے چلے گئے یہاں تک کہ اماں کے کانوں میں پڑی چھلکے جیسی بالیاں بھی بک گئیں تو محلے کی دین دار عورت نے ڈاکٹر کے پاس لے جانے کا مشورہ دیا۔

کیوں بچی کی زندگی اور عزت داؤ پر لگانے کے درپے ہو یہ پیر فقیر اپنی حالت تو درست کر نہیں سکتے دوسرے کی زندگی کیا سنواریں گے کچھ اس طرح سے ڈرایا اور ایک سستا نفسیاتی ہاسپٹل کا پتہ دیا جہاں اسے ہسٹریا میں مبتلا ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا گیا۔

"یہ کیا ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب۔" ماں کو اندیشہ ہوا کہ وہ کسی مہلک بیماری کا شکار ہوگئی ہے۔

"یہ ایک عصبی (دماغی) بیماری ہے ابھی ابتدائی اسٹیج ہے بعض اوقات اس بیماری کا تعلق نظام آلات تناسل سے ہوتا ہے اور بعض اوقات کمزوری' بے مائیگی' محرومی کا بے پایاں احساس' دماغی کمزوری یا والدین کا عرصہ دراز تک سر درد یا دماغی بیماری میں مبتلا رہنا بھی اس کا محرک ہوتا ہے۔ فکر کی بات نہیں ہے حملہ ابھی شدید نوعیت کا نہیں ہے مناسب اور متوازن خوراک سے یہ بہتر ہوجائیں گی' اس کے علاوہ ان کے جذبات' احساسات کا خاص خیال رکھا جائے' اپنے ماحول کو خوشگوار بنائیں جس سے یہ ذہنی طور پر آسودہ رہیں' ورنہ مرض بڑھ بھی سکتا ہے۔ بچی کو غذائیت سے بھرپور غذا دیں' ساتھ طاقت کی گولیاں میں لکھ کر دے رہا ہوں اس میں ناغہ بالکل نہ ہو۔ ڈاکٹر کی فیس بھی زیادہ نہیں تھی نہ ہی دوائیوں کا انبار تھا لیکن گھر میں ایک دن کی پکی ہانڈی تین دن چلانی پڑ گئی تھی۔ کپڑے ہفتے ہفتے تن پر چڑھائے رکھنے پڑتے' صابن اور پانی کا بے جا خرچ جو ہوجاتا۔ جب کام ہوتا تو کمرے کی مدھم لائٹ آن ہوجاتی ورنہ فوراً بند کرنا پڑتی' باتیں اور رات کا کھانا پینا اندھیرے میں یا چھوٹے سے آنگن کی چاندنی میں ہوجایا کرتا تھا۔

ابارات کو آلو کی ٹکیہ اور چھولے کی ریڑھی لگاتا اور دن میں ہاتھ سے جھلنے والی کھجور کے پتوں کی پنکھیاں بنا کر بیچتا آمدنی کم اور محنت زیادہ تھی۔ ذرا سی ٹھوکر سے گر جانے والی نازیہ توجہ اور علاج سے اب قدرے سنبھل گئی تھی۔ پر سب کچھ دوائی کے بل بوتے پر تھا۔ ایک دن بھی گولی نہ لیتی تو دماغ کا خالی پن نمایاں ہونے لگتا۔ غریبوں کے اس ایک کمرے کے سادہ سے گھر میں فکر کی ایک نئی لہر دوڑ گئی تھی۔ اسی غربت پر قانع میاں بیوی ہمہ وقت اب معصوم بیٹی کے مستقبل کی فکر میں غلطاں رہتے' ایک ہی نہیں چار چار بیٹیوں کا بوجھ کندھے پر تھا اور پہلی اولاد ہی جب گردش تقدیر کا شکار ہوچلی ہو تو زندگی پر تاسف کا دھبہ لگنا ضروری قرار پا گیا تھا۔

ایسے میں اٹھارہ سالہ نازیہ کے لیے سیدھے سادھے منور کا رشتہ ناامیدی میں پھول کھلا گیا۔ منور منڈی سے سبزیاں لاکر علاقے میں فروخت کیا کرتا تھا۔ بہن شادی شدہ تھی اور دو بھائی کنوارے تھے۔ دبلا پتلا کھڑی ناک والا منور خوش مزاج بھی بہت تھا۔ بہن نے کہیں نازیہ کو دیکھا تھا تب سے اپنے بھائی کے لیے دل میں پسندیدگی رکھتی تھی اور اب رشتہ بھیج دیا تھا۔ اس کے عیب سے ناواقف جو تھی۔ ایسے میں اس کا رشتہ آنا ایک معجزے سے کم نہ تھا۔

"لیکن اماں...... میں تو عیب دار ہوں منور میں کس بات کی کمی ہے۔" ماں نے ہونٹوں پہ ہاتھ جما دیا۔

چپ ہوجا' جب انہیں نہیں معلوم' اللہ خود تیرے عیب پر پردہ رکھنے پہ قادر ہے تو ہم اپنی کمی کو آگے بڑھ کر کیوں ظاہر کریں' خاموش رہنے میں ہی عافیت ہے تیرے آگے اور بھی بہنیں ہیں' میں تو سمجھتی ہوں اللہ نے تحفہ بھیجا ہے' ہمارے لیے منور کی شکل میں۔ ہوسکتا ہے یہ شادی ہی تیرے بخت کھول دے' کتنی بیماریاں شادی کے بعد ماند پڑتی دیکھی ہیں' بس تو اپنی زبان بند رکھنا' دوائیاں ساتھ لے جانا ختم ہونے پر میں چھپ چھپاتے انتظام کردیا کروں گی۔" انہوں نے قطعیت سے فیصلہ سنا دیا تھا۔ نہ آگے دیکھا نہ پیچھے' وہ منور کی زندگی میں

داخل ہوگئی اور ایسے داخل ہوئی کہ آگے پیچھے ستاروں کی کہکشاں میں خود کو گھرا پاتی۔

منور کی محبت پا کر خوف زدہ بھی تھی کہ کہیں کوئی اس کی کمی سے آگاہ نہ ہوجائے یہ بیماری اس کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ نہ بن جائے۔ دن رات یہی دعا مانگتی لیکن بدبختی نے راستہ دیکھا ہوا تھا' وہ کھانا پکا کر جوں ہی باورچی خانے سے نکلی برآمدے میں گر پڑی۔

معذور ساس چوکی پر بیٹھے بیٹھے ہائے وائے کرنے لگی۔ چھوٹا دیور جو ابھی ابھی اسکول سے آیا تھا' بھابی کے چہرے پہ ٹھنڈے پانی کے چھینٹیں مارنے لگا۔ ہتھیلیاں' تلوے سہلائے تو وہ ہوش میں آئی۔

''کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' رنگت ہلدی کی طرح پیلی پڑ گئی' بیماری بھگتنے کی تو عادی ہوگئی تھی پر خوف تھا تو دھوکہ دہی کے بھید کھل جانے کا۔

''کچھ نہیں اماں بس چکر آ گیا تھا۔''

''ہاں تو صبح سے کام میں بھی تو مصروف رہی ہے یہ نہ ہوا کہ تھوڑی دیر آرام ہی کرلے کیا ضرورت تھی ابھی گڑ والے چاول پکانے کی۔'' انہوں نے پیار سے اپنی نئی نویلی بہو کے سانولے چہرے کو دیکھا۔

''وہ اماں...... انہیں بہت پسند ہیں تو سوچا پکادوں۔'' نظریں جھکا کر گویا ہوئی۔

''ہاں پتر اب میں تو ہاتھ پیروں سے گئی' اس کے شوق کو تو نے ہی چاند چڑھانا ہے شکر ہے بہو سلیقہ مند ملی۔'' اس وقت ان کی پیار بھری باتیں بھی اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔ دل ہول رہا تھا کہ اتنے دنوں بعد یہ مصیبت کیوں آشکارا ہونے پر تلی ہے۔

''آ لینے دے منور کو باڑے سے تازہ دودھ منگوادوں گی کمزوری چند دنوں میں دور ہوجائے گی۔''

''جی......'' انہیں کیا پتہ تھا کہ یہ کمزوری نہیں بیماری ہے جو چند دنوں کی مہمان ہوتی تو خود کو کتنا خوش نصیب سمجھتی' بے حد چاہنے والے شوہر کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

''کیا ہوا...... کہیں چوٹ ووٹ تو نہیں لگ گئی۔ دیکھ بھال کر چلا پھرا کر تجھے کچھ ہوجائے گا تو تکلیف مجھے ہوگی اور کس نے کہا تھا میرے لیے میٹھے چاول پکانے کو۔ تو سہی رہے گی یہی میرے لیے امرت ہے۔'' فوراً جیب سے پیسے نکال کر عامر کو دودھ لانے کے لیے دوڑادیا' رات کو پھل لے آیا' اپنے ہاتھوں سے سیب کاٹے' انار کے دانے نکال کر دیئے' اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

بس چند دنوں کی ہیں یہ عنایات' چار دن کی چاندنی کو نصیب سمجھ بیٹھی تھی۔

''فکر مت کر' کیوں پریشانی چہرے پہ سجائی ہوئی ہے' میں ہوں نا تیرے ساتھ' سب ٹھیک ہوجائے گا۔''

کاش ایسا ہی ہوتا' چپکے سے آنسو تکیے میں جذب کیے۔

پھر دوسری بار میز کے کونے سے ہلکی سی چوٹ لگی اور وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوگئی۔ پندرہ منٹ یہی کیفیت رہی' منور اس وقت گھر پہ ہی تھا اس کا سر گود میں لیے پکارتا رہا۔

''ارے ایسا کب تک ہوگا' ڈاکٹر کو دکھاتا کیوں نہیں' کیسی کمزوری ہے یہ جو سمجھ نہیں آرہی' کہیں کوئی خوشی......'' ذہن کا تانا بانا کہیں اور بہکا تو چہرے پہ بشاشت آگئی۔ منور کا پورا منہ حیرانی سے کھل گیا کہ اب تک اس جانب دھیان کیوں نہیں گیا۔ جب تک وہ ہوش میں آئی سارے اندیشوں سمیت۔

''چکر آ گیا تھا......'' وہ ہکلائی۔

''ہاں...... ہاں ہم سب سمجھ گئے۔'' ساس مسکائیں۔

''کک...... کیا سمجھ گئے۔'' اس نے خشک ہوتے حلق سمیت کہا۔

''یہی کہ ہمارے گھر خوشی آنے والی ہے......'' منور سر کھجاتا باہر نکل گیا۔

''اف یہ خوش امیدیاں......'' سر پلنگ کی سرہانے دے مارا۔ ان سادہ لوح لوگوں پر جب میری قلعی کھلے گی

تو کیا ہوگا۔

اور پھر ڈاکٹر نے منور کے سامنے جو تصدیق کی تو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ کیسی خوشی کہاں کی خوشی‘ منور تو سکتے کے عالم میں تھا۔

”ہسٹریا کی مریضہ ہیں یہ۔ ایسی حالت میں ایسا ہوتا ہے کیا آپ علاج نہیں کروا رہیں۔“ وہ سر جھکائے سکتے کے عالم میں کھڑی تھی۔

”جی گولی لے لیتی ہوں کبھی کبھار......“ اس نے تھوک نگلتے ہوئے چادر کے کونے کو کچھ اور پیشانی تک سرکایا۔

”کبھی کبھار......“ ڈاکٹر کی پیشانی کے بل میں اضافہ ہوگیا۔ ”کیا آپ کی بیماری اس بات کی متقاضی ہے کہ آپ لاپروائی کریں۔ آپ جہاں سے علاج کرارہی ہیں میرا مشورہ ہے انہی کے پاس چلی جائیں وہ آپ کے سابقہ حالات سے آگاہ ہوں گے اور آپ کا چھوٹا ہوا کورس پھر سے اسٹارٹ کرائیں گے۔“ اب کے ہسٹریا کے اثرات منور تک آگئے‘ اس کی تو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیسی بیماری کی قبولیت ڈاکٹر صاحب کرا رہے ہیں اور تو اور علاج......

پھر جب انہوں نے تفصیل سے سب کچھ سمجھا دیا‘ احتیاطی تدابیر سے آگاہ کیا تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

”کب سے چل رہا ہے یہ سلسلہ......“ راستے میں وہ اس کے ساتھ ایسے تھی جیسے پولیس کے پیچھے چور۔ ”تو نے مجھے بتایا کیوں نہیں...... اور تو اور تیرے میسنے گھر والوں کو دیکھ کیسی مہارت سے تیری بیماری چھپا کر سر کا بوجھ اتار پھینکا حد ہے بھئی......“ آن کی آن میں پیار برساتا لہجہ انگارے برسانے لگا‘ آنکھوں میں خمار کی جگہ وحشت نے لے لی۔ اسے لگ رہا تھا وہ پھر سے وہیں ڈھیر ہوجائے گی‘ آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تیرنے لگے۔

”گھر چلیے...... میں سب کچھ بتادوں گی...... میرا یقین کریں میں بتانا چاہتی تھی بس اماں ابا کو میری شادی کی‘ میرا گھر بسانے کی پڑی ہوئی تھی انہوں نے میرا منہ بند کردیا تھا۔“

”چاہے کسی کا گھر برباد ہوتو ہو...... کسی کا بھروسہ مان ٹوٹے تو ٹوٹے‘ عزت کی نیلامی ہوجائے کہ معذور ساس کیسی بہو بیاہ کرلائی‘ گھر ہے کہ عیب کا اڈہ اور...... کچھ تو خوف خدا کیا ہوتا تم لوگوں نے......“ اس کا دل چاہ رہا تھا‘ واپس اس کے ساتھ گھر ہی نہ جائے‘ نہ جانے وہاں کون سی تباہی اسے برباد کرنے کو منتظر ہو۔ خوشی کی آس لگائے اماں کو بہانہ گھڑ دیا۔

”ڈاکٹر نے بہت کمزوری بتائی ہے اور ایسی ویسی کوئی بات نہیں۔“ اس نے جہاں سکھ کا سانس لیا وہاں اماں کا ارمانوں بھرا چہرا کچھ کملا گیا۔ پھر اسے کمرے میں لاتے ہی بے بھاؤ کی سنائی اور اماں ابا کو بھی عیار‘ مکار‘ مطلب پرست اور جانے کیا کیا کہہ دیا۔ اس مظلوم کو اپنی بدبختی پر بھرپور یقین آگیا تھا۔

”میں سب کی طرف سے معافی مانگتی ہوں‘ جو جی چاہے سزا دیں بھگت لوں گی‘ میں بھی بہت پریشان تھی اس شادی کے موقع پر۔ اماں ابا کی زبان بندی سے پر کیا کروں زیادہ بولنے کی اجازت نہیں تھی۔ بہت دعائیں کیں کہ اتنی محبتوں کے بیچ بیماری کہیں دم دبا کر بھاگ جائے مجھے شانتی مل جائے پر ایسا نہ ہوسکا‘ آپ کو مجھ سے چھن جو جانا تھا تو کیسے مقدر کے دروازے مجھ پر بند نہ ہوتے آپ مجھے معاف کردیں۔“

”اب اتنی لفاظیوں کا کیا فائدہ‘ میری تو مٹی پلید کردی نا‘ میری معصوم ماں کو اتنا بڑا دھوکہ دیا تم لوگوں نے جب تو اپنے آپ کو ہی نہیں سنبھال سکتی تو اس بیچاری کا سہارا کیا بنے گی۔ تماشا بنا کر رکھ دیا تم لوگوں نے ہمارا‘ چل سامان باندھ‘ تجھے تیرے دھوکے باز ماں باپ کے گھر چھوڑ کے آتا ہوں۔“ وہ لرز گئی۔

”میری محبت میں تو کوئی کمی نہیں نا‘ اسی کی لاج رکھ لیں‘ میاں بیوی تو ایک دوسرے کا پردہ ہوتے ہیں۔ آپ

میری خامی کی پردہ پوشی کریں' اللہ کے واسطے' میں...... میں بہت محبت کرنے لگی ہوں آپ سے......'' ہاتھ پکڑ کر ایک اور اعتراف کیا۔ شاید بے رحم لمحوں کو اپنے حق میں مہربان کرلے۔

''میں پردہ رکھوں...... کل کلاں کو تو چولہے پہ گر گئی' غسل خانے میں گر گئی تو یہ پردہ فاش ہونا ہے کہ نہیں' میرے دو کنوارے بھائی ہیں وہ نہیں سوچیں گے کہ آخر وجہ کیا ہے' اس مرض کے پیچھے...... کب تک چھپاؤں گا' کوئی بھاری نقصان کروا کے میرے گلے پڑ جائے گی تو...... نہ بھئی آخر تیرے مکار اماں ابا کو بھی تو سبق سکھانا ہے نا' خالی خولی محبت کو چاٹنا ہے میں نے۔'' اس وقت وہ بالکل روایتی مرد بن کر سامنے کھڑا تھا۔ آنکھیں ماتھے پہ رکھ لی تھیں۔ اس کے تواتر سے گرتے آنسو بھی اس کے عزم کو بہا کر نہ لے جا رہے تھے۔

''یہ خالی خولی محبت نہیں' بہت درد ہے اس میں' بہت آرزوئیں ہیں اس کے اندر' کھوکھلی میری محبت نہیں میں رہ گئی ہوں' آپ کے بغیر' چلیں جہاں بھی مجھے چھوڑ دیں سزا کی حق دار ہوں تو سزا تو ملے گی۔''

پھر اس کے ساتھ اماں ابا کے گھر آ گئی' جہاں بے نقط کی منور نے دونوں کو سنائیں' انہوں نے ہاتھ پکڑ کر بپھرے ہوئے شیر کو قابو کرنے کی کوشش کی اس نے ہاتھ جھٹک دیا۔

''اچھا مذاق کیا ہے آپ نے ہماری سادگی کے ساتھ' شکل سے تو اتنے گھنے نہیں لگتے تھے' پتہ نہیں تھا اندر سے پورے ہوں گے۔ لیں سنبھالیں اپنی عیب دار اولاد کو۔ سزا تو ملنی ہے نا' مل کر رہے گی اب فیصلے کا انتظار کریں۔'' وہ پاؤں پٹختا دل کی دیواروں کو ہلاتا چل دیا۔ اسے ادھ موا کر کے۔

دوہرا عذاب آن پڑا تھا' ایک اپنی بیماری کا دوسرے اس سے بچھڑ جانے کا۔

محلے' رشتہ داروں' ملنے جلنے والوں نے اپنی اپنی بساط بھر باتیں بنائیں' کچھ نے تاسف کا اظہار بھی کیا' اللہ کا

خوف بھی کچھ کے دلوں میں اجاگر تھا۔ رشیدہ اور سہیل کی دھوکہ دہی اپنی جگہ لیکن معصوم نازیہ کا اجڑا ہوا سراپا بھی کسی سے برداشت نہ ہو رہا تھا۔ چند مہینوں کے دلہناپے کو ماں باپ کی خود غرضی اجاڑ گئی تھی۔ ایک روز ساس بھی آ ہی گئیں اپنی زبان کے پوشیدہ گر اجاگر کرنے، پاؤں چلنے کے قابل نہیں تھے پر الفاظ تھے کہ دوڑے چلے جارہے تھے۔

''ہم ہی نظر آئے تھے لوٹنے کے لیے، تبھی تو کہوں سگی بہن کیوں نہیں بھانجی کو اپنے گھر لے گئی، جوان بیٹے کے رہتے ہوئے، چچی نے اس گہن لگے چاند کو اپنے آنگن میں کیوں نہیں اتار لیا۔ واقف جو تھیں سب کی سب اس کے گن سے سچ ہے، بھئی آنکھوں دیکھی مکھی کون نگلتا ہے۔'' جتنا زہر اندر ملنا تھا انڈیل دیا انہوں نے بیٹوں کے سہارے ہی واپس جانے لگی۔

نازیہ پگلی، دروازے کے چوکھٹے سے لگ کر کھڑی ہوگئی۔

''اماں......'' انہوں نے مڑ کر دیکھا، آنکھوں میں التجا، ندامت سب ہی کچھ تھا۔ پل بھر کو دل پگھلا لیکن غصہ حاوی ہو کر رقص کرنے لگا۔

''ہنہ......تو بھی ماں ہی کی طرح دھوکہ باز ہوگی۔''

یہ آخری تیر تھا جو اس نے اپنے وجود پر سہا۔

اسی رات فیصلہ ہوگیا تھا۔ اماوس کی تاریک رات میں بڑا اجلا فیصلہ کیا تھا اس نے، اپنے سے ڈیڑھ سال چھوٹی بہن کو نظر بھر کر دیکھا جو دودھیا رنگت کے ساتھ ساتھ نین نقش بھی کمال کے رکھتی تھی۔ کیا رونق پڑتی تھی اس کے ایک کمرے کے مکان میں اس کی ہنسی سے، اس کے قدم قدم پر جلترنگ بجتے تھے، بات کرتی تو سب کو ہنسنے پر مجبور کر دیتی تھی، ابا کہتا تھا۔

''ہادیہ چاندنی ہے میرے گھر کی...... یقیناً یہ منور کے گھر کی بھی چاندنی بنے گی۔'' دھوکہ دہی کا ازالہ اسی صورت ہوسکتا تھا۔

منور کے طول دل میں نغمگی ہادیہ ہی بکھیر سکتی تھی۔

''کچھ تو مداوا ہوگا، اور میرا کیا ہے؟ میں تو تقدیر کے ستم سہنے کی عادی ہوچکی ہوں، کبھی نظر بھر کے بھی نہیں دیکھوں گی اس پیاری جوڑی کو۔'' آنکھوں سے بہتے لہو کو سانولے ہاتھوں کی پشت سے صاف کیا، اماں ابا اس فیصلے کے آگے ساکت کھڑے تھے۔

''میری تو زندگی عذاب میں گھری ہی تھی آپ نے ان پر بھی میری پر چھائیاں ڈال دیں۔ ان کا گھر بھی اجڑ گیا میرے وجود کی نحوست سے۔ اب یہ فیصلہ اپنے انجام کو پہنچ کر رہے گا۔ میں انہیں پچھتاوؤں میں گھرا نہیں دیکھ سکتی، اپنے ہاتھوں ان کو آباد کروں گی۔'' دونوں نے اشک پیتے ہوئے اس کے لہولہو وجود کو دیکھا۔

پیغام منور اور اس کے گھر والوں تک شرمندگی اور معافی نامے کی سند لیے۔

بہت سارے دن گزر گئے، جی جان لگا کر ابا نے اس کا علاج شروع کر دیا تھا۔ اب صبح بھی مکھن، ڈبل روٹی گلی گلی بیچتا، رات کو بچوں کی پسند کی کئی طرح کی چیزوں کی ریڑھی لگاتا، اماں بھی اس حادثے سے خوف زدہ ہو کر ابا کو کھانے پینے کی چیزیں گھر پر تیار کر کے فروخت کے لیے دینے لگی۔ وہ بھی پکوڑوں کا آمیزہ گھولتی، آلو کے چپس کاٹتی، سموسوں کی پٹیاں بناتی۔

اس کا علاج تو ہو ہی رہا تھا پر دل کا علاج نہ ہوسکا، منور یاد آتا تو کام میں ہاتھ اور تیز چلنے لگتے، اس کی باتیں فرش دل پر چاپ بکھیر دیتیں تو سر جھٹکتی۔ جب اماں سے چوری چھپے اس کے منہ میں نوالہ ڈالنا یاد آتا تو کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتی۔

''کیسے بھلاؤں گی تمہیں......'' سانسیں بے ترتیب ہونے لگتیں۔ ہادیہ کے سلسلے میں بھی کوئی عندیہ نہیں آیا تھا۔

اب اس گھر میں دوسرا رشتہ جوڑتے ہوئے بھی سو بار سوچیں گے وہ لوگ...... ندامت اور سوا ہو جاتی۔ پھر وہ ہوگیا جس کا اس نے سوچا بھی نہ تھا۔ منور آیا بیٹھا تھا۔ سپاٹ چہرے سمیت، اماں ابا دورا ہے پہ کھڑے فیصلے

کے منتظر تھے کہ اس لمحے پھول کھلانے آیا ہے یا خار اس کی آؤ بھگت کو آگے بڑھے کہ شاید ہادیہ کے لیے آیا ہو۔

"مجھے شربت پانی کی ضرورت نہیں نازیہ کو بھیجیں۔" ادھر یہ سرد پسینے میں نہائی کھڑی تھی۔ لگ رہا تھا روز محشر آج ہی اسی لمحے آن کھڑا ہو۔ ہاتھ پاؤں کی لرزش سوا ہوگئی تھی۔

"کیوں جاؤں، کہہ دیں جو کہنا ہے آپ لوگوں کو...... مجھ تک خبر پہنچ جائے گی۔" سامنا کرنے کا حوصلہ جو نہیں تھا نہ ہی کسی جان لیوا فیصلے کو سننے کا۔

"میں جس سے ملنے آیا ہوں اسی سے سب کچھ کہوں گا آپ لوگ چلے جائیں۔" داماد کا دبنگ لہجہ ان لوگوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر گیا۔

آخر کار جھجھکتی، کپکپاتی وہ اس کے روبرو تھی۔ اب جو بھی ہوتا ساعت منتظر تھے دل تو حلق میں آ کر دھڑک رہا تھا، کتنی دیر ایسے ہی گزر گئی تھی۔ بالآخر اس نے ہی نظریں اٹھائیں وہ اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"جو کہنا ہے کہہ کیوں نہیں دیتے...... جو بھی فیصلہ کریں گے مجھے منظور ہے۔ ہادیہ بہت اچھی لڑکی ہے میں ضمانت دیتی ہوں بالکل بے عیب ہے وہ اور خوب صورت بھی ہے۔ برباد زندگی آباد ہو جائے گی۔" ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کیں۔

"اور کچھ بولنا ہے......" وہ قریب آ گیا...... "ہادیہ کے حق میں اور میری زندگی آباد کرنے کے متعلق...... تیرا خیال ہے جہاں سے ایک بار دھوکہ کھایا ہے دوبارہ وہیں نصیب آزمانے جاؤں گا۔"

"اب کے دھوکہ نہیں ملے گا۔" وہ روہانسی ہوئی۔

"مجھے پاگل سمجھ رکھا ہے دل کسی اور نام کی مالا جپ رہا ہو اور شادی کسی اور سے کرلوں...... چار مہینے کی محبت جیت گئی ناز و غصے کے طوفان کے آگے۔" مسکراہٹ چہرے پہ کھلی وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔

"مان گیا محبت ایسا منتر ہے جس کا توڑ نہیں۔ کون سا ایسا پل ہوگا جس وقت تجھے یاد نہ کیا ہو تو بے قصور ہے پھر سزا کیوں ملے، قصور تو تیرے اماں ابا کا تھا کہ تیرا علاج کرائے بغیر، صحت یاب کیے بغیر تجھے بیاہ دیا، پر تو بے قصور ہے، بے گناہ ہے، چل گھر چلیں جب اللہ نے تیرا میرا ساتھ لکھ ہی دیا تو ہم احتجاج کر کے کیوں گناہ گار بنیں۔" وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اپنے مہربان کے بدلے بدلے تیور دیکھ رہی تھی۔ لوح تقدیر کے کسی کونے میں نوازشیں بھی لکھی تھیں، یہ بھی سوچا نہ تھا۔ رخسار پر آنسو لڑھک آئے تھے۔

"تیرا علاج میں کراؤں گا، ہم لوگ دکھ سکھ کے ساتھی ہو کر بھی نباہنا کیوں بھول جاتے ہیں یہ میں نے بہت سوچا آخر میں فیصلہ تیرے حق میں ہوگیا۔" اس کے آنسو صاف کیے۔ "کیوں میری مرضی کے خلاف پیغام بھجوا رہی تھی۔"

"کون سا پیغام......" رندھی ہوئی، خوشیوں کے رنگ میں نہائی آواز نکلی۔

"ہادیہ کا پیغام۔"

"آہ...... کیا...... کیا مرضی ہے؟"

"نازیہ...... نازیہ منور......" سانولی رنگت سرگوشی پر سرخ پڑ گئی۔

"اور اماں......!"

"انہیں بھی اپنی یہ معصوم سی بہو بہت یاد آ رہی ہے جو ہوگیا اسے بھول جا اور چلنے کی تیاری کر۔" اس نے کہکشاں پہ قدم دھر دیا تھا۔

"پہلے میں......" الفاظ ساتھ چھوڑنے لگے۔ "پہلے شکرانے کی نفلیں ادا کرلوں......" اس کی نظروں کی گہرائی سے آنکھیں چرا کر مسکاتی باہر بھاگ گئی۔

جہاں اپنی بولی بولتا رہ گیا، محبت جیت گئی۔

وہ ایک ملکۂ محبت

صباحت رفیق

دسمبر کے آتے ہی نجانے کیوں یادوں کے ناگ اُس کے چاروں طرف کنڈلی مار کے بیٹھ جاتے۔ پھر وقتاً فوقتاً باری باری اُسے ڈستے رہتے اور اُس کے زخم رستے رہتے۔ دسمبر کی راتوں پہ اُس کو قیامت کا گماں ہوتا جو بیتتی ہی نہیں تھیں...... وہ کئی سالوں کا سفر طے کر آتی لیکن وقت کا پنچھی بمشکل ایک گھنٹے کا سفر طے کر پاتا۔ وہ بنا سویٹر اور شال کے اپنے کمرے سے نکل کے آفندی مینشن کے لان میں رکھی سنگی بینچ پہ بیٹھ گئی۔ ایک وہ وقت تھا جب دسمبر میں پڑنے والی سردی کی وجہ سے اُس کی جان جاتی تھی۔ شام ہوتے ہی وہ کمبل لپیٹ کے بیٹھ جاتی۔ مجال ہے پھر وہاں سے ایک انچ بھی ہلتی۔ رات کا کھانا بھی اُسے بیڈ پہ چاہیے ہوتا تھا۔ اس لیے مسٹر شاہ ویز آفندی اور مسز شاہ ویز آفندی رات کا کھانا ڈائننگ ٹیبل کے بجائے اُس کے کمرے کے ٹیبل پہ ہی لگوا لیتے۔ پھر ایک شخص نے اُس کے اندر ڈیرہ جمائے سردی کے ڈر کو ایک دن میں مار بھگایا اُسے سردی کے موسم سے محبت کرنا سکھایا۔ دسمبر کی سرد راتوں میں چھپی خوب صورتی کو محسوس کرنا سکھایا۔ ہاں اسی شخص نے جو اُس کے لیے بہت خاص ہے۔ جس شخص کی محبت نے اُسے بھی خاص بنا دیا تھا...... لیکن پھر دسمبر کی ایک سرد سی شام میں وہ انسان اُسے خاص سے عام بنا کے نجانے کہاں چلا گیا تھا۔ جاتے وقت اُس کے ادا کیے گئے سرد و اجنبی لہجے میں برف جیسے الفاظ دسمبر کی ہواؤں میں ہمیشہ کے لیے ٹھہر سے گئے تھے۔ دسمبر میں جس شخص کی محبت کی وجہ سے اُسے گرماہٹ کا احساس ملتا تھا وہ احساس مفقود ہو گیا تھا۔ اب تو پچھلے کچھ سالوں سے دسمبر کا مہینہ اُس پہ عذاب بن کے اترتا تھا۔ جو پھر گزرنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ کہنے کو تو دسمبر کے آخری دن کا سورج غروب ہو جاتا اور اگلے دن نئے سال کا سورج لوگوں کے لیے نئی اُمیدیں اور خوشیاں لیے ہوئے طلوع ہوتا لیکن اُس میں نئے سال کے آنے پہ بھی اب کوئی اُمید نہیں جاگتی تھی کوئی خوشی بھولے سے بھی اُس کے در پہ نہیں آتی تھی۔ اُسے لگتا تھا کہ اُس کے لیے سارا سال ہی جیسے دسمبر کا مہینہ رہتا ہے۔ جس میں اُس شخص کے سرد لہجے سے نکلے ہوئے برف جیسے الفاظ ٹھہر سے گئے ہوں۔ اُس کا دل کرتا کہ وہ کہیں دور چلی جائے۔ بہت دور جہاں دسمبر نہ آتا ہو اگر آتا بھی ہو تو اُس کی زندگی سے بھی غروب ہو کے جنوری کی سنہری پیلی دھوپ کے ساتھ اُس کے لیے بھی خوشیوں اور نئی اُمیدوں کی آمد کا پیغام لے کر آئے۔

رات بیتتی گئی......

یادوں کے ناگ ڈستے رہے......

اور

اُس کی روح پہ لگے زخم رستے رہے......

......☆☆......

شاہ زر اور شاہ ویز آفندی دونوں بھائی تھے۔ جن کا آپس میں پیار و محبت مثالی تھا۔ دونوں نے اپنی تعلیم مکمل کرتے ہی شہر میں فیکٹری لگائی۔ شاہ زر آفندی کے لیے اُن کے والدین نے خاندان سے ہی یُسریٰ امین کو پسند کیا تو وہ اپنے والدین کی خواہش پہ سر جھکاتے ہوئے یُسریٰ کو بیاہ لائے اور پھر ایک سال بعد شاہ ویز آفندی نے اپنے والدین کے سامنے اپنی پسند کو رکھا۔ وہ بنا کسی اعتراض کے اپنے بیٹے کی خوشی میں خوش ہوتے ہوئے اُن کی کلاس فیلو علینا یعقوب کے گھر رشتہ لے گئے۔ یوں علینا یعقوب مسز شاہ ویز آفندی بن کے اُن کی حویلی میں آ گئیں۔ اُن کا آنا یُسریٰ کو ناگوار گزرا تھا وہ اپنی بہن کو

دیورانی کی جگہ یہ دیکھنا چاہتی تھیں...... لیکن اپنی ناگواری کو چھپائے مسکراتے ہوئے اُنہیں خوش آمدید کہا۔ چہرے سے تو ناگواری کو ہٹا لیا لیکن دل سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو پائیں۔ کیونکہ اُن کی بہن شاہ ویز آفندی محبت کرتی تھی۔ جس کا علم صرف یُسریٰ کو تھا۔ وہ کوئی مناسب وقت دیکھ کے اپنی ساس سے بات کرنا چاہتی تھیں لیکن اُس سے پہلے ہی شاہ ویز آفندی نے علینا کا نام اُن کے سامنے رکھ دیا۔ یُسریٰ اور شاہ زر کو اللہ نے تین بیٹوں سے نوازا تھا۔ ذومیر، موحد اور عانش۔ ذومیر اور موحد میں تین سال کا فرق تھا جبکہ موحد اور عانش میں صرف ایک سال کا فرق تھا۔ علینا اور شاہ ویز کو اللہ نے چاند سی بیٹی سے نوازا۔ وہ اُن کی محبت کی نشانی تھی اُس کا نام بھی محبت ہی رکھا گیا یعنی وداد۔ وہ ذومیر سے دو سال چھوٹی تھی۔ اُن کی زندگی ہنسی خوشی گزرنے لگی اور پھر ماں باپ کے گزر جانے کے بعد وہ اپنی فیملی کے ساتھ اپنے آبائی گاؤں کی حویلی چھوڑ کے شہر میں شفٹ ہو گئے۔

لاہور کے ایک ٹاؤن میں مہنگے داموں جگہ خرید کے وہاں آفندی مینشن کی بنیاد رکھی۔ آفندی مینشن کا گیٹ اور لان ایک ہی تھا لیکن اندر سے دو گھر تھے۔ آفندی مینشن کو دو گھروں میں تقسیم کرتی دیوار میں بھی ایک بڑے سے دروازے جتنی جگہ رکھی گئی تھی۔ کھانا دونوں گھروں میں علیحدہ علیحدہ ہی پکتا تھا۔ لیکن ہر ویک اینڈ پہ وہ سب مل کے تینوں وقت کا کھانا اور شام کی چائے ساتھ میں پیتے تھے۔ یُسریٰ بظاہر تو علینا کے ساتھ بہت خوش اخلاقی سے پیش آتیں لیکن دل میں کینہ رکھتی تھیں۔ شاہ زر آفندی نے وداد کے بچپن میں ہی یہ بات شاہ ویز آفندی کے گوش گزار کر دی تھی کہ وداد آفندی اُن کے بڑے بیٹے ذومیر شاہ کی دلہن بنے گی۔ یہ بات ابھی صرف دونوں بھائیوں کے درمیان ہی تھی۔ ذومیر شاہ چونکہ سب سے بڑا تھا اس لیے باقی بچوں پہ خوب رعب جماتا تھا۔ جبکہ وداد آفندی پہ

تو کچھ زیادہ ہی۔ اس لیے کہ وہ اُس کے غصے سے ڈرتی تھی۔ وہ اُن کے گھر کی اکلوتی بیٹی تھی۔ وہ گھر بھر کی لاڈلی تھی ہر کوئی اُس کے ناز نخرے اُٹھاتا دکھائی دیتا۔ جس نے اُسے بہت نازک مزاج بنا دیا تھا۔ اُس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ کسی کا غصہ برداشت کر سکے۔ ذومیر شاہ اسی بات کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے جان بوجھ کے اُسے تنگ کرتا اور پھر دھمکی بھی دیتا کہ اگر اُس نے کسی کو بھی شکایت کی تو اُس کے لیے اچھا نہیں ہوگا۔ موحد اور عانش کے ساتھ اُس کی بہت بنتی تھی اُن تینوں کو ہر کام اکٹھے کرنے کی عادت تھی۔ ذومیر شاہ کا یونیورسٹی میں لاسٹ ایئر تھا اور وداد آفندی نے حال ہی میں یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا۔ ذومیر شاہ اور وداد آفندی دونوں نے بزنس کے سبجیکٹ ہی چوز کیے تھے۔ وداد آفندی کو ہر وہ کام کرنا اچھا لگتا تھا جو ذومیر شاہ کیا کرتا...... جبکہ موحد اور عانش ایف ایس سی کر رہے تھے۔

......☆☆......

"چھوٹی ماں...... چھوٹی ماں۔" موحد اور عانش اپنے پورشن سے ہی آوازیں دیتے ہوئے اُن کے پورشن میں داخل ہوئے۔ علینا جو کچن میں رات کے کھانے کے بعد برتن دھونے میں مصروف تھیں اُن کی آوازیں سُن کے باہر آ گئیں۔

"کیا ہوا...... سب خیریت ہے ناں؟" اُن کے اُداس چہرے کو دیکھتے ہوئے قدرے پریشانی سے استفسار کیا۔

"خیریت ہی تو نہیں ہے۔" موحد صوفہ پہ بیٹھتے ہوئے بولا۔ علینا پریشان ہوتے ہوئے اُس کے پاس بیٹھ گئیں۔

"کیوں خیریت نہیں...... اب بتا بھی دو کیا ہوا ہے؟" موحد نے کوئی جواب نہ دیا تو اُنہوں نے عانش کی طرف دیکھا وہ اُن کے دوسری طرف بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ہونا کیا ہے چھوٹی ماں...... کسی کو ہماری فکر ہی نہیں...... نہ ہی کسی کو ہماری خوشی کا خیال ہے۔ درحقیقت مجھے تو لگتا ہے کہ کوئی ہم سے پیار ہی نہیں کرتا۔"

"تو اور کیا مجھے بھی یہی لگتا ہے کہ صرف ذومیر لالا اور وداد آفندی ہی آپ کی سگی اولاد ہیں۔ ہم تو جیسے سوتیلے ہوں۔"

"اچھا تو تم دونوں کو ایسا کیوں لگتا ہے؟"

"اب دیکھیں نا چھوٹی ماں ہم اتنا بور ہو رہے ہیں ہمارا دل کر رہا ہے کہ کچھ دیر باہر کی تازہ ہوا کھا آئیں...... ماما سے کہا کہ وہ ہمارے ساتھ آئیں ہمیں کمپنی دینے کے لیے تو وہ توبہ توبہ کرنے لگیں۔ بابا سے کہا تو وہ بھی کانوں کو ہاتھ لگانے لگے کہ یار میرا مرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔" موحد نے کانوں کو ہاتھ لگا کے باقاعدہ نقل اُتار کے دکھائی۔ علینا ہنسنے لگیں۔

"بدتمیز...... اتنی سردی اور دُھند میں آپ لوگوں کا دل کر رہا ہے کہ باہر جا کے تازہ ہوا کھا آئیں؟"

"تو چھوٹی ماں اگر آپ ہم نے سردیوں میں باہر جا کے ذرا ایک آدھا گھنٹہ نہ گزارا...... تو پھر ہم بھی کل کو اپنی اولاد کو یہی کہہ رہے ہوں گے...... نہ کر یار میرا مرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔" علینا بمشکل اپنی مُسکراہٹ چھپاتے ہوئے بولیں۔

"تو تم دونوں اب کیا چاہتے ہو کہ میں آؤں تمہارے ساتھ؟" عانش فوراً بولا۔

"نہیں ناں آپ رہنے دیں بس وداد کو بھیج دیں۔" علینا دونوں کے کان کھینچتے ہوئے بولیں۔

"تم دونوں بدمعاش اپنی حرکتوں سے باز نہ آنا...... سیدھی طرح کہتے کہ چھوٹی ماں وداد کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔" موحد نے کان چھڑواتے ہوئے کہا۔

"ویسے مزہ نہیں آنا تھا ناں...... اوکے ہم لے کے جا رہے ہیں اُسے۔"

"اگر بیڈ سے اُتر گئی تو لے جانا۔"

"آپ فکر نہ کریں ہم اُتروا لیں گے۔" اور پھر وہ دونوں علینا کا ایک ایک گال چومتے ہوئے اُس کے کمرے کی طرف بھاگ گئے۔

"بدمعاش نہ ہوں تو۔" علینا مُسکراتے ہوئے کچن

میں چلی گئیں۔ باقی کام سمیٹتے ہوئے شاہ ویز آفندی کے لیے کافی بنانے لگیں۔

☆☆☆

اُنہوں نے بہت کوشش کی کہ ودادآفندی اُن کے ساتھ باہر جانے کے لیے رضامند ہوجائے لیکن وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی بلکہ اُن سے کہا۔

"موحد، عائش تم دونوں چاہتے ہو کہ اس سردی سے میری موت واقع ہو جائے؟" عائش نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے نہ آؤ" اور وہ دونوں اُسی کے کمبل میں ٹانگیں لمبی کرکے بیٹھ گئے اور اپنا اپنا موبائل استعمال کرنے لگے۔ ودادآفندی اُنہیں افسردہ دیکھ کے خود بھی اُداس ہوگئی۔ لیکن اُسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے کیونکہ اُن کی بات ماننا گویا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ دوسری طرف اُن دونوں نے چپکے سے ایک نمبر پہ ساری صورت حال میسج کرکے "پلیز ہیلپ" کا میسج سینڈ کیا۔ اگلے پانچ منٹ میں وہ اُن کے روبرو تھا۔ اپنے رعب دار لہجے میں وہ ودادآفندی سے مخاطب ہوا۔

"کیا مسئلہ ہے تم اُٹھ کیوں نہیں رہی؟"

"مم...... مجھے سردی لگتی ہے۔" جب یہ شخص غصے سے بات کرتا تو اُس کے سامنے ڈر کے مارے ودادآفندی کے لفظ بھی اٹک کے ادا ہوتے۔

"تم بچی نہیں ہو جو یہ کہتی پھرو مجھے سردی لگتی ہے۔ چلو اُٹھو ایک منٹ میں مجھے کمبل سے باہر نظر آؤ۔" وہ فوراً کمبل ہٹاتی موحد اور عائش کو گھورتی ہوئی بیڈ سے نیچے اُتری۔ اسکارف لپیٹا اور کندھے پہ شال ڈالتے ہوئے باہر نکل آئی۔ ذومیر شاہ اپنی مُسکراہٹ چھپاتے ہوئے اُن کے ساتھ باہر نکل آیا۔

سُنسان سڑک پہ بس چاروں طرف بھیگا ہوا سا سرد دھواں اُٹھتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ چہار سُو خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس خاموشی میں خلل ودادآفندی کے مسلسل بجنے والے دانتوں نے ڈالا۔ اُن تینوں کا قہقہہ فضا میں بُلند ہوا۔ ذومیر شاہ نے اُس کی طرف دیکھا وہ تقریباً رو دینے کے قریب تھی۔ آہستگی سے اُس کے کان میں سرگوشی کی۔

"تم اگر چاہتی تو آنے سے انکار بھی کرسکتی تھی۔" وداد آفندی نے پلکوں کی چادر اُٹھا کے خفگی سے اُس کی طرف دیکھا۔ وہ اب مُسکرا رہا تھا۔ اُس نے کوئی جواب نہ دیا اپنی نظریں سڑک پہ مرکوز کرکے چلنے لگی۔

"کیا مس ودادآفندی آئس کریم کھانا پسند کریں گی؟" موحد نے اُس سے پوچھا۔

"خبردار تم دونوں میں سے کسی نے مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی۔" اُنگلی اُٹھا کے وارن کیا۔

"واہ...... مس ودادآفندی مطلب ہم دونوں نہ بات کریں...... ہمارا کیا قصور؟ آپ آئی تو ذومیر لالا کے کہنے پہ ہیں۔" عائش نے اچنبھے سے کہا۔

ذومیر شاہ نے اُن دونوں کو جانے کا اشارہ کیا۔ موحد مصنوعی خفگی دکھاتے ہوئے عائش کا ہاتھ پکڑ کے کہنے لگا۔

"آؤ یار جب ہم سے کسی نے بات ہی نہیں کرنی تو ہم واپس چلتے ہیں۔" ودادآفندی نے دیکھا وہ سچ میں جانے کے لیے پلٹ گئے تھے۔

"موحد...... عائش میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ بھی واپس جانے لگی۔

"ودادآفندی......" وہ ذومیر شاہ کے پُکارنے پہ رُک گئی۔ سوالیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔ ذومیر شاہ نے اپنی جیکٹ اُتار کر اُسے دی۔

"پہن لو۔" فوراً حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پہن لی اور ذومیر شاہ سے پوچھا۔

"واپس چلیں؟"

"ودادآفندی اگر میں کچھ کہوں تو مانو گی؟" نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"اگر نہ بھی مانوں گی تو آپ زبردستی منوالیں گے ذومیر شاہ۔" اُس کی بات پہ ذومیر شاہ کے لبوں پہ مُسکراہٹ پھیل گئی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ اپنا ہاتھ اُس کے آگے پھیلاتے ہوئے بولا۔

''وداد آفندی کیا میرے ساتھ چلو گی؟''
''کہاں......؟'' بڑی بڑی آنکھوں میں حیرت لیے پوچھا۔
''جہاں بھی لے چلوں؟'' آنکھوں میں محبت لیے کہا۔
وہ خود محبت تھی اور محبت اُسے اپنی طرف کھینچتی تھی۔ اُس نے خاموشی سے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔ ذومیر شاہ کا گرم ہاتھ اُس کے سرد ہاتھ کو راحت پہنچانے لگا۔ اُس نے چلتے ہوئے پوچھا۔
''پھر آپ کا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟''
''پتہ نہیں۔''
''کیوں نہیں پتہ...... ذومیر شاہ...... ہر انسان اپنی منزل کا تعین کر کے ہی سفر پہ نکلتا ہے۔'' ذومیر شاہ نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔
''میں منزل کا تعین کیے بغیر ہی کسی اپنے کا ہاتھ تھام کے جانے انجانے راستوں پہ دور تک چلنا چاہتا ہوں وداد آفندی۔'' وداد آفندی کی پلکوں کی بار گرنے اُٹھنے لگی اور اُس کا دل زیروزبر ہونے لگا۔ یہ دیکھتے ہوئے وہ مُسکرا دیا دل آویزی سے پوچھا۔
''اب بھی سردی لگ رہی ہے؟'' اُس نے نفی میں گردن ہلائی۔
''ویسے کیوں ڈرتی ہو سردی سے...... سردی بھی کوئی ڈرنے والی چیز ہے؟ موسمِ سرما کی راتوں میں ہی تو کائنات کا حُسن فسوں خیز چھپا ہوتا ہے...... یہ خاموش بھیگی ہوئی، ہلکی ہلکی خنکی لیے ہوئے راتیں، چاروں طرف سے اُٹھتا ہوا سرد دھواں اور اندھیرے میں ڈوبے آسمان پہ چمکتا ہوا خوب صورت چاند ماحول کو خواب ناک بنا دیتا ہے۔'' وہ جیسے جیسے بول رہا تھا ویسے ویسے وہ رات کے فسوں خیز حُسن میں کھونے لگی۔
''آپ کو یہ موسم پسند ہے؟''
''بہت زیادہ...... ان سرد راتوں میں میرا دل کرتا ہے کہ ایک لمبی سی شاہراہ ہو جس پہ میں اپنے ہمسفر کا ہاتھ تھامے دور تک چلتا رہوں۔''
''جیسے اب چل رہے ہیں؟'' بے ساختہ ہی وداد آفندی کے لبوں سے نکلا۔ ذومیر شاہ رُکا...... مُسکراہٹ لبوں پہ دوڑی...... جبکہ وداد آفندی نظریں چُرا گئی۔
''ہاں بالکل ایسے ہی۔''
''جیکٹ کی جیب میں ذرا دیکھو کچھ ہے؟'' اور پھر کچھ یاد آنے پہ اُس سے کہا۔ اُس نے جیب میں ہاتھ ڈال کے نکالا تو وہ ایک خوب صورت کنگن تھا۔
''یہ میرے لیے ہے؟''
''وداد آفندی تمہارے علاوہ کسی اور کو دے سکتا ہوں کیا؟''
''میں چاہتی ہوں کہ ذومیر شاہ اسے خود میری کلائی میں پہنائیں۔''
''جو حُکم جناب۔'' ذومیر شاہ اُس کے ہاتھ سے کنگن لیتے ہوئے گھٹنے کے بل زمین پہ بیٹھ گیا اور آہستگی سے وہ کنگن اُس کی کلائی میں پہنا دیا۔ وداد آفندی کے چاروں طرف محبت کی تتلیاں رقص کرنے لگیں۔ جن کو ساتھ لیے ذومیر شاہ کے سنگ اُس نے واپسی کے لیے قدم بڑھا دیئے تھے۔

......☆☆......

آج اتوار تھا وداد آفندی دن بھر سوتی رہی گھڑی کی سوئیوں نے گیارہ کا ہندسہ پار کیا تو اُس کی آنکھ کھُلی۔ وہ آنکھیں ملتی ہوئی سیدھی کچن میں آ گئی۔ علینا کو وہاں نہ پا کے وہ دوسرے پورشن میں آ گئی۔ اُدھر لان میں شاہ زر اور شاہ ویز ہاتھوں میں نیوز پیپر لیے کسی بات پہ تبصرہ کر رہے تھے۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں ہی کھڑے ہو کے چلائی۔
''گڈ مارننگ پاپا...... بڑے پاپا۔''
''لو بھئی ہو گئی ہماری مہارانی کی مارننگ۔'' شاہ ویز نے شاہ زر کی طرف دیکھ کے مُسکراتے ہوئے کہا تو شاہ زر اُس سے مُخاطب ہوئے۔
''ماما کہاں ہیں؟'' علینا نے کچن سے آواز دی۔
''اِدھر ہوں کچن میں۔'' وہ کچن میں داخل ہوئی۔ بہت

سی خوشبوؤں نے اُس کا استقبال کیا۔
"دواد مجھے سمجھ نہیں آتی بیٹا۔ آپ اتنی دیر سو کیسے لیتی ہو؟" علینا شیر خُرما کے لیے کاجو کاٹتے ہوئے اُس سے بولیں۔
"رات دیر سے سوئی تھی ناں۔"
"دیر سے کیوں؟" یُسریٰ چائے کے لیے پانی رکھتے ہوئے بولیں۔
"بڑی ماں رات کو ذومیر، موحد اور عانش زبردستی باہر لے گئے تھے اور پھر موحد اور عانش ناراض ہو کے واپس آ گئے۔" اس کا مطلب کہ یہ رات دیر تک ذومیر کے ساتھ تھی۔ یہ سوچ کے ہی یُسریٰ کو ہول اُٹھنے لگے۔
"ناشتہ بناؤں تمہارے لیے یا اب لنچ ہی کرو گی ہمارے ساتھ؟" علینا نے اُس کی طرف مڑتے ہوئے پوچھا تو اُن کی نظر اُس کی کلائی میں موجود کنگن پہ پڑی۔
"یہ کنگن کہاں سے لیا ہے کتنا خوب صورت ہے؟" یُسریٰ نے بھی کنگن کی سمت دیکھا۔
"یہ ذومیر نے دیا ہے۔ ناشتہ نہیں اب لنچ ہی کروں گی اور یہ آج اتنا خصوصی اہتمام کیوں کیا جا رہا ہے؟" اور پھر اُس کے ذہن میں کلک ہوا۔ "اوہ مائی گاڈ...... میں اس دفعہ پھر بھول گئی۔ آج تو دو دسمبر ہے اور ذومیر کا برتھ ڈے......"
"بیٹا ذومیر اپنے ہر برتھ ڈے پہ آپ کو گفٹ دیتا ہے...... پھر بھی تمہیں یاد رہتا؟" علینا مسکراتے ہوئے بولیں۔
"صرف برتھ ڈے پہ نہیں ماما اپنی ہر خوشی کے موقع پہ...... تو اب مجھے کیسے پتہ چلتا۔ اچھا میں فریش ہونے جا رہی ہوں۔" وہ کچن سے نکل گئی۔ یُسریٰ اپنا غصہ چھپاتے ہوئے مصنوعی مُسکراہٹ کے ساتھ علینا سے کہنے لگیں۔
"ہم تو بھئی اپنی ہر خوشی پہ اور سالگرہ پہ دوسروں سے تُحفے وصول کرتے ہیں...... اور ایک یہ جناب ہیں وصول کرنے کی بجائے دیتے ہیں۔"
"ہاں بالکل...... اور ماشاء اللہ بہت پرسنالٹی ہے ہمارے ذومیر کی۔ سب سے الگ نظر آتا ہے۔ اللہ نظرِ بد سے بچائے۔" یُسریٰ آمین کہتے ہوئے سوچنے لگیں۔
"سمجھتی ہے کہ میں بے وقوف ہوں مجھے اس کی بیٹی کے لچھن نظر نہیں آ رہے جیسے...... میرے لاکھوں میں ایک بیٹے پہ ڈورے ڈالتی رہتی ہے ہر وقت۔ لیکن دیکھنا میری بہن کی محبت تم نے چھینی ہے نا اسی طرح اب میں تمہاری بیٹی کی محبت اُس سے چھین لوں گی۔"

......☆☆......

"تم دونوں نے مجھے بتایا کیوں نہیں تھا؟" وہ آفندی مینشن کی لائبریری میں اپنے ٹیسٹ کی تیاری کرتے موحد اور عانش کے سر پہ پہنچ کے چلائی۔
"کس بارے میں؟" وہ دونوں بیک وقت بولے۔
"یہی کہ رات کو تم دونوں کو ذومیر شاہ نے بھیجا تھا۔ ہم تینوں تو پارٹنر ہیں نا کوئی بات کسی سے نہیں چھپاتے۔ لیکن ٹھیک ہے بھئی اب تم دونوں مجھ سے باتیں بھی چھپانے لگے ہو۔" وہ ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے اُن کے سامنے والی کُرسی پہ بیٹھ گئی۔
"ہم نے بتا دینا تھا اگر لالا نے منع نہ کیا ہوتا۔" عانش نے کہا۔
"ہاں لالا نے کہا تھا وہ تمہیں سرپرائز دینا چاہتے تھے۔ اس لیے تمہیں نہ بتایا لیکن جب تم نے ہماری بات نہیں مانی تو ہمیں لالا کو میسج کر کے بلوانا پڑا۔" موحد نے بتایا۔ وہ اُنگلیاں مروڑنے لگی۔
"اچھا ٹھیک ہے...... لیکن مجھے یاد نہیں رہا تھا کہ آج ذومیر شاہ کا برتھ ڈے ہے میں نے اُن کے لیے کوئی گفٹ نہیں لیا۔ اب کیا کروں؟" موحد نے عانش کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔
"میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں اگر تم میرے کچھ سوالوں کا جواب دے دو تو۔"
"کن سوالوں کا؟"
"یہی کہ رات کو لالا نے کیا سرپرائز دیا تھا...... اور تم

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

صرف لالا کے نام کے آگے شاہ کیوں لگاتی ہو......اور لالا ہمیشہ اپنی برتھ ڈے پہ اور ہر کامیابی پہ تمہیں کیوں گفٹ دیتے ہیں......اور تم ہر دفعہ اُن کا برتھ ڈے بھول کیوں جاتی ہو لالا کے گفٹ دے کے یاد دلوانے کے باوجود بھی؟'' وہ سوچنے لگی اب کیا بتاتی کہ اُس نے رات کو اُسے سب سے خوب صورت سرپرائز دیا تھا اپنی محبت کا اظہار کر کے۔ سر کھجاتے ہوئے اپنا کنگن والا ہاتھ آگے کیا۔

''یہ کنگن دیا......اور مجھے خود نہیں پتہ کہ میں صرف اُن کے نام کے ساتھ ہی شاہ کیوں لگاتی ہوں......اور وہ سال میں کئی دفعہ گفٹ دیتے ہیں اب مجھے کیا پتہ کون سا اُن کی برتھ ڈے کا گفٹ ہے اور کون سا اُن کی کامیابی کا۔''

''مطلب یہی کہ چانسز ہیں کہ مس وداد آفندی ہماری بنیں گی۔'' عائش نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

''بکو مت۔''

''کیوں شرم آرہی ہے؟'' موحد نے بھی دانت نکالتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں......اب بتاؤ بھی کیا گفٹ دوں؟''

''اُس دن شاپنگ کر کے واپس آتے جو تم نے وہ خوب صورت سی ایک جیسی دو ڈائریاں خریدی تھیں نا اُن میں سے ایک گفٹ کر دو۔''

''واہ......موحد میرے بھائی کیا آئیڈیا دیا ہے۔ اللہ تمہیں کامیاب کرے۔'' اُس نے خوش ہوتے ہوئے کہا اور ڈائری پیک کرنے چل دی۔

......☆☆......

سب نے مل کے شاندار سا لنچ کیا۔ اُس کے بعد وداد آفندی کے ہاتھ کا بنا کیک چائے کے ساتھ تناول کیا گیا اور پھر رات کو ذومیر اُنہیں فائیو اسٹار ہوٹل میں لنچ کروانے کے بعد اپنے دوستوں کے ساتھ چلا گیا۔ رات کو اُسے آتے تقریباً گیارہ بج گئے تھے۔ اپنے کمرے میں جاتے ہوئے اُس نے وداد آفندی کو صوفہ پہ کمبل لپیٹ کے بیٹھے پڑھتے ہوئے دیکھا تو وہاں چلا آیا۔

''آج خیریت ہے ابھی تک سوئی نہیں؟''

''جی......نیکسٹ ویک مڈ ہیں تو اُسی کی تیاری کر رہی تھی اور اب سونے کے لیے ہی جانے لگی ہوں۔'' وداد آفندی نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا۔

''او کے ایسا کرو میرے لیے ایک کپ کافی تیار کر دو۔''

''کافی......مجھے تیار کرنی نہیں آتی؟''

''کیوں؟''

''مجھے پسند نہیں ہے ناں اس لیے۔''

''وداد آفندی کافی کوئی ناپسند کرنے والی چیز نہیں ہے۔ آؤ میں تمہیں سکھاتا ہوں کافی بنانا۔''

''پاپا نے بھی ایک دفعہ سکھایا تھا لیکن بہت کڑوی بنی تھی۔'' وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔

''وہ اس لیے کہ تم نے محبت کے ساتھ نہیں بنائی ہوگی۔'' وہ منہ بناتے ہوئے اُس کے ساتھ کچن میں آگئی۔ اُسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ پتہ نہیں کیسے لوگ اتنی کڑوی کافی پی لیتے ہیں۔

''یہ کپ پکڑو۔'' وہ پکڑ کے اُس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ ''اب اس میں ایک چمچ کافی، ایک چمچ چینی اور ایک چمچ ہی گرم پانی ڈالو۔'' اُس نے ایسا ہی کیا۔ ''اب اسے بلینڈر سے دس منٹ تک بلینڈ کرو۔'' وہ بلینڈ کرنے لگی۔ اُس مکسچر کا رنگ آہستہ آہستہ چینج ہونے لگا۔ اُس کا کریمی رنگ دیکھ کے ستائشی لہجے میں بولی۔

''واؤ یہ کتنے مزے کا کلر ہوگیا۔'' اب اُسے بلینڈ کرنے میں مزہ آنے لگا۔ ذومیر شاہ مسکراتے ہوئے دودھ بوائل ہونے کے لیے رکھ کر اُدھر ہی شیلف پہ چڑھ کے بیٹھ گیا۔ دودھ بوائل ہونے پہ اُس نے برنر بند کر دیا۔

''بس کرو دس منٹ ہوگئے ہیں۔'' اُس نے بلینڈر بند کر کے رکھا اور کپ اُسے پکڑا دیا۔

''اب دو کپ لاؤ۔''

''دو کیوں؟''

''ایک تمہارے لیے۔''

''ہرگز نہیں......میں کافی نہیں پیوں گی۔''

''میں اگر دوں پھر بھی نہیں پیو گی؟''

"اوکے...... پی لوں گی۔" خفگی سے بولی۔ ذومیر شاہ نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی۔ اُس کے ماتھے پہ آئے بالوں کی لٹ کھینچتے ہوئے بولا۔

"میرا اینگری برڈ۔" یک دم ہی اُس کے گال لال ہوئے اور وہ پلکوں کی گرتی اُٹھتی جھالر کے ساتھ اُس کے سامنے والی شیلف پہ بیٹھ کے اُسے دیکھنے لگی۔ جو لبوں پہ خوب صورت مسکراہٹ سجائے آمیزے کا ایک ایک چمچ دونوں کپ میں ڈال کے دودھ انڈیلنے لگا اور پھر ایک چمچ لے کے اُس کی بیک سائیڈ سے کپ سے آمیزہ نکال کے اُس سے ایک کپ میں موجود کافی کے اوپر آئی ہوئی جھاگ پہ دل بناتے ہوئے کپ اُس کے آگے کردیا۔

"لیجیے وداد آفندی خوب صورت مرد کے ہاتھوں سے تیار کردہ کافی۔"

"آدھی میں نے بنائی تھی۔" کافی کا کپ تھامتے ہوئے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے...... ملکۂ محبت۔"

"کیا آپ نے میرا دیا ہوا گفٹ دیکھ لیا؟" اُس کے ملکہ کہنے پہ وداد آفندی نے اُس سے پوچھا۔

"نہیں ابھی جا کے دیکھوں گا۔" اثبات میں سر ہلا کے اُس نے ڈرتے ڈرتے کافی کا ایک سپ لیا لیکن یہ کیا یہ تو بالکل بھی کڑوی نہیں تھی۔

"واؤ اس کا ذائقہ تو بہت اچھا ہے۔"

"یہ محبت کا ذائقہ ہے وداد آفندی' جو میں نے اس میں انڈیلی ہے۔" ذومیر شاہ نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ اور پھر اپنے کمرے میں آکے اُس نے سب سے پہلے وداد آفندی کا گفٹ کھولا۔ وہ ایک خوب صورت ڈائری تھی اُس نے کھولا تو اُس کے پہلے صفحے پہ محبت سے لکھے گئے لفظ جگمگاتے دیکھ کے وہ مُسکرا دیا۔

"ایک ملکہ کی طرف سے اُس کے دل کے بادشاہ کو دیا گیا تحفہ...... میں خوش قسمت ہوں جس نے اُس انسان سے محبت کی ہے' جو دل کا بادشاہ ہے' جو...... میرے دل کا بادشاہ ہے' اُس انسان کی محبت نے مجھ عام سی لڑکی سے بہت خاص بنادیا ہے۔ اُس کی محبت نے میرا دل ایک ملکہ کا دل بنادیا ہے۔ درحقیقت' مجھے ملکہ بنادیا ہے' مجھے یہ کہنے میں فخر محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک ملکہ ہوں' کیونکہ مجھے ملکہ بنانے والا انسان' بہت خاص' ہے۔"

......☆☆......

محبت کی تتلی اُن کے سروں پہ منڈلاتی دیکھ کے یُسریٰ اپنی بہن لبنیٰ کے ساتھ منصوبہ بناتی ہیں۔ اس دفعہ انہیں دیر نہیں کرنی تھی۔ آئمہ جو جوانی کی دہلیز پہ قدم رکھتے ہی اپنی خالہ سے یہی سنتی آئی تھی کہ وہ اُسے ذومیر سے بیاہ کے اپنے گھر لے جائیں گی۔ وہ اپنی آنکھوں میں ذومیر کے ساتھ کے خواب سجانے لگی تھی۔ یُسریٰ نے اُسے اپنے منصوبے میں شامل کر کے وداد آفندی کو ذومیر شاہ سے بدظن کرنے کے لیے اپنے آفندی مینشن بلوالیا۔ آئمہ وداد آفندی کے سامنے ہر وقت ذومیر کے ساتھ رہتی۔ اُس کا ہر کام خود کرنے کی کوشش کرتی۔

وداد آفندی ذومیر سے اکاؤنٹنگ کا ایک سوال سمجھنے کے لیے وہاں آئی۔ تو یُسریٰ نے ذومیر کو بلوانے کے لیے آئمہ کو اُس کے کمرے میں بھیجا اور وہ ٹی وی لاؤنج میں یُسریٰ کے ساتھ بیٹھ کے اُس کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔ یہی وہ وقت تھا جب یُسریٰ نے اپنا کام کرنا تھا۔

"علینا کہاں ہے دکھائی نہیں دے رہی؟"

"ماما کی ایک دوست کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی انہی کی عیادت کے لیے گئی ہیں۔"

"اچھا وداد چندا آئمہ کیسی ہے؟"

"اچھی ہیں...... ویسے بڑی ماں آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"ذومیر کو آئمہ جیسی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں جو ہر کام سلیقے سے کرنا جانتی ہوں۔ کھانا پکانا، گھر کی صاف صفائی ہر کام میں ماہر ہوں۔ تو میں سوچ رہی ہوں کہ کیوں ناں آئمہ کو ذومیر کے لیے مانگ لوں۔" وداد نے حیرت سے یُسریٰ کو دیکھا۔ گویا دل بہت زور سے ٹوٹا تھا۔

تبھی وداد آفندی نے آئمہ کو ذومیر کے ساتھ سیڑھیاں

اُترتے ہوئے دیکھا۔ آئمہ نے جان بوجھ کے اپنا پاؤں سلپ ہونے اور گرنے کی ایکٹنگ کی۔ ذومیر نے اُسے گرتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے اُسے تھام لیا۔ ذومیر اُسے سیدھا کھڑا کرتے ہوئے سیڑھیاں پھلانگ کے نیچے آگیا۔

"ذومیر بیٹا وداد کب سے تمہارا انتظار کررہی ہے۔ آئمہ کو تمہیں بُلانے کے لیے بھیجا تھا لیکن آئمہ بھی وہاں جا کے بیٹھ ہی گئی۔"

"اچھا لیکن آئمہ نے تو نہیں بتایا مجھے کہ وداد نیچے میرا انتظار کررہی ہے۔" پھر اُس کے ہاتھ میں اکاؤنٹنگ کی کتاب دیکھ کے اُس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولا۔

"سوال سمجھنا تھا؟ میرے کمرے میں ہی آجاتی۔"

"نہیں...... مجھے ایک ضروری کام یاد آگیا ہے میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں...... پھر سمجھ لوں گی۔" وہ اچانک ہی اُٹھ کھڑی ہوئی اور تقریباً بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں آگئی اور دروازہ اندر سے لاک کرلیا۔ ذومیر کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

"ماما وداد کو کیا ہوا؟"

"پتہ نہیں بیٹا ابھی تو بالکل ٹھیک تھی۔ مجھ سے باتیں کررہی تھی۔" ذومیر کافی دیر اُس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹاتا رہا لیکن اُس نے نہیں کھولا۔ پھر وہ یُسریٰ کے کہنے پہ کہ ہوسکتا ہے وہ کسی بات سے پریشان ہو اور کچھ دیر اکیلا رہنا چاہتی ہو اس لیے اُسے ڈسٹرب نہ کرو وہاں سے آگیا اور پھر بنا کسی سے بات کیے اپنی کار لے کے غصے سے باہر نکل گیا۔ وداد آفندی بند کمرے میں بیٹھی اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹتی رہی۔ دونوں بازو اپنی ٹانگوں کے گرد لپیٹ کے وہ خود سے ہم کلام تھی۔

"ٹھیک ہے ذومیر شاہ میں وداد آفندی آپ سے نہیں پوچھوں گی کہ کیوں محبت کی تتلیاں میری ہمسفر کی تھیں جب شادی کسی اور سے کرنی تھی؟ آپ کو یاد رکھنا چاہیے تھا ذومیر شاہ کہ ملکہ ٹوٹ جائے گی لیکن کبھی کسی سے بھیک نہیں مانگے گی تو پھر میں کیسے آپ سے یہ کہہ سکتی ہوں کہ اُس محبت کی شاہراہ پہ ساری زندگی میرا ہاتھ تھام کے چلتے رہیں ذومیر شاہ؟" اُس نے دراز سے اپنی ڈائری نکالی اور ایک کورے کاغذ پہ کچھ لفظ بکھیر دیئے۔

مجھے اپنی محبت کو
اپنی کمزوری نہیں بنانا ہے
مجھے اپنی پلکوں پر
محبت کے نام
ٹھہرے خوابوں کو
نوچ لینا ہے
پھر......!
مجھے اپنی سسکیوں کا
گلا گھونٹ دینا ہے
مجھے عام لڑکیوں کی طرح
اپنے محبوب کے سامنے
کاسۂ محبت نہیں پھیلانا ہے
مجھے مضبوط بننا ہے
کہ میں ایک ملکہ ہوں
ہاں...... میں ایک ملکہ ہوں

علینا کے آنے سے پہلے ہی وہ خود کو کمپوز کرچکی تھی اور پھر رات کو سب کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے اُس نے یہی شو کیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ ذومیر شاہ نے اُس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا کیونکہ وداد آفندی نے اُس کی لاتعداد کالز اور میسجز اگنور کیے تھے...... اور وہ جسے اُس نے خود احساس دلایا تھا کہ وہ ایک بادشاہ ہے تو پھر بادشاہ اپنے آپ کو بلاوجہ نظر انداز کیا جانا کیسے برداشت کرسکتا تھا؟

......☆☆......

پیپر ختم ہوتے ہی انہیں دسمبر کی چھٹیاں ہوگئیں۔ اگلے دن وہ انگلش ناول "ون ڈے" جو وہ چھٹیوں میں پڑھنے کے لیے یونیورسٹی کی لائبریری سے ایشو کروا کے لائی تھی وہ لے کے لان میں چمکتی ہلکی دھوپ میں بیٹھ کے پڑھنے لگی۔ ہارن کی آواز پہ اُس کی نظر گیٹ سے داخل ہوتی

ذومیر کی بلیو کار یہ گئی۔ فرنٹ سیٹ پہ اُس کے ساتھ آئمہ کو بیٹھے دیکھ کے ناگواری کی لہر اُس کے جسم میں سرایت کرگئی۔ وہ نظرانداز کر کے دوبارہ پڑھنے میں مشغول ہوگئی۔ آئمہ دونوں ہاتھوں میں شاپنگ بیگ اُٹھائے اُس کے پاس آ کے رُک گئی۔

"ہیلو سویٹی...... ہاؤ آر یو؟"

"السلام علیکم...... الحمدُ للہ...... آئی ایم فائن۔" وداد نے سر اُٹھا کے اپنا موڈ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

آئمہ نے پیچھے مڑ کے ذومیر کی طرف دیکھا جو کار سے ٹیک لگائے فون سُننے میں مصروف تھا اور پھر آواز دھیمی رکھتے ہوئے وداد سے بولی۔

"ناول ریڈنگ...... بور ہو رہی ہوگی ناں...... میں نے ذومیر سے کہا تھا کہ وداد کو بھی ساتھ لے چلتے ہیں لیکن اُس نے منع کردیا...... اوکے کیپ ریڈنگ۔" اُس کے اندر جانے کے بعد وداد آفندی نے ذومیر شاہ کی طرف دیکھا۔ بلیک پینٹ پہ سفید شرٹ پہنے گلے میں بلیک ٹائی کوٹ اُتار کے بازو پہ رکھا ہوا تھا اُسی بازو میں قیمتی گھڑی چمک رہی تھی جو اُس کی برتھ ڈے کے اگلے دن وداد آفندی نے اُسے گفٹ کی تھی اور دوسرے ہاتھ میں فون تھام کے کان سے لگایا ہوا تھا۔ پھر اُس کے ہلتے ہونٹوں کو تکنے لگی۔ ذومیر شاہ کب سے وداد آفندی کو مسلسل اپنی طرف تکتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ فون بند کرتے ہی وہ اُس کے سامنے آ کے بیٹھ گیا...... لیکن وداد آفندی کی نظریں ابھی بھی وہیں تھیں جدھر وہ کچھ دیر پہلے کھڑا تھا۔ ذومیر شاہ نے آہستگی سے ناول پہ رکھے اُس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ کے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"کیا ہوا ہے وداد آفندی؟ تمہارا تو نام ہی محبت ہے اور وداد آفندی تم تو محبت کی وہ تتلی ہو جو چاروں طرف منڈلاتی رہتی ہے۔ اپنے چاروں طرف محبت بکھیرتی ہے۔ تو پچھلے کچھ دنوں سے یہ تتلی اپنے ہی باغ میں پریشان پریشان...... کھوئی کھوئی سی کیوں دکھائی دے رہی ہے؟ اور تمہاری ان آنکھوں میں ہزاروں خدشے اور انجانے خوف کے سائے کیوں لہرا رہے ہیں وداد آفندی؟" وہ کچھ نہیں بولی بس اُس کی طرف دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔

"ذومیر شاہ آپ اب چاہتے ہیں کہ میں آپ کے سامنے اعتراف کروں کہ میری آنکھوں میں آپ کو کھو دینے کے خوف کے سائے لہرا رہے ہیں۔ ذومیر شاہ جب آپ میری آنکھوں میں خوف کے سائے لہراتے دیکھ سکتے ہیں تو پھر آپ یہ کیوں نہیں دیکھ سکتے کہ یہ خوف کس وجہ سے ہے؟"

"وداد آفندی کچھ تو بولو...... کیا میری کسی بات کا بُرا لگا ہے...... کیوں کر رہی ہو ایسا؟ تمہاری یہ چپ مجھے تکلیف دے رہی ہے وداد آفندی۔"

"میری یہ چپ اگر ذومیر شاہ کو تکلیف دے رہی ہوتی تو وہ یوں آئمہ کے ساتھ شاپنگ پہ جاتے؟" اُس نے بند ہونٹوں کے ساتھ اپنے دل سے سوال کیا۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا ذومیر شاہ آپ پریشان نہ ہوں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میری آنکھوں میں کسی خوف کے سائے نہیں لہرا رہے آپ کا وہم ہے۔ آپ کو میری تکلیف کی نہیں بلکہ اُن کی پروا کرنی چاہیے جن کے ساتھ آج کل آپ رہ رہے ہیں اور ہمیشہ رہنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" اُس کے ہاتھ کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکالتے ہوئے اُس نے کہا۔

ذومیر شاہ کو وہیں حیران اور اُلجھا ہوا چھوڑ کے وہ اندر کی طرف بڑھ گئی۔

......☆☆......

موحد اور عائش دونوں کا ارادہ ڈاکٹر بننے کا تھا۔ اس لیے وہ دن رات محنت کر رہے تھے اور وہ اکیلی بور ہوتی رہتی۔ کبھی ماما کے ساتھ ٹائم پاس کر لیتی تو کبھی اِدھر اُدھر خود کو مصروف کر لیتی۔ اُس دن بھی وہ بوریت دور کرنے کے لیے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کے اخبارِ جہاں کی ورق گردانی کر رہی تھی جب یُسریٰ نے اُسے آواز دے کے اپنے پورشن کی طرف بلوایا۔

"جی بڑی ماں؟" اُنہوں نے اُس کی طرف دیکھا۔

گلابی رنگ کی فراک پہنے وہ کوئی کھلا ہوا تازہ پھول لگ رہی تھی۔ ہلکے ہلکے گیلے لمبے بال پُشت پہ بکھرے ہوئے تھے۔ یُسریٰ اُس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کے اُس کا ماتھا چومتے ہوئے بولیں۔

"ماشاءاللہ...... اللہ نظرِ بد سے بچائے۔"

"جاؤ ذرا یہ موحد کا موبائل تو اُسے اوپر لائبریری میں دے آؤ۔ اُس کے دوست کا بار بار فون آرہا ہے۔" ٹیبل سے موبائل اُٹھا کے اُسے دیتے ہوئے بولیں۔

وہ موبائل لے کے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر آگئی۔ ذومیر شاہ کے کمرے کے آگے سے گزرتے وہ یکلخت رُکی تھی۔ اُس نے گردن موڑ کے گلاس ونڈو سے نظر آتے منظر کو دیکھا۔ اُس کا دل پھر ٹوٹ گیا۔ اُس کی آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کے اُس کے گال پہ بہہ نکلا۔ موحد جو اپنا موبائل نیچے بھول گیا تھا یاد آنے پہ لینے کے لیے لائبریری سے باہر نکلا تو سامنے وداد آفندی کو ذومیر کے کمرے کے باہر کھڑا دیکھ کے رُکا اور پھر اُس کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کے وہ اُس کے قریب آتے ہوئے اُس کی نظروں کی سمت دیکھنے لگا۔ آئمہ کو ذومیر لالا کے بالکل قریب کھڑا دیکھ وہ چونکا۔ وداد آفندی نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے موبائل موحد کی طرف بڑھایا۔ موحد نے موبائل اس کے ہاتھ سے لینے کے بجائے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اسے لائبریری میں لے آیا۔ اسٹڈی ٹیبل کے گرد رکھی گئی کرسی پہ بٹھا دیا۔ اُس کے ساتھ والی کرسی پہ خود بیٹھ گیا۔ عانش نے حیرت سے اُن کی طرف دیکھا۔

"عانش دروازہ بند کر کے ادھر آؤ ذرا۔"

"کیا ہوا؟" عانش لائبریری کا دروازہ بند کرتے ہوئے وداد آفندی کے دوسری طرف آکر بیٹھ گیا۔

"وداد آفندی مانا کہ ہم دونوں تم سے چھوٹے ہیں...... لیکن بھائی چھوٹے بڑے نہیں ہوتے بھائی صرف بھائی ہوتے ہیں...... اور ہم کبھی تمہاری آنکھ میں ایک آنسو بھی نہیں دیکھ سکتے...... اس لیے جو بھی بات ہے وہ ہمیں بتاؤ۔ کیا تمہارے اور ذومیر لالا کے درمیان کچھ ہوا ہے؟"

اُس نے آہستہ سے نفی میں گردن ہلائی۔

"کوئی مجھے بھی تو بتائے کہ ہوا کیا ہے؟" عانش پریشانی سے بولا۔ موحد نے مختصر لفظوں میں ساری بات اُسے بتائی تو وہ وداد آفندی سے کہنے لگا۔

"اگر کچھ نہیں ہوا تو پھر یہ سب کیا ہے؟"

"مجھے نہیں پتہ...... جس دن سے آئمہ آئی ہے ذومیر شاہ اکثر اوقات آئمہ کے ساتھ ہی پایا جاتا ہے۔"

"لالا ایسا کیوں کر رہے ہیں؟" عانش بولا۔

"تم نے ذومیر لالا سے پوچھا نہیں کہ یہ سب کیا ہے؟" موحد نے اُس سے پوچھا۔

"نہیں...... نہ ہی میں پوچھنا چاہتی ہوں...... اور تم دونوں میں سے بھی کوئی اس بارے میں کسی سے بھی بات نہیں کرے گا۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ میں نے کہا ہے اور تم دونوں اگر میرے بھائی ہو تو نہیں کرو گے۔ ویسے بھی انسان کی اپنی پسند ناپسند ہوتی ہے۔"

......☆☆......

رات کے آٹھ بجے کا وقت تھا۔ ذومیر شاہ گود میں لیپ ٹاپ رکھے اپنے پروجیکٹ پہ کام کر رہا تھا جب یُسریٰ اُس کے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ اُن کی طرف متوجہ ہوا۔

"ماما کوئی کام تھا تو مجھے نیچے بلوا لیتیں۔"

"کوئی بات نہیں بیٹا...... آپ اپنا کام کر رہے تھے اس لیے میں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"ڈسٹرب کیسا ماما...... آپ بتائیں کوئی کام تھا کیا؟"

"نہیں ویسے ہی میں بور ہو رہی تھی۔ شاہ ویز بھائی آئے ہوئے ہیں تو آپ کے پاپا اُن کے ساتھ بیٹھ کے کچھ ضروری بات کر رہے ہیں۔"

"کون سی ضروری بات؟"

"تمہیں نہیں پتہ؟ وداد کے لیے اُس کے خالہ زاد کا پرپوزل آیا ہے...... وداد نے تو اُس کے لیے اپنی

رضامندی دے دی ہے۔اب اُسی پہ بات کر رہے ہیں۔"
ٹائپنگ کرتے اُس کے ہاتھ رُکے تھے۔ حیرت سے اُن کی طرف دیکھا اور پھر لیپ ٹاپ رکھتے اُٹھ کھڑا ہوا۔
"کیا ہوا...... کہاں جا رہے ہو؟"
"کچھ نہیں...... ادھر ہی ہوں آتا ہوں ابھی۔" وہ بھی اُس کے کمرے سے باہر نکل آئیں۔ آئمہ ذومیر کے جانے کے بعد یُسریٰ کے ہاتھ پہ ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔
"واہ خالہ مبارک ہو...... جیسے ہم نے سوچا تھا سب ویسا ہی ہوا ہے۔اب دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے۔"
"آگے بھی اچھا ہی ہوگا۔" پھر وہ دونوں ہنسنے لگیں۔
وہ سیدھا اُن کے پورشن میں آیا۔ وداد آفندی اپنے کمرے میں نہیں تھی۔ وہ علینا کے کمرے میں گیا وہ عشاء کی نماز ادا کر رہی تھیں۔ وہ اُسے ڈھونڈتا لان میں آیا۔ وہ بینچ پہ بیٹھی چاند کو تک رہی تھی۔ ذومیر شاہ نے اُس کے پاس پہنچ کے اُس کا ہاتھ پکڑ کے اُسے کھینچا وہ سیدھا اُس کے ساتھ آ لگی۔ اُسے دونوں بازوؤں سے تھام کے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
"وداد آفندی آج سے یہ سمجھنا کہ میں تمہارے لیے مر گیا ہوں...... میں بھی یہی سمجھوں گا کہ وداد آفندی اس دُنیا میں نہیں رہی۔ میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا...... سمجھی تم؟" اُسے جھٹکے سے چھوڑ کے جیسے ہوا کے رُوش پہ آیا تھا ویسے ہی چلا بھی گیا۔ وداد آفندی وہیں گھٹنوں کے بل گر کے سسکنے لگی۔ ذومیر شاہ نہایت غصے کے عالم میں اپنے کمرے میں آیا اور پھر دس منٹ میں اپنا بیگ تیار کر کے وہ نیچے آیا۔
"ذومیر یوں بنا کسی کو بتائے کہاں جا رہے ہو؟" یُسریٰ اُسے دیکھ کے اونچی آواز میں بولیں۔ اُن کی آواز سُن کے شاہ زر اور شاہ ویز کے ساتھ موحد اور عانش بھی کمرے سے باہر آ گئے۔ دُعا مانگتیں ہوئی علینا بھی فوراً باہر آئی تھیں۔
"یہ سب کیا ہے ذومیر؟" شاہ زر بولے۔
"کہاں جا رہے ہو بیٹا؟" شاہ ویز نے پوچھا۔
"پاپا...... چھوٹے پاپا مجھے نہیں پتہ میں کہاں جا رہا ہوں...... لیکن آپ سے ایک ریکویسٹ ہے پلیز مجھے مت روکیں...... اگر آپ روکیں گے بھی تو میں نہیں رُکوں گا......اس کے لیے مجھے معاف کر دیں۔"
"ذومیر بیٹا بتاؤ تو کیوں جا رہے ہو؟ کچھ ہوا ہے تو بتاؤ مل کے مسئلے کو حل کرتے ہیں۔" شاہ ویز اُس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔
"چھوٹے پاپا اب تو سارے مسئلے ہی حل ہو چکے ہیں۔" شاہ زر کے سامنے رُکتے ہوئے بولا۔
"پاپا مجھے معاف کر دیجیے گا...... میں آفندی مینشن میں نہیں رہنا چاہتا...... اس لیے جا رہا ہوں۔" اور پھر بنا کسی کی طرف دیکھے بیگ اُٹھا کے باہر نکل گیا۔
سب جانتے تھے وہ جو ٹھان لیتا تھا وہی کرتا ہے۔ اب وہ کسی کے کہنے پہ نہیں رُکے گا۔ لیکن اس کے باوجود جانے والا یہ چاہتا تھا کہ اُس کے دل کی ملکہ اُسے روکے...... وہ ایک دفعہ رُکنے کے لیے کہے تو سہی وہ رُک جائے گا۔ لیکن اُس نے نہیں روکا تھا اپنے پاس سے گزر کے گیراج کی طرف جاتے ذومیر شاہ کو وہ بہتی آنکھوں کے ساتھ دیکھتی رہی۔
"علینا وداد کہاں ہے؟" شاہ ویز نے نجانے کس خدشے کے تحت فوراً پوچھا۔
"وہ تو لان میں تھی۔" اور پھر سب لان کی طرف بھاگے سب سے آگے موحد اور عانش۔
اُسے اُدھر گیلی گھاس پہ بیٹھے سسکتے دیکھ کے یُسریٰ کے علاوہ وہاں موجود سب کا جیسے کلیجہ کٹ گئے تھے۔ شاہ ویز تڑپ کے اُس کی طرف بڑھے۔
"رُک جائیں لالا...... مت جائیں...... آپ بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں۔" عانش گیٹ سے باہر نکلتی کار کی طرف بھاگا۔
ذومیر شاہ نہیں رُکا...... اُس کی کار نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

"اُٹھو بیٹے ایسے کیوں بیٹھی ہو...... رو کیوں رہی ہو کیا ہوا ہے میری جان؟" شاہ زر بولے۔

"ذومیر نے کچھ کہا کیا؟"

"ذومیر شاہ چلا گیا ہے بڑے پاپا۔" سسکیوں کے درمیان ہچکیاں لیتے ہوئے وہ صرف اتنا ہی بولی۔ اور پھر اُس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ علینا نے آگے بڑھ کے اُس کا سر اپنے ساتھ لگایا۔

"یہ بے ہوش ہوگئی ہے۔"

"یُسریٰ اُس نافرمان کو فون کرو کہ واپس آجائے وداد کو اگر کچھ ہوا تو میں اُسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" شاہ زر نے غصے سے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں لالا کو فون کرنے کی...... اُس کے بھائی ابھی زندہ ہیں...... کچھ نہیں ہونے دیں گے اپنی بہن کو...... عانش جلدی سے گاڑی نکالو۔ وداد کو ڈاکٹر کے پاس لے کے جانا ہے۔"

دونوں ہی انا کے گھوڑے پہ سوار اپنے اپنے وقت کے بادشاہ اور ملکہ بنے ہوئے تھے۔ جو آنکھوں دیکھا اور دوسروں کے کانوں سے سنا اُسی پہ یقین کرلیا۔ اگر اُس دن ذومیر شاہ نے اپنی انا کو شکست دیتے ہوئے اُس سے وجہ دریافت کرنے کی کوشش کی تھی تو وداد آفندی کو چاہیے تھا کہ وہ اُسے بتادیتی کہ میں محبت کے کھونے سے ڈرتی ہوں یہ خوف کے سائے اُسے کھونے کے ڈر سے ہیں...... لیکن اُس نے نہیں بتایا وہ کیوں جھکتی کہ وہ تو ملکہ تھی اور ملکہ کبھی کسی کے سامنے جھکا نہیں کرتی۔

......☆☆......

سب وجہ ہی تلاشتے رہے کہ ہوا کیا ہے؟ لیکن یہ صرف یُسریٰ ہی جانتی تھیں جنہوں نے سب کیا تھا۔ جوڑے تو آسمانوں پہ بنتے ہیں۔ بلاوجہ ہی کسی قصور کے انتقام لیا تھا اور اب خود بھی بیٹے کی جدائی سے پریشان رہتیں...... کسی نے بھی اُس سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شاہ زر نے تو سختی سے منع کردیا تھا کیونکہ اُن کے مطابق وہ خود اپنی مرضی سے آفندی مینشن چھوڑ کے گیا تھا کسی نے اُسے نکالا نہیں...... صرف یُسریٰ نے فون پہ ذومیر سے رابطہ رکھا ہوا تھا لیکن وہ بھی یہ نہیں جانتی تھیں کہ وہ کہاں رہ رہا ہے۔ جو بھی تھا یُسریٰ کی اپنی کوئی بیٹی تو تھی نہیں اس لیے اپنی ممتا وداد پہ ہی نچھاور کرتی تھیں...... لیکن جب سے اُنہوں نے چھپ کے شاہ زر اور شاہ ویز کی باتیں سُنی تھیں کہ وہ ذومیر اور وداد کو ایک ساتھ دیکھنے کے خواہش مند ہیں تب سے اُن کے دل میں کھوٹ آگیا تھا۔ باقی سب کے ساتھ ساتھ وداد کی حالت دیکھ کے اب تو یُسریٰ کے دل میں بھی ہول اُٹھتے۔ اُس نے خود کو جلد ہی سنبھال لیا تھا لیکن اب وہ خاموش ہوگئی تھی اور اُس کی یہی خاموشی سب کی جان لیتی تھی۔ آفندی مینشن جہاں کبھی قہقہے گونجتے تھے وہاں اب خاموشیاں راج کرتی تھیں۔ یوں ہی ایک سال بیت گیا۔ سردیاں شروع ہوگئی تھیں اور پھر سب نے دیکھا کہ وداد آفندی جسے کافی ناپسند تھی اب وہ کافی کثرت سے پینے لگی تھی۔ جو سردی میں اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلتی تھی اب اکثر رات کو موحد اور عانش کے ساتھ اُس جگہ پہ ٹہلا کرتی جہاں ایک سال پہلے وہ "ذومیر شاہ" کے ساتھ جایا کرتی تھی۔ آج چار دسمبر کا دن تھا۔ سب ہی ذومیر کو یاد کر کے اُداس تھے لیکن کوئی بھی شو نہیں کررہا تھا۔ وداد آفندی ہاتھ میں قرآن پاک لیے موحد کے پاس آئی۔

"موحد؟"

"جی حکم۔"

"میرا ایک کام کروگے؟"

"کام کروانے کے لیے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔ حکم کرو جان بھی حاضر ہے۔"

"یہ قرآنِ پاک مسجد میں رکھ آؤ۔" وہ چونکا۔ موبائل پہ ٹائپنگ کرتے اُس کے ہاتھ رُکے اور پھر آہستگی سے پوچھا۔

"یہ بھائی کے نام پہ رکھوا رہی ہو ناں؟" وہ نظریں چُراتے ہوئے بولی۔

"پتہ نہیں۔"

”وداد ایک دفعہ صرف ایک دفعہ لالا کو کال کر کے آنے کا بولو وہ آجائیں گے۔ تمہیں یاد ہے جب بھی اگر لالا تم سے ناراض ہو جاتے اور کہتے خبردار مجھے بلایا۔ یہ کہہ کے وہ وہاں سے چلے جاتے لیکن پھر پیچھے سے دی گئی تمہاری صرف ایک آواز ’ذومیر شاہ‘ پہ ہی وہ اپنے قدم روک لیتے تھے۔ اب بھی وہ انتظار کر رہے ہیں وداد آفندی کہ تم انہیں پکارو وہ لوٹ آئیں...... تم دونوں کے درمیان غلط فہمیاں ہیں جو کہ ہر رشتے میں اکثر پیدا ہو جاتی ہیں...... ضروری نہیں کہ اُن کی آئمہ کے ساتھ موجودگی سے تم نے جو سمجھا وہ سچ بھی ہو۔“ موحد نے اُس کا ہاتھ تھام کے اپنے ساتھ صوفہ پہ بٹھاتے ہوئے کہا۔

”اوکے ٹھیک ہے...... مجھے غلط فہمی ہوئی لیکن میرے کس قصور کی وجہ سے وہ آفندی مینشن چھوڑ کے گئے...... اور جاتے وقت اُن کے ادا کیے گئے الفاظ...... وہ پہلے کی بات تھی جب لوٹ آتے تھے اب کہہ کے گئے ہیں کہ وداد آفندی اُن کے لیے مر چکی ہے اور مرے ہوئے لوگ کسی کو پکارا نہیں کرتے۔“ ویران آنکھوں سے اُس نے کہا۔ اندر کچن میں اُن کی باتیں سنتی یُسریٰ کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ موحد اُسے اور تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا اس لیے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے یہ قرآنِ پاک شیلف پہ رکھو۔ میں وضو کر کے رکھ آتا ہوں۔“ اور پھر اپنے کمرے میں آکے وہ اپنی ڈائری نکال کے اُس پہ کچھ لفظ بکھیرنے لگی۔

”آج میرے لیے بہت خاص دن ہے...... آج اُس انسان کی سالگرہ ہے جو میرے لیے بہت خاص ہے۔ وہ انسان جو دل کا بادشاہ ہے...... جو ملکہ کے دل کا بادشاہ ہے...... میرا دل چاہنے لگا کہ اس خوب صورت دن کے بدلے ہی میں اُسے ایک سالگرہ کا میسج سینڈ کروں۔ صرف چند منٹ ہی اُس سے بات کروں اُسے کال کروں اور واپس آنے کے لیے بولوں...... اپنی اس معصوم سی خواہش کو پورا کرنے کے لیے میں نے موبائل بھی اُٹھالیا...... لیکن...... عین اُسی لمحے اُس کے جاتے وقت ادا کیے گئے لفظوں نے میرا ہاتھ روک لیا۔ اُسی لمحے میں نے موبائل واپس رکھ دیا...... اُٹھی وضو کیا اور نمازِ ظہر ادا کی اور پھر اُس کی لمبی زندگی کے لیے دو رکعت نفل ادا کیے۔ درودِ پاک اور سورۃ یٰسین کا تحفہ اُس کے دل کو پہنچانے کے لیے پڑھ کے اللہ کے سپرد کر دیا...... ابھی بھی کچھ ادھورا تھا۔ میں نے کچھ پیسے نکالے اور اُس کے نام پہ اُس کی زندگی کی تمام مصیبتوں اور بلاؤں کو ٹالنے کے لیے میں نے صدقے میں دیئے...... یہ وہ تھا جو میں نے اپنے دل کے بادشاہ کے لیے کیا تھا اور جب تک زندہ ہوں کرتی رہوں گی بغیر کسی صلے کے...... کیونکہ...... میں ایک ملکہ ہوں اور ملکہ بہت سے کام بغیر صلے کے کیا کرتی ہے۔“

......☆☆......

وقت کا پنچھی اُڑتا ہی جا رہا تھا ذومیر شاہ کو گئے دوسرا سال بھی بیتنے والا تھا۔ سب ہی جانتے تھے جب تک وداد آفندی اُسے نہیں بلائے گی وہ نہیں آئے گا...... اور وہ انتظار کر رہے تھے کہ کب وداد آفندی اُسے پکارے گی...... کب یہ اُداسی اور خاموشی کے سائے آفندی مینشن سے رُخصت ہوں گے...... لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ وداد آفندی پل پل ٹوٹنا گوارا کر لے گی لیکن کسی کے سامنے جھکے گی نہیں اپنے دل کے بادشاہ کے سامنے بھی نہیں...... کیونکہ ملکہ کبھی جھکا نہیں کرتی اور پھر ایسا ہوتا ہے نا کہ جب بھی کسی انسان کی وجہ سے ہمیں تکلیف پہنچتی ہے ہمارا دل ٹوٹتا ہے تو ہم لاشعوری طور پہ اللہ کے سامنے جاتے ہیں اُس کے آگے گڑگڑاتے ہیں اور پھر ہمیں آہستہ آہستہ اُسی کے سامنے بار بار کھڑا ہونے سے سکون ملنے لگتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ اللہ اپنا قرب عطا کرنے لگتا ہے۔ ایسا ہی وداد آفندی کے ساتھ ہوا تھا۔ وداد آفندی اپنے کمرے میں بیٹھ کے بنا آواز آنسو بہاتے ہوئے اپنی ڈائری پہ کچھ لکھ رہی تھی۔

”میں فجر کی نماز کے لیے اُٹھنا چاہتی تھی خلوصِ دل سے نیت بھی کرتی، الارم بھی لگاتی لیکن اس کے باوجود نماز کے وقت میری آنکھ نہ کھل پاتی۔ میں پریشان رہنے لگی

کیونکہ یہ اس بات کی واضح علامت تھی کہ میرا اللہ مجھ سے ناراض ہے...... وہ اللہ جو انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے...... وہ اللہ جو دل میں دھڑکن بن کے دھڑکتا ہے...... وہ اللہ جس کی مدد کے بغیر ہم پلک تک نہیں جھپک سکتے...... اُسی اللہ کو ناراض کر کے کیا میں سکون سے رہ سکتی ہوں؟ پشیمانی ہی پشیمانی تھی۔ اللہ سے نظریں تک نہیں ملا پا رہی تھی لیکن پھر اللہ نے ہمیشہ کی طرح مجھ پہ اپنی رحمت کی۔ میرے احساسِ ندامت کو دیکھتے ہوئے مجھے معاف کر دیا۔ اب میری آنکھ اذان کے ساتھ ہی کھُلنے لگی کبھی اذان سے پہلے تہجد کے وقت۔ اب میں فوراً اُسی وقت اُٹھ جاتی جب میرا اللہ مجھے اُٹھاتا...... وقت ہوتا تو تہجد کے نفل ادا کر لیتی یا پھر نماز ادا کرنے کے بعد قرآنِ پاک کی تلاوت کر کے اللہ کا شکر ادا کرتی۔ اب میں پُرسکون رہنے لگی یہ احساس ہی میرے لیے فرحت بخش تھا کہ میرا اللہ مجھے خود اپنے سامنے کھڑا کرنے کے لیے اُٹھاتا ہے۔ اس احساس نے ہی مجھے ایک بار پھر انمول بنا دیا اور یہی وہ پہلی بات تھی جس نے مجھے اُس وقت پھر احساس دلایا کہ میں ایک ملکہ ہوں جس وقت میں یہ احساس کھونے لگتی اور سوچنے لگتی کہ میں بھی ایک عام سی انسان ہوں اور یہی وہ وقت تھا جب میں نے جانا کہ میرے دل کا بادشاہ تو اللہ ہے۔ لیکن میں ہمیشہ ایک انسان کو اپنے دل کا بادشاہ سمجھتی آئی۔ اگر وہ حقیقتاً میرے دل کا بادشاہ ہوتا تو میں اُس کے سامنے جھک جاتی لیکن میں نہیں جھکی کیوں کہ وہ میرے دل کا بادشاہ تھا ہی نہیں۔ میرے دل کا بادشاہ تو اللہ ہے۔ جس کے سامنے میں دن میں کئی بار اپنی خوشی سے جھکتی ہوں اور ہمیشہ جھکتی رہوں گی...... کیونکہ

اب میں نے جان لیا تھا کہ...... ملکہ کسی اور کے سامنے جھکیں نہ جھکیں لیکن اپنے اللہ...... اپنے دل کے حقیقی بادشاہ کے سامنے ضرور جھکا کرتی ہیں۔"

......☆☆......

ذومیر شاہ کو گئے چار سال بیت گئے تھے۔ اب کی بار تو دسمبر اُس پہ عذاب بن کے اُترا تھا۔ دُھند اور اندھیرے میں ڈوبے لان میں بیٹھ کے ماضی سے حال تک کا سفر طے کرنے کے بعد اُس نے اپنی سوچوں میں ہی ذومیر شاہ کو پُکارا تھا۔

"ذومیر شاہ اب تو میری خواہش ہے کہ میں سچ میں مر جاؤں...... میری شکل دیکھنا بھی چاہو تو میں کہیں نظر نہ آؤں...... ان ہواؤں میں میرا نام پکارو تو کوئی جواب نہ پاؤ...... پھر تم وحشت سے چلاؤ لیکن تب تک بہت دیر ہو جائے...... تب تک محبت کی تتلی مر جائے...... ہاں ذومیر شاہ میری دُعا ہے کہ تمہاری محبت کی تتلی مر جائے......"

پھر وہ بے جان قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی۔ آدھی رات کے وقت شاہ ویز اور علینا وداد کے کمرے سے آتی چیخوں کی آواز سُن کے اُس کے کمرے کی طرف بھاگے تھے۔ وداد آفندی دل پہ ہاتھ رکھے تکلیف سے چیخ رہی تھی۔ شاہ زر، یُسریٰ موحد اور عانش بھی آ گئے...... وہ اُسے فوراً ہسپتال لے کے بھاگے...... سب سے آخر میں اُس کے کمرے سے نکلتے موحد کی نظریں ٹیبل پہ رکھی کھُلی ہوئی ڈائری پہ پڑی...... جدھر بہت ہی بے دردی سے دو لائنیں لکھی ہوئی تھیں...... وہ لائنیں پڑھ کے موحد اپنے آنسو نہیں روک سکا...... اپنے بہتے آنسوؤں کے ساتھ اُن کے پیچھے لپکا۔ وداد آفندی کو ایمرجنسی وارڈ میں لے جایا گیا۔ سب اپنی غیر ہوتی حالت کے ساتھ اُس رب العالمین سے اُس کی زندگی کی دُعا مانگنے لگے۔ موحد نے ذومیر شاہ کے نمبر پہ ایک میسج سینڈ کیا...... اسلام آباد کے ایک فلیٹ میں وہ جو نجانے کس خدشے کے تحت بار بار کروٹیں بدل رہا تھا میسج کی ٹون پہ فوراً اُٹھ بیٹھا۔ میسج پڑھ کے لگا گویا جیسے اُس کی دھڑکنیں رُک گئی ہوں...... لکھا تھا۔

"محسوس ہوتا ہے یہ موسم مار دیوے گا
اب کی بار تو لگتا ہے دسمبر جان لیوے گا

کچھ دیر پہلے اپنی ڈائری کے کورے صفحے پر یہ لفظ لکھنے والی ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں رات کے اس پہر زندگی

وموت سے لڑ رہی ہے۔ مبارک ہو مسٹر ذومیر آپ کی دُعائیں مستجاب ہو رہی ہیں۔'' ذومیر شاہ نے اُسی وقت موحد کو کال کی اور پھر پہلی فلائٹ سے وہ لاہور پہنچا۔ لیکن تب تک دیر ہو چکی تھی ہاں ذومیر شاہ کو آنے میں دیر ہوگئی تھی۔ ڈاکٹر اُن سے کہہ رہا تھا کہ آپ دُعا کریں۔

''ذومیر کیوں آئے ہو اب؟ تمہیں اپنا بیٹا کہتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ اُس معصوم کو کس بات کی سزا دی ہے تم نے؟ اُسے اگر کچھ ہوا تو میں ساری زندگی تمہیں معاف نہیں کروں گا ذومیر۔'' شاہ زر نے اُسے دیکھ کے اپنی سُرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ کہا۔

یُسریٰ نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا جس کی حالت ایسے ہو رہی تھی جیسے کسی نے اُس کا سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ وہ اُس سے لپٹ کے رونے لگیں۔

''ماما کیا ہوا ہے وداد کو؟''

''رات کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ بلڈ پریشر زیادہ ہائی ہونے کی وجہ سے کومہ میں چلی گئی ہے۔ ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ دُعا کریں چوبیس گھنٹوں میں ہوش آجائے ورنہ......'' اتنا کہہ کے وہ پھر سسکنے لگیں۔ ذومیر شاہ علینا کے قدموں میں جا کے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اُن کی گود میں سر رکھے ہاتھوں پہ اُس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو گرنے لگے۔ علینا نے اپنی سوجھی ہوئی آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال پوچھا۔

''میری بیٹی کا کیا قصور تھا ذومیر؟''

''مجھے معاف کردیں چھوٹی ماں...... جب مجھے پتہ چلا کہ وداد کے لیے اُس کے خالہ زاد کا پرپوزل آیا ہے اور وداد نے اُس کے لیے رضامندی دے دی ہے تو یہ بات میں برداشت نہیں کرسکا...... وہ تو میری تتلی تھی جسے میرے باغ میں رہنا تھا وہ کسی اور کے باغ میں جانے کی بات کر رہی تھی۔ اس لیے میں غصے سے جو منہ میں آیا اُسے کہہ کے آفندی مینشن چھوڑ کے چلا گیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے روک لے گی۔ مجھے جاتا دیکھ کے ہمیشہ کی طرح پُکارے گی اور میں رُک جاؤں گا۔ لیکن اُس نے نہیں

غزل

وہ ہم نہیں جو کریں سیر بوستاں تنہا
بہشت ہو تو نہ منہ کیجیے باغباں تنہا
پھروں ہوں دشت میں جو گرد کارواں تنہا
کدھر کو چھوڑ گئے مجھ کو ہم رہاں تنہا
اکیلے آنے کی ایسی کوئی نہیں تقریب
کہو کہ جاؤں ہوں میں بہر امتحاں تنہا
خبر لے جاں سے مجنوں کے صاحب محمل
کرے ہے آج جرس نالہ و فغاں تنہا
سنا نہ ہووے جو سودا تو خلق صائب کا
تو پوچھ خلق سے میں کیا کروں بیاں تنہا

شاعر: مرزا رفیع سودا

انتخاب: جویریہ رضوی...... کوٹ ادو

پکارا۔ میں روزانہ اُس کی فون کال اور میسج کا انتظار کرتا رہا چھوٹی ماں......'' اتنا کہہ کے وہ اُن کے ہاتھوں پہ اپنا چہرہ رکھ کے پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا۔ جبکہ باقی سب حیرت سے اُسے تکنے لگے۔

''میرے بھانجے کا پرپوزل ضرور آیا تھا ذومیر لیکن انہیں اُسی وقت یہ کہہ کے انکار کردیا گیا تھا کہ وداد کی بات تم سے طے ہے اور وہ چلے گئے تھے......اور وداد تو اُس وقت یونیورسٹی گئی ہوئی تھی اُسے تو اُس بات کی خبر بھی نہیں تھی۔'' اب حیران ہونے کی باری ذومیر شاہ کی تھی۔

''ذومیر تمہیں کس نے کہا تھا کہ وداد نے اپنے خالہ زاد کے پرپوزل کے لیے رضامندی دے دی ہے؟'' شاہ ویز نے حیرت سے پوچھا۔

''ماما نے۔'' اور اب سب بے یقینی سے یُسریٰ کو تکنے لگے۔ شاہ زر نے سب سے نظریں چُراتی یُسریٰ کو دیکھا اور پھر انہیں دونوں کندھوں سے تھامتے ہوئے اُن سے پوچھا۔

''یُسریٰ ایسا کیوں کہا؟''

''مجھے معاف کردیں میں انتقام کی آگ میں اندھی

ہوگئی تھی۔" اُن کی بات سُن کے وہاں موجود سب افراد گویا ساکت ہوئے تھے۔ ذومیر نے اچانک سر اُٹھا کے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور پھر ہسپتال کے کاریڈور میں رکھے بینچ پہ بیٹھ کے روتے ہوئے انہوں نے اپنے کیے گئے گناہوں کا اعتراف کرلیا تھا۔

"ماما میں شاکڈ ہوں کہ کوئی ماں اپنے بیٹے کی سانسیں کیسے چھین سکتی ہے؟ اور وہ نازک سی تتلی اُس کے ساتھ ایسا کرتے آپ کے دل میں ذرا بھی رحم نہیں آیا؟ اور آپ ہمیشہ چھوٹی ماں کے لیے اپنے دل میں نفرت رکھتی آئیں اُس بات۔ کی وجہ سے جس کا اُن کے فرشتوں کو بھی علم نہیں۔" یُسریٰ کے پاس اُس کے کسی سوال کا جواب نہیں تھا۔ انہوں نے علینا کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

"مجھے معاف کردو علینا...... مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی...... بہت بڑی...... میری غلطیوں کی وجہ سے میری بچی موت کے دہانے پہ پہنچ گئی۔"

"یُسریٰ باجی دُعا کریں میری بچی کو ہوش آجائے...... اُسے جب ہوش آگیا سمجھنا میں نے آپ کو معاف کردیا۔" اور پھر وہاں یُسریٰ کی سسکیوں کی آواز گونجنے لگی اور موحد اور دانش دونوں اُس کے ساتھ لگ کے رونے لگے۔ روتے ہوئے عانش بولا۔

"ذومیر لالا اللہ سے دُعا کریں ناں کہ وداد کو ہوش آجائے...... اُسے اگر کچھ ہوگیا تو آفندی مینشن بکھر جائے گا۔ کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا۔ بھلا کوئی محبت کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے کیا۔"

"کچھ نہیں ہوگا اُسے...... ان شاء اللہ اُسے کچھ نہیں ہوگا۔" اُس نے وداد آفندی کو نہیں دیکھا تھا وہ کیسے دیکھ سکتا تھا اُسے آنکھیں موندے بے حس و حرکت لیٹا ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اُس نے اُسے اس حالت میں دیکھا تو اُس کی سانسیں بند ہوجائیں گی۔ وہ خاموشی سے ہسپتال سے نکل آیا اور مسجد میں آ کر اپنا سر اللہ کے حضور سجدے میں گرادیا۔

"اے اللہ تیرا یہ حقیر بندہ تجھ سے اپنی سانسیں مانگنے آیا ہے...... اے اللہ اپنے اس بندے کو اُس کی سانسیں واپس لوٹا دے یارب العالمین اے رحمٰن الرحیم رحم کر......" وہ سسک رہا تھا۔ اللہ سے اپنے جینے کی وجہ مانگ رہا تھا اور اللہ نے اپنے بندوں کی سُن لی تھی۔ جیسے کہ ہمیشہ وہ اپنے بندوں کی سُنتا آیا ہے۔ تقریباً بارہ گھنٹے کے بعد اُسے ہوش آگیا تھا وہ قومہ کی اسٹیج سے باہر نکل آئی تھی۔ موحد نے کال کرکے یہ خوش خبری ذومیر شاہ کو سُنائی تو وہ دوبارہ سجدے میں گر گیا۔ اپنے اللہ کا لاکھوں، کروڑوں بار شکر ادا کرنے کے لیے...... اُس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ ہسپتال جا کے وداد آفندی کا سامنا کرپاتا۔ اس لیے وہ آفندی مینشن آگیا۔ جہاں ہر طرف سوگواری اور خاموشی رقص کررہی تھی ایسے جیسے یہاں صدیوں سے قہقہے نہیں گونجے۔ وہ سیدھا وداد آفندی کے کمرے میں آیا۔ اُس کی نظر بیڈ کے اوپر دیوار پہ لگی اُس کی تصویر پہ پڑی۔ وہ کچھ سال پہلے کی تھی جب وہ پاپا کی طرف سے ملنے والی کار میں موحد، عانش اور وداد کو پارک لے گیا تھا۔ وداد آفندی نے گلاب کے پھول پہ بیٹھی تتلی کو دیکھنے لگی۔ ڈوبتے سورج کی کرنیں اُس کے چہرے پہ پڑ کے اُس کے حُسن کو پُرکشش بنا رہی تھیں۔ جھکنے کی وجہ سے اُس کے لمبے کالے بالوں کی آبشار اُس کی پُشت سے لڑھک کے سائیڈ پہ گرگئی تھی۔ وہ تتلی کو دیکھنے میں ہی محو تھی جب تتلی اچانک اُس کے ہاتھ پہ بیٹھ گئی اور اس لمحے کو ذومیر نے فوراً اپنے کیمرے میں قید کرلیا تھا۔ ذومیر شاہ کا دل وداد آفندی کی ایک جھلک دیکھنے کو مچلنے لگا۔ وہ اُس کے بیڈ پہ بیٹھ گیا۔ سائیڈ ٹیبل پہ پڑی اُس کی ڈائری اُٹھالی۔ پھر صفحے پہ صفحہ پلٹتا گیا اور پھر ڈائری بند کرتے اُس نے تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے آنکھیں موندلیں۔

......☆☆......

وداد آفندی کل ہسپتال سے ڈسچارج ہوکر گھر آچکی تھی۔ آج تیس تاریخ تھی۔ دسمبر کے آخری دن کا سورج غروب ہوچکا تھا۔ ذومیر شاہ ابھی تک وداد آفندی کے سامنے نہیں آیا تھا۔ لیکن عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد وہ مسجد سے سیدھا وداد آفندی کی طرف آیا...... وہ کچن میں شیلف پہ بیٹھی تھی جبکہ علینا دودھ چولہے پہ رکھ رہی تھیں۔

کل اور آج

- کل عورت پردے میں گھر سے نکلتی تھی آج پردہ درودیوار کی زینت بن گیا ہے۔
- کل رشوت کو گناہ سمجھا جاتا تھا آج رشوت کو فخر اور ضرورت سمجھا جاتا ہے۔
- کل نامحرم کو دیکھنا گناہ سمجھا جاتا تھا آج نامحرم کو دس دفعہ دیکھنے کے بعد بھی دل نہیں بھرتا۔
- کل والدین کو سائبان سمجھا جاتا تھا آج والدین کو بوجھ سمجھا جاتا ہے۔
- کل مسجد سے نکلنے پر دل گھبراتا تھا آج مسجد میں جانے سے دل گھبراتا ہے۔

رشک حنا...... سرگودھا

انوکھی سزا

میرا دل چاہتا ہے کہ تجھے وہ چیز کھلاؤں، جو تُو نے کبھی نہیں کھائی۔
جیسے مرچ کا رس، مولی کا کباب، ککڑی کا کیک، چائے کے ساتھ پیاز، انگور کی کڑاہی، گرم مصالحے کا شربت اور کیلے کے چھلکے۔
پھر تم کو پتا چلے کہ دوستوں کو بھولنے کی سزا کیا ہوتی ہے۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

وداد آفندی اُسے دیکھ چکی تھی اور دیکھتے ہی ناراضگی سے رُخ پھیر لیا تھا۔ اُس کی اس ادا پہ مسکراہٹ ذومیر شاہ کے لبوں پہ بکھری تھی۔

"السلام علیکم!" علینا نے مڑ کے اُسے دیکھا۔

"وعلیکم السلام...... کیسے ہو بیٹا۔"

"میں ٹھیک ہوں چھوٹی ماں...... آپ کیا کر رہی ہیں؟"

"وداد کے لیے کافی تیار کر رہی ہوں...... آپ پیو گے؟"

"جی...... لیکن آپ رہنے دیں میں خود بنا لیتا ہوں۔"

"اوکے بیٹا...... میں تب تک نماز پڑھ لوں۔" علینا مُسکراتے ہوئے باہر چلی گئیں۔ ذومیر شاہ نے وداد آفندی کی طرف دیکھا۔ وہ گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو تکے جا رہی تھی۔ ذومیر شاہ کافی کا آمیزہ تیار کرنے لگا۔ تبھی ذومیر شاہ نے اپنے چہرے پہ کسی کی نگاہوں کی تپش محسوس کی۔ جب چند منٹ گزرنے کے بعد بھی وداد آفندی نے اُس کے چہرے سے اپنی نگاہیں نہ ہٹائیں تو ذومیر شاہ بولا۔

"وداد آفندی کیا نظر لگانے کا ارادہ ہے؟" چوری پکڑے جانے پہ وہ خجل سی ہوئی اور پھر ذومیر شاہ کے مسکرا کے دیکھنے پہ مُسکراہٹ اُس کے بھی لبوں پہ پھیل گئی۔

موحد اور عانش جو اکٹھے کچن میں داخل ہوئے تھے وداد آفندی کو مُسکراتا دیکھ کے نہال ہو گئے۔

"ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ...... اللہ نظرِ بد سے بچائے...... سالوں بعد ہم نے اپنی بہن کے چہرے پہ مُسکراہٹ دیکھی ہے۔"

"کیا یار تم دونوں کباب میں ہڈی بننے آ گئے......" تبھی ذومیر شاہ افسوس کرتے ہوئے بولا۔

"یہ بات ہے تو ہم چلے جاتے ہیں...... چل عانش۔" موحد ذومیر شاہ کو آنکھ مارتے ہوئے بیچ میں عانش کو لے کے وہاں سے چلا گیا۔

"کیوں بھیجا ہے اُن کو ذومیر شاہ؟" وداد آفندی اُس سے مُخاطب ہوئی۔

"کچھ دیر میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں وداد آفندی۔" یہ کہتے ہوئے ذومیر نے اپنا ہاتھ اُس کے آگے کیا...... جسے تھام کر وہ چھلانگ لگا کے شیلف سے نیچے اُتر

آئی۔ پھر کافی کا ایک کپ اُسے تھمایا اور ایک خود تھام کے آفندی مینشن کے لان میں چلے آئے۔ سنگی بینچ پہ ایک ساتھ بیٹھ کے کافی پیتے ہوئے وہ دونوں چاند کو تکنے لگے۔

''وداد آفندی میں شرمندہ ہوں...... میری ذات تمہاری تکلیف کا باعث بنی...... میں ہی پاگل تھا جو یہ سمجھ بیٹھا کہ میری تتلی میرا باغ چھوڑ کے چلی جائے گی۔ بھلا تتلیاں بھی اپنا مسکن چھوڑ کے جایا کرتی ہیں؟''

''جو گزر گیا سو گزر گیا ذومیر شاہ...... اُسے یاد کرنے کا کیا فائدہ؟''

''ہاں...... وداد آفندی تم نے ٹھیک لکھا...... صرف تمہارے دل کا ہی نہیں سب کے دل کا بادشاہ اللہ ہے اور یہ بات میں تمہاری ڈائری پڑھنے کے بعد جان پایا...... کہ میرے دل کا بادشاہ بھی اللہ ہی ہے۔ جس کے سامنے مجھے جھکنا چاہئے اور بار بار جھکنا چاہئے۔'' کافی کا سپ لیتے وہ چونکی مطلب وہ اُس کی ڈائری پڑھ چکا تھا۔

''اور میں حقیقتاً اُس بادشاہ کا شکر گزار ہوں وداد آفندی جس نے مجھے میری ملکہ لوٹا دی۔''

''اور میں بھی اُس بادشاہ کی شکر گزار ہوں ذومیر شاہ جس نے ملکہ کی محبت اُسے لوٹا دی۔'' وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے مُسکرا دیے...... ملکہ نے اپنے چاروں طرف دیکھا ایسے جیسے ہر چیز محبت محبت پُکار رہی تھی۔ اللہ نے اُس کی دُعا قبول کرلی تھی اس دفعہ دسمبر اُسے مُسکراتے ہوئے الوداع کہتے نئے سال کے سورج کے ساتھ طلوع ہونے والی خوشیوں کی نوید دیتے رُخصت ہو رہا تھا۔ خوش گوار لمحوں کی اُمیدیں دلا کے جا رہا تھا اور پھر وہ چاروں طرف روشنی بکھیرتے چاند کو دیکھتے ہوئے ذومیر شاہ سے مخاطب ہوئی۔

''ذومیر شاہ یہ سردیوں کی راتیں خصوصاً دسمبر کی راتیں جب سردی اپنے جنون پہ ہوتی ہے...... اُن کے لیے قیامت خیز ہوتی ہیں جن سے اُن کا کوئی اپنا جس کے ہونے سے زندگی کا احساس ہو وہ جُدا ہو گیا ہو...... تب ان لمبی راتوں میں یادوں کے ناگ ساری رات آپ کو ڈستے رہتے ہیں...... تب دسمبر کی راتوں کا فسوں خیز حُسن نجانے کہاں چھپ جاتا ہے...... لیکن آپ کے آنے سے دسمبر کا وہی فسوں خیز حُسن لوٹ آیا ہے ذومیر شاہ...... وہی چاند کی دھیمی سی مُسکراہٹ...... محبت کی سرگوشیاں سُناتی دُھند میں لپٹی الوداع کہتی ہوئی دسمبر کی آخری رات اور آپ کا ساتھ۔''

''ہاں میں بھی بہت خوش ہوں اور صبح نئے سال کا سورج دیکھنے کے لیے بیتاب بھی کیونکہ میں جانتا ہوں وداد آفندی اس نئے سال میں ہم ایک رشتے میں بندھ جائیں گے ہمیشہ کے لیے۔'' ذومیر شاہ نے اُس کا ہاتھ تھامتے ہوئے جھکتے ہوئے اُس کے کان میں سرگوشی کی۔

لانبی پلکوں کی گرتی اُٹھتی جھالر کے ساتھ ملکہ نے ''ان شاء اللہ'' کہا۔ ذومیر شاہ بھی ''ان شاء اللہ'' کہتے ہوئے کافی کا گھونٹ بھرنے لگا اور پھر کچھ یاد آنے پہ اُس کی آنکھوں میں شرارت چمکی۔

''وداد آفندی کیا تمہیں محسوس نہیں ہوتا کہ میں اپنی کوئی عادت بھول گیا ہوں؟''

''کون سی عادت ذومیر شاہ؟''

''وہی عادت جس سے وداد آفندی کے لفظ اٹکنے لگتے ہیں مم...... مجھے...... وہ مم...... میں۔'' اُس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال کے اُس کا مکا اُس کے سینے پہ مارا۔

''خبردار ذومیر شاہ اگر اپنی یہ عادت دوبارہ اپنائی تو۔'' ذومیر شاہ کا فلک شگاف قہقہہ لان میں گونجا تھا۔ تبھی موحد اور عانش کے ساتھ آفندی مینشن کے سبھی افراد اُن کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ وہ دونوں ہی بینچ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''دسمبر کی آخری رات...... اپنے ہمسفر کا ساتھ اور محبوب کے ہاتھ کی بنی کافی کا ایک کپ نجانے کب نصیب ہوں گے ہمیں بھی یہ لمحے۔'' موحد نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

سب کے لبوں پہ مُسکراہٹ بکھر گئی۔

یُسریٰ آگے بڑھ کے وداد آفندی کا ماتھا چومتے

ہوئے بولیں۔

"تم دونوں موحد اور عائش کے ساتھ جاؤ۔ ذرا تفریح بھی ہوجائے گی اور اپنی اپنی پسند کی انگوٹھی بھی لے آنا۔" وداد آفندی نے سوالیہ نگاہوں سے اُن کی طرف دیکھا۔ لیکن اُن کے جواب دینے سے پہلے ہی عائش بول پڑا۔

"ہاں جی منگنی کی انگوٹھی سوہنیو۔" علینا نے اُس کے کندھے پہ ایک لگاتے ہوئے کہا۔

"شرم کرو عائش ہونے والی بھابی ہے تمہاری۔"

"چھوٹی ماں ہونے والی بھابی ہے ابھی ہوئی تو نہیں ناں...... اور ہاں ہم ایک بات بتادیں مانا کہ ہم دلہا کے بھائی ہیں لیکن ہم شادی میں دُلہن کے بھائیوں کی حیثیت سے شرکت کریں گے۔"

"بڑے بے وفا نکلے تم دونوں تو" ذومیر کافی کا خالی کپ علینا کو پکڑاتے ہوئے گیراج سے اپنی کار نکالنے گیا اور ملکہ اپنی اُٹھی ہوئی گردن اور گرتی اُٹھتی پلکیں لیے اپنے ہمسفر کے ساتھ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گئی۔ جبکہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے موحد اور عائش...... گیٹ سے نکلتی کار کو دیکھتے ہوئے شاہ زر، یُسریٰ، شاہ ویز اور علینا کے دلوں نے اپنے بچوں کی یہ خوشیاں ہمیشہ برقرار رہنے کی دُعا کرنے کے ساتھ آفندی مینشن کے قہقہے لوٹ آنے پہ اللہ کا شکر ادا کیا۔

کار ڈرائیو کرتے ذومیر شاہ کی بار بار اُس کی طرف اُٹھتی شوخ نگاہیں۔ جواباً حیا سے لرزتی اُس کی پلکیں، موحد اور عائش کے ذومعنی جملے...... اور اُن کے ساتھ ساتھ مُسکراتا گنگناتا چہکتا ہوا چاند۔ ملکہ نے کار کا شیشہ نیچے کردیا۔ محبت کی تتلیاں کھلے شیشے سے اندر آ کر اپنی ملکہ کے گرد لپٹ گئیں اور ملکہ کا دل اپنے بادشاہ کی محبت آگے سجدہ ریز ہوگیا۔ یہ سب دیکھ کر ملکہ کے شہر کی ہوائیں گنگنانے لگیں سارا جہاں مہک گیا۔

تتلی جیسی نازک
وہ ایک ملکہ محبت
جہاں بھی جائے
اُس کے سنگ
محبت کی ساری تتلیاں اکٹھے ہوکر
یوں رقص کرنے لگتی ہیں
کہ سارا شہر محبت، محبت کہنے لگتا ہے
یہ محبت کی خوشبو ہے
جس سے ہر رنگ مہکنے لگتا ہے
ہر دن چہکنے لگتا ہے
وہ ایک ملکہ محبت
جب مسکرا کر دیکھتی ہے
تو یہ ہوائیں کیا
یہ فضائیں کیا
سُننے والو
دیکھنے والو
آسمان پہ اُبھرتے چاند کو دیکھو
وہ بھی مُسکرا اُٹھتا ہے
اُس کی کھڑکی پر
نئے سال کی صبح کی کرنیں
جب جب دستک دیتی ہیں
وہ فوراً کھڑکی کے پٹ وا کرتے ہوئے
اُنہیں خوش آمدید کہتی ہے
سارا کمرہ مہک اُٹھتا ہے
اُس کے چہرے پر
پھیلی مُسکراہٹ دیکھ کر
سارا شہر چہک اُٹھتا ہے
محبت محبت کہہ اُٹھتا ہے
اُس کا جہاں مہک اُٹھتا ہے
ہاں...... وہ ایک ملکہِ محبت......

ملن نصیب ہے

حیاء بخاری

"دادی ماں میری شادی کرادے
ظالما میری شادی کرادے"
پکی لال اینٹوں سے بنے صحن کو رگڑ رگڑ کے دھوتی وہ ساتھ ہی پکے راگ الاپ رہی تھی۔ چاول چنتی دادی کچھ دیر تو اس کے سروں پر سر دھنتی رہیں، جب سر چکرانے لگا تو تیز نظروں سے گھورا۔

"سوہنی اے میری شادی کرادے۔" اس نے تان بلند کی۔

"کوکا کولا پلانے کا کہا ہوتا تو ابھی پلا دیتی۔ شادی تیرے نصیب کا کھیل ہے ادھر رب سوہنے کا حکم ہوگا ادھر تیری بارات دروازہ بجادے گی۔" دادی نے بھی بالآخر جواب دے ہی دیا۔

"نہ دادی......" وہ اب وائپر لگانے لگی تھی۔

"محلے بھر کی شازی، روبی، نجمی، پروین، شکیلی، سروری، ضوری، اصغری، اکبری، رحمتی، میشی، ریشمی...... سب کی شادی ہوگئی یہ اونچے اونچے گھروں میں بڑے بڑے افسروں سے پھر میری جیسی چن ورگی کڑی کے لیے رشتہ کیوں نہیں مل رہا تجھے۔" وہ پلٹ کر ناراض نظروں سے انہیں گھورتے ہوئے گلہ کرنے لگی۔

"رشتہ تو کب کا رکھا ہوا ہے، تجھے خود ہی انکار ہے۔" دادی نے لہجے میں ہلکی ناراضگی سموئی۔

"ہاں...... وہ اُبلے چنے بیچنے والا شانی میرے لیے وہی رہ گیا ہے۔" اس نے منہ بناتے ہوئے دہرایا۔

"کھاتے وقت تو مار نہیں پڑتی، سو کا ادھار لے کر بے چارے کے منہ پر بیس مار کے بھول جاتی ہے۔ وہ تو اس کی شرافت ہے کہ پلٹ کے نہیں کہتا، چپ کر کے چلا جاتا ہے۔" دادی مکمل طور پر شانی کی سائیڈ پر تھیں، نور کو افسوس ہوا۔

"شرافت نہ کہو دادی...... طمع ہے طمع...... اس کے دل کا، اندر کا لالچ ہے۔ دو تین پاؤ چنوں کے بدلے میری جیسے ہیرے کو وصولنا چاہتا ہے۔" اس نے تیز لہجے میں کہا۔

"ہیرا......!" پہلے تو دادی جی بھر کے حیران ہوئی، پھر جو ہنسیں تو ہنس ہنس کے دہری ہوگئیں۔

"دیکھ لینا دادی...... ایک دن میرے لیے بھی کسی ڈاکٹر یا انجینئر، ایم اے پاس کا رشتہ آئے گا تب سارے پیسے ایک ساتھ وصولنے نہ آجائے تو میرا نام بدل دینا۔" اس نے اپنی ٹھوڑی کو چھوا۔

"چل چل شبانہ...... تجھ سے زیادہ جانتی ہوں میں اپنے شانی کو۔" دادی نے فوراً ہی اس کا نام بدل دیا تھا، جیسے واقعی بات ثابت ہوگئی تھی اس کا تو منہ کھلا رہ گیا۔

"بچپن سے میرے سامنے کھیلا کودا اور بڑا ہوا ہے۔ ایک ایک عادت سے واقف ہوں میں اس کی، ہیرا ہے ہیرا۔ میں تو تجھ سے کہوں گی سوچ لے دیر ہوگئی تو پچھتائے گی اور پھر اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے نوکری ملنے کی دیر ہے وہ کیا تو خود اس کے پیچھے بھاگے گی۔" دادی اسے سمجھاتی کچن میں چلی گئیں، وہ بڑبڑاتے ہوئے دوبارہ کام میں مصروف ہوگئی۔

❀......❀......❀

ذیشان احمد نے بھنے چنوں کی جگہ اب ابلے ہوئے چنو اور چائے کی چھوٹی سی دکان کھول لی تھی۔ اسے پتا چلا تو فوراً اس کی دکان پر پہنچ گئی، سفید شلوار قمیص پر نیوی بلیو

واسکٹ اس پر خوب جچ رہی تھی۔

"مجھے بھی بتا دیتے' ایک فوٹو ہی لے کر فیس بک پر ڈال دیتی۔ کیا پتا تم بھی مشہور ہو جاتے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"کچھ چاہیے تھا۔" وہ اس کی باتوں کا عادی تھا تبھی مکمل طور پر نظرانداز کرتے ہوئے سادہ لہجے میں کہا۔

"ظاہر ہے' جس چیز کا لکھا ہے وہی چاہیے ہوگا۔" وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔ ذیشان شاپر میں اس کے لیے چنے نکالنے لگا۔

"سارا دن فارغ بیٹھی رہتی ہو دسویں کا امتحان دے دو۔" وہ اس کی طرف دیکھے بنا بولا تھا۔

"فارغ کہاں ہوتی ہوں' گھر کے کاموں سے جان ہی کب چھوٹتی ہے بس رات کا وقت بچتا ہے تو ڈائجسٹ پڑھ لیتی ہوں۔"

"ٹی وی نہیں دیکھتی؟"

"دیکھتی ہوں۔"

"کون سا پروگرام؟"

"صبح مارننگ شوز' دن میں کچھ اور ڈرامے۔ رات کو دوسرے چینلز کے ڈرامے' باری باری نمٹاتی ہوں۔" اس کے جواب پر ذیشان مسکرایا۔

"تو فارغ ہی ہوئیں ناں' یہ وقت پڑھائی کو دیا کرو۔"

"طنز کر رہے ہو؟" نور نے اسے گھورا۔

"ہرگز نہیں' نصیحت کر رہا ہوں کیونکہ آج کے دور میں مڈل پاس لڑکی کے لیے اچھے پڑھے لکھے لڑکوں کے رشتے آنا مشکل ہی ہے۔" وہ ابلتی چائے کو دیکھنے لگا۔

"مطلب تُو مان رہا ہے کہ تیرے والا رشتہ اچھا نہیں......" وہ اب کی بار مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"تو پھر تم نے کیوں ایک مڈل پاس لڑکی کے لیے رشتہ دے ڈالا؟" وہ مزے لے کے بولی۔

"کیونکہ......" وہ ذرا سا آگے جھکا۔ "میرے لیے صرف تم اہم ہو' کسی بھی حال میں صرف تم۔" اب کی بار وہ کھل کے مسکرایا تھا' نور تو کچھ بول ہی نہ سکی تھی' تیزی سے پلٹ گئی۔

"چنے تو لیتی جاؤ۔" وہ آوازیں دیتا رہ گیا۔

❁......❁......❁

اس نے آج بہت دل لگا کر مٹر قیمہ پکایا تھا' تنور والے سے گرم گرم روٹیاں لے کر وہ دادی اور نور کے ساتھ کھانا کھانے ان کے گھر آ گیا۔ دادی ماں برآمدے میں نماز پڑھنے میں مصروف تھیں' نور کی آواز پر وہ اندر آیا اور سیدھا کچن میں اس کے پاس چلا آیا۔

"واہ کیا خوشبو ہے۔" ٹفن کھولتے ہی اس کا جی للچانے لگا تھا اس کے انداز پر شانی مسکرا دیا۔

"تمہاری بیوی عیش کرے گی' لکھوا لو مجھ سے؟" وہ جلدی جلدی کھانا برتنوں میں نکالتے ہوئے بولی۔

"جسے میں چاہتا ہوں اگر وہ ہوئی تو ضرور...... ورنہ مشکل ہے۔" وہ کان کھجاتے ہوئے بولا۔

"خیر شکریہ تمہارا' کھانا پکانے سے بچا لیا مجھے۔" وہ شرارت سے بولی۔

"عزت ذرا نہیں کرتیں اس کی اور چیز فوراً جھپٹ

لیتی ہو۔'' دادی نے سلام پھیرتے ہی باہر سے ان دونوں کو آواز دی تھی' ذیشان مسکراتا ہوا باہر آیا تھا۔

''اسے کچھ نہ کہا کریں دادی۔'' وہ نور کی طرف داری کررہا تھا۔

''دیکھا آپ سے زیادہ اسے قدر ہے میری۔'' نور کھانا لگاتے ہوئے مغرور لہجے میں بولی۔

''اسے تو ہے تیری قدر' تجھے تو نہیں ہے نہ۔'' دادی بھلا کب ہارتی تھیں' اسے ہی چپ ہونا پڑا۔

⁂

''کون ہے؟'' دروازے پر ہونے والی دستک سن کر اس نے دور سے ہی آواز دی تھی۔

''ذیشان ہوں' سودا لے لو۔'' وہ دروازے کے قریب چلی آئی۔

''دادی نہیں ہے؟'' دروازہ کھلتے ہی اس نے پوچھا۔

''نہیں پڑوس میں گئی ہیں۔'' نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے بتایا۔

''کنڈی لگا لیا کرو' جب دادی گھر پر نہ ہو۔'' سودا سلف اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ بولا تھا۔

''اندر نہیں آؤ گے؟'' وہ حیران ہوئی۔

''دادی نہیں ہیں' اچھا نہیں لگتا پھر کبھی آؤں گا۔'' وہ مڑنے لگا۔

''اچھا سنو۔'' وہ دروازے کے ایک پٹ سے لگی جھولتے ہوئے بولی' وہ اسے دیکھنے لگا۔

''سنا ہے کافی اچھی جگہ درخواست دے رکھی ہے تم نے نوکری کے لیے۔''

''ہاں۔'' مختصر جواب آیا۔

''تو کوئی لیٹر ویٹر آیا؟'' اس نے مزید کریدا۔

''نہیں' فی الحال تو کوئی نہیں۔'' اس کی آنکھوں میں کوئی جذبہ لو دینے لگا تھا۔ ''تو اپنا نصیب میرے ساتھ جوڑ دے ہر طرف سے ہاں ہو جائے گی۔'' ذیشان بھاری لہجے میں بولا تھا' کچھ لمحے تو وہ بالکل بول ہی نہ سکی تھی۔

''پاگل......'' ذرا دیر بعد وہ ناک بھوں چڑھاتے ہوئے بولی تھی۔

''تو رشتہ واپس لے لے بخت کھل جائیں گے۔ نصیب جاگ جائیں گے۔'' اس نے بھی فوراً سابقہ جوت میں آتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''نصیب میرے ملن ہے ورنہ سب راکھ ہے نور حرم......'' اداس لہجے میں کہتا وہ واپس پلٹ گیا تھا۔ نور حرم نے بوجھل دل سے کنڈی چڑھا دی تھی۔

⁂

بہت اچھا رشتہ لائی تھیں خالہ صدیقہ نور حرم کے لیے۔ لڑکا انجینیئر تھا' دبئی میں کام کرتا تھا' لڑکے والے بدھ کے روز دیکھنے آرہے تھے اس کو۔ دادی نے نور حرم کو بتا دیا تھا' ساتھ کچھ لسٹ بنا کر ذیشان کو دیتے ہوئے بات اس کے کان میں بھی ڈال دی تھی۔

''نور کے لیے تو بالکل ویسا رشتہ مل گیا ہے' جیسا وہ چاہتی تھی۔ اب تُو بھی میری بات مان لے' اکیلا لڑکا ہے کب تک گھر دکان خود دیکھے گا۔ کئی اچھی لڑکیاں ہیں میری نظر میں کہہ تو بات کروں۔'' اور وہ کچھ بولے بنا ہی لسٹ تھامے نکل گیا تھا۔ سامان کے ڈھیر لگا دیے تھے۔ نور کے لیے کپڑے وغیرہ بھی لے آیا تھا۔

''ہماری نور بھی ان سے کم تو نہیں لگنی چاہیے نہ دادی۔'' دادی کی حیرت پر وہ اداس سا مسکرا دیا تھا' دروازے کی چوکھٹ تھامے نور حرم نہ جانے کیوں خوش نہیں ہو پارہی تھی۔

⁂

''نور حرم...... لے جلدی سے پہن کر تیار ہو جا' کھانے کا وقت ہوتے ہی انہوں نے آجانا ہے۔'' وہ کتاب میں گم تھی' جب دادی نے اسے کپڑے تھمائے۔

''یہ سب ضروری ہے دادی......'' وہ بے زاری سے بولی۔

''بہت ضروری ہے کملی۔'' دادی مسکرائیں۔

''غیر لوگ ہیں' اپنے تھوڑی نا ہیں۔'' نور کے دل پر ضرب لگی۔

"سو باتیں دیکھیں گے' بولیں گے۔ اتنے بڑے خاندان کے لوگ ہیں...... گھر تو چلو ہے ہی اب یہی' تمہارے حلیے پر تو کوئی ٹوک نہ کرسکیں' اتنی مشکل سے سبب بنا ہے تمہاری پسند کے مطابق' میں نہیں چاہتی کوئی گڑبڑ ہو۔" دادی فکر مند تھیں۔

"دادی......" اس نے کچھ سوچتے ہوئے پکارا۔

"ہاں۔"

"ذیشان کی شادی کس سے ہوگی؟" دادی جی بھر کے حیران ہوئیں۔

"لے مجھے کیا پتا' ملن تو نصیبوں کی بات ہے' جس سے نصیب جڑا ہے اسی سے ملن ہوگا۔" دادی باہر چلی گئیں' وہ سوچتی رہی۔

❀ ❀ ❀

"خوامخواہ میں اتنے پیسے ضائع کروادیئے میرے اور ذیشان کے۔" دسمبر کی طویل رات' سوئے ستارے' بجھا چھپا چاند' تبھی تاریکی کچھ اور زیادہ تھی۔ سردی بھی ٹھٹھرا دینے والی تھی' ایسی راتوں میں دادی کو نیند کم ہی آتی تھی سو تسبیح کرتی رہتیں یا پھر سوئی جاگی نورحرم سے باتیں۔

اور نورحرم جانتی تھی کہ وہ صرف اس سے باتیں کرنے والی تھیں۔ تاسف بھری باتیں' حیرت بھری باتیں پھر خوشی بھری باتیں اور آخر میں امید' حسرتوں بھری باتیں...... لیکن آج وہ بھی ان کی بات سننے کے لیے دل و جان سے تیار تھی۔

"اتنا سامان لیا' کھانے پینے کی چیزیں' سب ضائع۔" لہجے میں تاسف بول رہا تھا۔ وہ اپنی چارپائی سے پھسل کر ان کے لحاف میں جا گھسی' انہوں نے ذرا سا کھسک کر اس کے لیے مزید جگہ بنائی۔

"لیکن یہ سب کیسے ہوگیا' مجھے تو سمجھ نہیں آرہا سب کچھ صاف ہوگیا تھا پھر ایک دم سے منظر بدل گیا۔" لہجے میں حیرتیں بولنے لگیں' اب وہ حیران تھیں نورحرم مسکرائی۔

"سچ کہوں نورحرم...... سچ کہتے ہیں صرف اللہ سوہنے کی ذات جانتی ہے اگلے لمحے کیا ہونے والا ہے۔ میں تو مایوس ہوگئی تھی' کل تو یہ کے نفل پڑھوں گی۔" حیرت کی جگہ لہجے میں خوش نمائی تھی۔

"بس اب تُو ذیشان اور میں' تیرے ایک فیصلے نے ہم تینوں کی زندگی بدل دی۔ دیکھنا اب صرف خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی۔" وہ امید بھرے لہجے میں بولنے لگیں اور نورحرم دل ہی دل میں خود سے مخاطب سارے سود وزیاں جوڑے جارہی تھی۔

"سب کچھ میرے اختیار میں دے دیا تھا قدرت نے اور میں کیا کرنے لگی تھی اپنے ہی ہاتھوں' قدرت کی فیاضیوں سے منہ موڑنے لگی تھی۔ محبت' عزت' اپنائیت' چاہت اور سب سے بڑھ کر دادی اور شانی کا ساتھ...... ملن نصیب ہے اور میں خوامخواہ سراب کے پیچھے دوڑتی ہجر کو نصیب کرنے لگی تھی۔" اس کے موبائل نے وائبریٹ کیا' وہ چونکی' دادی سوچکی تھیں' شانی کال کررہا تھا۔

"ہیلو......" اس نے کال پک کی۔

"شہزادی نے چنے والے کا رشتہ کیسے قبول کرلیا؟ ابھی تک دل کپکپا رہا ہے۔" شانی کے بھاری لہجے پر وہ مسکرادی آخر اسے بھی تو اظہار چاہیے تھا۔

"چنے والے سے مکرنے کو دل ہی تیار نہیں تھا۔" اس نے بلاجھجک کہا تھا' دوسری طرف اس کی مسکراہٹ واضح تھی۔

"پھر دماغ نے بھی سمجھایا' نصیب جوڑو تو صحیح' کیا پتا کرم ہو ہی جائے۔"

"کل ایک دو جگہ انٹرویو ہے دعا کرنا۔" کافی دیر بعد وہ مسکراتا ہوا بولا تھا۔

"لیکن سچ کہوں تو ملن نصیب ہے تو کرم ہی کرم ہے رب کا۔" بھاری لہجہ اس کی سماعتوں میں رس گھول گیا تھا' نیا سال' نئی امیدیں لیے ان کا منتظر تھا۔

☐

قسط نمبر 15

صدف آصف

گزشتہ قسط کا خلاصہ

"خان ہاؤس" بیچنے کی بات سن کر بہزاد خان شدید مشتعل ہو جاتے ہیں انہیں ریحانہ سے اس قدر بے حسی کی امید نہیں ہوتی جب ہی وہ غصے اور نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں مگر ریحانہ بیٹی کے اچھے مستقبل کی خاطر ہر بات نظر انداز کر دیتی ہیں۔ دوسری طرف سفینہ کے لیے ماں کا یہ رویہ ناقابل فہم ہوتا ہے فائز سے جدائی کا صدمہ ہی ناقابل برداشت ہوتا ہے اس پر گھر فروخت ہونے کی باتیں اسے مزید دکھ سے دوچار کر دیتی ہیں جب ہی وہ ماں کو سمجھانے کی کوشش کرتے ان سے روٹھ جاتی ہے اور خود کو کمرے میں بند کر لیتی ہے ریحانہ بیگم بیٹی کی اس ہٹ دھرمی پر بے حد خائف ہوتی ہیں اور اپنے تئیں اسے سمجھانے میں ناکام رہتی ہیں۔ سائرہ بیگم بہزاد خان کو اپنے گھر بلا کر تمام باتیں ان کے سامنے رکھتی ہیں اور فائز اور سفینہ کے رشتے کی پھر سے کوشش کرتی ہیں ایسے میں بہزاد خان بھاوج سے نگاہیں چراتے ریحانہ کی ضد اور خان ہاؤس بیچنے کی بات سے انہیں آگاہ کرتے ہیں، سائرہ بیگم یہ جان کر دنگ رہ جاتی ہیں بہزاد خان بھائی بھاوج کے سامنے انتہائی بے بسی محسوس کرتے ریحانہ بیگم کے دھمکی آمیز رویے کے متعلق آگاہ کرتے ہیں کہ اگر سفینہ اور فائز کی شادی ہوتی ہے تو وہ موت کو گلے لگا لے گی۔ سائرہ بیگم کی انا مجروح ہوتی ہے اور وہ بھی اس شادی کو انا کا مسئلہ بنا لیتی ہیں لیکن اپنے ارادوں سے فی الحال کسی کو آگاہ نہیں کرتیں۔ دلشاد بیگم ریحانہ کے انکار پر بیٹی کو جلی کٹی سناتی ہیں اور فائز کے لیے شرمیلا کا رشتہ پیش کرتی ہیں مگر سائرہ بیگم شرمیلا کی نبیل سے دوستی کا ذکر کرتے اس کے کردار پر انگلی اٹھاتی ہیں شرمیلا یہ سب سن کر دنگ رہ جاتی ہے۔ نبیل شرمیلا سے ملتا ہے اور اسے اپنی شادی کے متعلق آگاہ کرتا ہے کہ یہ شادی والدین کے کہنے پر صرف ایک سمجھوتا ہوگا وہ آج بھی شرمیلا سے محبت کا دعویدار ہوتا ہے مگر شرمیلا اس شراکت داری کے لیے تیار نہیں ہوتی اور خاموشی سے اٹھ آتی ہے۔ بتول کے توسط سے چند خواتین شرمیلا کے رشتے کے لیے آتی ہیں ان میں سے ایک لڑکی نہ صرف شرمیلا کو پہچان جاتی ہے بلکہ ایک ہی کالج میں زیر تعلیم ہونے کے باعث وہ نبیل اور شرمیلا کی دوستی سے بھی آگاہ ہوتی ہے جب ہی وہ بتول کے سامنے نبیل کا تذکرہ کرتی ہے، بتول بات کو چھپانے کی کوشش کرتی ہے مگر وہ لوگ شرمیلا کے کردار کو نشانہ بنا کر صاف انکار کر دیتے ہیں، بتول بیٹی کے ہاتھوں اس تذلیل پر شدید صدمے سے دوچار ہو جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

☆......☆......☆

شام کیسے دبے پاؤں آتی ہے اور ایسے ہی بڑی سرعت سے لوٹ جاتی ہے، تھوڑی دیر اپنا حسن بکھیرنے کے بعد پھیکی پڑنے لگتی، مگر کیا کہیے کہ اس کا حزن بھی بڑا دلکش ہوتا ہے، شرمیلا بھی ایک ایسی ہی شام گھر میں کبھی یہاں کبھی وہاں اداسی سے سر نیہوڑائے بیٹھی سوچوں میں غلطاں تھی۔ زندگی میں دور دور تک پھیلی تاریکی اور تنہائی نے شرمیلا کی زندگی میں کس قدر بے کیفی بھر دی تھی۔ اس بات کا اندازہ اس کے سوا کوئی اور لگا بھی نہیں سکتا تھا، شازیہ

والے واقعے کے بعد سے جیسے چین وقرار لٹ گیا تھا، جس طرح سے تذلیل کی گئی۔ ان زخموں کو بھول جانا ممکن نہ تھا کئی دنوں تک تو اسے کسی بات کا ہوش نہ رہا، دنیا و مافیہا سے بے خبر بستر پر پڑی رہی۔ بتول نے الگ منہ موڑا ہوا تھا۔ بات چیت کرنا بالکل بند کیا ہوا تھا۔ مگر کام کرتے کرتے وہ جب بھی شرمیلا کی سوجی سوجی گلابی آنکھوں کو دیکھتی کرب سے دل پھٹنے لگتا۔

بتول چپ چاپ بیٹی کی تیمارداری میں لگی رہتی رات کو بخار تیز ہو جاتا تو اٹھ اٹھ کراس کو چیک کرتی دوائی پلاتی۔ اپنے ہاتھوں سے ہلکی غذا پکا کر کھلاتی، وہ سوتے میں کپکپاتی تو اسے کمبل اوڑھاتی مگر کسی بات کا ذکر نہ کرتی، وہ منتیں کرتی رہ جاتی اور بتول کام ختم کر کے کمرے سے باہر نکل جاتیں۔ اکیلے میں بیٹھ کر خوب رو دھو کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتیں، مگر بیٹی کو ایک لفظ بھی نہ کہتیں۔

شرمیلا کو یہ ہی بات اندر ہی اندر کھائے جا رہی تھی، اس نے زندگی میں پہلی بار ماں کو اس قدر خفا دیکھا تو ننھی بچی کی طرح سے خوف زدہ ہوگئی۔ اس نے کوچنگ والی جاب بھی چھوڑ دی۔ اب کچھ کرنے کا دل نہیں کرتا۔ دن رات ایسے ماحول میں اس کے اعصاب کشیدہ رہنے لگے ایک ہی قسم کی باتیں سوچ سوچ کر دماغ میں درد اٹھنے لگا۔ وہ ماتھے پر انگلی پھیرتے ہوئے خود کو کوس رہی تھی کہ بتول ہاتھ میں سوپ کا پیالہ اٹھائے اندر داخل ہوئیں۔ ماں کی فکر مندی اور محبت بھری تیمارداری کو محسوس کرتے ہوئے۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر سسک کر رو پڑی۔ بتول نے گھبرا کر پیالہ میز پر رکھا اور بیٹی کو جھک کر دیکھنے لگیں۔

☆......☆......☆

کمرے میں نیم تاریکی اور گھمبیر خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ سفینہ نے نیم وا آنکھوں سے بند دریچے کو دیکھا، خلاف معمول نہ وہاں سے چڑیوں کی چہچہاہٹ سنائی دی اور نہ ہی روشنی کی کوئی کرن دکھائی' اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یکایک آنکھ کھلنے کی وجہ کیا ہوئی گھڑی میں ٹائم دیکھا تو ابھی رات کے دس بجے تھے، وہ سر شام ہی سوگئی تھی شاید اسی لیے آنکھ کھل گئی۔ کچھ دیر ایسے ہی چت لیٹی غور کرتی رہی، پھر بیزاری سے اٹھ کر بیٹھ گئی، اچانک فیض احمد فیض کا کلام نیرہ نور کی دلکش آواز میں ابھرا تو خیالات کا تانا بانا ٹوٹ گیا، اس کا دھیان نغمہ کی جانب چلا گیا۔

مرا درد نغمہ بے صدا
مری ذات ذرہ بے نشاں
میرے درد کو جو زباں ملے
مجھے اپنا نام و نشاں ملے
مری ذات کا جو نشاں ملے
مجھے راز بزم جہاں ملے
جو مجھے یہ راز نہاں ملے
مری خامشی کو بیاں ملے
مجھے کائنات کی سروری
مجھے دولت دو جہاں ملے
(فیض احمد فیض)

جانے کیوں مزاج پر اداسی چھا گئی تھی، دادا ابا، دادی اماں، فائزہ، تایا، تائی اور دوست احباب کی یاد نے ایک ساتھ دل

پربولا، وہ کچھ دیر تک سحر زدہ سی رہ گئی۔ پھر فائز کو کال ملالی۔

☆......☆......☆

''اب کیسی طبیعت ہے بیٹے۔'' سائرہ بیگم نے محبت اور فکر سے فائز کو کمرے سے نکلتے دیکھ کر پوچھا۔
''ممی اب کافی بہتر ہوں۔'' اس نے مسکرا کر مختصر جواب دیا۔ سفینہ سے بات کرنے کے بعد اس کی پریشانیوں میں اضافہ ہی ہوا تھا۔
''تم نے کھانا بھی نہیں کھایا؟'' انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے بیٹے کو دیکھا۔
''جی بس طبیعت بھاری ہو رہی تھی، اصل میں آفس میں کچھ لنچ ہیوی ہو گیا تھا۔'' اس نے ماں کے برابر میں بیٹھتے ہوئے بہانہ کیا۔
''اچھا میں نے کھانے کی ٹرے کچن میں ڈھانپ کر رکھ دی ہے اگر بھوک لگے تو کھا لینا۔'' سائرہ نے بیٹے کی طرف بڑی توجہ سے دیکھا۔
''اب کھانا نہیں کھاؤں گا آپ سب کچھ فریج میں رکھ دیں۔'' اس نے بے دلی کا مظاہرہ کیا۔
''اچھا پھر سونے سے پہلے میں تمہیں گرم دودھ کا گلاس دے دوں گی رات بھر خالی پیٹ رہنا ٹھیک نہیں۔'' وہ ایک دم محبت سے بولیں۔
''جی اچھا۔'' فائز نے بے خیالی میں سر ہلایا، اس کا بات کرنے کا موڈ نہیں لگ رہا تھا۔
''کیا بات ہے۔ اِتنے خاموش کیوں ہو؟'' وہ ایک دم تشویش سے بولیں۔
''ممی...... آپ نے تو کہا تھا کہ چاچا سے دوبارہ بات کریں گی۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔
''جی بیٹا...... کروں گی ناں۔'' ان کے لہجے میں کچھ خاص تھا۔
''وہاں چاچی سفینہ کی شادی کی تیاریوں میں لگی ہوئی ہیں۔'' فائز نے ناامیدی سے دیکھتے ہوئے خبر دی۔
توبہ ہے...... ریحانہ تو کسی طرح باز نہیں آ رہی اس کا علاج ضروری ہو گیا ہے۔''
''کیا سوچ رہی ہیں۔'' فائز کی آواز نے ماں کی سوچوں کا تسلسل توڑا۔
''اچھا...... ہے کرنے دو تیاریاں کیوں کہ اب تو وہ خود تم دونوں کی شادی کروانے والی ہے۔'' سائرہ نے مسکرا کر بیٹے کو دیکھا۔
''ممی پلیز بتائیں تو آخر آپ کے ارادے کیا ہیں؟'' وہ بڑے کنفیوز انداز میں ماں کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔
''بس دیکھتے جاؤ۔'' سائرہ ملکہ سسپنس بن گئیں۔
''ممی...... مجھے تو ڈر لگ رہا ہے کہ کچھ غلط نہ ہو جائے۔'' وہ خود کو معصوم بچہ محسوس کرنے لگا۔
''کچھ بھی غلط نہیں ہوگا۔ کم از کم ہمارے ساتھ۔''
''مجھے تو لگتا ہے کہ آپ باتیں ہی کرتی رہ جائیں گی اور وہاں......'' فائز نے بالوں کو مٹھی میں جکڑا، وہ ہیجان زدہ لگ رہا تھا۔
''بیٹا بے فکر ہو جاؤ۔'' سائرہ ہنس دیں۔
''اور ایک کام تو کرو۔'' شرارت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کچھ بولتے ہوئے تھم گئیں۔

☆......☆......☆

''اماں اللہ کے واسطے مجھے معاف کردیں۔'' شرمیلا نے چہرے پر سے ہاتھ ہٹا کر نم آنکھوں سے ماں کو دیکھ کر دہائی دی۔
''کس بات کی معافی؟'' وہ دوبارہ ربورٹ بن گئیں۔
''اس گناہ کی جو مجھ سے سرزد نہیں ہوا......'' وہ چلائی۔
''بیٹی یہ گناہ کیا کم ہے کہ تم نے معاشرے کے اصول توڑتے ہوئے ایک اجنبی کے ساتھ گھومنا پھرنا جاری رکھا؟''
''نبیل میرا اچھا دوست تھا اور کوئی بات نہیں۔''
''ہائے یہ بات منہ سے نکالتے ہوئے تمہاری زبان نہ لڑکھڑائی۔''
''تو کیا کہوں؟'' سوالیہ انداز میں ہاتھ اٹھایا۔
''سمجھایا تھا نہ کہ اسے شادی کرنے کا بولو کم از کم ایسی بے عزتی تو پلے نہ پڑتی۔'' بتول نے بیٹی کو لتاڑا۔
''کیسے بولتی وہ تو......'' شرمیلا کے منہ سے نبیل کی شادی کا ذکر نکلتے نکلتے رہ گیا۔
''کیا وہ تو؟'' بتول نے گھوری دی...... مگر وہ چپ چاپ اپنے پیروں کو دیکھتی رہی۔
''اچھا سب چھوڑیں مجھے معاف کردیں۔'' اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بڑی امید سے کہا۔
''معاف کر بھی دوں تو کیا فائدہ تم نہیں سمجھ سکتی کہ کیسی بڑی قیامت سر سے گزر گئی ہے؟'' بتول نے سر پیٹ کر اسے دیکھا۔
''جو ہونا تھا وہ تو ہوچکا۔'' شرمیلا نے لجاحت سے ماں کا ہاتھ تھاما۔
''کیسے آرام سے کہہ دیا کہ جو ہونا تھا ہوچکا۔'' بتول نے دانت کچکچائے بڑے دنوں بعد بھڑاس نکال رہی تھیں، چین ہی نہیں آرہا تھا۔
''اچھا تو ایسا کریں پھر میرا گلا دبا دیں۔'' اس نے ماں کے ہاتھ اپنے گلے پر رکھ دیئے۔
''ہائے اللہ......'' ہاتھ کھینچ لیا، بیٹی کی حرکت پر بتول کو اپنا غصہ کم کرنا پڑا۔
''ایک شرط پر معافی ملے گی۔'' کچھ دیر بعد بیٹی کو دیکھا۔
''مجھے ساری شرطیں منظور ہیں۔'' یہ ہی بات غنیمت لگی اقرار میں سر ہلایا۔
''میرے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانا پڑے گی۔''
''اچھا ٹھیک ہے کھالوں گی...... مگر کون سی قسم۔'' اس نے ماں کے سر پر موی ہاتھ رکھ کر سوالیہ انداز میں پوچھا۔
''تم آئندہ کبھی بھی نبیل سے کوئی رشتہ نہیں رکھو گی؟'' وہ بڑے سخت لہجے میں بیٹی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولیں۔
''اماں......!'' تھوڑی دیر کے لیے گہری خاموشی چھاگئی۔ شرمیلا نے بے اختیار ہاتھ کھینچ لیا۔
مسلسل بجنے والی بیل نے ان دونوں کو چونکا دیا تھا۔ شرمیلا نے بے اختیار ہوکر برابر میں رکھے سیل فون کو اٹھایا، نمبر چیک کیا تو نبیل کی کال تھی۔ اس کا چہرہ تاریک ہوگیا۔

☆......☆......☆

''سفینہ کو فون کرکے خوش خبری تو سنادو......'' سائرہ نے بیٹے کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔
''خوش خبری...... کیسی خوش خبری؟'' اس کی توانائی بحال ہونے لگی، ایک دم اٹھ بیٹھا۔
''بس کہنا کہ وہ میری بہو بننے کی تیاری رکھے۔''

''ممی آپ مذاق تو نہیں کررہیں......؟''
''ہا..... ہا..... پگلے......میری عمر مذاق کرنے کی ہے بھلا۔'' سائرہ ہنسیں۔
''چلیں اسی بہانے آپ نے اپنے بوڑھے ہونے کا اعتراف تو کیا۔'' وہ بھی کھلایا۔
''ہاں تو بیٹے کے سر پر سہرا سجانے جارہی ہوں۔ کیا اب بھی جوان بنی رہوں گی؟'' ان کا لہجہ محبت سے چور تھا۔
''جی......!'' فائز نے چونک کر ماں کو دیکھا، وہ اسے حیران کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔
''ہاں اب سفینہ کے اس گھر میں آنے میں زیادہ دن دور نہیں۔'' وہ بڑبڑائیں۔
''ممی......میں سمجھا نہیں؟''
''ہوسکتا ہے اگلا ہفتہ ہی ہو۔'' وہ سوچتے ہوئے انداز میں بولیں۔
''ممی......آپ کیا کرنے والی ہیں پلیز بتائیں ناں؟'' اس نے بے چینی سے پھر کریدا۔
''بس جو بھی کروں گی اس میں تم دونوں کی بھلائی چھپی ہوگی۔''
''ریحانہ چاچی ان کا کیا ہوگا؟'' فائز کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔
''ریحانہ تو میرے آگے ہاتھ جوڑتی پھرے گی کہ بھابی......اللہ کے واسطے......سفینہ کو اپنی بہو بنا کرلے جائیں۔'' چہرے کے تاثرات اور لہجے میں کچھ ایسا تھا، فائز نے بے ساختہ ماں کو دیکھا، مگر وہ دوبارہ سے نارمل دکھائی دینے لگیں تو اس نے ساری منفی سوچوں کو جھٹک دیا۔

☆......☆......☆

''کیا بات ہے کافی دن ہوگئے اسریٰ بیگم نہیں آئیں۔'' عشو اماں نے روشنی کو کریدنا چاہا۔
''ہاں میں بھی یہ ہی سوچ رہا تھا۔'' روشنی نے چاکلیٹ کا مزہ لیتے ہوئے لاپروائی سے جواب دیا۔
''بہت ناراض لگتی ہیں۔'' عشو اماں نے کچھ دیر بعد سوچتے ہوئے کہا۔
''مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔'' وہ لان میں بیٹھی موسم کی رعنائیوں سے لطف لیتے ہوئے مسکرائی۔
''اس دن تم نے بھی تو حد کردی تھی انہیں ایک دم ذلیل کر کے رکھ دیا۔'' ان کے منہ سے غلط جملہ پھسلا۔
''ایسی کوئی بات نہیں اماں وہ میری خالہ ہیں امی کی سگی بہن میں انہیں ذلیل کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔''
''ارے دفع کرو۔ یہ بات تو میرے منہ سے ایسے ہی نکل گی۔'' اس نے خود کو لعن طعن کیا۔
''مجھ سے کچھ زیادہ ہی زیادتی ہوگئی ہے۔'' روشنی کی متلون مزاجی عروج تک جا پہنچی اس نے بے قراری دکھائی، چاکلیٹ کو ریپر میں لپیٹ کر رکھا۔
''ارے چھوڑو بیٹا......جو ہونا تھا ہوگیا۔'' عشو اماں ہنسی۔
''نہیں میں سوچ رہا ہوں کہ جا کر خالہ جانی کو منالوں۔'' روشنی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا، عائشہ بیگم فق منہ سے اسے تکنے لگ گئیں۔

☆......☆......☆

دنیا کے ہجوم سے نکل کر وہ اپنی ذات میں اکیلی بیٹھی سوچوں میں گم ایک ہی بات سوچتی کہ اس کے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے......مگر کوئی جواب ہاتھ نہیں آتا وہ صحن میں نکل آئی اسے ساری فضا خاموش لگنے لگی' ہوائیں بالکل خاموش اور ماحول بڑا سوگوار سا، چاند دھندلا گیا' ستارے تک ماند پڑ گئے، وہ سر جھکا کر بیٹھی ہاتھوں کی لکیروں میں اپنا نصیب تلاشتی رہی جو کہیں بھی نہیں مل رہا تھا، پہلے فائز اور اب نبیل بھی دور ہوتا چلا گیا۔ اس کی خوب صورتی میں کوئی کمی

نہیں تھی مگر بدقسمتی نے ایسا ناطہ جوڑا کہ وہ ہمیشہ تہی داماں رہی۔ اس کے حسن میں تو اتنی طاقت بھی نہیں تھی کہ وہ کسی ایک کو اپنا بنا پاتی۔ شرمیلا دن رات ایسی الٹی سیدھی باتوں میں الجھی رہتی تھی، جب سوچ سوچ کر سر میں درد ہو جاتا تو دھیان بٹانے کو یا تو کوئی ناول پڑھنے لگتی یا ٹی وی کھول کر بیٹھ جاتی۔ درمیان میں کئی بار نبیل کی کال آئی مگر اس نے ہر بار لائن کاٹ دی۔ وہ ماں کو مزید ناراض کرنا نہیں چاہتی تھی۔ شازیہ کی باتوں پر ان کی ناراضگی ابھی تک برقرار تھی۔ بہنیں بھی ماں کے ڈر سے زیادہ بات نہیں کرتیں تھیں۔ اسی لیے وہ ہر وقت کوفت زدہ رہتی۔ اس وقت بھی دل گھبرا رہا تھا، لائٹ گئی ہوئی تھی اس لیے ٹی وی کا بھی آسرا نہیں تھا، وہ صحن میں چہل قدمی کرتی رہی۔ اچانک لائٹ آگئی تو کرسی پر ڈھے گئی۔ کچھ اور سمجھ میں نہیں آیا تو اس نے بیزار سا منہ بنا کر میز پر پڑا ہوا اخبار اٹھایا اور سرخیوں پر سرسری سی نگاہ دوڑائی۔ پھر اندرونی صفحات پر لگی خبریں پڑھنے لگی اچانک نگاہ ٹھہر سی گئی اور پھر وہ جہاں کی تہاں گم زدہ سی رہ گئی۔ ایک چھوٹی سی خبر نے اس کے وجود کو جھنجھنا ڈالا۔

"بزنس ٹائی کون نبیل علی کی شادی خانہ آبادی۔" شرمیلا کے وجود میں توڑ پھوڑ ہونے لگی گو کہ نبیل اسے سب کچھ بتا کر گیا تھا، پھر بھی اسے یقین تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی چند دن گاؤں میں گزار کر واپس آجائے گا اور پھر سے اس کے پیچھے پیچھے بھاگتا پھرے گا۔ ایک دن پیار سے بولے گا کہ وہ تو مذاق کر رہا تھا ورنہ شرمیلا کے علاوہ اس کی زندگی میں کوئی دوسری لڑکی شامل ہو ہی نہیں سکتی...... مگر اس بار مان ٹوٹ گیا تھا، ساتھ چھوٹ بھی گیا تھا، آنسو قطار در قطار گلابی گالوں پر بہتے چلے گئے۔ بتول کسی کام سے اس طرف آئیں تو بیٹی کو پتھر کے بت کی طرح ساکت گم صم اخبار ہاتھ میں پکڑے بیٹھے دیکھا۔ کسی انہونی کا احساس ہوا اپنی ناراضی بھلا کر اس کی جانب بڑھی۔

"شرمیلا بیٹا کیا ہوا؟" بتول نے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے پکارا مگر اس کے احساسات و جذبات تو منجمد ہو چکے تھے کوئی جواب نہیں دیا۔

☆......☆......☆

"ہائے اب ایسا بھی کیا ہو گیا۔" عشو اماں ایک دم اندر ہی اندر تلملائیں، ایک ہفتے سے زندگی میں کتنا سکون پھیلا ہوا تھا۔

"کچھ نہیں میں تو شام کو ہی بھائی کے ساتھ وہاں جاؤں گا۔" روشنی نے عشو اماں کی گھورتی آنکھوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

"بیٹا میں کہہ رہی تھی اس طرح سے جانا مناسب نہیں ہوگا ابھی وہ غصے میں ہوں گی۔" ایک نیا نکتہ ڈھونڈا۔

"ہاں یہ بات تو ہے۔" روشنی نے اس بات کی تائید کی۔

"بس تو چند دن انتظار کر لو غصہ اتر جائے گا تو وہ خود ہی یہاں آجائیں گی۔" عشو نے تیر نشانے پر فٹ بیٹھتا دیکھا تو نرمی سے کہا۔

"چلیں ٹھیک ہے مگر آفاق بھائی کا کیا کروں وہ بھی تو مجھ سے بات نہیں کر رہے۔" روشنی نے دکھی لہجے میں کہا۔

"ایسا کرو آفاق میاں سے تو تم معافی مانگ لو۔" عشو اماں نے چالاکی سے اسے رام کیا۔

"کس بات کی؟" روشنی نے تیکھے انداز میں پوچھا۔

"وہ تمہارا بڑا بھائی ہے معافی مانگنے سے تم کوئی چھوٹی تھوڑی ہو جاؤ گی۔" عشو اماں نے نرمی سے ہاتھ دباتے ہوئے سمجھایا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

اس ناراضگی نے انہیں مالی طور پر کافی مخدوش کر دیا تھا، وہ روشنی کی پیٹھ پر رکھ کر بندوق چلانے کی عادی تھیں، اکثر

اس کے ذریعے ہی پیسے نکلواتی رہتی تھیں، اب یہاں تو بات چیت ہی بند تھی پھر کیسے کوئی فرمائش کی جاسکتی تھی۔ اس لیے بھائی بہن کی دوستی کرانا لازمی ہوگیا تھا۔

☆......☆......☆

"اے میں کہتی ہوں ایسا کیا ہے اس اخبار میں جو تم ٹکر ٹکر اسے ہی دیکھے جارہی ہو۔" انہوں نے بیٹی کو ہلایا۔ شرمیلا نے مڑ کر خالی خالی نگاہوں سے ماں کو دیکھا اور پھر اخبار کی خبر دیکھنے لگی۔

"ادھر دکھاؤ۔" بتول کی برداشت جواب دے گئی۔ جھپٹا مار کے اخبار چھینا۔

"ہائے اللہ......!" سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے خبر پڑھی ساتھ میں نبیل اور اس کی بیوی کی ہنستی مسکراتی تصویر پر نگاہ دوڑائی، وہ غم سے بے حال ہوگئیں۔ شرمیلا نے ایک دم منہ پہ ہاتھ رکھ کر رونا شروع کردیا۔

"میں اسی دن کے لیے روتی تھی...... مگر تمہیں تو ماں دشمن دکھائی دیتی تھی ناں۔" بتول نے غصے میں اخبار کے پرزے پرزے کردیئے۔ اس نے زخمی نگاہوں سے ماں کو دیکھا مگر منہ سے ایک لفظ نہ نکالا۔ بتول کا دل بیٹھنے لگا۔

"شرمیلا کچھ تو بولو دل کا بوجھ ہی کم ہوگا۔" اتنا کچھ سنانے پر بھی بیٹی کا جواب نہ دینا انہیں ہولا گیا۔

"میری بچی......" بے اختیار بیٹی کو سینے سے لگا کر یوں ہانپنے لگیں جیسے میلوں کی مسافت طے کی ہو۔

"ہمیشہ میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے؟" شرمیلا نے ماں کے سینے میں منہ چھپا کر ایک ہی بات کی رٹ لگادی۔

"صبر کرمیری بچی۔" بتول کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا بیٹی کا ماتھا چومنے لگیں۔

"میرے نصیب میں ایسے اندھیرے کیوں لکھ دیئے گئے ہیں، جن پر روشنی اثر نہیں کرتی؟" وہ ماں کا چہرہ تھام کر پوچھنے لگی۔

"صبر کرو میری جان اچھا رکو میں پانی لے کر آتی ہوں۔" بتول نے اس کا منہ اپنے دوپٹے سے پونچھا اور پھر اٹھ کر باہر نکل گئیں۔

☆......☆......☆

"فون کو بند کرو اور میرے ساتھ شاپنگ پر چلو؟" ثوبیہ نے سیل فون پر گپیں لگاتی سنبل کو حکم دیا۔

"بالکل نہیں...... بہت دنوں بعد سفی میرے ہتھے چڑھی ہیں، فی الحال ان سے باتیں کررہی ہوں۔" سنبل نے آنکھیں گھما کر بہن کو دیکھا۔

"ہائیں سفی سے بات ہورہی ہے ادھر پکڑاؤ فون۔" ثوبیہ اچھل کر بہن کے پاس پہنچی اور اس کے ہاتھ سے موبائل چھینا۔

"نہیں دوں گی اپنا بیلنس خرچ کرونا کنجوس۔" سنبل نے جلدی سے فون پر اپنی گرفت مضبوط کی۔

"ارے باری باری بات کرلوناں۔" فون کی دوسری جانب سے سفینہ نے چلا کر کہا مگر اس کی سنی کہاں گئی۔

"ہاں تو تم کون سی شاہ خرچ ہو پچاس روپے کا کریڈٹ ڈلواتی ہو اس پر بھی اتنا احسان۔" ثوبیہ نے اس کا فون گھسیٹتے ہوئے زبان چڑائی۔

"پچاس ہی سہی ڈلواتی تو ہوں تمہاری طرح دوسروں کا خرچ تھوڑی کرتی ہوں۔" اس نے چلا کر بہن کو جواب دیا۔

"ہیلو...... سفی کیسی ہیں؟" ثوبیہ نے سنبل کے فون پر قبضہ جماتے ہی خوش اخلاق بن کر پوچھا مگر جواب ندارد۔ دونوں کی دھینگا مشتی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی سفینہ نے انتظار کے بعد تنگ آکر لائن ہی کاٹ دی تھی۔

"لو ہو کال کٹ گئی۔" ثوبیہ نے تپ کر فون واپس کیا تو سنبل کی ہنسی چھوٹ گئی۔
"آگ لگانے میں بی جمالو کو بھی مات دے دیتی ہو اب خوش ہوگئی ناں۔" ثوبیہ نے بہن کو غصے میں گھور کر دیکھا۔
"جلنے والے...... جلتے رہیں میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔" سنبل نے ہنستے ہوئے کہا اور فوراً ہی منظر سے رفو چکر ہوگئی۔

☆......☆......☆

"نبیل کی محبتیں، وہ چاہتیں کیا ہوئیں؟" شرمیلا نے ماں کے جانے کے بعد پھیلی خاموشی سے گھبرا کر خود سے سوال کیا۔
"وہ فطرتاً ہرجائی تھا، اگر تمہارا ہوتا تو کسی اور کا نہ ہوتا۔" ہتھیلی سے آنکھیں پونچھتے ہوئے اس کے دل نے فیصلہ دیا۔
"بے وفائی شاید مرد کی فطرت کا خاصہ ہے؟" شرمیلا نے ٹوٹے دل کو دلاسہ دینا چاہا۔
"فائز بھی تو ہے جو سفینہ کے سوا کسی اور کی جانب دیکھنا پسند نہیں کرتا۔" اسے ایک دم رشک آیا۔
"شرمیلا کاش تم اپنا نصیب سفینہ سے بدل سکتی۔" وہ ایک دم حسرت سے سوچتی چلی گئی۔
"اور یہ نبیل ہمیشہ بڑے بڑے دعوے کرتا تھا پہلے امتحان میں ہی ناکام ثابت ہوا۔" اس کی سوچوں کا رخ دوبارہ اسی جانب مڑ گیا۔
"نبیل جیسے لوگوں کے لیے ایک کی محبت پہ قناعت مشکل ہے۔" اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ آئی۔
"چند دنوں بعد جب نئی شادی کے چونچلے ختم ہوجائیں گے تب اسے شرمیلا کی یاد ستائے گی۔" اس کے سارے وجود میں بھانبھڑ جلنے لگے۔

☆......☆......☆

"کیا ہوا اماں؟" سائرہ بیگم نے ماں کا اترا ہوا منہ دیکھا تو رسانیت سے پوچھا۔
"ارے وہ تیرا بھائی شکیل......" ان کی صدا پر سائرہ نے گھبرا کر ماں کو دیکھا۔
"کیا ہوا اسے؟" ترنت پوچھا۔
"کچھ نہیں ہوا مگر اس کی باتوں سے مجھے کچھ ہوجائے گا۔" دلشاد نے منہ پر دوپٹہ رکھ کر رونے کی ایکٹنگ کی۔
"اچھا...... شکر ہے وہ ٹھیک ہے۔" سائرہ نے سکھ کا سانس لیا۔
"بڑا ہی بے مروت نکلا، بھولے سے بھی ماں کی یاد نہیں آتی۔" دلشاد نے جھٹکے سے دوپٹے سے منہ نکالا، ماتھے کے بل گنے جاسکتے تھے۔
"ہاں...... اماں یہ تو ٹھیک کہا ایسا بھائی خدا دشمنوں کو بھی نہ دے۔"
"میں نے بڑی مشکلوں سے کال ملائی تو چھوٹتے ہی فرمائش کرنے لگا۔"
"اچھا کیا مانگا۔" انہیں اچنبھا ہوا۔
"سمجھو میری جان ہی مانگ لی۔" دلشاد نے منہ بسور کر ہاتھ ملا تو سائرہ نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔

☆......☆......☆

شادی سے ایک دن پہلے تک نبیل کو شرمیلا کی یادوں نے بے قرار رکھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ رسی تڑا کر شہر کا راستہ ناپے...... مگر علی مراد نے ابھی تک اس کی پہرہ چوکی قائم رکھی ہوئی تھی۔ وہ جیپ کی چابی ڈھونڈتا رہ گیا مگر جانے کہاں چھپادی گئی تھی۔ غصے میں دانت پیستا اپنے کمرے میں جا کر پڑ گیا۔ تنہائی میں شرمیلا کی یادوں کی یلغار نے بے

بس کرکے رکھ دیا تو اس نے بے اختیار ہوکر شرمیلا کا نمبر بھی ملایا مگر جب اس نے کال نہیں اٹھائی تو پھر لائن کاٹ دی۔ وہ اپنے آپ کو اس کا مجرم تصور کرنے لگا تھا، اسے موبل پر شدید غصہ تھا۔ جو زبردستی اس کی زندگی میں شامل ہونے جارہی تھی۔ جب ہر ایک اس کی ہونے والی دلہن کی تعریف کرتا تو وہ دانت پیس کر کئی بار خود سے کیا گیا عہد دل ہی دل میں دہراتا کہ شہر جاتے ہی پہلی فرصت میں شرمیلا کو منائے گا اور پھر ہمیشہ کے لیے اپنا بنائے گا...... مگر یہ کیا ہوا شادی کی پہلی رات ہی اس پر موبل کے معصوم حسن کا وہ اثر ہوا کہ دل کی دنیا تلپٹ ہوکر رہ گئی اب تو پندرہ دن گزر گئے تھے مگر...... بھولے سے بھی شرمیلا کا خیال ذہن کے کسی گوشے میں نمودار نہیں ہوتا۔ بس ہر سو موبل کی پرچھائی ہی دکھائی دیتی...... وہ اس کی حسین رفاقت میں زندگی کا حسن کشید نے لگا۔

☆......☆......☆

"ہائیں ایسی...... کیا فرمائش کرڈالی؟" سائرہ نے کچھ دیر بعد سوچ میں ڈوبی ہوئی ماں کا کاندھا ہلا کر پوچھا۔
"وہ جو بہو ہے ناگنوں کی پوری ہے اسی کم بخت نے چڑھایا ہوگا۔" دلشاد بیگم نے عادتاً سسپنس پھیلایا۔
"اماں...... ایک تو تمہید بہت لمبی باندھتی ہو۔ پوری بات بتاؤ گی۔" سائرہ ناک تک بیزار ہوکر بولیں۔
"ہائے یہ گھر بیچ کر اپنا حصہ مانگ رہا ہے۔" دلشاد نے حلق سے آواز نکالی۔
"کیا...... !شاباش ہے بھائی پر۔" سائرہ پہلے تو چونکیں پھر اس نے بھی چلانے میں ماں کا ساتھ دیا۔
"اب تو مان جا کہ زرما واقعی فسادن ہے۔"
"اپنا ہی سکہ کھوٹا ہے ہم غیر کو کیا بولیں۔" اس بات سے دل کو ٹھیس پہنچی تو منہ سے نکلا۔
"یہ بات بھی ٹھیک کہی۔" سر ہلا کر تائید کی۔

☆......☆......☆

اسریٰ نے آفاق کی بات ماننے سے انکار کرتے ہوئے اس کے ساتھ شاہ ہاؤس جانے سے معذرت کرلی۔ اس کے وجود میں چھپے دکھ کی لکیریں ابھرتی چلی گئیں۔
"خالہ جانی وہ بچی ہے مگر آپ تو...... چھوڑیں ساری باتیں اور بس فٹافٹ گاڑی میں چل کر بیٹھیں۔" آفاق نے ایک بار پھر منانے کی کوشش کی۔
"نہیں...... بیٹا میں اب بھی تم لوگوں کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کروں گی۔" اسریٰ نے دوبارہ نفی میں سر ہلایا اور منہ بجھا کر بیٹھ گئیں۔
"اچھا ٹھیک ہے تو پھر میں بھی شاہ ہاؤس سے یہیں شفٹ ہوجاتا ہوں۔" اس نے جینز کے پائنچے موڑے شوز اتارے اور آرام دہ حالت میں صوفے پر دراز ہوا۔
"یہ کیا کہہ رہے ہو روشنی کو اکیلا اس چالاک عورت کے رحم و کرم پر چھوڑنے کا ارادہ ہے کیا؟" وہ گھبرا کر خوبرو بھانجے کو دیکھنے لگیں۔
"ہاہاہا...... ابھی تو آپ کہہ رہی تھی کہ کچھ نہیں بولیں گی۔" آفاق شرارتی ہوا۔
"نہیں وہ تو......" اسریٰ جھینپ گئیں۔
"چلیں نا پھر۔" اس بار آفاق نے ہاتھ تھام کر جس مان سے کہا ان کی ساری مدافعتیں دم توڑ گئیں۔
"اچھا ٹھیک ہے میں چلنے کو تیار ہوں۔" وہ ہار گئیں۔
"آ...... ہاں...... واہ واہ۔" وہ یک دم خوش ہوکر اٹھ کھڑا ہوا جلدی سے جوتے پہننے لگا۔

"میں چاہتی ہوں کہ ہر بات آج ہی صاف طور پر ہو جائے تاکہ بعد میں کوئی مسئلہ نہ ہو۔" اسریٰ بیگم نے اٹھتے ہوئے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

"ہاں...... ہاں ضرور آپ جو بھی کہنا چاہتی ہیں آرام سے بتائیں۔" آفاق جوتے کے لیس باندھنا بھول کر انہیں دیکھنے لگا۔

☆......☆......☆

موتیا بیلے کی اُجلی کلیوں جیسی نرم و نازک پیاری سی لڑکی، جس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں حیاء کے گلابی ڈورے دکھائی دیتے اور براؤن گھنے لمبے بال گھٹاؤں کو شرماتے تھے۔ علی مراد کی خواہش پر وہ بہو بن کر ان کی بڑی سی حویلی کی دہلیز پار کر کے نبیل کی زندگی میں بھی شامل ہوگئی اور وہ مزاحمت بھی نہ کرسکا۔ یہ شادی ان کے خاندان کی یادگار تقریب کہلائی جسے مدتوں تک لوگوں کے لیے فراموش کرنا مشکل ہوگا۔ ملک کی نامور شخصیات، سیاستدانوں اور اعلیٰ سرکاری عہدیداروں نے خاص طور پر اس شادی میں شرکت کی۔

نبیل بھی ہار سا گیا اس کے دل کو پورا یقین تھا کہ وہ شرمیلا کی جگہ کسی کو نہیں دے گا۔ اس نے کئی منصوبے بنا رکھے تھے کہ موتیا کو پہلی رات ہی صاف صاف ہر بات بتا دے گا۔ شرمیلا کی محبت اور اس کے لیے اپنے جنون کو بالکل بھی نہیں چھپائے گا...... مگر سب کچھ اس کے برعکس ہوا۔ وہ سب کچھ بھول گیا...... یہ نکاح کے بولوں کا سحر تھا یا واقعی موتیا ایسی تھی وہ اس کے پہلو سے جیسے بندھ کر رہ گیا۔ علی مراد جب بیٹے کو بہو کے پیچھے پیچھے گھومتا دیکھتے تو مونچھوں کو تاؤ دینے کے بعد بیوی کی جانب چہرہ کر کے معنی خیز انداز میں قہقہہ لگاتے۔ وہ بھی مسکراتے ہوئے سر ہلا دیتیں۔

موتیا کو پا کر نبیل کے چہرے اور آنکھوں میں سکون کی کیفیت رقصاں رہتی۔ موتیا بھی ساس کے کہنے پر خوب بناؤ سنگھار کر کے شوہر کا امتحان لینے پر تل جاتی۔ سیاہ بڑی بڑی آنکھوں میں کاجل کی دھار سجائے بالوں میں مہکتا گجرا سجا کر ہر وقت ہاتھ پیروں پر مہندی سجا لیتی۔ ہاتھ میں منہ دکھائی میں ملنے والے کنگن اور پاؤں میں سونے کی نازک سی پازیب پہن کر جب وہ پاس سے گزرتی تو نبیل کی ساری توجہ بیوی پر مرکوز ہو جاتی۔

جس دن انہیں کہیں دعوت میں جانا ہوتا اور وہ کوئی شوخ سا لباس پہن کر ہونٹوں کو بھی سرخ رنگ سے سجا لیتی تو نبیل کو اپنے دل کو قابو میں رکھنا مشکل ہو جاتا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھ کر موقع پاتے ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگا لیتا تو موتیا کے نرم خوب صورت لبوں پر حیا آلود مسکراہٹ پھیلتی چلی جاتی۔ اس کی شرارتیں بڑھنے لگ جاتی تو وہ اسے دھکا دے کر دور کرتی یا کمرے سے نکل جاتی۔ اس کے شرمانے کا انداز بھی نبیل کے دل میں ہلچل مچا دیتا تھا۔

☆......☆......☆

"خیر مجھے تو اب کوئی فکر نہیں۔" سائرہ نے کچھ دیر بعد زوردار آواز میں جیسے خود کو تسلی دی۔

"کیوں اب کیا تیرے ہاتھ قارون کا خزانہ لگ گیا ہے۔" وہ جل کر بولیں۔

"نہیں مگر پورے کا پورا خان ہاؤس میرا ہونے والا ہے۔" سائرہ نے مسکرا کر ماں کو چڑایا۔

"آئے اب ایسا کیا نیا ہو گیا ہے؟" دلشاد بیگم نے پان چباتے ہوئے مذاق اڑایا۔

"بس دیکھتی جاؤ اماں۔"

"ریحانہ منحوس نہیں ماننے والی۔" ہاتھ نچاتے ہوئے بیٹی کو خبردار کیا۔

"اس کے تو اچھے بھی مانیں گے۔" سائرہ نے بھی چھالیہ پھانکی۔

"بیٹی مجھے بتا دے کہ اب تو کون سا قہر توڑنے والی ہے، خان ہاؤس والوں پر۔" وہ ایک دم چوکنی ہو کر

سوال کر بیٹھیں۔
"اماں جب بات بیٹی کی عزت پر آجائے تو بڑے سے بڑے پہاڑوں کو جھکتے دیکھا ہے...... پھر اس ریحانہ کی کیا اوقات۔" وہ بڑے فخریہ انداز سے بولتی چلی گئیں۔
"ہائے رے تو کیا کرنا چاہتی ہے؟" دلشاد بیگم نے گھبرا کر سینے پر ہاتھ مارا۔
"کچھ نہیں اماں چھوڑو ان باتوں کو اور یہ بتاؤ کے رات کے کھانے پر کیا پکاؤں؟" جلدی سے بات بدلی۔
"دفع دور میری تو ساری اولاد ہی بڑی بے کہنی ہے۔" دلشاد بانو نے تڑخ کر جواب دیا اور وہاں سے اٹھ کر اندر کی جانب چل دیں۔

☆......☆......☆

"یہ اشرفی بوا کا فون نمبر ہے، تمہارا رشتہ بھی انہوں نے ہی کروایا ہے۔" اسریٰ نے پرس میں سے ایک چٹ نکال کر آفاق کی طرف بڑھائی۔
"خالہ جانی میں کچھ سمجھا نہیں؟" آفاق نے الجھی نظروں سے دیکھا۔
"یہ رشتہ کروانے والی بوا ہیں۔ ان کے پاس۔ بہت اچھے اور معزز گھرانوں کے رشتے ہوتے ہیں۔" اسریٰ نے نرمی سے جواب دیا۔
"اچھا تو پھر؟" وہ حیرت زدہ سا ہوا۔
"تو پھر یہ کہ تم ان سے فون پر بات کرو۔" اسریٰ نے فون نمبر پر نظر دوڑاتے ہوئے بھانجے پر زور دیا۔
"میں...... میں یہ سب کیسے کر سکتا ہوں اور کیا بات کروں گا؟" وہ ایک دم اچھل پڑا۔
"میں چاہ رہی ہوں کہ تم کیوں نہ ان سے روشنی کے لیے رشتہ ڈھونڈنے کا کہو۔" انہوں نے رسانیت سے سمجھایا۔
"میرے خیال میں یہ کام آپ بہتر طور پر کر سکتی ہیں۔" اس نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے چٹ انہیں لوٹا دی۔
"ہاں میں کر تو سکتی ہوں...... مگر عائشہ بیگم نے روشنی کو جس طرح سے میرے خلاف کر دیا ہے۔ اب وہ میرے اچھے کاموں میں بھی برائی کا پہلو تلاش کرے گی۔" اسریٰ کا لہجہ نم ہوا۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے...... میری پیاری سی خالہ جانی۔" آفاق نے تیزی سے بڑھ کر انہیں اپنے ساتھ لگایا اور ماتھا چوم لیا۔
"بس بیٹا یہ ہی دیکھ لو اتنے دن ہو گئے اس بات کو مگر روشنی نے ایک فون کر کے بھی میری خیریت معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔" اسریٰ کے لبوں پر شکوہ مچلا۔
"ہاں یہ تو اس کی کوتاہی ہے پر سمجھنے کی بات ہے کہ اس وقت اسے صحیح رہنما کی اشد ضرورت ہے۔" آفاق نے اپنی چوڑی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
"اسی لیے میری یہ شرط ہے کہ تم روشنی کی جلد از جلد شادی کروا دو تا کہ وہ اس منحوس لالچی بڑھیا کے چنگل سے آزاد ہو۔" اسریٰ نے دانت کچکچا کر کہا۔
"اللہ کرے روشنی کے لیے کوئی اچھا سا رشتہ مل جائے۔" آفاق نے بڑے دل سے دعا مانگی۔
"آمین۔" اسریٰ نے فوراً کہا۔
"ایک بات بتائیں سچ سچ۔" آفاق کچھ دیر ایک خاص نقطے پر سوچنے کے بعد اسریٰ کی جانب متوجہ ہوا۔
"ہاں بولو۔" وہ سر ہلا کر مسکرائیں۔

''اگر سفینہ میں بھی ایسی عادتیں ہوتیں جو روشنی کی ہیں تو کیا آپ اسے شاہ ہاؤس کی بہو بنانے کا سوچتیں۔''
''کبھی......بھی نہیں۔'' سچائی بے ساختہ منہ سے نکلی۔
''بس تو پھر روشنی سے کون شادی کرنے کو تیار ہوگا یہ بات سوچی ہے۔''
''آہ......یہ بات بھی سچ ہے۔'' دکھی لہجہ آفاق کو بھی غم زدہ کرگیا۔
''بس تو پھر آپ چل کر پہلے اس کی ٹریننگ کریں تاکہ معقول جگہ پر اس کا رشتہ ہوسکے۔'' ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولا۔
''ہونہہ......اس بات کی تو تم فکر نہ کرو میں نے اس کے لیے بہت بہترین ٹرینر ڈھونڈ نکالی ہے۔'' وہ کھکھلائیں۔
''اچھا......کون؟'' پرتجسس انداز میں انہیں دیکھا۔
''سفینہ بہزاد۔'' ان کے لہجے کے اعتماد اور یقین پر آفاق کے دل میں گدگدی سی ہوئی۔

☆......☆......☆

''ہیلو۔'' فائز نے سیل فون کان سے لگایا اور آواز بدل کر بات شروع کی۔
''جی آپ کون؟'' سفینہ کی کھنکتی ہوئی آواز ابھری۔
''کمال ہے مجھے نہیں پہچانا۔'' اس نے آواز مزید موٹی کی۔
''نمبر تو جانا پہچانا ہے......مگر آپ کون ہیں؟'' اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ کیا پتا اس کا کوئی دوست شرارت کررہا ہو۔
''آپ سے یوں بھول جانے کی امید نہ تھی۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا تو سفینہ کنفیوز ہوگئی، نمبر فائز کا مگر آواز اجنبی۔
''پلیز بتائیں گے کہ کس سے بات کرنی ہے۔'' وہ پہچان نہیں پائی ایک بار پھر نمبر چیک کیا فائز کا ہی تھا۔
''آپ سے ہی محترمہ۔ اتنی جلدی بھول گئیں۔'' فائز نے اپنی آواز میں مسکرا کر جواب دیا تو اس کی جان میں جان آئی۔
''افوہ فائز......یہ کیا مذاق ہے۔'' اس کے مزاج میں ایک دم خوشگواریت بھر گئی۔
''میں تو تمہیں چیک کررہا تھا؟'' وہ شرارت سے بولا۔
''خود پکے ڈرامے باز ہیں اور چلے ہیں مجھے چیک کرنے۔'' سفینہ نے جل کر کہا۔
''ہاں اور تم پکی ڈھنکی باز۔'' اس نے بدلہ لینا چاہا۔
''آپ کی بدلی ہوئی آواز سن کر کوئی بھی نہیں پہچان سکتا تھا۔'' سفینہ نے اپنی جھینپ مٹانا چاہی۔
''بس......بس تم تو فیل ہوگئی بڑے آشنائی کے دعوے تھے ہار مان جاؤ۔''
''مان لی ہار۔'' اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔
''یہ کی نا میری سفی والی بات۔'' فائز جیسے بچپن میں مخاطب کرتا تھا ویسے ہی بلایا، اس کے دل میں پھول کھل اٹھے۔
''اچھا یہ بتایئے اِس وقت کیوں کال کی سب خیریت ہے نا۔'' سفینہ نے کچھ دیر بعد تجسس سے پوچھا۔
''کچھ خاص نہیں۔ تم سے بات کرنے کا دل چاہ رہا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔
''اوہ......اچھا۔'' سفینہ نے اوہ کو کھینچا اور مزے سے سر ہلایا۔
''ویسے ایک بات بھی بتانا تھی۔'' فائز نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آواز دھیمی کی۔
''اب جلدی سے بتا بھی دیں۔'' سفینہ نے سیل فون کانوں سے چپکا کر پوچھا اور وہ سوچ میں پڑ گیا کہ بات کیسے

شروع کرے۔

☆......☆......☆

صبح سے ہی حویلی میں بہت رونق تھی۔ آج اس کے سسرال والوں کی دعوت تھی۔ نبیل صحن میں بچھی چارپائی پر لیٹا سگریٹ کے اضطراری کش کھینچ کھینچ کر کن انکھیوں سے اپنی نئی نویلی بیوی کو کاموں میں مصروف دیکھ رہا تھا۔ میکے والوں کی آمد کا سن کر اس کے چہرے کی چمک بڑھ گئی تھی۔ نبیل نے مسکرا کر سگریٹ بجھائی اور اسے نگاہوں کے فوکس میں رکھا۔

موبل کا حسن تو قابل دید تھا ہی مگر اس کی سلیقہ مندی اور نرم مزاجی نے گھر کے ہر فرد کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ وہ تو خیر چند دنوں میں ہی موبل کا مرید بن چکا تھا مگر گھر کے باقی لوگوں کے دلوں پر بھی وہ اپنے حسن سلوک سے قبضہ جما چکی تھی۔ حویلی میں موجود ملازموں کی ایک بڑی فوج کی موجودگی کے باوجود صبح سویرے اٹھ کر نماز کی ادائیگی کے بعد بڑی مستعدی سے گھر کے کاموں میں حصہ لیتی' اس کے ہاتھ کے مزید اراصلی گھی کے خوشبو اڑاتے بل دار پراٹھوں اور دیسی انڈوں کا خاگینہ ساتھ میں لسی۔ ایسا بھرپور ناشتہ نبیل کو پورے دن کے لیے تر و تازہ کر دیتا۔ وہ جب مسکرا کر موبل کو دیکھتا تو اس کے دل کی خوشی کا عالم ہی عجیب ہو جاتا یہ ہی وجہ تھی کہ وہ اس کا ہر کام خود اپنے ہاتھوں سے کرنا چاہتی تھی۔ نبیل اسے اتنا مصروف دیکھتا تو ایسا کرنے سے منع کرتا تو وہ ہنستی ہوئی ایک جانب سکون سے بیٹھ جاتی۔ مگر جیسے ہی نبیل دوستوں سے ملنے مردانہ بیٹھک کی طرف نکلتا تو موبل ساس کے منع کرنے کے باوجود بڑی سرعت سے کپڑے دھو کر پھیلا دیتی، ساگ میں گھوٹنا لگا دیتی اور کچھ نہیں ملتا تو ملازمہ کے ساتھ مل کر اپنے کمرے کی ٹھیک طریقے سے صفائی کرنے لگ جاتی۔ اسے اچھی طرح سے معلوم تھا کہ شوہر کے گھر آنے سے پہلے جو کرنا ہے کر لیا جائے ورنہ نبیل نے تو گھر میں گھستے ہی اسے اپنے سامنے بٹھائے رکھنا ہے۔ گھر کے کام کاج اور کھانا پکانے کے لیے دو دو خادمائیں تھیں۔ چھوٹا بڑا ہر کام وہ کرتی یا ملازم بچے سے اپنی نگرانی میں کرواتیں۔ اس لیے نبیل نہیں چاہتا کہ موبل کے حسین ہاتھ میلے ہوں اتنا خیال کرتے ہوئے وہ یہ بھول گیا دل میلے ہو جائیں تو پھر انہیں صاف کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

☆......☆......☆

''ٹھہر جاؤ لڑکی اتنی جلدی بھی کیا ہے؟'' فائز کی شوخی عروج تک جا پہنچی۔

''بتانا ہے تو بتائیں ورنہ میں چلی امی بلا رہی ہیں؟'' سفینہ نے بھی چھیڑتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

''یار ممی نے کہا ہے کہ سفی سے کہو کہ وہ دلہن بننے کی تیاری شروع کر دے۔'' فائز نے سیدھی شرافت سے بتا ہی دیا۔

''کس کی دلہن؟'' وہ ایک دم چونک کر پوچھنے لگی۔

''فائز جلال کی اور کس کی میڈم؟'' فائز نے جلدی سے وضاحت پیش کی۔

''اونہہ یہ منہ اور چنے کی دال......'' سفینہ پر شرارت سوار تھی' محاورے کا بھی حشر نشر کر دیا۔

''سفینہ بہزاد دنیا میں صرف ایک ہی شخص ہے جو تمہیں برداشت کر سکتا ہے۔'' اس کے لہجے میں محبت کا رچاؤ پیدا ہوا۔

''اچھا وہ کون؟'' سفینہ کا دل دھڑکا پھر بھی لطیف انداز میں انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

''وہ شخص میرے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔'' اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''اچھا ایک اور بات سنو'' وہ ایک دم جذبے لٹانے پر آمادہ ہوا۔

''جی فرمایئے۔'' سفینہ کا دل ایک بار پھر خاص انداز میں دھڑکا، مگر لہجے سے ظاہر ہونے نہ دیا۔

''دنیا میں صرف ایک ہی شخص ہے، جو تمہیں حد سے زیادہ چاہ سکتا ہے۔'' فائز نے قطرہ قطرہ محبت کا رس اس کے کان میں گھولا۔
''اوں......'' وہ ایک دم سر ہلا کر خاموش ہوگئی، گال تمتما اٹھے، پلکوں کی لرزش محسوس کرنے والی تھی۔ اگر فائز اسے اس وقت دیکھ لیتا تو دنیا بھلا دیتا۔
''اب کی بار نہیں پوچھا کون؟'' کچھ دیر کی خاموشی کو توڑتے ہوئے شوخ ہوا۔
''سنی میں جانتا ہوں کہ اس بات کا جواب تمہارے اپنے اندر چھپا ہوا ہے۔'' فائز کا گھمبیر خوب صورت لہجہ میں کہا۔
''اب مسکراؤ...... ہنسو رونے دھونے والے لمحے پیچھے رہ گئے۔'' فائز کی انوکھی تسلی پر اس کا رواں رواں سرشار ہوگیا۔
''آپ......!'' سفینہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ سامنے سے آتی ریحانہ نے محبت کا فسوں توڑ دیا اور وہ حقیقت کی دنیا میں آ کھڑی ہوئی اور پھر نہ جانے کیسے اس نے لائن کٹ کردی۔
''میری سنی ایک دم جھلی ہے۔'' فائز نے مسکرا کر تصور میں اس کا دلکش چہرہ دیکھا اور اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

موبل نہا کر تولیہ سے بال جھاڑتی ہوئی نکلی تو اندر داخل ہوتے نبیل کی نگاہیں اس پر جم گئیں، اس نے بڑی محبت سے اسے کمرے میں آنے کا اشارہ کیا تو موبل کی گلابی رنگت سرخ پڑ گئی، پنکھڑی سے لبوں پر حیا آلود مسکراہٹ چھاگئی نبیل کے دل میں ہلچل مچ گئی۔ وہ بستر پر دراز ہو کر اس کا انتظار کرتا ہوا اسی کو سوچنے لگا۔
''کیسی لڑکی ہے یہ...... کچھ بھی پہن اوڑھ لے اس کا حسن کھلتا چلا جاتا ہے۔'' نبیل نے سر کے نیچے بازو رکھتے ہوئے آنکھیں میچ کر سوچا۔
''تیار ہو کر تو غضب ڈھاتی ہی ہے مگر سادہ سے کپڑوں میں تو اور حسین ہو جاتی ہے۔'' لبوں پر شرارتی مسکراہٹ ابھری اتنے میں دروازے پر آہٹ ہوئی۔
''ادھر آ کر بیٹھو یار۔'' اس نے کمرے میں داخل ہوتی موبل کا گورا ہاتھ تھام کر اپنے قریب بٹھایا۔ وہ شرما کر قریب بیٹھ گئی۔
''ایک بات کہوں...... تم مجھے ہر حال میں بہت اچھی، بہت پیاری لگتی ہو۔'' اس نے آنکھوں میں جھانکنا چاہا، وہ شرما کر پیچھے ہوئی۔
''موبل تمہارے خدوخال میں بڑی خالص سی جاذبیت ہے۔'' وہ مزید قریب ہو کر کانوں میں رس گھولنے لگا، موبل اسے پرے کرتے ہوئے کھلکھلائی۔
''تمہاری ہنسی میں کیسا نرالا پن ہے۔'' وہ آج محبت لٹانے پر آمادہ تھا، اسے بھاگنے نہ دیا، مضبوطی سے ہاتھ پکڑ لیا۔
''کبھی کبھی میں خود اپنی نگاہوں سے گھبراتا ہوں کہ کہیں تمہیں میری ہی نظر نہ لگ جائے۔'' جذبے لٹاتی نگاہیں، پرفسوں لہجہ موبل کی جان نکالے دے رہا تھا۔
''لڑکی اب تم سے دور رہنا مشکل بلکہ ناممکن ہوگا۔'' نبیل نے دونوں ہاتھ تھام کر دوبارہ اپنی جانب کھینچتے ہوئے سرگوشی کی۔
موبل نے نگاہیں اٹھا کر شوہر کی جانب دیکھا نبیل کی باتوں میں کتنی مٹھاس، کتنی محبت ہے، وہ دل ہی دل میں اللہ کا

شکرادا کرنے لگی کہ اسے اتنا اچھا شریک حیات ملا ہے۔

''آپ نے مجھ سے زیادہ بھی کبھی کسی سے محبت کی ہے؟'' کچھ دیر بعد کمرے میں چھائی خاموشی سے پیچھا چھڑانے کے لیے موتل نے شرارتی انداز میں عجیب سی بات پوچھ ڈالی اور ایک دم سب کچھ چھن سے ٹوٹ گیا۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ اس نے خود اپنی ہنستی بستی زندگی میں آگ بھرلی ہے۔

''ہاں......'' نبیل کے ذہن میں بجلی کی طرح شرمیلا کی یاد چمکی، ساری قسمیں وعدے اور خود سے کیا گیا عہد یاد آ گیا۔ اس نے گردن ہلا کر بے ساختہ حامی بھری۔

''یہ......کیا......کہہ رہے ہیں؟'' اس نے گھبرا کر شوہر کو دیکھا، ہاتھ لرزنے لگے۔

''میں ذرا باہر جا رہا ہوں موتل۔'' نبیل نے اسے بڑے طریقے سے خود سے دور کیا اور لمبے ڈگ بھرتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

''ان کو اچانک کیا ہو گیا؟'' وہ دل پر ہاتھ رکھ کر ہکابکا سی کھڑی سوچتی رہ گئی۔

☆......☆......☆

''فائز......'' سائرہ نے بیٹے کو آفس کے لیے نکلتے دیکھا تو پکارا۔

''جی ممی؟'' اس نے مڑ کر ماں کو دیکھا۔

''تم سفینہ کو کہنا کہ وہ کالج سے تمہارے ساتھ یہاں آ جائے۔'' سائرہ کے لہجے میں کچھ خاص تھا۔

''یہاں......!وہ کیوں؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''میں اسے یہاں کچھ دن اپنے ساتھ رکھوں گی تمہاری محبت میں سفینہ اتنی تکلیف تو اٹھا لے گی نا؟'' ان کے انکشاف پر وہ ششدر سا کھڑا رہ گیا۔

''اور چاچا چاچی؟'' اس کے لب کپکپائے۔

''ان کی ناک نیچی کرنے کا یہی تو ایک ذریعہ ہے۔'' سائرہ کے لہجے میں سفاکی در آئی۔

''ممی......آپ کیا کرنا چاہتی ہیں مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' اس نے اپنے چکراتے سر کو تھاما۔

''کچھ خاص نہیں بس سفینہ کو یہاں رکھوں گی وہ جب کئی راتیں اپنے گھر سے غائب رہے گی تو تمہاری چاچی کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے، پھر بیٹی کو رسوائی سے بچانے کے لیے وہ خود ہاتھ جوڑ کر اس کی شادی تم سے کرنے پر مجبور ہو جائیں گی۔'' سائرہ نے سفاکی کی انتہاؤں پر پہنچ کر اپنا بھیانک منصوبہ بیٹے کے گوش گزار کیا۔ وہ گم صم سا کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

دعوت

سباس گل

"اماں...... تمہاری مرغیاں تو گئیں۔" ندیم نے سیڑھیاں اترتے ہوئے راشدہ پروین کو دیکھتے ہوئے بریکنگ نیوز دی۔ راشدہ بیگم جو باورچی خانے کی طرف جارہی تھیں اسے دیکھ کرا لجھن آمیز لہجے میں بولیں۔

"ہیں...... کیا کہہ رہا ہے؟"

"وہی جو ابھی ان گناہ گار آنکھوں سے دیکھ کے آرہا ہوں دونوں اللہ کو پیاری ہوگئیں۔" ندیم نے صحن میں لگے نلکے سے اپنے ہاتھ دھوتے ہوئے جواب دیا۔

"آئے ہائے...... دو چار دن سے بیمار تو لگ رہی تھیں۔"

"پار بھی لگ گئیں۔" ندیم اپنے ہاتھ کھونٹی پر ٹنگے تولیے سے خشک کرتے ہوئے بولا۔

"بس اب تو بنا انڈے کے ناشتا کریو انڈے کے بغیر تو تیرے حلق سے نوالہ نہیں اترتا۔" راشدہ پروین بولیں۔

"یہ تو ہے اماں۔" وہ صحن میں بچھے تخت پر بیٹھتے ہوئے بولا تو وہ غصے سے کہنے لگیں۔

"روز کے دو انڈے تو دیتی تھیں تیری طرح مفت خور نہیں تھیں۔ دانہ پانی' کھایا پیا حلال کرتی تھیں اللہ جنت نصیب کرے انہیں۔"

"ارے تو فکر کیوں کرتی ہو اماں...... دو چار مرغیاں اور خرید کے لادوں گا تمہیں۔" ندیم نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہ بس رہنے دے دوبارہ نہ لائیو مرغیاں' بچوں کی طرح دیکھ بھال کرنی پڑے ہے اور اب میری بوڑھی ہڈیوں میں اتنا دم نہیں ہے کہ میں سارا دن مرغیوں کے آگے پیچھے پھروں دانہ پانی ڈالوں انڈے تو بیکری سے بھی لاسکتا ہے ناتُو؟" راشدہ پروین نے اسے منع کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں لے آیا کروں گا اب تمہاری سونے کے انڈے دینے والی مرغیاں جو مرگئی ہیں۔" ندیم نے مسکرا کر کہا۔

"اے کیا دونوں ہی مرگئیں؟"

"ہاں اماں...... دونوں مرگئیں۔"

"ہائے اللہ...... بے چاری سارا وقت ساتھ جو رہتی تھیں پھر بھلا مرنے پر الگ کیوں ہوتیں۔" راشدہ پروین نے دکھ سے کہا۔

"ارے اماں...... اتنا غم کیوں کررہی ہو؟ دونوں کی لکھی تھی ساتھ میں میری آنکھوں کے سامنے دم دیا ہے اور میں نے ان کی گردن پر چھری چلادی۔"

"ہیں...... ہیں...... باولا ہوا تھا مری مرغیوں پر چھری چلادی' اٹھا کے باہر پھینک انہیں۔" راشدہ پروین نے حیران ہوکر اسے دیکھتے ہوئے غصے سے کہا۔

"پھینکوں کیوں؟"

"تو گھر میں رکھ کے کیا کرے گا؟"

"تم پکالو اور بلقیس پھوپو کی دعوت کردو وہ بہت دنوں سے مرغ مسلم کی دعوت کھلانے کا کہہ رہی تھیں ناں تو آج بلالو انہیں۔" ندیم نے فوراً مشورہ دیا۔

"پاگل ہوا ہے کیا...... مردہ مرغیوں کا گوشت کھلائے گا انہیں؟"

"انہوں نے بھی تو اپنی بیٹی کی منگنی میں ایک بجے کھانے پر بلایا تھا اور شام کے ساڑھے چار بجے کھانا دیا تھا وہ بھی کٹے کا گوشت دیگ بھر کے پکایا تھا جس میں ہڈیوں کا چورا ہر نوالے میں آرہا تھا جیسے کچ سے ہڈیوں کا

چورا بنانے میں اور کٹّے کا گوشت گلانے میں لگے تھے جب نہیں گلا تو جیسا تھا سامنے دھر دیا۔ قسم سے دل چاہ رہا تھا کہ ان سب کو کٹّے کے گوشت کی اس دیگ میں الٹ دوں بھلا مہمانوں کو کوئی منگنی پر کٹّے کا گوشت کھلاتا ہے۔"

"ہاں کہہ تو تُو ٹھیک ہی رہا ہے۔" راشدہ پروین بولیں۔

"بس تو پھر ان کی فرمائش پوری کرو اماں...... دعوت کردو آج دوپہر میں پھوپو کی پوری پلٹن کی ایک مرغی کا قورمہ بنالو ایک کی یخنی والا پلاؤ۔" ندیم نے مشورہ دیتے ہوئے کہا تو وہ بھنویں پکڑ کے بولیں۔

"مری مرغی کا یخنی پلاؤ۔"

"ہاں تو اور کیا سب چلتا ہے آج کل۔" وہ بے نیازی سے بولا تو راشدہ پروین کہنے لگیں۔

"میں جمیں کھانے کی سری مرغیوں کا پلاؤ اور قورمہ۔"

"تو میں کون سا کھاؤں گا۔" وہ ہنسا۔

"اچھا تو انہیں کیا جواب دیں گے کہ ہم ان کے ساتھ کھانا کیوں نہیں کھا رہے؟" راشدہ پروین نے سوال کیا۔

"آپ کہہ دینا کہ آپ کا روزہ ہے اور میں بہانے سے باہر چلا جاؤں گا۔"

"دیکھ مجھے تیری بات ہضم نہیں ہو رہی۔"

"لیکن پھوپو اور ان کی آل اولاد کو تمہاری مرغیاں ہضم ہو جائیں گی۔ یقین رکھو اماں...... اور قورمہ پلاؤ بنالو میں نان یا تنور کی روٹیاں لادوں گا ساتھ میں سلاد رائتہ بنالینا۔"

"اور میٹھے میں کیا بنے گا؟"

"میٹھے میں سوجی کا حلوہ بنالو سستا بھی ہے آسانی سے جلدی سے بن بھی جائے گا' تمہیں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔ منٹوں میں پک کے تیار ہو جائے گا' رائتے سلاد کے لیے میں تم کو دہی' ٹماٹر' کھیرے' دھنیا پودینہ ابھی لائے دیتا ہوں۔" ندیم نے بڑی تیزی سے دماغ چلاتے ہوئے کہا تو وہ بولیں۔

"یہ سب تو ٹھیک ہے پر تیری پھوپو کہے گی جمیں کہ اچانک دعوت کا خیال کیسے آ گیا؟"

"او ہو اماں...... تم اس بات کی ٹینشن رہنے دو اور وہ لوگ جتنے ندیدے اور مفت خورے ہیں ناں ان کا دماغ ایسی بات نہیں سوچنے کا بس یہاں آ کے دعوت اڑانے سن کے ہی ناچنے لگے گا۔"

"ہاں یہ بھی ہے۔" راشدہ پروین نے پُرسوچ انداز میں ٹھوڑی پکڑ کر کہا تو ندیم ایک دم سے یاد آنے پر بولا۔

"اور یاد آیا اماں...... آج تو بلقیس پھوپو کی شادی کی 20 ویں سالگرہ بھی تو ہے...... تو ہم ان کو شادی کی سالگرہ کی دعوت کا کہہ دیں گے تو وہ اور پھوپا دونوں خوش ہو جائیں گے۔"

"وہ دونوں تو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ خوش نہیں رہے تو ہمارے سے کیا خوش ہوں گے۔ شادی کی سالگرہ کا سن کے تو تیرے پھوپا کو تاؤ آنے لگے گا کہ بھلا یہ کوئی خوشی کا دن ہے جو سالگرہ منائیں؟ بکتے جھکتے' لڑتے جھگڑتے بیس برس کا فاصلہ طے تو کرلیا دونوں نے پرخوشی

نہ ڈھونڈ سکے دونوں آج تک اور سالگرہ میں تو کیک بھی چاہیے وہ کون لا کر دے گا؟"

"پھوپو پھوپا لائیں گے اور کون لائے گا؟"

"وہ لے ہی نہ آئیں کہیں۔" راشدہ پروین طنز سے ہنسیں۔

"دعوت کھانے آ رہے ہیں تو سالگرہ کا کیک تو لا ہی سکتے ہیں دعوت میں خالی ہاتھ آئیں گے تو ان کی مرضی ہم بھی کہہ دیں گے کہ کیک تو کھلانا بنتا ہے۔"

"یہ سالگرہ کا بہانہ خوب مل گیا پر تیری پھوپو تو اگلے برس پھر سالگرہ کی دعوت کی امید لگائے بیٹھے گی تب کیا کریں گے؟" راشدہ پروین نے دور کی سوچتے ہوئے کہا۔

"اماں...... یہ ان کی شادی کی بیسویں سالگرہ ہے منانے کو پہلی ہی مگر ہر سال بیسویں سالگرہ نہیں آیا کرتی۔ دعوت خاص موقع پر ہوا کرتی ہے تم چھوڑو ان فکروں کو اور دعوت کی تیاری کرو۔" ندیم نے ہنس کر کہا۔

"ہائے میری مرغیاں مر گئیں۔" وہ افسردگی سے بولیں۔

"مر کے بھی لوگوں کے کام آ گئیں دعا دو انہیں میں آتا ہوں۔" وہ کہہ کر دروازے سے باہر نکل گیا۔

"اے ناشتا تو کرتا جاتا۔" راشدہ پروین بڑبڑائیں اور چھت کی سیڑھیاں چڑھنے لگیں جہاں ان کی مرحوم مرغیاں دعوت کا لقمہ بننے کی منتظر تھیں۔

......☆☆☆......

ندیم کی پھوپو بلقیس اسی محلے میں رہتی تھیں اپنے شوہر چھ بچوں کے ساتھ اور حسب عادت صبح سویرے گھر کے دروازے میں کھڑی محلے میں آنے جانے والوں کو جاسوسانہ نظروں سے تاڑ رہی ہوتیں یہ ان کا محبوب مشغلہ تھا جس پر ان کی اپنے میاں نذیر اشرف سے کئی بار تُو تُو میں میں بھی ہو چکی تھی مگر وہ بلقیس بیگم ہی کیا جو باز آ جاتیں۔ ندیم اپنی دھن میں چلا جا رہا تھا کہ بلقیس بیگم نے اسے دیکھتے ہی آواز لگائی۔

"اے ندیم...... رکیو تو۔"

"سلام پھوپو...... کیا حال ہے؟" ندیم انہیں دیکھتے ہی سلام کرتے ہوئے ان کے پاس چلا آیا۔

"وعلیکم السلام! یہ تُو اتنی صبح صبح کہاں جا رہا ہے؟"

"پھوپو...... حلوہ پوری کا ناشتا لینے جا رہا ہوں۔" ندیم نے معقول بہانہ بنایا۔

"واہ بھئی بیٹا...... تم حلوہ پوری کے ناشتے کرو اور غریب پھوپو کو نوکری لگنے کی خوشی میں ایک دعوت بھی نہ کھلائی اب تک۔" بلقیس پھوپو نے فوراً شکوہ کر دیا اور ندیم کو انہیں دعوت پر بلانے کا سنہری موقع اپنے آپ ہی مل گیا۔

"ارے پھوپو جان...... میں تو پہلی تنخواہ ملنے کے انتظار میں ہوں تنخواہ ملتے ہی پہلی دعوت آپ کی کرنے کا سوچ رکھا تھا...... مگر خیر تم آج کہو میں آج ہی آپ کی مرغ مسلم کی دعوت کرنے کو تیار ہوں۔ کیسی بات کر دی آپ نے پھوپو...... آپ ایسا سمجھتی ہیں اپنے بھتیجے کو؟ میں نے کہہ دیا ہے آج دوپہر کو کھانا آپ سب ہماری طرف کھائیں گے۔"

"ہائے سچ۔" وہ خوش ہو کر بولیں۔

"تو اور کیا تم آج ہی آ جاؤ سب کو لے کر۔ آج تو آپ کی شادی کی بیسویں سالگرہ بھی ہے پھوپو...... مبارک ہو اس کی دعوت میری طرف سے ہے۔"

"اے ندیم...... تُو مذاق تو نہیں کر رہا؟" بلقیس بیگم کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ تصدیق کرنے کو دوبارہ پوچھا تو وہ تیزی سے گویا ہوا۔

"لو میں مذاق کیوں کروں گا آپ بڑی ہو میری میں بھلا ایسا مذاق کروں گا آپ سے؟ ابھی میں ناشتا کرنے کے بعد ضروری سامان خرید کے گھر جاؤں گا اور اماں کی دونوں مرغیاں ذبح کر کے ان کو دے دوں گا اور کہہ دوں گا کہ میری پھوپو آ رہی ہیں دوپہر کے کھانے پر اچھا سا اہتمام کریں وہ۔"

"اے جیتا رہ میرا چاند...... تجھے ہے پھوپو کا خیال

ورنہ تیری ماں تو بہت ہی کنجوس اور چھوٹے دل کی ہے ہمیں چائے پلانے کو بھی راضی نہیں۔'' بلقیس بیگم نے اس کی بلائیں لیتے ہوئے اپنی بھاوج کے خلاف دل کے پھپولے پھوڑے۔

''پھوپو...... ایسی بات نہیں ہے تم اماں کے لیے اپنے دل میں بدگمانی مت رکھا کرو' اماں تو کب سے کہہ رہی تھیں کہ تیری پھوپو کی دعوت کرنی ہے اب دیکھنا میں جاکے ان کو بتاؤں گا کہ پھوپو کو دوپہر کے کھانے کی دعوت دے کر آیا ہوں تو وہ منع یا غصہ تھوڑی کریں گے خوشی خوشی دعوت کا اہتمام کریں گی۔'' ندیم نے ضبط سے کام لیتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا تو وہ مصنوعی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر بولیں۔

''چل تُو کہہ رہا ہے تو مان لیتی ہوں پھر ہم سب آجائیں ناں آج جمعہ پڑھ کے؟''

''آپ سب جمعہ کب سے پڑھنے لگے پھوپو؟'' ندیم نے شرارت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''چل شریر...... تیرے پھوپا تو جمعہ کی نماز باقاعدگی سے پڑھتے ہیں۔''

''اچھا پھوپو...... میں چلوں اماں کو دعوت کا سودا بھی تو لے جاکے دینا ہے' مرغیاں ذبح کرنی ہیں' آپ لوگ آجانا جمعہ پڑھ کے' رب راکھا۔'' ندیم تیزی سے اپنی بات مکمل کرکے آگے بڑھ گیا۔

''رب راکھا۔'' بلقیس بیگم نے جواباً مسکراتے ہوئے کہا اور تیزی سے گھر کے اندر کی جانب دوڑیں' سب کو دعوت کی خوش خبری بھی تو دینا تھی۔

......☆☆☆......

راشدہ پروین نے دوپہر ایک بجے تک مرغ پلاؤ' مرغ قورمہ' سلاد' رائتہ اور سوجی کا حلوہ پکالیا تھا۔ ڈرائنگ روم کی میز پر برتن بھی چُن دیئے تھے۔ ندیم محلے کے تنور سے روٹیاں لگوالایا ان کی تیاری مکمل ہوگئی تھی ڈیڑھ بجے بلقیس پھوپو اپنے شوہر نذیر اشرف اور چھ عدد ندیدے بچوں کے ساتھ نازل ہوگئی تھیں۔ کھانے کی خوشبو نے

ان سب کے منہ میں پانی بھر دیا تھا' ندیم اور راشدہ پروین کو ان کے چہروں سے ان کی بے تابی و بے صبری صاف محسوس ہو رہی تھی جو صرف کھانے کے لیے تھی وہ بھی انہیں زیادہ انتظار نہیں کروانا چاہتے تھے لہٰذا دونوں نے مل کر فوراً کھانا لگا دیا۔

"بھائی نظر نہیں آ رہے بھابی؟" نذیر اشرف نے پلیٹ سرکاتے ہوئے راشدہ پروین سے کہا۔

"وہ گھر میں ہوں تو نظر آویں ناں' ان کے کسی دوست کا بیٹا دبئی سے آیا ہے اسی خوشی میں دعوت ہے آج ان کی طرف سے وہ تو رات تک ہی لوٹیں گے آپ سب بسم اللہ کریں۔" راشدہ پروین پانی کا جگ میز پر رکھتے ہوئے بولیں۔

"اچھا...... بھابی آپ بھی بیٹھو نا۔" بلقیس بیگم نے پلاؤ اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے اخلاقاً کہا۔

"ہاں بیٹھ تو میں جاؤں پر کھاؤں گی نا کچھ۔"

"وہ کیوں؟" بلقیس بیگم نے حیرانگی سے انہیں دیکھا۔

"وہ یوں پھوپو کے اماں کا آج روزہ ہے یہ تو مجھے ڈانٹ رہی تھیں کہ تیرے ابا بھی اپنے دوست کی طرف گئے ہیں' میرا روزہ ہے اور تو نے اپنی پھوپو کو دعوت دے ڈالی۔ اب ہم ان کے ساتھ کھانا نہیں کھائیں گے تو ان کو برا لگے گا' لو بھلا اس میں برا لگنے کی بات تو نہیں ہے نا پھوپو...... میرا دل کیا آپ کو فوراً ایک دم سے دعوت دے دی پہلے سے پتا ہوتا تو اماں روزہ کسی اور دن رکھ لیتیں یا دعوت کسی اور دن رکھ لیتے۔" ندیم نے تیزی سے بولتے ہوئے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے بچہ...... یوں کھڑے کھڑے اپنی پھوپو کے شکوے پر دعوت دیں گے تو اس طرح تو ہوگا نا۔" نذیر اشرف نے مرغی کی ٹانگ چباتے ہوئے کہا۔

"ندیم تو بڑا ہی اچھا بچہ ہے اتنی اچھی دعوت کرادی پھوپو کی۔" بلقیس بیگم نے ایک نظر ندیم پر ڈال کر دوبارہ سے کھانے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ وہ مسکرانے لگا اسی وقت ندیم کے موبائل کی بپ بجی' وہ فون سننے کو برآمدے میں چلا گیا اور دو منٹ بعد آ کر بولا۔

"اماں' پھوپو' پھوپا جی...... میرے دوست کا فون تھا اس کے ابا کو ہسپتال لے کے جانا ہے آپ بُرا نہ منانا' آپ سب کھانا کھاؤ آرام سے بعد میں ملتا ہوں' اللہ حافظ۔ اماں...... کھانے کے بعد چائے ضرور پلانا پھوپو کو۔"

"اللہ حافظ بیٹا۔" نذیر اشرف پلاؤ بھرے منہ سے بولے وہ سب تو دل ہی دل میں شکر ادا کر رہے تھے' خوش ہو رہے تھے کہ کھانے والے تین افراد کم ہو گئے اور سامنے رکھا سارا کھانا وہ سب پیٹ بھر کے کھائیں گے اور کھایا بھی خوب' برتن کیا اپنی انگلیاں تک چاٹ لیں سب نے۔ ندیم کو تو جانے کا بہانہ مل گیا تھا اور ادھر بلقیس بیگم اور نذیر اشرف بچوں سمیت دعوت اڑا کر ہنسی خوشی اپنے گھر کو لوٹے تھے۔ شام کو ندیم گھر آیا تو آتے ہی بھوک لگی ہے کا شور مچا دیا۔

"اماں...... بڑی بھوک لگی ہے جلدی سے کھانا کھلا دو۔"

"لے تو کھانا کھا لے میں ذرا مغرب کی نماز پڑھ لوں۔" راشدہ پروین نے مرغ پلاؤ اور رائتہ ایک ٹرے میں پلیٹوں میں سجا کے اس کے سامنے رکھ دیا اور خود نماز پڑھنے کمرے میں چلی گئیں۔

"واہ اماں...... مزا آ گیا کھا کے بہت ہی لذیز پلاؤ پکایا تم نے۔" ندیم جب تک کھانے سے فارغ ہوا تب تک راشدہ پروین بھی نماز ادا کر کے کمرے سے باہر آ گئیں۔ انہیں دیکھتے ہی ندیم نے بڑے دل سے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"تیرے پھوپا پھوپی بھی بڑی تعریف کر رہے تھے مری اور زندہ ذبح شدہ مرغیوں کے گوشت میں کوئی فرق نہیں لگتا جبھی تو لوگ دھوکہ کھا جاویں اور بیمار و مُردہ جانوروں کا گوشت خرید لیں۔" راشدہ پروین نے تخت پر

بیٹھ کر مسکرا کر کہا تو ندیم کی حالت دیکھنے والی تھی۔ وہ مُردہ مرغیوں کے گوشت سے پکا پلاؤ کھا چکا تھا۔ یہ بات تو اس کے دماغ سے ہی نکل گئی تھی کہ یہ کام وہی اپنی ماں کو کرنے کے لیے کہہ گیا تھا۔

"کک...... کیا کہہ رہی ہو اماں...... یہ تمہاری مُردہ مرغیوں کے گوشت سے پکا پلاؤ تھا جو میں نے کھایا ہے؟" ندیم مسکین سی صورت بنائے انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں تو اور کیا بھول گیا؟ صبح تُو ہی تو مجھے مری مرغیوں کا قورمہ، پلاؤ پکانے کا کہہ گیا تھا تیرے سامنے ہی تو تیری پھوپو اپنی پلٹن کے ساتھ یہاں آ گئی تھی اور سب صاف کر گئی یہ تو تیرے واسطے میں نے ایک پلیٹ پہلے ہی نکال رکھی تھی پلاؤ کی۔" راشدہ پروین نے سنجیدگی سے جواب دیا' وہ واقعی بھول گیا تھا صبح سے دوپہر تک کا قصہ' ابھی تھکا ہوا آیا تھا' یاد تھا تو صرف یہ کہ وہ بہت بھوکا ہے اسے کھانا کھانا ہے۔

"کیا کرتی ہو اماں...... اپنے ہی بیٹے کو مری مرغیوں کے گوشت سے پکا پلاؤ کھلا دیا۔"

"اے تو تجھے کون سا پتا چلا کھاتے وے کہ یہ مری مرغیوں کے گوشت سے پکا پلاؤ ہے۔"

"قسم سے اماں...... تم میں اور قصائیوں میں کوئی فرق نہیں ہے' وہ بھی گھوڑے' گدھے سب کاٹ کے بیچ دیتے ہیں۔ مردہ مرغیاں اور بکرے لوگوں کو کھلا رہے ہیں اور لوگوں کو پتا ہی نہیں چلتا اگر یہ ٹی وی چینل والے پول نہ کھولیں۔" ندیم نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو وہ سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

"بیٹا...... جس معاشرے کے ضمیر مُردہ ہو جاویں ناں اس معاشرے میں مردہ جانوروں کا گوشت کٹنا' بکنا' پکنا' کھانا کوئی انوکھی بات نہیں ہوتی اور جہاں لوگ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھاتے ہوں (غیبت کرتے ہوں) وہاں مردہ جانور کا گوشت کھانا کون سی بڑی بات ہے۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہو اماں...... یہ بتاؤ تم نے بھی یہی پلاؤ' قورمہ کھایا ہے؟" ندیم نے اپنی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں میں نے بھی یہی سب کھایا بھلا اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ حلال اور پاکیزہ رزق سے منہ موڑ کر میں کیوں ناشکروں میں شمار ہوتی۔" اماں کی اس بات پر ندیم نے نا سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھا۔

"اب ایسے کیا دیکھ رہا ہے میرا ضمیر تیری طرح ابھی مردہ نہیں ہوا کہ حلال حرام' صحیح غلط کی تمیز کھو بیٹھوں۔ مجھے بلقیس سے لاکھ اختلافات سہی مگر اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ اسے مہمانوں کی طرح بلا کر اس کے ساتھ اس درجہ توہین آمیز سلوک کروں اور انسانیت اور اسلام کے ہر سبق کو فراموش کر دوں۔" اماں نے اپنی بات مکمل کی تو ندیم جو رونی صورت بنائے واش بیسن پر جھکا قے کرنے کی کوشش میں تھا ایک دم سیدھا ہو گیا۔

"ٹھیک کہتی ہو اماں...... میں ذرا سے نقصان سے بچنے کی خاطر کتنے بڑے نقصان کو اپنے مقدر میں رقم کرنے والا تھا اور نہ صرف خود غلط راہ پر تھا بلکہ اپنے ساتھ اپنی پیاری سی ماں کو بھی غلط روش پر اکسا رہا تھا مگر اب اس کے بعد جو کچھ آپ مجھے سمجھانا چاہ رہی تھیں جو سبق سکھانا چاہ رہی تھیں وہ کافی حد تک مجھے سمجھ آ گیا ہے اگر ہم خود اچھا کام نہیں کر سکتے' معاشرے میں غلط کام ہوتے دیکھ کر اسے غلط کہہ نہیں سکتے تو اس غلط کام کی پیروی بھی ہم کیونکر کر سکتے ہیں۔" ندیم نے شرمندہ لہجے میں اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا اور یہ بھی سچ تھا کہ مری مرغیوں نے آج اسے ایک زندہ سبق دے دیا تھا۔

مانوس اجنبی

فصیحہ آصف خان

وقت جیسے تھم سا گیا ہو‘ کائنات کی نبض رکنے لگی ہو‘ ساکت وصامت ماحول۔ گردشیں اپنے مدار میں چکرانا بھول گئی ہوں۔ یہ میرا وہم تھا‘ ہاں وہم ہی تھا۔ ہر شے اپنی جگہ موجود تھی‘ میرا تو دماغ چکرا رہا تھا‘ وہی ہلچل‘ شوروغل زندگی دوڑ رہی تھی۔ میں نے خود کو یکجا کیا اور اسی ماحول کا حصہ بن گیا۔

سبرینہ کو سال بعد دیکھ کر دل میں وہی لہر اٹھی‘ جو اسے دیکھتے ہی ترنگ میں آجاتی تھی۔ اس کا دراز قد متناسب سراپا‘ سنہری لمبے بالوں کی جگہ جوڑا‘ اس کی صراحی دار گردن کو مزید واضح کررہا تھا۔ دمکتی چمپئی رنگت اور بڑی بڑی شرگیں آنکھیں جو گھنیری پلکوں کی جھالر میں قید تھیں۔

میرے دل میں عجیب بے کلی سانس لے رہی تھی‘ خالی پن کا احساس کچوکے لگا رہا تھا۔ سبرینہ اپنے دونوں بچوں کے ساتھ اندر آرہی تھی‘ اس کے ملاحت آمیز چہرے پر ازلی نرم دلکش مسکراہٹ رقصاں تھی۔ اس کے ساتھ اس کا شوہر عدنان بصیر بھی تھا‘ دونوں کی جوڑی خوب جچ رہی تھی‘ بچے بھی خوب صورتی وخوش شکل میں عمدہ مثال تھے۔ میں اس سے کافی فاصلے پر تھا مگر وہ ہمیشہ کی طرح میرے قریب تھی جو لوگ دل کے مکین ہوتے ہیں‘ اپنا نقش عمر بھر کے لیے دل کی دیواروں پر کندہ کرجاتے ہیں۔ اپنا آپ...... آپ کے اندر کہیں رکھ جاتے ہیں۔

”ارے آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں‘ آئیں ناں بلکہ یوں کریں کہ عمر کو سنبھالیں‘ آپ کے پاس آنے کی ضد کررہا ہے۔“ نائمہ نے یک دم آکر نہ صرف میرے خیالات میں ارتعاش پیدا کیا بلکہ میرا جواب سنے بغیر ہی عمر کو میرے حوالے کردیا اور جان چھڑا کر مہمانوں میں غائب ہوگئی۔ سبرینہ کی فیملی میرے بہت قریب آچکی تھی‘ وہ مجھے اور میں اسے دیکھ چکا تھا عمر جو گلا پھاڑ کر رورہا تھا ایسے میں اکثر لوگوں کا میری طرف متوجہ ہونا لازمی تھا۔ عدنان کسی سے ملتے دوسری سمت مڑ گیا‘ بچے بھی اسی کے ساتھ تھے اور سبرینہ عین میرے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

اپنے مبہوت کردینے والے حسن سمیت‘ میرون ساڑھی اور قیمتی جیولری نے اس کے دلکش نقوش کو میک اپ کے ذریعے دوآتشہ کردیا تھا۔

”کیسے ہو سکندر بخت؟“ اس کے لہجے میں قدرے طنز چھپا تھا‘ وہ میری آنکھوں میں بے خوفی سے آنکھیں ڈال کر بولی۔ یہ اس کا انداز تھا‘ جسے میں بھول نہ پایا تھا۔

”فائن۔“ میں نے ہلکی ہلکی ہچکیاں لیتے عمر کو تھپکتے ہوئے کہا۔

”بیٹا ہے تمہارا؟“ وہ پوچھنے لگی تب میں نے پانی بھری آنکھوں والے ڈھائی سالہ عمر کو اس کے سامنے کردیا۔

”تم پر تو نہیں گیا۔“ سبرینہ کے تراشیدہ لبوں سے جملہ ادا ہوا تو میں بغلیں جھانکنے لگا۔ ”اس کی والدہ ماجدہ سے تو ملواؤ۔“ سبرینہ کے قیامت خیز حسن کے سامنے نائمہ کی شخصیت صفر تھی‘ میں نے کیا ملوانا تھا۔ نائمہ جو حد سے زیادہ شکی مزاج عورت تھی اگلے پل میرے سامنے تھی‘ بوٹا سا قد فربہی مائل جسم لال رنگ کے سوٹ میں

گویا پھنسی ہوئی تھی۔ سبرینہ اور وہ اجنبی نہ تھیں‘ سبرینہ کے سامنے نائمہ ہر لحاظ سے کمتر دکھائی دے رہی تھی۔ یہ میری زندگی کا سب سے بزدلانہ فیصلہ تھا یا...... میں اس لمحے بھی پچھتاوؤں کی زد میں تھا۔

”کیسی ہو؟“ نائمہ نے ہمیشہ کی طرح سبرینہ کو آڑے ہاتھوں لیا۔ نہ تمیز‘ نہ تہذیب‘ نہ رکھ رکھاؤ‘ نہ بات کرنے کا سلیقہ۔ وہ عمر کو کندھے سے لگاتے ہوئے بولی۔ حسد و جلن کا احساس اس کی آواز سے نمایاں تھا۔ اس کے برعکس سبرینہ آگے بڑھی اور ہمیشہ کی طرح خوشدلی سے مسکرا کر نائمہ کے گلے جا لگی‘ نائمہ کے انداز سے گریز صاف ظاہر تھا۔

سبرینہ واقف تھی نائمہ کے گریز‘ حسد‘ جلن اور اپنی کم مائیگی کے احساس سے‘ میں جانتا تھا سبرینہ کے اندر بے بسی کا احساس پوری طرح جاگ اٹھا تھا۔

”ہاں میں ٹھیک ہوں۔“ نائمہ کا لٹھ مار جواب جس کی سبرینہ کو توقع تھی۔

”آنٹی کیسی ہیں؟“ امی کا ذکر کرتے ہی اس کی آواز میں احترام از خود در آیا جبکہ......

”امی نہیں آئیں‘ ان کے جوڑوں میں بہت زیادہ درد رہنے لگا ہے۔ شوگر اور بلڈ پریشر بھی ہائی رہتے ہیں۔“ میں نے قدرے تفصیل سے آگاہ کیا۔

”اللہ انہیں صحت دے‘ آمین۔“ سبرینہ کے انداز میں بناوٹ ہرگز نہ تھی۔

”چلیے کھانا شروع ہونے والا ہے پھر گھر بھی جانا ہے۔“ نائمہ جیسے ہر دم چنے چبائے رہتی تھی‘ نہ کسی کا ادب‘ نہ لحاظ۔

”سبرینہ گھر آنا‘ امی تمہیں یاد کرتی ہیں۔“ بادل نخواستہ میں نے اسے دعوت کیا دی گویا اپنی شامت کو دعوت دے ڈالی۔ نائمہ مجھے خونخوار نظروں سے دیکھ رہی تھی گویا ابھی کچا چبا ڈالے گی۔

”وقت ملا تو ضرور آؤں گی‘ میرا سلام کہنا انہیں اوکے۔“ کہتے ہوئے وہ اندر جاتے مہمانوں میں گم ہوگئی‘ ایسے جیسے میری ذات سے نکل کر وہ گردش زمانہ میں کھو گئی تھی۔

❀....❀....❀

واپسی پر نائمہ کا موڈ بہت خراب تھا‘ عمر اس کی گود میں سو چکا تھا۔ میں خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا‘ میرا ذہن سبرینہ میں اٹکا تھا اور نائمہ اس بات سے قطعی بے خبر نہ تھی۔ میری سنجیدگی‘ میرے دل کا درد‘ راز‘ بے بسی‘ چہرے سے عیاں تھے۔ گھر آتے ہی اس نے ہنگامہ برپا کر ڈالا کیونکہ عمر کو وہ کمرے میں سلا آئی تھی اور پوری طرح میری کلاس لینے کو تیار تھی۔

”کب سے اس سے باتیں کر رہے تھے؟“ میں نے اسے نرمی سے سمجھایا کہ امی کی طبیعت خراب ہے اور خراب ہو رہی ہے‘ ان کے سر میں درد تھا اور یہ سر درد بلکہ دردِ سر امی کا ہی لایا ہوا تھا۔ میں رات گئے اس کی شکی مزاج فطرت اور گری ہوئی باتیں سنتا رہا۔

”کیا کرتا‘ سچ کو سچ ہی ماننا تھا۔“ ماضی کا ایک ایک

پل نظروں میں سمایا کہ نیند کو پل بھر جگہ نہ ملی۔

❁......❁......❁

"ادھر آؤ بدتمیز لڑکی...... سلیقہ و قرینہ تو تمہارے قریب سے بھی چھو کر نہیں گزرا۔" آج بھی حسب عادت اور حسب معمول اماں نے سبرینہ پر چڑھائی کر ڈالی۔ ہوا کیا تھا ایک کپ ہی تو ٹوٹا تھا' جس پر اماں چراغ پا ہوگئیں تھیں۔

یہ کوئی پہلا واقعہ نہ تھا کہ سبرینہ ان کے عتاب کا شکار ہوئی ہو۔ سکندر نے ہمیشہ اسے اماں کی نفرت و قہر کا شکار پایا تھا۔ سبرینہ کو ہمیشہ قصور سے زیادہ سزا ملتی تھی' پھر بھی اس کے لبوں پر شکوہ و شکایت کا حرف نہ آتا تھا' اس کی فطرت نرمی مٹی و خلوص سے گندھی تھی' جسے اماں سمجھ نہ پاتیں اور کبھی نہ بخشتیں۔

اس کے برعکس ابا کا مشفقانہ رویہ اسے شکر گزاری کا درس دیتا۔ ابا کے آتے ہی وہ ان کے اردگرد منڈلانے لگتی۔ ان کی خدمت میں پیش پیش رہتی جواباً ابا بھی اس پر پوری توجہ اور محبت نچھاور کرتے' ایسے میں اماں کا پارہ چڑھنا قدرتی امر تھا جس کا اظہار وہ سبرینہ پر غصہ کر کے نکالتیں۔

سبرینہ کون تھی؟ فریحہ ابا کی کزن اور کلاس فیلو تھی' دونوں میں پاکیزہ محبت تھی یہاں تک کہ دونوں نے بالا ہی بالا شادی کا فیصلہ بھی کرلیا' ان کی اماں کو پتا چلا تو انہوں نے بے حد واویلا مچایا ان کی اپنی نند نصرت سے کبھی نہ بنی تھی پھر کیسے اس کی بیٹی فریحہ کو اپنی بہو بناتیں سو جھٹ پٹ اپنی عزیز سہیلی کی بیٹی عائشہ سے رشتہ طے کردیا اور اپنا حق جتادیا ایسے میں ابا کی بھی ایک نہ چلی اماں کی سخت گیری کے آگے۔ یہاں تک کہ شادی بھی ہوگئی' شگفتہ نے بھی فریحہ کو بیاہ دیا۔

سکندر نے آ کر زاہد اور عائشہ کی زندگی کو سنوار دیا' وقت گزرا پہلے زاہد پھر فریحہ کے والدین چل بسے۔ سال گزرتے گئے' فریحہ' سبرینہ کی ماں بن گئی۔ سبرینہ آٹھ سال کی تھی کہ فریحہ بیوہ ہوگئی اور چند ماہ کے بعد اسے کینسر ہوگیا۔ مصیبت و مشکل میں سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے' یہی کچھ فریحہ کے ساتھ ہوا ایسے میں چھوٹی سی سبرینہ ماں کو دیکھ دیکھ کر روتی۔

زاہد یہ برداشت نہ کرسکے اور فریحہ کو اپنے گھر لے آئے۔ اس دم تو ژتی فریحہ سے بھی عائشہ کو اللہ واسطے کا بیر تھا۔ سکندر کو سبرینہ کی شکل میں مخلص دوست مل گئی' سکندر اس وقت پندرہ سال کا تھا' دو ماہ بھی نہ گزرے فریحہ اللہ کو پیاری ہوگئی۔

سبرینہ پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے زاہد ہر ممکن طریقے سے اس کی دلجوئی کرتے۔ خود سکندر بھی اسے بہلائے رکھتا مگر بے ضرر سبرینہ عائشہ کی نگاہوں میں بری طرح کھٹکتی تھی کم گو' معصوم صورت' تیکھے نقوش والی سبرینہ' عائشہ کا ہر ظلم ہنس کر سہنے لگی مگر عائشہ کے اندر نفرت کا پودا وقت کے ساتھ ساتھ تناور درخت کی صورت اختیار کرگیا تھا۔ پہلے ماں نے اپنا کام دکھایا اب بیٹی۔ وہ ہر لمحہ پیچ و تاب کھاتی اندر کی کھولن نکالاتی رہتیں۔

سبرینہ پڑھائی میں بہت اچھی تھی' سکندر بھی اس کی مدد کرتا۔ اس نے بہت شاندار نمبروں سے میٹرک کیا' زاہد بہت خوش تھے مگر عائشہ جو نفرت کرتی تھی' کررہی تھی اظہار کرنے میں بھی دیر نہ کرتی۔

"کیا ہر وقت اس کے ساتھ لگے رہتے ہو' بچے نہیں رہے ہو اب تم۔" عائشہ نے ایک دن سکندر کے لتے لیے۔

"امی کیا ہوا ہے؟" وہ ناسمجھی سے بولا۔ انہیں لگ رہا تھا کہ سبرینہ کے معصوم حسن کی زنجیروں میں سکندر الجھ گیا ہے۔

"یہ ماں بیٹی تو ہیں ہی جادوگرنیاں۔ اپنے دام میں پھنسانے والی۔" اماں کی بے حد لغو باتوں پر سکندر بوکھلا کر بولا۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں اماں آپ سبرینہ تو......"

"بس...... خبردار جو میں نے آئندہ اس کے پاس

منڈلاتے دیکھا' اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔" وہ انتہائی غصے سے کہتی کمرے سے نکل گئیں۔ تب اکیس سالہ سکندر نے دل ٹٹولا تو سبرینہ کسی حکمران کی طرح براجمان تھی۔

کئی برسوں کا ساتھ تھا' ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے دکھ سکھ بانٹتے' چیزیں شیئر کیں۔ پڑھائی میں مدد دی مگر کبھی غلط بات نہ کی' بس یہ تھا کہ دونوں ایک دوجے کے بنا رہ نہ پاتے۔ ان کی دوستی و رفاقت پاکیزہ و شفاف تھی' نہ کوئی وعدے کیے' نہ ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائیں مگر دونوں کے دل ایک ہی لے پر دھڑک رہے تھے۔

اسے اب پتا چلا کہ اماں کس قدر کینہ رکھتی ہیں' دل میں سبرینہ کے لیے اور انہیں یہ خبر بھی نہ تھی کہ زاہد سبرینہ کے لیے سکندر کو منتخب کرچکے ہیں۔ آخر سبرینہ کہاں جائے گی؟ یہاں ہمیشہ کے لیے رہنے میں کیا قیامت و قباحت تھی؟ زاہد دل ہی دل میں خوش تھے کہ ان کے اس عمل سے فریحہ کی روح کو قرار ملے گا۔ اس رات کو زاہد' سکندر کے پاس چلے آئے اور اپنا مطمع نظر واضح کردیا' سکندر کی طرف سے مثبت جواب مل جائے تو وہ عائشہ سے بات کریں گے۔ سکندر کے اندر تو جیسے چراغاں ہوگیا' جواب اس کے چہرے سے ظاہر ہوگیا' زاہد پھولے نہ سمائے مگر...... مگر عائشہ تو یہ سنتے ہی بھڑک اٹھیں۔

"میرے جیتے جی وہ میری بہو نہیں بن سکتی۔" عائشہ کے اندر پکنے والا لاوا آج آتش فشاں بن کر پھٹ رہا تھا۔

"وجہ......؟" زاہد تحمل مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولے۔

"وہ فریحہ کی بیٹی ہے اور فریحہ نے ساری عمر آپ کے دل پر حکمرانی کی اب اس کی بیٹی...... ہرگز نہیں...... کبھی نہیں' کسی سے بھی ہو مگر سبرینہ سے نہیں۔"

"عائشہ کیوں الزام تراشیاں کررہی ہو مجھ پر اس عمر میں۔ کب میں نے تمہارے حقوق سے پہلو تہی کی'

کب تمہیں نظر انداز کیا جو تم اپنا مقابلہ فریحہ سے کر رہی ہو۔ سبرینہ یتیم و بے آسرا تھی' اسے بس بیٹی سمجھ کر اپنے پاس رکھا' تم غلط سوچ رہی ہو۔'' زاہد کے انداز میں دکھ تھا۔ انہیں عائشہ کی ذہنیت پر افسوس ہو رہا تھا۔

''کچھ بھی ہو' میرا فیصلہ جواب ہے کل بھی وہی ہوگا اور زاہد اللہ کے لیے میرا اور امتحان نہ لیں۔'' یک دم وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

''اتنی نفرت و کدورت کو دل میں جگہ مت دو عائشہ...... سبرینہ تو بے قصور ہے پھر سکندر اسے پسند کرتا ہے اس کا تو سوچو۔'' زاہد بے حد منت بھرے لہجے میں بولے کہ عائشہ کا دل پسیج جائے۔

''میں نے اس کے لیے نائمہ پسند کر رکھی ہے' وہ اس کے ساتھ بہت خوش رہے گا' وہ میرا بیٹا ہے میرا مان کبھی نہ توڑے گا۔'' عائشہ کے اندر دو ٹوک فیصلہ کرنے کی صلاحیت تھی' زاہد یک دم چپ ہو گئے۔

عائشہ نے اپنے تئیں ساری زندگی کانٹوں و شعلوں پر بسر کی تھی' زاہد نے اس کے سارے حقوق پورے کیے مگر پھر بھی وہ اسے کٹہرے میں کھڑا کر کے مجرم ثابت کر چکی تھی۔

دیں گی۔ سبرینہ اور سکندر کے دل ایک دوسرے میں دھڑکتے تھے۔ کیا وہ مل پائیں گے یا ہمیشہ کی جدائی مقدر بنے گی؟ سکندر اسے تسلی دیتا مگر دل اندر ہی اندر ڈوبا رہتا۔

ایسے میں نائمہ کی آمد' اس کی چھچھوری حرکتیں جو نہ سکندر پسند کرتا نہ سبرینہ کو اچھی لگتیں مگر وہ جس استحقاق سے آتی مزید۔ عائشہ کا والہانہ پن' سبرینہ کو اندر ہی اندر کھنکا دیتا۔ پھر نائمہ کی طنزیہ باتیں' سبرینہ کو کمزوری کا احساس دلانا' اپنی اجارہ داری قائم کرنا۔ نائمہ کے لیے قطعی مشکل نہ تھا جبکہ اسے عائشہ کا تعاون حاصل تھا۔ سبرینہ کسی سے کچھ نہ کہتی مگر سکندر اکثر نائمہ سے الجھ پڑتا تب وہ نہ صرف اسے بے نقط سناتی بلکہ فتح مندی سے مسکرا دیتی جب اسے سکندر کے ساتھ عائشہ باہر بھیجتی' سبرینہ کے دل پر اس لمحے تاریکی چھا جاتی۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا وہ خود کو سمجھا چکی تھی کہ عائشہ کبھی سکندر کو اس کا نہیں ہونے دیں گی اور یہ بات اسے راتوں میں رلاتی۔ سکندر اس کی حالت سے لاعلم نہ تھا اس کی سرخ آنکھیں سکندر کو بے چین کر دیتیں مگر وہ بھی کیا کر سکتا تھا۔

❁.......❁.......❁

سبرینہ روز اول سے ہی سکندر کو اپنا سمجھ بیٹھی تھی' اس نے سبرینہ کو گہرے دکھ کے پاتال سے نکال کر زندگی کی روشنی دکھا کر زندگی سے پیار کرنا سکھایا تھا۔ اسے قدم قدم پر سکندر کی ضرورت پڑتی تھی اور وہ اس کے ہم قدم رہا۔ سبرینہ کے لیے سکندر ایسے تھا جیسے جسم کے لیے روح۔ پھول کے لیے خوشبو اور صحرا کے لیے بارش۔ اس کے بغیر جینے کا تصور ہی سوہان روح تھا۔ وہ سکندر کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ چکی تھی' خود سکندر بھی نگاہوں کی زبان میں باتیں کر چکا تھا' زبانی اظہار کی چنداں ضرورت نہ تھی۔

ایسے میں زاہد کی شفقت و محبت اسے اور مضبوط کر دیتی مگر اسے گمان نہ تھا کہ عائشہ کبھی ایسا نہ ہونے

''تمہیں میری قسم...... میں تمہیں اپنا دودھ نہ بخشوں گی' تمہیں ہر صورت انکار کرنا ہوگا۔ سبرینہ دنیا کی آخری لڑکی نہیں ہے' جس کو تم منتخب کرو۔'' عائشہ نے سکندر کو ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا' جہاں ماں اور سبرینہ میں کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ اس کے چہرے پر اداسیوں کا راج تھا جو عائشہ کو اپنی نفرت کی اندھی دیوار کے آگے دکھائی نہ دیتا تھا۔ وہ اپنی خود ساختہ انا بچا رہی تھیں۔ سکندر کو نائمہ کبھی پسند نہ آئی تھی' بہت زیادہ زبان چلانے والی' اکلوتی' ضدی' من مانی کرنے والی اس نے سبرینہ کو ہمیشہ حقارت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ خود کو عرش پر اور سبرینہ کو فرش پر دیکھا تھا اور سبرینہ نے ہمیشہ صلح کا پرچم تھام کر اس کی طنزیہ باتوں کو برداشت

کیا تھا مگر نائیہ کو کبھی احساس ہی نہ ہوا کہ وہ جس کو دل میں بسائے بیٹھی ہے اس کے دل میں اس کی رتی برابر جگہ بھی نہیں کیونکہ وہاں سبرینہ تھی۔

❁......❁......❁

اس روز سبرینہ بے حد اداس تھی' آج فریحہ کی برسی تھی۔ کالج سے واپسی پر سکندر اسے بائیک پر ساتھ لیے ایک کافی شاپ میں آ گیا۔ سبرینہ کی سرخ آنکھیں دیکھ کر سکندر کے دل پر چوٹ سی لگی۔ سکندر نے اسے دل سے چاہا تھا محبت کرنا کوئی سوچا سمجھا منصوبہ نہیں کوئی پلاننگ نہیں ہوتی۔ بس دل جہاں ٹھہر جائے وہی دل میں بس جاتا ہے۔ ماں باپ نے اسے عجب دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا' بے بس و کشمکش تھی' دونوں میں سے کسی کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ماں نے حتمی فیصلہ سنا دیا تھا اور باپ اس کے فیصلے پر عملدرآمد کرنے کو تیار تھا' ماں نے دھمکی دے ڈالی تھی اور باپ کو فیصلے کی گھڑی کا انتظار۔ سبرینہ کو دیکھتا تو جی کرتا اسے لے کر کہیں دور چلا جائے اور اپنا بنا لے مگر یہ سب کس قدر مشکل تھا' کافی آئی تو دونوں خاموشی سے پینے لگے۔ سکندر اسے دیکھتا رہا پھر دل گرفتگی سے بولا۔

"مت اداس ہوا کرو اس طرح۔" سکندر نے گویا اپنائیت سے تسلی دی' جس پر سبرینہ نے اسے شکوہ کناں نظروں سے دیکھا۔

"بات اداسی کی نہیں' بہت دکھ کی ہے۔" سبرینہ بھیگی آواز میں بولی۔

"رات کو آنٹی نے مجھے آسمان سے زمین پر لا کھڑا کیا ہے سکندر...... انہوں نے کہا کہ میں نے ڈورے ڈال کر تمہیں اپنی طرف مائل کیا ہے۔ سکندر کب میں نے......" ایکا ایکی وہ چہرہ ہاتھوں میں لیے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ سکندر کا دکھ اور صدمے سے برا حال تھا۔

ماں سے ایسی توقع نہ تھی یہ سچ تھا کہ وہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں' بظاہر کوئی رکاوٹ نہ تھی مگر

وہ باتیں

سنو

یہ میرا دل ہے نا!
اب بھی گزرے ماہ و سال
بیتی ہر اک بات
پگھلے سیسے جیسے سیال
اس شکست خوردہ چال
سب کو ازبر کیے
مجھ کو رلاتا ہے
نس نس میں زہر سماتا ہے
دل کو بھٹکاتا ہے!
وہی تلخ باتیں اور تجربے
لطف لیتے چہرے
طنز سے مسکراتے
میری ذات کو رلاتے ہیں
اذیت دیتے ہیں
وہ تلخ جملے
مجھے اب بھی ازبر ہیں
راسخ ہیں دل میں
حالت ہے ایسی
جیسے کوئی کانٹا چبھا ہو
زخم مندمل ہونے لگے
تب کوئی نمک پاشی کر دے
کوئی معافی نہ کرے گی تلافی
اب ذات پر لگے زخموں کی
سکون شاید بدلہ ہو
دل مگر مانتا نہیں
میری سنتا نہیں
لیکن تم سن لو
یہ میرا دل اب بھی
وہی باتیں یاد رکھے ہوئے ہے
جو اذیت سے دیتی ہیں
برباد کرتی ہیں!

زرمین سرمیو

ماں کی نفرت آسمان کی حدوں کو چھورہی تھی۔ انہوں نے صرف سبرینہ کو ہی موردِ الزام کیوں ٹھہرایا' وہ بھی اس جرم محبت میں برابر کا شریک تھا۔ وہ سبرینہ سے نگاہیں چرا کر شرمندگی سے بولا۔

"تمہیں پتا ہے بابا بھی چاہتے ہیں کہ ہماری شادی ہوجائے مگر امی نے مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے تم سے شادی کرنے کی بات کی تو وہ زہر کھالیں گی اور مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔ بتاؤ سبرینہ میں کیا کروں۔" سکندر کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔ سبرینہ کچھ دیر خاموش رہی پھر ناصحانہ انداز میں خود کو مضبوط کر کے بولی۔

"تمہیں آنٹی کی بات مان لینی چاہیے' میں تم سے شادی کے بعد بھی کانٹوں پر زندگی بسر نہ کرپاؤں گی۔ ان کی ناپسندیدہ ہستی رہی ہوں اب تک اور مستقبل میں ناپسندیدہ بہو بن کر تلخ زندگی نہیں گزار سکتی۔"

"آج ہمارے پاس ٹھیک فیصلہ کرنے کا صحیح وقت ہے' ہمیں جذباتیت کی بجائے عقل اور حقیقت سے کام لینا چاہیے۔ رہی ہماری محبت تو اسے ہمارے دلوں سے کوئی نہیں نکال سکتا۔"

"فیصلہ ہوچکا ہے سکندر...... میں تم سے شادی نہیں کرسکتی چلو گھر چلیں اور ہاں آئندہ اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوگی۔ محبت کا احترام کرتے ہیں اس کی تذلیل نہیں کہ دوسرے اسے اچھالتے پھریں۔" وہ کہتے ہوئے کھڑی ہوگئی اور سکندر بل دے کر باہر آگیا۔

❀......❀......❀

یہ بتادے مجھے اے زندگی
پیار کی راہ کے ہمسفر
بن گئے کس طرح اجنبی
پھول کیوں سارے مرجھائے
چپ ہے کیوں چاندنی
اس کی آنکھوں میں میرا
عکس اب کیوں نہیں
یہ بتادے مجھے اے زندگی......!

زندگی میں وہ سب نہیں ہوتا جو ہم چاہتے ہیں بلکہ وہ تسلیم کرنا پڑتا ہے جو ہمارے مقدر میں لکھ دیا جاتا ہے۔ محبت صرف پانے کا نام تو نہیں' روحوں کا تعلق ہے جو مرنے کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔ ابا کو میں نے واضح لفظوں میں انکار کیا تو وہ حیرانگی سے مجھے دیکھتے رہے۔

"میری اس کی کیمسٹری نہیں ملتی۔ کوئی ذہنی ہم آہنگی نہیں۔" میں نگاہیں چرا کر رک رک کر بولتا رہا' انہیں صاف لگ رہا تھا مجھ سے کہلوایا جارہا ہے۔ جبراً۔

"میری اور تمہاری ماں کی کیمسٹری کب ملی ہے؟" میں ان کے سوال سن کر لاجواب ہوگیا اور اٹھ کر تیزی سے باہر آگیا۔ اماں کو جب علم ہوا تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

"آخر بیٹا کس کا ہے؟ میرا مان رکھ لیا تُو سدا خوش رہے گا۔ میں کل ہی جاتی ہوں ظہیرہ کے پاس تیری نائمہ سے بات پکی کرنے۔" وہ واقعی بے حد خوش دکھائی دے رہی تھیں' میری حالت سے بے خبر جیسے آج برسوں بعد انہیں فتح نصیب ہوئی ہو میرے من کا مندر ڈھا کر۔ جس میں سبرینہ کسی ملکہ کی طرح سر اٹھا کر بیٹھی تھی انہیں کیا خبر یہ دلوں کے سودے تھے جو سود و زیاں سے ماورا تھے۔

❀......❀......❀

میری بات پکی ہونے سے پہلے ہی ابا نے اپنے کزن اور دوست سہیل کے بیٹے عدنان سے سبرینہ کا نکاح کردیا جو دبئی سے آیا ہوا تھا اور چند ماہ بعد رخصتی تھی تاکہ کاغذات بنواسکے۔ سبرینہ عدنان کی ہوگئی اماں کے سینے سے بوجھ ہٹ گیا اور میرے دل پر عمر بھر کے لیے نادیدہ بوجھ دکھ بن کر کچوکے لگانے کو تیار تھا۔ میں خالی آنکھوں سے سبرینہ کو دیکھتا رہا' کمال کا حوصلہ تھا اس میں۔

نائمہ سے میری منگنی دھوم دھام سے ہوئی' سبرینہ

نے دل کھول کر حصہ لیا' اماں کا ہاتھ بٹایا اس کے کسی انداز سے اداسی ظاہر نہ تھی باکمال اداکارہ تھی۔ منگنی کے بعد مجھے شاندار نوکری مل گئی' چند ماہ گزرے سبرینہ عدنان کے سنگ رخصت ہوگئی۔ میرے دل پر اپنی جدائی اور یادوں کو نقش کرکے۔

ابا کو شاید اسی کا انتظار تھا' سبرینہ کی شادی کے دو ماہ بعد ہی وہ ایک رات خاموشی سے ہم سے منہ موڑ گئے۔ اماں ایسا تڑپ کے روئیں کہ سب کو رلا دیا۔ وقت کا پہیہ چلتا رہا' چھ ماہ بعد اماں نے میری شادی کردی۔ کب تک گھر کے سونے درودیوار تکتیں' نائمہ مجھے دلہن بن کر بھی متاثر نہ کرسکی دل تھا کہ سبرینہ کی یاد میں پُرملال تھا اور یہ ملال و پچھتاوا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گہرا ہوتا گیا۔ زندگی تو گزرنی تھی بلکہ گزارنی تھی۔ اماں بے حد خاموش ہوگئی تھیں۔

ہاں' اب گھر میں آواز گونجتی تھی تو نائمہ کی' وہ بے حد جھگڑالو نخریلی' بدمزاج اور بدزبان تھی۔ جس کا میرے پاس کوئی حل نہ تھا۔ میری اداسی اور خاموشی کو سبرینہ کی یاد پر محمول کرتی' ہمارے درمیان سخت تلخ کلامی ہوتی۔ پہلے تو میں خاموش رہتا' مصلحت آمیز انداز اختیار کرتا پھر ایسی بک بک ہوتی کہ میں گھر سے باہر چلا جاتا۔

کبھی اس کی بے وقت فرمائشیں کہ میں زچ ہوجاتا۔ اماں کو وقت پر کھانا نہ دینا' اماں کا شکایتوں کا ڈھیر کہ میں اس پر سختی نہیں کرتا۔

''اماں یہ آپ کی دریافت اور پسند ہے۔'' میں چڑ کر کہتا۔ زندگی تلخیوں کا مجموعہ بن کر رہ گئی تھی۔ بجائے سدھرنے کے وہ اور اکڑ دکھاتی۔

اس روز اس قدر جھگڑا ہوا کہ برداشت کرتے کرتے میرا ہاتھ اٹھ گیا اور وہ میکے جا بیٹھی۔ اماں کے اصرار پر اس سے معافی مانگ کر اسے لے آیا۔ آخر مجھے کس جرم کی سزا ملی' اس ناپسندیدہ عورت کے ساتھ کیسے عمر گزرے گی۔ میں تو صلح و امن پسند انسان تھا' اب وحشت زدہ ہونے لگا تھا سوچوں نے مجھے ذہنی مریض بنادیا تھا۔

نائمہ کی شکی فطرت ہر وقت سبرینہ کے حوالے سے مشابہہ کرنا۔ میری خاموشی کو اس کی یادوں پر محمول کرنا' عمر احمد کی پیدائش کے بعد بھی اس کا رویہ ہنوز وہی تھا۔ نہ ساس کو ساس کا درجہ دیا نہ مجھے شوہر کا۔ نہ خدمت کا کوئی پہلو سامنے آیا۔ میں اکثر گھر سے باہر رہتا' گھر آتا تو اس کی بک بک' چخ چخ اماں سے الگ جھگڑے۔ صرف ماں کی حکم عدولی سے بچنے کے لیے' صرف ان کی فرماں برداری کے لیے جو فیصلہ میں نے کیا اس کا تاوان مجھے ساری عمر بھگتنا تھا۔ نائمہ کی فطرت نہیں بدل سکتی تھی۔ میں ہی خاموش رہنے لگا' بحث سے پرہیز کرتا' سبرینہ نے خود کو زندگی کے ان کانٹوں سے لہولہان ہونے سے بچالیا تھا اور میں لحظہ لحظہ کانٹوں پر چل رہا تھا' روح تک زخمی ہوگئی تھی۔ مگر نائمہ ہر احساس سے عاری تھی' اپنی خودساختہ انا اور ہٹ دھرمی سے گھر کو جہنم بنادیا تھا مگر میں نے سمجھداری سے کام لیا' ماں کی رضا کی خاطر' اللہ کے خوف سے' اس کے قہر و غضب سے بچنے کے لیے جو فیصلہ میں نے کیا تھا اس کا حل صرف خاموشی میں پنہاں تھا۔

اس گھر کے سکون کی خاطر' اپنے بیٹے عمر کی خاطر یہ کڑوا گھونٹ لحہ لحہ اور مسلسل پینے پر مجبور تھا مگر اس عارضی زندگی میں اللہ اور ماں کی رضا جیتنے کے لیے یہ سزا کوئی بڑی سزا نہیں تھی۔

گلاب مدتوں کے خواب نگر

نائلہ طارق

"پچھلے چھ ماہ سے میری زندگی عذاب بنا رکھی ہے ہٹلر نے' ہر بات پر روک ٹوک' وجہ بے وجہ نکتہ چینی' آئے دن کی بے عزتی' میں کیا یہی ذلت سمیٹنے آئی تھی یہاں؟ میں یہاں صرف عظام بھائی کی وجہ سے ہوں۔ وہ بھی بھائی ہی ہیں۔ میرا باپ بننے کی کوشش تو کبھی انہوں نے بھی نہیں کی تو وہ ہٹلر کیا چیز ہے۔" وہ شدید ناگواری سے بول رہی تھی۔

"میلک......اب تم زیادہ اپنا خون مت جلاؤ' یہ کام عشارب بھائی آل ریڈی اچھی طرح کر رہے ہیں۔ تمہارے لیے صرف عظام بھائی کی اجازت اہم ہے۔ان سے بات کرو ورنہ واپس اپنی خالہ جان کے گھر جانے کی دھمکی دے دو۔" ملیحہ نے مشورہ دیا۔

"پہلی بات تو یہ کہ اس ہٹلر کے سامنے عظام بھائی کی اجازت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ عظام بھائی میں وہ رعب و دبدبا کبھی آ ہی نہیں سکتا جو بڑے بھائی کی حیثیت سے ان میں ہونا چاہئے۔ دوسری بات یہ میں ہزار بار واپس جانے کی دھمکی دے چکی ہوں۔ اس ہٹلر پر کیا خاک اثر ہونا ہے الٹا عظام بھائی ناراض ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ مجھ سمیت سب سے ہی بات چیت بند کر دیتے ہیں اور ان کی بیگم میری جان کے پیچھے پڑ جاتی ہیں' تم جانتی نہیں ہو کیا؟" وہ بیزاری سے بولی۔

"ہاں جانتی ہوں' پھر تمہیں ہی عظام بھائی سے معافی مانگ کر ان کو منانا پڑتا ہے اور نئے سرے سے یہ وعدہ کرنا پڑتا ہے کہ آئندہ کبھی تم اس گھر کو چھوڑ کر جانے کی بات نہیں کرو گی۔" ملیحہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ویسے اس میں تو کوئی شک نہیں کہ عظام بھائی تم سے پیار بھی بہت کرتے ہیں مگر عشارب بھائی پر بھی جان چھڑکتے ہیں

اسی لیے ان کے گرم مزاج کے سامنے دبے رہتے ہیں آخر وہ ٹھہرے ہمیشہ کے نرم خو صلح جو اور امن پسند مزاج رکھنے والے انسان۔"

"جو بھی ہو' تمہارے عشارب بھائی کو تو اللہ ہی پوچھے گا مگر میں نے بھی تہیہ کر رکھا ہے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے کر رہوں گی۔ اجازتوں کے چکر میں مجھے اپنا مستقبل داؤ پر نہیں لگانا' اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اچھی جاب کروں گی تو ہی خود مختار زندگی گزار سکوں گی ورنہ اسی طرح در در کی ٹھوکریں کھاتی رہوں گی۔"

"ایسا تو مت کہو' یہ تمہارا بھی گھر ہے اگر چچا جان اور چچی تمہارے ساتھ نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس گھر سے تمہارا حق ختم ہو گیا۔" ملیحہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"کس حق کی بات کر رہی ہو یہاں تو مجھ سے میرے حقوق ہی چھینے جا رہے ہیں۔" وہ سلگ کر بولی۔

"وہ کیف ڈھیٹ کہیں کا' دغا دے گیا ورنہ خالہ جان کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا مجھے بہو بنا کر ہمیشہ اپنے قریب رکھنے میں۔"

"اب اس کا ذکر نکال کر تم مزید اپنے زخموں پر نمک مرچ نہ چھڑکو۔" ملیحہ دھیرے سے ہنستی ہوئی بولی۔ "اسے تو دیکھ کر ہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سیدھا کسی اینکر پرسن کی سیٹ پر براجمان ہوگا۔"

"ہاں...... جس نیوز چینل کے لیے کام کر رہا ہے وہیں کوئی چاند چڑھائے گا ایسی کیڑا...... خیر محنتی وہ بہت ہے اپنی منزل تک پہنچنے میں کامیاب بھی ضرور ہوگا کیونکہ فضول چیزوں پر اس نے کبھی ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔" اپنے خالہ زاد کے لیے اس کے لہجے میں فخر اور تعریف تھی۔

"یہ بھی یاد رکھو کہ اس کے لیے فضول چیزوں میں سے ایک تم بھی ہو۔" ملیحہ نے اسے چھیڑا۔
"تمہیں اس وقت مذاق سوجھ رہا ہے۔" میلک نے اسے گھورا۔
"تو اور کیا کروں؟ کہاں تم اور کہاں وہ سیاست کے پیچ وخم میں الجھا انسان۔ کیوں اس پر تاسف کرتی ہو نہ ہی تمہارا اس کے ساتھ کوئی جوڑ ہے نہ ہی گزارا......"
"مگر مجھے ایسا ہی بندہ چاہیے جو اپنے معاملات میں اس حد تک مصروف رہے کہ میرے معاملات میں دخل دینے کا وقت ہی نہ ہو اس کے پاس' شادی کے بعد بھی آزاد زندگی۔"
"فی الحال ابھی کی فکر کرو جس میں تمہاری آزاد زندگی کی راہ میں عشارب بھائی نے رخنے ڈال رکھے ہیں۔" ملیحہ کوفت سے بولی۔
"ویسے ایک بات بتاؤ سچ سچ...... تم کیف کی خشک مزاجی سے دل برداشتہ ہو کر اس کا گھر چھوڑ کر یہاں آئی تھیں؟" ملیحہ کے یک دم تجسس زدہ انداز نے اسے حیران کیا۔
"پاگل ہو کیا؟ کیف کا مجھے پتہ ہے کہ وہ دوسرے دماغ کا بندہ ہے پریکٹیکل ہے اسے کوئی دلچسپی نہیں افیئرز رومانس وغیرہ میں...... شادی کے بارے میں بھی وہ دس پندرہ سال بعد سوچے گا۔ عظام بھائی چاہتے تھے کہ میں واپس یہاں آجاؤں وقت کے ساتھ سب کچھ بدل گیا ہے اس لیے خالہ جان کی طرف سے بھی کوئی اعتراض نہیں اٹھایا گیا۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔
"ویسے مجھ پر بڑا ظلم ہوا کہ میں ایک طویل مدت تک تم جیسی پیاری کزن سے محروم رہی خیر اب تو ہم ساتھ ہیں اور ساتھ ہی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیں گے مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ عشارب بھائی دیوار نہ بنیں۔ پہلے ہی ہماری اسٹڈیز میں دو سال کا وقفہ آچکا ہے مجھے تو اب ہول اٹھنے لگے ہیں۔"
"تم فکر نہ کرو میں بھی اپنے نام کی ایک ہوں یونیورسٹی جوائن کرنے پر اعتراض کرنے کا حق اس گھر کے کسی ہٹلر کو نہیں' نہ مجھے عظام بھائی کے علاوہ کسی کی اجازت کی ضرورت ہے ہٹلر کو ہمارے راستے سے ہٹنا ہی ہوگا۔" قطعی انداز میں بولتی وہ یک دم چونک کر ملیحہ کے ساتھ ہی دائیں جانب متوجہ ہوئی تھی جہاں برآمدے میں ہی موجود عشارب ان دونوں کی طرف متوجہ تھا۔
"مر گئے...... جلدی اٹھو ورنہ خیر نہیں دونوں کی۔" ملیحہ ہول کر کرسی سے اٹھی۔
"اتنا خوف' کبھی تمہیں اپنے باپ بھائیوں کا بھی ہوا ہے؟" میلک نے حسمکین لہجے میں کہا۔
"اللہ کا شکر ہے کہ میرے باپ بھائی ان جیسے ہٹلر ہرگز نہیں۔" ملیحہ بولی اور پھر عجلت میں شب بخیر کہتی اپنے پورشن کی سمت دوڑ گئی۔ خراماں خراماں قدموں کے ساتھ وہ بھی برآمدے تک آ پہنچی تھی جہاں عشارب بگڑے تیوروں کے ساتھ اس کا منتظر تھا۔
"باہر بیٹھ کر گپیں لگاتے ہوئے وقت دیکھا تھا تم نے کیا ہوا ہے؟"
"گھڑی نہیں ہے میرے پاس' چاند تارے دیکھ کر وقت کا حساب کتاب لگانا مجھے نہیں آتا۔" رکے بغیر وہ لاپروائی سے بولتی اندر کی طرف بڑھنے لگی۔
"بات سنو...... یہ طور طریقے اور زبان اپنے رشتے داروں کے گھر چھوڑ کر آنا تھا' اپنے گھر میں یہ سب میں برداشت نہیں کروں گا۔ یہاں رہنا ہے تو یہاں کے طور طریقوں پر چلنا پڑے گا تمہیں......" وہ غصے میں بولتا اس کے پیچھے ہی آیا تھا۔
"کیا ہیں یہاں کے طور طریقے؟ عورت پر جبر کرنا۔ اس کا حق مارنا' اس کے احتجاج کا گلا گھونٹنا' عزت نفس کو مجروح کرنا اسے انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کرنا...... یہی ہیں اس گھر کے طور طریقے تو لعنت بھیجتی ہوں میں ان پر......" حلق کے بل چیختی وہ بھی پھٹ پڑی...... ان دونوں کی بلند آوازوں پر عظام اور سمانہ بھی کمرے سے نکل آئے تھے سوالیہ نظروں سے سمانہ نے لاؤنج میں ٹی وی دیکھتے

اظفر کو دیکھا مگر وہ شانے اچکا کر رہ گیا تھا۔

"رات کا ایک بج چکا ہے اور یہ محترمہ باہر گپیں ہانکنے میں لگی ہیں۔ یہ ہمارے گھر کے طور طریقوں پر لعنت بھیج رہی ہے یعنی جس تھالی میں کھانا اسی میں چھید کرنے کا رواج قائم رکھنا چاہ رہی ہے۔ خود اس کے طور طریقے کیا ہیں۔ تمیز تہذیب چھو کر بھی نہیں گزری۔" عظام کے استفسار پر وہ غیض وغضب میں بھڑکتا اس کی شکایت کر رہا تھا جو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔

"کون سی تمیز تہذیب کا دامن چھوڑا ہے میں نے..... آپ کو تو میرے دوپٹہ تک لینے کے طریقے پر بھی اعتراض ہوتا ہے۔ اب گھر کے اندر بھی مجھے تھان کے تھان اور شامیانے لپیٹ کے رکھنے ہیں تو کیا فائدہ اس گھر کی چار دیواری کا۔ جا کر سڑک پر ڈیرا نہ ڈال لوں۔"

"وہیں ہونا چاہیے تم جیسی بدزبان اور بدلحاظ لڑکی کو۔" وہ درمیان میں دھاڑا۔

"آپ کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے اپنے اعتراضات اپنے احکامات آپ اپنی بیوی کے لیے سنبھال کر رکھیے۔ میں جیسے چاہوں گی یہاں رہوں گی۔ آپ کو جو کرنا ہے کر لیں۔"

"مجھ سے زیادہ بکواس کی تو زبان کاٹ دوں گا تمہاری' میری برابری کرو گی تم۔ زندہ رہو گی اپنی مرضی چلا کر تم۔" خون آشام نظروں سے اسے گھورتا وہ بھڑک اٹھا۔

"میلک ..... اب ایک لفظ نہیں بولو گی تم ..... جاؤ یہاں سے فوراً......" عظام نے تنبیہی لہجے میں میلک کو حکم دیا۔

"عظام بھائی...... آپ ان کو سمجھا دیں کہ اب یہ میرے کسی معاملے میں دخل نہ دیں۔ مجھے بھی شوق نہیں ہے ان کے منہ لگنے کا۔" غصے میں بولتی گئی۔

"سن رہے ہیں آپ اس کی زبان۔ صرف آپ کی وجہ سے سب کچھ برداشت کرنے پر مجبور ہوں ورنہ آج ہی اسے اس کے رشتے داروں کے حوالے کر آؤں۔ مصیبت لے کر آ گئے ہیں آپ اس گھر میں۔" وہ غصے میں عظام پر ہی بگڑا تھا۔

"مصیبت میں نہیں' مصیبت آپ ہیں۔" میلک لاؤنج سے ہی بھڑکتی جواب دے رہی تھی۔

"آپ جیسے مرد ہیں مصیبت جو عورت کو اپنی مرضی اور حکم کا غلام بنا کر رکھنے کی بیماری میں مبتلا ہیں یہ گھر آپ کے باپ کا ہے تو میرے بھی باپ کا ہے۔ جس کو یہاں مجھ سے پریشانی ہے وہ خود ہی عزت سے جہاں سینگ سمائیں نکل جائے ورنہ پھر میں بے عزت کر کے اسے گھر سے باہر دھکے دے کر نکالوں گی۔"

"مجھے اس گھر سے نکالو گی تم...... میں تمہیں ہی اسی وقت ہاتھ پکڑ کے گھر سے باہر نہ نکال دوں۔" عشارب شدید طیش میں اس کی جانب بڑھا ہی تھا کہ عظام نے سرعت سے اسے روکا۔

"بھائی آپ درمیان میں اب مت آئیں آپ اس کی زبان بند نہیں کر سکتے مگر میں اس کی زبان کھینچ لوں گا۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی مجھے میرے ہی منہ پر بے عزت کرنے کی۔ اس کی اوقات ہے کہ مجھے میرے گھر سے دھکے دے کر نکالے گی۔" وہ بری طرح بپھر اٹھا تھا۔

"جب میں آپ کی برابری کی نہیں' کسی اوقات کی نہیں تو کیوں میرے منہ لگ کر اپنی اوقات گرا رہے ہیں۔"

"میلک...... خاموش ہو جاؤ بہت زبان چلنے لگی ہے تمہاری اس طرح بات کرتے ہیں بھائیوں کے سامنے۔ خبردار جواب ایک آواز بھی نکالی تم نے' میری اور عظام کی خاموشی کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ۔" سمانہ شدید ناگواری سے میلک پر برسیں۔

"عشارب...... ابھی بات کو مت بڑھاؤ' میں اس سے بات کرتا ہوں سمجھاتا ہوں اسے' تم اپنے کمرے میں جاؤ میں آتا ہوں۔" عظام نے نرم لہجے میں اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"آپ نے سمجھا دیا اور وہ سمجھ گئی' شرافت کی زبان اسے سمجھ آ بھی نہیں سکتی۔ آپ کی محبت اور ہمدردی ایک

دن ہم سب کی عزت پر اسی طرح تازیانہ بن کر لگے گی جس طرح ماضی میں لگی تھی۔'' سرخ چہرے کے ساتھ بولتا وہ ان کے سامنے سے ہٹ گیا تھا لب بھینچے میلک اسے ہی گھور رہی تھی جو سیڑھیوں کی جانب بڑھتا رک کر اظفر کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''تمہیں صبح یونیورسٹی نہیں جانا کیا؟ اٹھو وہاں سے۔'' اس کی خونخوار نظروں اور دھاڑ پر اظفر کرنٹ کھا کر میلک کے پاس سے اٹھ گیا تھا۔

''میری کوئی بات تمہیں سمجھ نہیں آتی' وہی کام کر رہی ہو جو بگاڑ کا سبب بن رہا ہے۔'' عظام شدید ناراضی سے بولتے اس کی طرف آئے تھے جو مسکین صورت بنائے بیٹھی تھی۔

''عظام آپ اسے سمجھانے کے بجائے اب عشارب کو سمجھانے کا بیڑہ اٹھالیں۔ اسے میلک کے چلنے پھرنے پر بھی اعتراض ہونے لگا ہے یہ اعتراضات مجھے بڑھتے ہوئے تو نظر آرہے ہیں مگر کم یا ختم ہوتے نہیں۔ اس طرح نہیں ہوتا ہے ایک چھت تلے رہتے ہوئے۔'' سمانہ زچ ہو کر بولیں۔

''بھابی اگر وہ میرے یونیورسٹی جانے پر کوئی اعتراض نہ کریں تو میں ان کے تمام اعتراضات خاموشی سے سہہ لوں گی۔''

''ہاں نظر آرہا ہے کہ تم خاموشی سے کیا سہہ سکتی ہو۔'' عظام کے گھرکنے پر وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''میں نے تم سے کتنی بار کہا ہے کہ اپنے عمل اور اچھی باتوں سے ہی تم عشارب کا دل اپنی طرف سے صاف کرسکتی ہو۔''

''آپ جانتے ہیں میں نے بہت کوشش کی ان کے علاوہ کسی کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں' ان کو اپنا دل صاف نہیں کرنا وہ تو اس گھر سے میرا ہی پتا صاف کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ یہ سب اب میری برداشت سے باہر ہوتا جارہا ہے۔'' وہ خفت سے بولی۔

''جہاں اتنے دن برداشت کیا ہے وہاں تھوڑا اور ضبط کرلو' ماضی کی تلخیوں کی چھاپ بہت گہری ہے اسے زائل کرنے کے لیے کچھ صبر اور کرنا پڑے گا۔ میری خاطر تمہیں عشارب کو راضی کرنا ہے...... اور میں یہ چاہتا ہوں کہ ابھی جو ہوا ہے اس کے لیے تم عشارب سے معذرت کرو۔''

''انہوں نے میرے طور طریقوں پر انگلی اٹھائی ہے اور اب معافی بھی میں ہی مانگوں۔'' وہ احتجاجی انداز میں بولی۔

''عظام ٹھیک کہہ رہے ہیں بدتمیزی بہرحال تم سے سرزد ہوئی ہے عشارب کی غلطی اپنی جگہ۔ تھوڑا جھکنے سے تمہارا قد نہیں گھٹ جائے گا۔ چلو میرے ساتھ اور اس سے سوری کہو...... چلو شاباش......'' اس کے ناچاہنے کے باوجود سمانہ نے زبردستی اسے اٹھنے پر مجبور کردیا تھا۔ بس لحاظ و مروت میں وہ ان کا ہاتھ نہیں جھٹک سکی تھی ورنہ اس وقت سمانہ اور عظام سے بھی اس کا دل بدظن ہونے لگا تھا۔

دروازے پر دستک دے کر سمانہ نے کڑی نظروں سے اسے گھورا تھا جو برا سا منہ بنائے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''چلو اندر......'' مدھم آواز میں سمانہ نے اسے اشارہ بھی کیا...... جس نے ایک گہری سانس لے کر اپنے کمرے کے باہر کھڑے اظفر کو بھی دیکھا تھا۔

''جاؤ جاؤ معافی مانگو میرے بھائی سے' پھر دل کھول کر مجھ سے ان کی برائیاں کرلینا۔'' اظفر نے شرارت سے اسے جلایا تھا اس سے پہلے کہ میلک اسے کوئی جواب دیتی سمانہ فوراً ہی اس کا بازو پکڑے کمرے میں داخل ہوگئی تھیں۔

''تم...... تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے کمرے میں قدم رکھنے کی؟'' کمرے کے وسط میں موجود وہ شعلہ باز نظروں سے اسے گھورتا بولا۔

''عشارب...... اس کی بات تو سن لو یہ شرمندہ ہے معافی مانگنے آئی ہے تم سے۔'' سمانہ نے حمایتی لہجے میں بولتے ہوئے میلک کو آگے کیا۔

''یہ کہاں سے شرمندہ نظر آرہی ہے آپ کو؟ ایسے گھور

رہی ہے جیسے نگل جائے گی مجھے۔ دفع ہو جاؤ ورنہ یہ آنکھیں نکال کر ہاتھ پر رکھ دوں گا۔" میلک کی زہرخند نظروں اور تاثرات نے اسے پھر بھڑکا دیا تھا۔

"آپ کا اندازہ بالکل ٹھیک ہے میں کوئی شرمندہ نہیں ہوں بھائی بھابی نے مجبور کیا مجھے یہاں آنے پر۔ ورنہ میں تھوکوں بھی نہ یہاں۔" تنک کر بولتی وہ اس وقت گنگ ہوگئی جب اس نے عشارب کو جارحانہ انداز میں اپنی طرف آتے دیکھا تھا دہل کر سمانہ کو پرے ہٹاتی وہ کمرے سے باہر دوڑی تھی جب کہ عشارب کو ایک پل کے لیے رک کر سمانہ کو سنبھالنا پڑا تھا جو گرتے گرتے بچی تھیں۔ باہر موجود اظفر قہقہہ لگاتا اس پر ہنستا تھا جو بھاگی آرہی تھی۔

"اظفر...... تمہیں اپنی جان کی قسم ہے ہٹلر کو پکڑ لینا۔" رکے بغیر اظفر سے بولتی وہ سیڑھیوں کی طرف بھاگتی چلی گئی تھی۔ نیچے منتظر کھڑے عظام نے دنگ نظروں سے میلک کو دیکھا تھا جو اندھا دھند سیڑھیاں اترتی نیچے آرہی تھی۔

"اب کیا کر آئی ہو؟" عظام نے زچ ہو کر اسے مخاطب کیا...... جو آخری اسٹیپ پر رکی اوپر دیکھ رہی تھی جہاں دوڑے آتے عشارب کو روکنے کی کوشش اظفر کے گلے پڑ گئی تھی۔ ایک جھٹکے سے اظفر کا گریبان پکڑتا وہ اس کو آدھا ریلنگ سے نیچے لٹکا گیا تھا۔

"میرا بھائی ہو کر دوسروں سے میری ہی غیبتیں سنتا ہے۔" اظفر کا گریبان جھنجھوڑتا وہ اسے مزید ریلنگ سے نیچے کر گیا تھا۔

"بھائی میں آپ کو روک نہیں رہا تھا بس گلے لگ کر آپ کو گڈ نائٹ کہنے......" اظفر کی بات ادھوری رہ گئی تھی جب عشارب کا مکا اس کے جبڑے سے ٹکرایا تھا۔

"عشارب...... چھوڑو اسے گر جائے گا وہ۔" اظفر کی بلند کراہ پر نیچے رکے عظام کو آواز بلند کرنی پڑی تھی جب کہ عشارب نے رک کر خونخوار نظروں سے آخری اسٹیپ پر کھڑی ناخن چباتی میلک کو دیکھا تھا اگلے ہی پل وہ اظفر کو ایک جھٹکے سے پرے ہٹاتا سرعت سے سیڑھیوں تک پہنچا تھا۔ اسے دھڑ دھڑ سیڑھیاں اترتے دیکھ میلک ہول کر چیختی برق رفتار سے اپنے کمرے میں جا گھسی تھی۔ بروقت اس نے لاک لگایا تھا کیونکہ عشارب پلک جھپکتے ہی دروازے تک پہنچ گیا تھا۔

"تم دروازہ کھولتی ہو یا میں دروازہ توڑ دوں۔" بند دروازے پر مکے برساتا وہ دھاڑ رہا تھا جب کہ عظام نے اپنا سر پکڑ لیا تھا نیچے آتیں سمانہ ان کے تاثرات پر اپنی ہنسی بمشکل ہی ضبط کرسکی تھیں۔

"اس گھر میں جو ہو رہا ہے وہ ٹھیک نہیں ہو رہا۔ اب اس گھر میں یہ رہے گی یا میں رہوں گا۔ سن لیں اس کے سارے حمایتی۔" بند دروازے پر ٹھوکر مارتا وہ یقیناً عظام کو سنا رہا تھا۔ آخری اسٹیپ پر رکا اظفر بدک کر ایک طرف ہٹ گیا تھا اسے سیڑھیوں کی طرف آتے دیکھ کر۔

"تم مجھے اب جہاں بھی اس جاہل لڑکی کی ساتھ رازو نیاز میں مگن نظر آئے وہیں آکر تمہارا سر توڑ دوں گا۔" میلک کا غصہ اظفر پر اتارتا وہ اوپر چلا گیا تھا۔

"مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی جو میں نے اسے معافی مانگنے کے لیے بھیجا۔" عظام کے بیزار لہجے پر سمانہ بے ساختہ ہنسی تھیں۔

"بھائی جان...... بلاوجہ بھائی نے حملہ کیا مجھ پر...... چہرہ سوجا کر رکھ دیا میرا۔" اظفر نے شکایت کی۔

"دکھاؤ کہاں مار لگی؟" عظام نے دھیرے سے ہنستے ہوئے اس کے جبڑے کا جائزہ لیا...... تب ہی سمانہ اسے دیکھ کر ہنسی تھی جو دروازے سے جھانکتی مزے سے ہاتھ ہلا رہی تھی۔

"تم مجھ سے اب بالکل بات مت کرنا۔" عظام نے شدید ناراضی سے اسے دیکھا۔

"بھابی...... ایم سوری میں نے جان بوجھ کر آپ کو دھکا نہیں دیا تھا قسم سے میری تو روح فنا ہوگئی تھی آپ نے دیکھا نہیں کیسے دوڑے تھے وہ میری طرف۔" میلک کے حیران پریشان انداز پر اظفر ہنسا تھا جب کہ عظام مسکراہٹ چھپائے اپنے کمرے کی

طرف بڑھ گئے تھے۔
"اچھا اب اللہ کو مانو اور سو جاؤ۔ مجھے صبح ہی صبح اٹھنا ہوتا ہے۔ اظفر تم بھی جاؤ ورنہ صبح آوازیں لگاتی رہوں گی مگر نیند نہیں ٹوٹے گی تمہاری۔" سمانہ تائید کرتی وہاں سے گئی تھیں۔
"اب یہ دروازہ بھائی کے آفس جانے کے بعد ہی کھولنا ورنہ کسی بھی وقت دھاوا بول دیں گے۔" اظفر کے مشورے پر وہ ڈھٹائی سے ہنسی تھی۔
"میری وجہ سے مار کھا کر تم نے میرے وفادار بھائی ہونے کا ثبوت دے دیا آج۔" میلک کے کہنے پر اس کی مسکراہٹ غائب ہوگئی تھی۔
"سارا موڈ غارت کر دیا تم نے مجھے بھائی کہہ کر۔" کھا جانے والی نظروں سے میلک کو گھورتا وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔
"ہٹلر کی طرح تم بھی پگلا گئے ہو کیا؟" حیرت و ناگواری سے میلک نے اسے گھورا۔
"ابھی آواز دے کر بلاتا ہوں بھائی کو۔" اظفر کی دھمکی پر وہ سرعت سے دروازہ بند کر گئی تھی۔

❀ ...... ❀ ...... ❀ ...... ❀

اخبار کی ورق گردانی کرتے ہوئے عشارب نے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی جو نیند کے بوجھ سے بند ہوتی آنکھوں کو بار بار کھولنے کی کوشش کرتی چپ چاپ بیٹھی تھی۔ جمائی روکتے ہوئے اس نے ایک نظر برابر میں کرسی کھینچ کر بیٹھتے اظفر کو دیکھا۔
"آج صبح صبح تم کچھ زیادہ ہی فریش نظر آرہی ہو...... تمہارے لیے ہی میر تقی میر فرما گئے ہیں۔

چلتے ہو تو چمن کو چلیے
کہتے ہیں کہ بہاراں ہے

"ہائے کاش میں ان کے دور میں ہوتی ایک آدھ شعر اپنے لیے ان سے ضرور لکھواتی۔"

پات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں
کم کم باد و باراں ہے

جواباً بولتے ہوئے اس نے شعر مکمل بھی کر دیا تھا۔
"ویسے مجھ جیسی کوئی نازک اندام اتنی صبح فریش نظر نہیں آسکتی۔ بھابی ضرور نظر آسکتی ہیں۔" مسکراہٹ چھپا کر اس نے سمانہ کو دیکھا تھا جو عظام کو چائے اور عشارب کو دودھ کا مگ دیتیں چونک اٹھی تھیں۔
"کیا مطلب میں نازک اندام نہیں ہوں؟" ان کے گھورنے پر میلک نے جس طرح بیزار ہو کر ہاتھ جوڑے تھے اظفر بے ساختہ ہنسا تھا سمانہ کے تاثرات پر۔
"اب بھوکی رہو۔ ناشتہ نہیں دینے والی میں تمہیں۔" سمانہ مصنوعی ناراضی سے بولی۔
"ناشتہ کرنے کا موڈ بھی نہیں، سر درد کر رہا ہے۔ بس چائے پیوں گی۔"
"صرف چائے کیوں؟" سمانہ نے خشمگین نظروں سے اسے دیکھا۔
"جی ہاں چائے۔" ایک پل کو رک کر میلک نے کن آنکھیوں سے دودھ کے سپ لیتے عشارب کو دیکھا۔
"کیونکہ دودھ پینے کی عمر نہیں ہے میری۔" اس کے مضحکہ خیز لہجے پر عشارب نے کڑی نظروں سے پہلے اسے اور اظفر کو گھورا تھا جو دبی ہنسی کے ساتھ سر جھکا رہا تھا۔ مسکراہٹ چھپانے کے لیے عظام نے بھی چائے کے گھونٹ بھرنے شروع کر دیئے تھے سب ہی یہ جانتے تھے کہ ناشتے میں عشارب بڑی پابندی سے چائے کی جگہ دودھ لیتا ہے۔ میلک کے طنز کو بھی بمشکل ہی برداشت کر سکا تھا۔
"بھابی دو کے چار نظر آرہے ہیں نیند سے۔" سمانہ سے چائے کا مگ لیتی وہ بولی۔
"ہم سب کے جانے کے بعد تم سو جانا لمبی تان کر، ویسے بھی یہ کام تو تم روز ہی کرتی ہو۔" اظفر نے بڑے غلط موقع پر اس کا راز کھولا تھا۔
"اس گھر میں کوئی دن چڑھے تک نہیں سوتا...... ہزاروں کام ہوتے ہیں گھر کے کرنے کے لیے۔ مفت کی روٹیاں توڑنے کا جسے شوق ہے وہ اپنا بوریا بستر گول کر لے

یہاں سے۔'' سخت ناگوار لہجے میں اظفر کو مخاطب کرتا وہ یقیناً میلک کو ہی سنا رہا تھا۔ چائے کا سپ لیتے لیتے رک کر میلک نے ایک جلتی نگاہ عشارب پر ڈالی اور مگ واپس کر رکھ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میلک......'' عظام نے اسے آواز دی۔

''واپس آ کر یہ چائے ختم کرو پہلے۔''

''عظام بھائی! میں اگر یہاں رکی تو آپ سب کے دن کی شروعات خراب ہو جائے گی...... نہیں پینی چائے۔'' سرد لہجے میں کہتی وہ رکی نہیں تھی۔

''حد کرتے ہو تم بھی' کوئی لمحہ طنز سے خالی بھی جانے دینا چاہیے۔'' عظام ناراضگی سے بولے۔

''میں نے طنز نہیں کیا۔ سچ کہا ہے بھابی اس کی غلام نہیں جو ناشتہ' چائے کھانا اس کے سامنے سجائیں گی۔'' وہ بگڑ کر بولا۔

''عشارب...... وہ اس گھر کی ہی ایک فرد ہے' گھر کے افراد ایک دوسرے کا کام کرتے ہی ہیں۔ میلک کے آنے سے میرے کئی کام آسان ہو گئے ہیں۔ بہت مدد کرتی ہے وہ میری گھر کے کاموں میں۔'' سمانہ بولی۔

''جی ہاں' نظر آتا ہے مجھے کہ وہ کتنی مدد کرتی ہے آپ کی...... جانے کیوں آپ سب نے اسے سر پر چڑھا رکھنے کی ٹھان لی ہے۔'' ناگواری سے بولتا وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

اپنے کمرے میں پیچ تاب کھاتی وہ چیزیں پٹختی رہی تھی ورنہ دل تو چاہ رہا تھا عشارب کو کھری کھری سنا ڈالے یونہی اٹھ کر اس نے کھڑکی سے پردہ ہٹا کر باہر کا جائزہ لیا تھا۔ اگلے ہی پل اس کا حلق کڑوا ہونے لگا تھا' لان میں ہی عشارب بڑے خوش گوار موڈ میں ملیحہ کی بڑی بہن مدیحہ سے محو گفتگو تھا۔ اس کی موجودگی میں ویسے بھی عشارب کے چہرے سے مسکراہٹ غائب نہیں ہوتی تھی' ملیحہ کے بھائی مؤید اور مدیحہ سے اس کی گاڑھی چھنتی تھی۔ تینوں یونیورسٹی فیلوز رہ چکے تھے' گھر میں یہ تینوں اکٹھے ہی دکھائی دیتے تھے۔ بقول ملیحہ یہ تینوں آپس میں بہت کلوز ہیں یہ تو خیر میلک بھی دیکھتی تھی۔ اسی لیے عشارب کے کلوز فرینڈز سے پرخاش رکھتے ہوئے وہ دور ہی رہتی' مدیحہ تو ویسے بھی اسے عشارب کی طرح مغرور لگتی تھی آج کل بینک میں کام کر رہی تھی وہ...... اکثر عشارب ہی اسے بینک ڈراپ کرتا اپنے آفس جاتا تھا' آج بھی شاید وہ عشارب کے ہمراہ جا رہی تھی' مؤید کو تو اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ ہٹلر کا دوست ہے اس لیے سو گز کے فاصلے پر ہی رہے مگر مؤید نے کبھی اس کی دھمکی نما تاکید کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔ ناگواری سے پردہ واپس پھیلاتی وہ بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

❀......❀......❀......❀

بچوں کے شور پر اس کی نیند ٹوٹی تھی' عاطر اپنے ہم عمر کزنز کے ساتھ اس کے کمرے میں ہی موجود تھا۔

''یہ کیوں رو رہی ہے...... کس نے گرایا اسے؟'' سرعت سے اس نے روتی ہوئی ڈیڑھ سالہ سونو کو گود میں اٹھایا۔

''آپی...... یہ آپ کی چاکلیٹس دراز سے نکال رہی تھی' میں نے روکا تو خود ہی گر کر رو رہی ہے۔ میں نے نہیں گرایا۔'' عاطر نے فوراً کہا۔

''سیانے...... چاکلیٹس کا راستہ سونو کو دکھا کر اب معصوم بن رہے ہو۔'' اس نے عاطر کا کان کھینچا اور پھر چاکلیٹس نکال کر عاطر اور باقی دونوں بچوں کو دیں' سونو کی چاکلیٹس کا ریپر وہ اتار رہی تھی جب سمانہ کمرے میں آئیں۔

''شکر ہے' بچوں کی وجہ سے ہی تمہاری نیند ٹوٹی ورنہ کب سے تمہارے جاگنے کا انتظار کر رہی ہوں۔ صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا تم نے' اب جلدی آ جاؤ کھانا تیار ہے سب ساتھ ہی کھاتے ہیں۔''

''بھابی...... مجھے بالکل بھوک نہیں...... آپ کھا لیں کھانا...... سونو ہے میرے پاس۔'' سونو کو چاکلیٹ کھلاتی وہ بولی...... جب کہ سمانہ نے بغور اس کے سنجیدہ تاثرات کو دیکھا تھا۔

''کیوں تم عشارب کی بات کو دل سے لگا کر بیٹھی ہو......؟ ایسا نہیں کرتے...... تھوڑا وقت گزرے گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' سمانہ سمجھانے والے انداز میں بولیں۔

''بھابی...... میں یہاں آپ کے گھر کا ماحول خراب کرنے نہیں آئی...... نہ ہی کسی کے کیے عمل کی سزا بھگتنے آئی ہوں۔ میں تنگ ہونے لگی ہوں اس سب سے آپ عظام بھائی سے مجھے اجازت دلوائیں یہاں سے جانے کی۔''

''میلک...... نہ کوئی تمہیں سزا دے رہا ہے نہ ہی تمہاری وجہ سے گھر کا ماحول خراب ہوا ہے' تمہاری وجہ سے تو گھر میں رونق آ گئی ہے...... مجھے اور عظام کو ناراض کر کے تم اپنا گھر چھوڑ جاؤ گی تو سکون سے رہ سکو گی؟'' سمانہ نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''ایک تو آپ اور عظام بھائی سے مجھ سے بحث بھی نہیں کی جاتی۔'' اس کے ہارے انداز پر سمانہ مسکرائیں۔

''شکر ہے ورنہ تم سے بحث میں عشارب نہیں جیت سکتا تو ہم کیا چیز ہیں اب سونو کو مجھے دو اور فریش ہو کر آ ؤ تب تک میں اسے کھانا کھلا دیتی ہوں۔'' سمانہ کے کہنے پر اس نے سونو کو ان کے حوالے کیا اور بیڈ سے اتر آئی۔

سیل فون چیک کرتی وہ کمرے سے باہر جاتے جاتے رک گئی تھی کیف کا میسج دیکھ کر...... کمرے میں آتی ملیحہ نے حیرت سے اس کے انہماک کو دیکھا تھا۔

''خیریت ہے؟''

''ہاں' کیف کو رپلائی دے رہی تھی' صدیوں بعد اسے خیال آتا ہے میری خیریت دریافت کرنے کا۔''

''توبہ...... ایسا محبوب ہو تو دشمن کی ضرورت ہی کیا......'' ملیحہ شرارت سے بولی۔

''جہنم میں گیا محبوب...... ایسا کرارا جواب دیا ہے' چار دن تک اس کے حواس گم رہیں گے۔'' وہ ناگواری سے بولی۔

''کیوں اس بے چارے کیف پر غضب ڈھا رہی ہو...... اچھا خاصا لائن پر آتے آتے بدک جائے گا۔ تمہیں تو قابو کرنا تھا اسے کیا ہاتھ دھو لیے؟'' ملیحہ مسکراہٹ چھپائے اسے چھیڑ رہی تھی۔

''اول درجے کا ڈھیٹ ہے' اسے قابو کرنے کے چکر میں...... میں ہی دنیا سے نکل جاؤں گی۔ لگے رہنے دو اسے صحافت میں' میرے دام میں آ جاتا تو ہر کام سے جاتا' خالہ جان الگ ساری زندگی مجھے برا بھلا کہتی رہتی۔'' میلک کے مضحکہ خیز لہجے پر ملیحہ ہنسی مگر میلک کی مسکراہٹ یک دم غائب ہوئی تھی جب اس نے اپنے کمرے کے سامنے سے گزرتے عشارب کو دیکھا تھا۔

''کیا ہوا...... کون گزرا ہے یہاں سے......؟'' ملیحہ نے چونک کر پوچھتے ہوئے دوبارہ پلٹ کر دیکھا۔

''ہٹلر......'' میلک کے جواب پر اس نے زبان دانتوں تلے دبائی۔

''وہ اس وقت گھر میں کیا کر رہے ہیں؟ ہماری آوازیں بھی اتنی اونچی تھیں۔'' ملیحہ کو ہول اٹھنے لگے۔

''جن نظروں سے وہ مجھے گھورتے ہوئے گئے ہیں بہت اچھی طرح سب کچھ سن لیا ہے انہوں نے' ہو گیا میرا کام تمام۔'' وہ کوفت سے بولی۔

''میں تو کہتی ہوں سب کو چھوڑو...... ہٹلر کو قابو کر لو۔'' ملیحہ کے مشورے نے اسے دنگ کر دیا تھا۔

''یخ...... میری مت ماری گئی ہے کیا۔'' وہ جس طرح برا سا منہ بنائے ابکائی لیتی بولی تھی ملیحہ بے ساختہ ہنسی تھی جب کہ وہ سمانہ کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

''عشارب کو جاتے دیکھا کیا؟''

''جی ہاں' ابھی گئے۔'' میلک نے بتایا۔

''میں نے کہا بھی تھا کھانا لگا رہی ہوں' کھا کر جاتا...... کوئی فائل گھر بھول گیا تھا وہی لینے آیا تھا۔'' سمانہ کے بتانے پر ملیحہ اور میلک ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁

ملیحہ کی بھابی سمانہ کے پاس آئی ہوئی تھیں۔ ڈرائنگ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

روم میں ان کو چائے سروکر کے وہ عظام کے لیے چائے لاؤنج میں ہی لے آئی تھی جہاں وہ لیپ ٹاپ میں مصروف تھے۔

"چائے تم نے بنائی ہے؟" مگ اس سے لیتے وہ پوچھ رہے تھے۔

"جی ہاں۔" وہ مسکرائی۔

"گڈ...... ایک چائے کے علاوہ تم باقی سب کچھ بہت اچھا پکاتی ہو۔" عظام کے تبصرے پر اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔

"مگر اتفاق سے آج چائے بھی اچھی ہے۔" چائے کا ایک سپ لے کر انہوں نے مسکراتی نظروں سے میلک کو دیکھا۔

"عظام بھائی...... کچھ پوچھنا تھا آپ سے۔" چند لمحے گزرے...... جب کچھ سنبھل کر وہ بولی۔

"ہاں پوچھو......" عظام اپنے کام میں مصروف سرسری لہجے میں بولے۔

"اپیا کے بارے میں......" اس کے جھجکتے لہجے پر بس ایک سنجیدہ نگاہ ڈالی۔

"آپ کبھی ان کے بارے میں میرے کسی سوال کا جواب نہیں دیتے...... مگر آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں جس سے میں ان کا اتا پتہ پوچھوں۔" وہ کچھ جھنجھلا کر بولی۔

"تمہیں کسی کا اتا پتہ پوچھنے کی ضرورت نہیں، جسے تمہاری پروا ہوگی وہ خود تم تک چل کر آئے گا۔" عظام گہری سنجیدگی سے بولے۔

"میں جانتی ہوں آپ کو بھی ان سے نفرت ہے مگر میرا ان سے تعلق کچھ اور ہے، مجھے ان کی ضرورت ہے۔" وہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ بولی۔ "آج آپ مجھے سچ بتائیں کیا آپ واپس مجھے یہاں اس لیے لائے تھے...... کیونکہ میں ان کی بہن ہوں......؟"

"میں تمہیں واپس اس گھر میں اس لیے لایا ہوں کہ تم میری بہن ہو، بس یہ بات ذہن میں رکھو...... ابو نے اپنے غصے میں تمہیں اس گھر سے بے دخل کیا تھا، غلط کیا تھا۔ اس وقت سے لے کر آج تک مجھ سے زیادہ کسے فکر رہی ہے تمہاری؟ نہ مجھے کسی کی وجہ سے تمہاری فکر رہی ہے نہ ہی تم کسی کی وجہ سے اس گھر میں ہو...... میں جانتا ہوں کہ تم ایک طویل عرصے سے ڈسٹرب ہو...... بعض اوقات جو کچھ ہمارے بڑے بول جاتے ہیں وہ ہمیں ہی کاٹنا پڑتا ہے۔"

"مگر ہر ایک کا عمل اس کے ساتھ ہے کوئی کسی کے عمل کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔" وہ درمیان میں بول اٹھی۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے مگر اس کی اہمیت بس کہنے کی حد تک ہے یہ دنیا ہے اور یہاں اکثر کسی کے عمل کا ذمہ دار کسی اور کو ٹھہرایا جاتا ہے، یہاں کسی کے گناہ کی سزا کسی اور کو جھیلنی پڑ جاتی ہے۔ میں نے ہر ممکن کوشش کی کہ تمہارے ساتھ ایسا کچھ نہ ہو جہاں تک بات عشارب کی ہے یہ سچ ہے کہ اسے بھی کسی کے عمل کا خمیازہ بھگتنا پڑا ہے۔ ابو دنیا سے چلے گئے مگر اپنی آخری سانس تک اس سے کلام تک کرنا گوارا نہیں کیا...... اس کی اذیت کو میں محسوس کرسکتا ہوں۔ اسی لیے میں چاہتا تھا کہ تم اس کے قریب رہ کر اسے احساس دلاؤ اس کے ساتھ غلط ہوا تھا...... اسے بھی پھر یہ احساس ہونے میں وقت نہیں لگے گا کہ تم بھی اس کی طرح بے قصور ہو۔" عظام کے خاموش ہونے پر وہ بھی چپ رہ گئی تھی کہ سب کو پتہ ہے وہ کسی چیز کے لیے قصوروار نہیں تو پھر کیوں خود کو بے قصور ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ بوجھل دل کے ساتھ وہ باہر برآمدے میں چلی آئی تھی۔ تیز قدموں سے اسی جانب آتے موئید کو دیکھتے ہوئے اسے کوفت ہوئی تھی۔

"کیسی ہو میلک؟" اس سے پوچھتے ہوئے وہ رکنے کے موڈ میں نہیں تھا یقیناً وہ عشارب سے ملنے اس طرف آیا تھا۔ میلک کے نظرانداز کرنے پر وہ رک گیا تھا۔

"اتنی نفرت کیوں کرتی ہو تم مجھ سے......؟ ہٹلر سے دوستی کی اتنی بڑی سزا......" موئید نے شرارت سے اسے چھیڑا۔

"جب پتہ ہے تو کیوں بات کرتے ہیں مجھ سے۔"

وہ نخوت سے بولی۔

''ہٹلر وہ تمہارے لیے ہے میرا تو وہ بچپن کا یار ہے کیسے چھوڑ دوں اسے......؟''

''تو کون کہہ رہا ہے انہیں چھوڑنے کے لیے۔ بس مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔'' وہ اسی لہجے میں بولی۔

''یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے تو پھر سن لو...... میں تمہیں اتنا مجبور کردوں گا کہ ایک دن تم ترسو گی مجھ سے ہم کلام ہونے کے لیے۔'' موئید کے ڈائیلاگ پر باہر آتے اظفر نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''موئید بھائی...... آر یو سیریس؟'' اظفر نے پوچھا۔

''کیا سیریس...... ایسے ہی ٹائم پاس کررہا ہوں۔'' موئید شرارت سے ہنسا۔

''میرے ساتھ ٹائم پاس کررہے ہیں آپ۔'' خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے میلک نے اس کے بازو پر مکا جڑنا چاہا تھا مگر وہ سرعت سے اس کا ہاتھ پکڑتا روک گیا تھا۔ تب ہی باہر آتے عشارب کے چہرے کے تاثرات تن گئے تھے۔ اس کی کڑی نظروں پر میلک سرعت سے اپنا ہاتھ موئید کی گرفت سے نکالتی برآمدے کے اسٹیپس اتر گئی تھی۔ ملیحہ کی طرف جانے کا ارادہ تھا۔

''کہاں جارہی ہو؟ گھر جاؤ بھابی نے بلایا ہے۔'' عقب سے عشارب کے خشک تحکم آمیز لہجے پر وہ ناگواری ضبط کرتی واپس آگئی تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁

بہت اچھی ڈاکیومینٹری وہ اظفر کے ساتھ ٹی وی پر دیکھ رہی تھی۔ اسی دوران اظفر کی فرمائش پر اسے کافی بنانے کے لیے اٹھنا پڑا تھا۔ موسم بدل رہا تھا فضاء میں خنکی بڑھنے لگی تھی سو اس کا بھی کافی کا موڈ تھا۔ کافی تیار کرکے وہ لاؤنج میں آئی تھی عشارب کی سخت آواز پہلے ہی اس کی سماعتوں تک پہنچ چکی تھی۔

''رات...... رات بھر ٹی وی دیکھنے اور گپیں لگانے سے فرصت نہیں ملتی تمہیں...... دو دن پہلے تم سے کہا تھا میرا لیپ ٹاپ چیک کرلو مگر اس کے لیے وقت نہیں تمہارے پاس۔ اٹھو یہاں سے فوراً۔'' اظفر پر برس رہا تھا۔ وہ یقیناً غصے میں ہی ریموٹ ٹیبل پر پھینکتا تیز قدموں سے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا تھا۔

''اظفر...... یہ کافی لیتے جاؤ۔'' میلک نے اسے پکارا۔

''چپ رہو تم......'' عشارب نے سخت لہجے میں اس کی آواز دبادی تھی۔

''جب سے یہاں آئی ہو اظفر کی روٹین خراب کردی ہے تم نے۔ آدھی آدھی رات تک موویز دیکھی جاتی ہے۔ چائے، کافی کے دور چلتے ہیں گھر کو ہوٹل بنا رکھا ہے تم نے۔'' اس کے بھڑکنے پر میلک بمشکل ضبط کرسکی تھی۔

''اب آپ کو اظفر سے میرا گھلنا ملنا بھی کھٹکنے لگا ہے میں جس سے بات کروں وہ بھی آپ کو ناگوار گزرتا ہے۔ ملیحہ کی طرف جاؤں وہ بھی آپ کو چبھتا ہے...... کیوں میری جان کے پیچھے پڑے ہیں آپ۔'' وہ ہلکے مگر غصیلے لہجے میں ہی پھنکاری تھی۔

''جان تو ہماری عذاب بنا رکھی ہے تم نے...... جس سے چاہتی ہو بے تکلف ہوجاتی ہو۔ جہاں چاہے منہ اٹھا کر نکل جاتی ہو...... تم پر نظر نہ رکھی جائے تو کیا کیا جائے......؟ ایک بار پھر خاندان کا نام خاک میں ملنے دیا جائے، جو کچھ تمہاری بہن کرگئی ہے وہ سب کرنے کا تمہیں بھی موقع دیا جائے؟'' وہ خونخوار نظروں سے اسے دیکھتا بولا۔

''میری بہن کا ذکر بھی نہ لائیں آپ اپنی زبان پر...... آپ کو کوئی حق نہیں ان کے بارے میں کچھ کہنے کا، کسی پر انگلی اٹھانے سے پہلے آپ اپنے گریبان میں جھانکیں۔''

''میں تمہارا منہ توڑ دوں گا اگر میرے گریبان تک تم پہنچیں۔'' موئید کے ساتھ تم مجھے دوبارہ بے تکلف ہوتی نظر آئی تو حشر بگاڑ دوں گا...... اپنے ہتھیار تم کیف کو قابو کرنے کے لیے استعمال کرو سمجھیں۔'' سلگتی نظروں سے اسے گھورتا وہ جانے کے لیے پلٹ گیا تھا۔

لب بھینچے وہ سرخ چہرے کے ساتھ اسے اوپر جاتا دیکھتی رہی تھی۔ کمرے کی لائٹ آف کر کے وہ تکیے میں چہرہ چھپائے سسک اٹھی۔

❁......❁......❁......❁

اپنے ماں باپ کے گزر جانے کے بعد اس نے گھر میں بڑے تایا کا ہی راج دیکھا تھا' باقی سب تو ان کی رعایا تھے جو ان کے خوف سے کانپتے تھے۔ ان کے قہر اور سختیوں سے گھر کا کوئی فرد بچا ہوا نہیں تھا ایسے گھٹے ماحول میں مکنون ہی اس کے لیے ٹھنڈے چھاؤں جیسی تھی مگر خود مکنون ماں کے بعد باپ کی جدائی کو جھیلتیں بہت بجھ گئی تھیں' وہ اور میلک اب مکمل طور پر بڑے تایا کے رحم و کرم پر تھے تایا کے حکم پر مکنون کو کالج کی تعلیم ادھوری چھوڑنی پڑی تھی۔

ان کو سر جھکائے گھر کے کام دھندوں میں مصروف دیکھ کر جانے تایا کو کون سی تسکین ملتی تھی ان کی اپنی کوئی بیٹی نہیں تھی شاید اس لیے وہ بیٹی کا درد دل میں محسوس نہیں کر سکتے تھے۔ تایا کے ہر حکم پر سر جھکانے والی مکنون اس وقت خاموش نہیں رہ سکی تھیں جب تایا نے ان کو اپنی بہو بنانے کا فیصلہ کرتے ہوئے ان کی اور عظام کی رضامندی لینا بھی گوارہ نہیں کیا تھا۔

سر سے پاؤں تک مکنون کو نیلا کر دینے کے باوجود تایا ان سے یہ نہیں اگلوا سکے تھے کہ ان کی وہ کون سی دوست ہے جس کے بھائی پر وہ عظام کو فوقیت دینے کے لیے تیار نہیں...... مکنون پر سختیوں اور جبر کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہو گیا تھا انہوں نے خالہ ماموں سے مدد چاہی مگر تایا نے ان سب کو بھی بے عزت کر کے گھر سے نکال دیا۔ مکنون چار دیواری میں قید ہو کر رہ گئی۔ سب کے ساتھ عظام بھی بس خاموش تماشائی تھے۔ باپ کے سامنے زبان کھولنے کی جرأت ان میں بھی نہ تھی۔

اسے یاد تھی وہ رات جب نیم غنودگی میں مکنون کی سسکیوں کے درمیان مدھم سی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

"میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے عشارب...... میرے ساتھ ساتھ عظام بھائی کی زندگی بھی عذاب بن جائے گی اور وہ اس کے مستحق نہیں...... میں ان کی آستین کا سانپ نہیں بننا چاہتی' میں ان کی رضامندی سے تم سے دور جا رہی ہوں مگر میں واپس آؤں گی سر اٹھا کر آؤں گی...... میرے بعد تم سب کو جو مشکل اٹھانی پڑے گی اس سب کا ازالہ کر دوں گی بس مجھے برے لفظوں میں یاد مت کرنا۔"

"آپ مت جائیں میں ابو کے سامنے آواز اٹھاؤں گا عظام بھائی کی طرح اب خاموش نہیں رہوں گا۔"

"نہیں عشارب...... یہ غلطی کبھی مت کرنا باپ کے سامنے کبھی آواز اونچی نہیں کرنا تم حق پر ہو تب بھی نہیں ہرگز نہیں۔" مکنون کی مدھم آواز اسے سنائی دے رہی تھی۔

"آپیا...... میں بہت اکیلا پڑ جاؤں گا۔" عشارب کی رندھی آواز ابھری تھی۔

"تمہیں بہت ہمت سے کام لینا ہوگا...... میلک کا خیال رکھنا پڑھائی میں اس کی مدد کرنا وہ تمہاری ذمہ داری ہے میں واپس آ کر سب سے پہلے تم سے اس کے بارے میں پوچھوں گی۔" مکنون اور بھی کچھ کہہ رہی تھی مگر گہری ہوتی نیند میلک کو غافل کر گئی تھی۔ وہ آج تک اپنی اس نیند کو کوس رہی تھی جس نے اتنی مہلت بھی نہ دی کہ آخری بار اپنی بہن کے گلے لگ کر ان کو جی بھر کر دیکھ لیتی۔

وہ بہت ناسمجھ نہیں تھی میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی وہ جانتی تھی رات کی تاریکی میں مکنون کا گم ہو جانا کیا معنی رکھتا ہے۔ دوسرے تایا کے غیض و غضب سے در و دیوار لرز گئے تھے گھر کے بچے بچے کی انہوں نے چمڑی ادھیڑی تھی کہ سب کے سب مکنون سے قریب تھے مگر وہ سب تو انجان تھے۔ تایا کے خوف اور ان کے جوتوں نے میلک کی بھی زبان پر تالے نہیں کھولے تھے جب کہ کچھ معلومات بہرحال اسے تھیں...... مگر عشارب خاموش نہیں رہ سکا تھا۔ کالج کا اسٹوڈنٹ تھا کچھ خون کی گرمی کچھ اس کی عمر کا بھی تقاضا تھا کہ وہ باپ کی مار پیٹ زیادہ دیر برداشت نہ

کرسکا تھا۔

پہلی بار آواز بلند کرتے ہوئے اس نے ببانگ دہل اعلان رد کردیا تھا کہ وہ جانتا ہے مکنون نے کب کس وقت گھر چھوڑا مگر وہ اس بارے میں مر کر بھی کچھ نہیں بتائے گا پھر تو واقعی تختۂ مشق وہ بن گیا تھا۔

مار کھا کھا کر ادھموا ہو گیا مگر زبان نہیں کھولی۔ تھک ہار کر باپ نے بھی اس سے کلام ترک کردیا۔ ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے بھی عشارب سے تعلق ختم کردیا ان کا فیصلہ کبھی بدلتا نہیں تھا۔ عظام کی لاکھ کوشش کے باوجود انہوں نے عشارب کو معاف نہیں کیا تھا۔

مکنون کے جانے کے بعد اسے تایا کے عتاب اور نفرت نے بیمار کردیا تھا۔ عظام بھی اس کی ڈھال نہیں بن سکے تھے جب اسے اس کے ماموں خالہ کے حوالے کر کے گھر بدر کردیا گیا تھا۔

تایا نے کہا تھا کہ ایک دن وہ بھی کسی کے ساتھ بھاگ کر اپنی بہن کی طرح ان کا منہ کالا کرے گی۔ میلک کی خالہ نے اسے سمجھایا تھا کہ اب وہ کبھی واپس اپنے گھر جانے کا نام نہ لے۔ میلک کے لیے خالہ جان کے گھر میں رہنا اس لحاظ سے خوش کن تھا کہ یہاں تایا جیسا کوئی ظالم جابر انسان نہیں تھا۔ عظام باپ سے چھپ کر اس کی خبر گیری کرتے رہے تھے آہستہ آہستہ انہوں نے میلک کی ساری ذمہ داری اپنے کاندھوں پر لے لی تھی۔ وہ بس رہتی اپنی خالہ جان کے گھر میں تھی۔ کچھ عرصے بعد عظام کی شادی ہوگئی وہ سمانہ کے ساتھ میلک سے ملنے آتے تھے سمانہ اسے بالکل مکنون کی طرح مہربان اور محبت کرنے والی لگی تھی۔ وہ مکنون کی طرح بہت حسین تو نہ تھی مگر میلک کے ساتھ ہمیشہ ان کا سلوک بالکل مکنون کی طرح رہا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ وقت کے ساتھ مکنون کو بھول گئی تھی مگر ہر بار اس کے استفسار پر عظام اسے صبر اور خاموشی سے انتظار کرنے کی تلقین کرتے رہے لہٰذا اس نے بھی خاموشی اختیار کرلی۔ مکنون کے سلسلے میں واپس گھر آنے کے بعد اس کے صبر اور خاموش انتظار کے حد ہونے لگی تھی شاید اسی لیے وہ زیادہ دن تک عشارب کا تضحیک آمیز رویہ برداشت نہیں کرسکی تھی۔

عظام کی شادی کے ایک سال بعد ہی تایا دنیائے فانی سے کوچ کر گئے تھے اگر تب ہی عظام اسے یہاں لے آتے تو یقیناً اب تک وہ پاگل ہو چکی ہوتی بہرحال اب وہ آنسو بہاتی اٹل فیصلہ کرچکی تھی کہ مکنون کا سراغ لگانا ہے وہ اب اس کے پاس جانے کے لیے بے چین تھی۔ سات سال ہونے والے تھے اسے اپنی بہن سے بچھڑے وہ جان چکی تھی اپنے انتظار کو ختم کرنے کے لیے اب اسے ہی کچھ کرنا ہوگا۔

❁ .... ❁ .... ❁ .... ❁

"مجھے یہ لڑکی بہت سویٹ لگتی ہے۔" مدیحہ کے اچانک کہنے پر عشارب نے اس کی نظروں کے تعاقب میں وہاں دیکھا تھا جہاں میلک ملیحہ کے ہمراہ باتوں میں مصروف واک کررہی تھی۔

"اسے دیکھ کر مجھے ہر بار مکنون اپیا یاد آجاتی ہیں۔" موئید نے کہا۔

"کوئی اور بات کرو۔" عشارب ناگواری سے بولا...... ویسے بھی میلک کی وجہ سے اس کا پارہ صبح سے چڑھا ہوا تھا جب اس نے میلک کو صبح لان میں موئید سے بات کرتے دیکھا۔ دور سے ہی اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ بات اہم نوعیت کی ہے چھٹی کا دن تھا لہٰذا میلک سے کوئی باز پرس کر کے کسی نئی تکرار کا آغاز نہیں کرنا چاہتا تھا' کچھ پس و پیش کے بعد بہرحال موئید نے میلک سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتادیا تھا۔

"پتہ نہیں کیوں تم اس سے اتنا خار کھاتے ہو؟" اس کی بےزاری پر موئید نے کہا۔ تب ہی وہ تینوں میلک کی طرف متوجہ ہوئے تھے جو خوشی سے چیختی گیٹ سے اندر آتے کیف کی سمت بھاگی تھی۔ شدید ناگوار نظروں سے عشارب اسے ہی دیکھ رہا تھا جو کیف کا بازو پکڑے گھر میں لے جارہی تھی۔

"تم کیا عظام بھائی سے آج ہی تمام کرنٹ افیئرز پر

بات کرلو گے...... حد ہوتی ہے۔'' ان دونوں کی گفتگو سے بیزار ہو کر میلک کو ٹوکنا پڑا تھا۔

''تم یہ بتاؤ ابھی میرے ساتھ گھر چلو گی یا بعد میں؟ امی نے کہا تھا تم آنا چاہو تو ابھی ساتھ لے جاؤں۔'' کیف پوچھ رہا تھا۔

''ہائے کیف...... اسے ساتھ لے جانے کی بات مت کرو' یہ چلی جاتی ہے تو مجھے گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔'' سمانہ فوراً بولیں۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں بس یہ آپ امی کو سمجھا دیجئے گا۔'' کیف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں تم خالہ جان کو بتا دینا کہ میں ایک دو دن میں میلک کو ساتھ گھر لے جاؤں گا' کافی دن ہو گئے میرا اور سمانہ کا بھی جانا نہیں ہوا۔'' عظام بولے...... کیف کے جاتے ہی ملیحہ آدھمکی تھی۔

''میلک ...... کیا لے کر آیا ہے کیف؟ کھانے کی کوئی چیز ہے تو جلدی نکالو' میں نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا......''

''خالہ جان نے اپنے ہاتھ سے تیار کردہ مٹن بریانی بھیجی ہے جو مجھے بہت پسند ہے۔ میری فرمائش پر پکا کر بھیجی ہے انہوں نے' کیف کی سستی کی وجہ سے بس اتنی لیٹ پہنچی۔''

''جو بھی ہے لیکن مان گئے تمہاری نظر انتخاب کو' بلا سے وہ تمہارے دام میں آیا نہیں ہنوز۔'' ملیحہ کے شرارتی لہجے پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

''چلو اسی غم میں تمہارے ساتھ میں بھی دوبارہ ڈنر کر لیتی ہوں۔'' کچن میں جاتی وہ بولی...... دونوں نے ابھی کھانا شروع ہی کیا تھا کہ عشارب کی آمد ہو گئی۔

''یہ کیا طریقہ تھا تمہارا؟ اس نے تمہاری خواہش پر سر نہیں جھکایا تو اتنا والہانہ استقبال قابو میں آ جاتا تو اندھیر مچا دیتیں تم۔'' شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتا وہ برس رہا تھا' ملیحہ کو تو سانپ سونگھ گیا تھا جب کہ میلک نے گہری سانس لے کر عشارب کو دیکھا۔

''ہو گئی بات پوری نکل گیا دل کا زہر...... تو اب بخشیں اور ہمیں کھانا کھانے دیں۔'' سرد لہجے میں اس کے غصے کو ہوا دیتی وہ اپنی پلیٹ پر جھک گئی تھی لیکن عشارب بھڑک کر اس کے سامنے سے پلیٹ سرکا گیا تھا۔

''عشارب...... اسے کھانا تو کھانے دو پھر بات کرنی ہے کر لینا۔'' سمانہ کافی ناراضی سے بولیں۔

''نہیں کھائے گی تو مر نہیں جائے گی یہ......'' بھڑک کر بولتا وہ بس ایک پل کے لیے قریب آتے عظام کی طرف متوجہ ہوا۔

''اور تم مجھے بتاؤ کہ آج موئید سے کیا کہا ہے تم نے؟'' وہ دوبارہ اس سے مخاطب ہوا جو تیز نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔

''عشارب کھانے کے وقت کوئی بحث مت کرو جو بھی بات ہے بعد میں کر لینا۔'' عظام کے برہم لہجے کا اس پر اثر نہیں ہوا تھا۔

''جو بات ہوگی ابھی ہوگی۔ آپ اسے اپنی زبان میں سمجھا دیں کہ یہ دوبارہ اس گھر کے کسی فرد سے اپنی بہن کے بارے میں بات نہیں کرے گی۔ ہمارا کوئی تعلق نہیں اس سے نہ ہی وہ تعلق رکھنے کے قابل ہے۔''

''آپ سب سے ان کا کوئی تعلق نہ ہو مگر مجھ سے ہے اور میں جس سے چاہوں گی ان کے بارے میں بات کروں گی آپ مجھے نہیں روک سکتے۔'' تیز لہجے میں بولتی وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں روکوں گا تمہیں' اپنی بہن کے نقش قدم پر چلنا ہے تو اس گھر میں تمہارے لیے قدم رکھنے تک کی جگہ نہیں چھوڑوں گا میں۔'' عشارب کی آواز بلند ہوئی۔

''میں اپنی بہن کے ہی نقش قدم پر چلوں گی مگر سامنے رہ کر اپنا حق حاصل کروں گی میری بہن کو بھی اپنی مرضی سے اپنی زندگی کے فیصلے کرنے کا حق تھا مگر آپ کے باپ نے ان سے یہ حق چھینا' میری بہن نے جو قدم اٹھایا اس کے لیے ان کو مجبور آپ کے باپ نے کیا۔ اگر یہاں کسی کا منہ کالا ہوا ہے تو اس کے اپنے اعمال اپنی فرعونیت کی وجہ

سے۔ میری بہن کی وجہ سے نہیں۔"

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے باپ تک پہنچنے کی۔" شدید اشتعال میں اس کی جانب بڑھا تھا کہ عظام سرعت سے اس کے درمیان آ گیا تھا۔

"ہوش میں رہو عشارب' اس پر ہاتھ اٹھانے جیسی گری ہوئی حرکت کرو گے کیا۔" عظام شدید برہم ہوئے تھے اس کے تیوروں پر۔

"مجھ پر اس کا قتل بھی جائز ہو جائے گا اگر اس نے میرے باپ کے خلاف ایک لفظ بھی اور کہا۔" اشتعال کو ضبط کرتا وہ بولا۔

"آپ مجھ پر میری بہن پر انگلی اٹھائیں گے تو میں بھی چپ چاپ تماشہ نہیں دیکھوں گی۔" وہ سرخ چہرے کے ساتھ چیخی۔

"عظام بھائی...... یہ میرے اور کیف کے بارے میں بہت غلط باتیں کر چکے ہیں' میری بہن کی اور میری کردار کشی کرتے رہے ہیں۔ آج میں نہیں یہ معافی مانگیں گے مجھ سے۔ اپنی ساری بکواس کے لیے جو میں اب تک برداشت کرتی رہی ہوں۔" غصے میں لرزتی وہ چیخی۔

"میں نے آج تک جو کہا وہ سچ ہے جو تمہیں بکواس لگ سکتا ہے اور لگنا بھی چاہیے۔" وہ انتہائی تلخ لہجے میں بولتا اسے سر سے پیر تک سلگا گیا تھا۔

"ٹھیک ہے تو پھر آج فیصلہ ہو ہی جائے۔" وہ پھنکارتی ہوئی تیزی سے وہاں سے گئی تھی۔ ساکت بیٹھی ملیحہ ہوش میں آتی اس کے پیچھے دوڑی تھی برآمدے کے آخری سرے پر جا کر اس نے مٹی کے تیل کا کین اٹھا لیا تھا۔

"میلک...... یہ کیا کرنے جا رہی ہو۔ یہ دو مجھے اور میرے ساتھ چلو۔" ملیحہ نے ہول کر اسے روکنا چاہا تھا مگر وہ اس کا ہاتھ جھٹکتی واپس اندر آ گئی تھی۔

"عشارب بھائی ذمہ دار ہوں گے اگر کچھ غلط ہو گیا تو۔" برآمدے میں آتے اظفر کی سوالیہ نظروں پر ملیحہ نے جتایا تھا اور پھر تیزی سے میلک کے تعاقب میں گئی تھی۔

"معافی مانگیں مجھ سے ورنہ آگ لگا کر سب راکھ کر دوں گی۔" کین ڈائننگ ٹیبل پر پٹختی وہ بولی۔

"لاؤ میں تمہارا کام آسان کر دیتا ہوں۔" اس کی دھمکی پر بھک سے اڑتا عشارب جارحانہ انداز میں اس سے کین چھین گیا تھا' یہ سب اتنا پلک جھپکتے ہوا کہ میلک کو مزاحمت کا موقع ہی نہیں ملا تھا' عشارب اس کی چیخوں کی پروا کیے بغیر یقیناً پورا کین ہی اس پر الٹ دیتا اگر عظام سرعت سے کین چھین نہ لیتے۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے کیا تمہارا۔ میری خاموشی کا تم دونوں ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ۔" عظام نے سخت غصے میں اسے بھی مخاطب کیا تھا جو سفید پڑتے چہرے کے ساتھ کچھ خوف زدہ سی لگ رہی تھی۔

"عشارب بہت شرم کی بات ہے بجائے اسے روکنے کے تم اس پر تیل چھڑک رہے ہو۔ کون ذمہ دار ہو گا اگر کچھ غلط ہو گیا تو۔" سمانہ بھی شدید غصے میں بولیں۔

"شرم تو اسے آنی چاہیے۔ یہ بددماغ لڑکی خود کو آگ لگا کر آپ سب کو بھی تباہ کرنا چاہتی ہے آپ کو اس سے بھی صلہ مل سکتا ہے۔" عشارب غصیلی نظروں سے میلک کو گھورتا سمانہ سے مخاطب ہوا۔

"اس گھر میں آج مجھ پر وائلنس ہوا ہے۔ میں ابھی پولیس کو بلاؤں گی' ڈومیسٹک وائلنس کے کیس میں حوالات کی ہوا کھائیں گے تب پتہ چلے گا۔" وہ حلق کے بل چیخی۔

"بکومت سب دیکھ رہے ہیں کہ تم نے آگ لگانے کی دھمکی دی۔ میں نے تو مدد کی ہے تمہاری۔" عشارب نے جھڑکنے والے انداز میں کہا۔

"میں نے یہ کب کہا تھا کہ میں خود کو آگ لگاؤں گی آپ کی طرح گھاس نہیں کھا رکھی میں نے۔" وہ تلملا کر چیخی۔

"تو کیا مجھے آگ لگانے کا ارادہ تھا...... اب میں بلاؤں پولیس کو؟ پھر پتہ چل جائے گا کیسے حوالات کی ہوائیں ٹھنڈا کرتی ہیں۔" عشارب کے طنزیہ لہجے پر وہ

لب بھینچے اسے گھور رہی تھی جب کہ عشارب ناگواری سے اسے گھورتا سامنے سے ہٹ گیا تھا۔ ایک نظر اس نے عظام اور سمانہ کے ناراض اور سنجیدہ چہروں پر ڈالی پھر سرعت سے وہاں سے نکل گئی۔

"میلک......" لاؤنج سے چیختی ملیحہ نے دنگ ہوکر اسے پکارا تھا جو بجلی کی سی تیزی سے سیڑھیاں طے کرتی عشارب سے پہلے ہی اس کے کمرے میں جا گھسی تھی۔

"بھابی...... جلدی آئیں۔" ملیحہ سمانہ کو پکارتی اظفر کے پیچھے ہی سیڑھیوں کی طرف گئی تھی۔

"تم شرافت سے نکلتی ہو میرے کمرے سے یا نہیں؟ میرا بیڈ خراب کردیا تم نے جاہل لڑکی۔" عشارب کی دھاڑ سنتے ہوئے ملیحہ کمرے میں داخل ہوئی تھی سامنے ہی مٹی کے تیل میں لتھڑے لباس کے ساتھ میلک بیڈ پر پھیل کر بیٹھی چادر بھی پیروں پر پھیلائے مطمئن تھی' اظفر اسے دیکھ کر قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"میلک اب تم یہ مت کہنا کہ مجھ سے معافی مانگی جائے پھر ہی کمرے سے نکلو گی۔" اظفر نے نئی راہ دکھائی۔

"اگیز یکٹلی ورنہ اس کمرے کا چپہ چپہ مٹی کے تیل سے فیض یاب ہوجائے گا۔" وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولتی عشارب کو مزید بھڑکا گئی تھی۔

"اظفر اسے دو منٹ میں یہاں سے نکالو ورنہ میں تمہارا حشر بگاڑ دوں گا۔"

"بھائی میں نے تھوڑا ہی اسے یہاں بھیجا ہے۔ آپ کا کمرہ ہے آپ ہی خالی کروائیں خوامخواہ وہ کاٹ لے گی مجھے۔ آپ کو نہیں پتہ کیا کہ انسانی دانتوں میں کتنا زہر ہوتا ہے پانی بھی مانگنے کی مہلت نہیں ملے گی اجل سے مجھے۔" اظفر خدشوں کا اظہار کرتا پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"عشارب بھائی آپ ہی معافی مانگ لیں ساری اکڑ تو دنیا میں ہی رہ جائے گی۔" ملیحہ تنک کر بولی۔

"بکواس کرتی ہے۔" سر سے ٹکراتا عشارب کا بھاری ہاتھ ملیحہ کو تارے دکھا گیا تھا۔

"معافی مانگیں مجھ سے ورنہ حشر کے میدان میں لہو پی کر بھی راضی نہیں ہونے والی میں۔" کھا جانے والی نظروں سے عشارب کو گھورتی میلک بولی۔

"صبر کرو اسی دنیا میں تم میرے ہاتھوں راکھ کا ڈھیر بنو گی اب۔" بھڑک کر بولتا وہ ڈریسنگ تک گیا تھا اور دراز سے لائٹر نکال لیا تھا۔

"آپ اسموکنگ کرتے ہیں؟" اظفر حیرت و صدمے سے بولا...... جب کہ کمرے میں آتیں سمانہ کو دیکھتے ہی عشارب نے فوراً لائٹر والا ہاتھ پشت کی طرف کرلیا تھا۔

"بھائی...... یہ آپ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔" ملیحہ فوراً چیخی تھی جب کہ عشارب خونخوار نظروں سے اس کے ہنستے چہرے کو دیکھتا سرعت سے کمرے سے نکل گیا تھا۔

"دیکھا تم نے جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں۔" اظفر نے ہنستے ہوئے میلک کو دیکھا۔

"میلک اگر تم اس کمرے سے نہیں نکلیں تو مجھ پر ثابت ہوجائے گا کہ تمہارے نزدیک نہ عظام کی اہمیت ہے نہ ہی میری۔" سمانہ سنجیدگی سے بولیں اور پھر رکی نہیں تھیں۔

"ساری ایموشنل بلیک میلنگ میرے لیے ہوتی ہے اس ہٹلر کو کوئی نہیں روکتا۔" وہ بھنا کر بولی۔

"دیکھو اس طرح ان کے کمرے میں دھرنا دینے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا کچھ ایسا کرو کہ انتقام کی آگ ٹھنڈی ہوجائے معافی وہ نہیں مانگنے والے اتنا میں بتا دوں۔" اظفر نے قطعی انداز میں کہا۔

"میلک ان کی گاڑی پر حملہ کردو قسم سے ان کی گاڑی کو ہاتھ بھی لگا لو تو طبیعت سے بے عزت کرتے ہیں۔" اسے اکساتے ہوئے ملیحہ نے اپنے دل کے پھپھولے بھی پھوڑے تھے۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

"ڈومیسٹک وائلنس......" موئید قہقہہ لگا کر ہنسا تھا جب کہ عشارب ناگواری سے سر جھٹک کر رہ گیا تھا۔

"ویسے کام بھی تم نے کچھ ایسا ہی کر ڈالا ہے بچنے والے نہیں ہو تم عظام بھائی کے عتاب سے۔"

"اسی لیے تو باہر آ گیا ہوں۔" وہ ناگواری سے بولا۔

"پہلے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم میلک کے لیے اس حد تک پوزیسو ہو۔" موئید کے مسکراتے لہجے پر وہ چونکا۔

"اسی لیے تو تمہیں کیف کے ساتھ اس کی گرم جوشی برداشت نہیں ہوتی...... بلکہ مجھے تو ہنسی آتی ہے کہ تمہیں اس کا مجھ سے یا اظفر سے بات کرنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔"

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا؟" عشارب نے ناگواری سے اسے ٹوکا۔

"دماغ تو تمہارا خراب ہونے والا ہے وہ دیکھو میلک باہر آ گئی ہے۔" موئید نے اسے متوجہ کیا۔

"یہ کہاں جا رہی ہے؟" تیز قدموں کے ساتھ گیٹ کی سمت جاتی میلک کو دیکھتا وہ الجھ کر موئید سے پوچھ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہاری چہیتی گاڑی کے ساتھ کوئی کارروائی ہونے والی ہے۔" موئید کا اندازہ ٹھیک ہی لگ رہا تھا۔ عشارب سرعت سے اٹھا مگر اس سے زیادہ سرعت سے موئید اسے پکڑ کر روک لیا تھا۔

"بھائی تھوڑا برداشت کرلیں، اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔" اظفر تیزی سے قریب آتا بولا۔

"برداشت کے بچے۔ وہ ٹائر پنکچر کر رہی ہے۔ صبح تمہارے سر پر سوار ہو کر آفس جاؤں گا۔" عشارب دھاڑا۔

"عشارب بھائی...... اس نے چاروں ٹائر پنکچر کرنے کی ٹھانی ہے چاقو ہے اس کے پاس۔" ملیحہ چہک کر بولی۔

"چاقو کس نے دیا اسے؟" عشارب نے ایک جھٹکے سے اس کی پونی ٹیل قبضے میں کی۔

"بھائی......" مدد طلب نظروں سے ملیحہ نے موئید کو دیکھا۔

"جیسی کرنی ویسی بھرنی۔" موئید نے اطمینان سے کہا۔

"اظفر نے۔" بالآخر ملیحہ کو بتانا ہی پڑا۔

"میں نے چاقو دیا مگر ٹائر پنکچر کرنے کا مشورہ تو تم نے دیا تھا۔" اظفر سرعت سے دور ہٹا راز کھل گیا تھا۔

"بس پھر تم ابھی سے بیٹھ جاؤ ٹائر بدلنے کے لیے تین تو پنکچر ہو چکے ہیں۔" موئید نے مسکراتے ہوئے اظفر کے فق چہرے کو دیکھا۔

"موئید اسے پکڑ کے رکھنا واپس آ کر ان دونوں کی مستی ختم کرتا ہوں۔" ملیحہ کو موئید کے حوالے کرتا وہ سرعت سے اپنی گاڑی کی سمت بڑھا۔

"بھاگ جاؤ ورنہ واپس آ کر یہیں دفن کر دے گا تمہیں وہ۔ ضرورت کیا تھی تمہیں میلک کو اکسانے کی۔" موئید نے خشمگیں لہجے میں ملیحہ کو گھر کا تب ہی وہاں مدیحہ تیز قدموں سے آئی تھی۔

"یہ عشارب کہاں گیا اور وہ میلک گاڑی کے پاس بیٹھی کیا کر رہی ہے؟" مدیحہ کے حیرانی سے کیے جانے والے سوالوں پر ملیحہ اور اظفر کی شیطانی ہنسی بلند ہوئی تھی۔ تیزی سے بھاگتی وہ گاڑی کے دوسری جانب چلی گئی تھی۔

"اسی چاقو سے تمہارے ہاتھ کاٹوں گا...... ادھر آؤ تم۔" اس کے ہاتھ نہ آنے پر وہ مزید مشتعل ہوا۔

"اور میں یہ چاقو آپ کے سینے میں گھونپ دوں گی اگر آپ نے مجھ سے معافی نہ مانگی۔ آپ کے باپ کا راج ختم ہوئے زمانہ گزر چکا ہے سمجھے۔" حلق کے بل چیختی وہ اس وقت دنگ ہوئی تھی جب اس نے عشارب کو گاڑی کی چھت پر چڑھتے دیکھا تھا۔ بجلی کی طرح وہ نکل بھاگی تھی جب کہ ایک ہی جست میں واپس نیچے آتا عشارب اس کے تعاقب میں تھا۔

"میلک اور تیز بھاگو۔" اظفر چیخا نہ بھی چیختا تو بھی اسے اپنی رفتار بڑھانی ہی تھی۔ پیچھے اسے عشارب نہیں کوئی عفریت آتی دکھائی دے رہی تھی۔ اندھا دھند بھاگتی وہ پچھلے صحن میں پہنچی تھی سناٹے اور نیم تاریکی میں سامنے بادام کے گھنے درخت کو دیکھتے ہوئے اس کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے تھے قدموں کی رفتار سست پڑنے لگی

تھی یہاں تو دن میں آتے ہوئے بھی اس کی جان جاتی تھی یہ تو پھر رات کا وقت تھا تب ہی بلی کی آواز سناٹے میں گونجی تھی، درخت کی گھنی شاخوں میں عجیب سی حرکت ہوئی تھی اس کی آنکھیں پھٹ گئیں تھیں خوف سے۔ رکے بغیر وہ رخ بدلتی واپسی کے لیے دوڑ لگا چکی تھی رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز تھی دوسری جانب صحن میں اس کے پیچھے ہی دوڑتے آتے عشارب کو یک لخت بریک لگے تھے اپنی سمت چمکتا چاقو لہراتی اندھا دھند بھاگتی میلک کو دیکھتے ہوئے وہ کرنٹ کھا کر پلٹتا دوڑتا چلا گیا تھا۔ ملیحہ جو اس کے پیچھے ہی آرہی تھی اب دنگ کھڑی بے یقین نظروں سے اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔ جس میں سب کچھ غیر متوقع تھا' سمجھ نہیں آرہا تھا کہ میلک اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی یا وہ میلک سے بھاگ رہا تھا۔

''میلک پکڑلو' چھوڑنا مت آج ہٹلر کو۔'' مویّد نے فلک شگاف قہقہوں کے درمیان کہا۔ عشارب رکے بغیر دوڑتا گھر کے اندر جاچکا تھا جب کہ میلک برآمدے کے اسٹیپس پر بیٹھتی بالکل بے دم ہوگئی تھی۔

''میلک تم پر ڈومیسٹک وائلنس ہوا ہے۔'' اظفر نے پوچھا اور پھر خود ہی برآمدے کے اسٹیپس پر گرتا ہنسی سے لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ پھولی سانسوں کے درمیان میلک نے چاقو کی بیک اسے دے ماری۔

''میلک تم ٹھیک ہو؟'' اسے حال سے بے حال دیکھ کر مدیحہ تیزی سے قریب آکر تشویش سے پوچھ رہی تھی۔

''یہ تو ٹھیک لگ رہی ہے عشارب کی فکر کرو۔'' مویّد درمیان میں بول اٹھا۔

''یا اللہ میرے یار کو دوڑیں لگوا کر بے حال کرنے والوں سے تو ہی حساب لینے والا ہے۔'' وہ آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھائے بولا تھا۔

''آپ کو تو برا لگے گا ہی...... دیکھا کیسے میرا حساب اللہ نے لیا۔ مجھ پر حملہ کرنے والے سے سب کے سامنے پیٹھ دکھا کر بھاگے۔ جو بڑے ہٹلر بنے گھومتے ہیں۔'' بری طرح جل کر اس نے مویّد کو جتایا۔

''میرے تو کلیجے میں ٹھنڈ پڑ گئی...... میلک مجھے تم پر فخر ہے۔'' ملیحہ مزید قصیدے پڑھتی اگر سمانہ وہاں نہ آجاتیں۔

''میلک...... عظام بلا رہے ہیں فوراً ڈرائنگ روم میں جاؤ۔'' سمانہ کی سنجیدگی پر وہ فوراً ہی جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بھابی...... خیر تو ہے؟'' اندر جاتی میلک سے نظر ہٹا کر مدیحہ نے سمانہ سے پوچھا۔

''آج عشارب اور میلک دونوں کی خیر نہیں ہے عظام بہت غصے میں ہیں۔'' سمانہ کے بتانے پر وہ سب سنجیدہ ہوگئے تھے۔

❁ ...... ❁ ❁ ...... ❁

''جب سے وہ اس گھر میں آئی ہے تم نے یہاں اس کا جینا دوبھر کر رکھا ہے اور آج تو حد ہی کر ڈالی ہے تم نے۔'' ڈرائنگ روم میں داخل ہوتی وہ دنگ ہوئی کہ عظام شدید غصے میں عشارب پر برس رہے تھے۔

''جب تمہیں کچھ پتہ نہیں تو کیوں مکنون کے اب تک واپس نہ آنے پر بدگمان ہو...... کیوں اس سے بدظن ہو کہ اس نے میلک کو واپس یہاں آنے سے روک کے رکھا؟''

''آپ کچھ بتاتے نہیں تو کیسے مجھے حقیقت کا پتہ چلے گا۔'' خفت سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ عشارب بولا جب کہ عظام کچھ کہتے کہتے رک کر میلک کی طرف متوجہ ہوئے۔

''تم وہاں کیوں کھڑی ہو؟ بیٹھو ذرا یہاں آکر۔ آج تمہارے بھی سارے واویلے ختم کرتا ہوں۔'' عظام کے تختی سے گھرکنے پر وہ فوراً ہی اسی صوفے کے دوسرے کونے سے لگ کر بیٹھ گئی تھی جس کے دوسرے سرے پر عشارب موجود تھا۔

''اس گھر سے نکالے جانے کے بعد میلک نے کس طرح خالہ جان کے گھر میں وہاں کے ماحول میں ایڈجسٹ کیا ہوگا۔ یہ اندازہ تم بھی لگا سکتے ہو۔ مکنون کیا

میں خود نہیں چاہتا تھا کہ ایک بار پھر میلک کو اسی ذہنی اذیت سے گزرنا پڑے۔ یہ اس وقت چھوٹی تھی ناسمجھ تھی بار بار در بدر ہونا اس کی شخصیت بگاڑ سکتا تھا۔ خالہ جان اب بھی اسے خود سے جدا نہ کرتیں مگر اب حالات بدل چکے ہیں۔ جب سے خالہ جان کی بہوؤں کو یہ بھنک لگی ہے کہ وہ میلک کی شادی کیف سے کرنے کی خواہش رکھتی ہیں تب سے ان کی دونوں بہوؤں کی آنکھوں میں یہ کھٹک رہی تھی کیونکہ کیف جیسے قابل انسان کے لیے ایک اپنی بہن کو خالہ جان کی بہو بنانا چاہتی ہے تو دوسری اپنی کزن کو۔ جہاں تک بات کیف کی ہے تو وہ میرے اور خالہ جان کے سامنے میلک کے لیے انکار کر چکا ہے کیونکہ ہمیشہ اس نے میلک کو اپنی سگی بہنوں سے بھی بڑھ کر چاہا ہے اور اہمیت دی ہے میں جانتا ہوں کہ شادی والی بات کو لے کر میلک کیف سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے‘ جسے غلط رنگ دے کر تم نے میلک کے بارے میں بہت غلط رائے کا اظہار کیا۔ میں خالہ جان کی اجازت سے اور میلک کی مرضی سے اسے واپس یہاں لایا ہوں کیونکہ میں نہیں برداشت کر سکتا تھا کہ ان کی بہوؤں کی کسی بات سے میلک کی دل آزاری ہو۔ خالہ جان کے گھر میں بھی یہ میری ذمہ داری رہی تھی ان کی کسی اولاد کا ایک روپیہ تک میں نے اس پر خرچ نہیں ہونے دیا...... تو پھر کیسے اس کے خلاف کسی کا ایک بھی جملہ یا غلط رویہ برداشت کر سکتا ہوں۔“ بگڑے تاثرات کے ساتھ بول کر وہ میلک کی طرف متوجہ ہوئے۔

”اور تم تمہارے سر پر ہمیشہ یہی چیز سوار رہی ہے کہ مکنون کہاں ہے؟ ہمیشہ تمہیں اس کی فکر رہی...... مجھ پر تمہیں کوئی بھروسہ نہیں تھا مگر موئید پر اعتبار اچانک ہو گیا تمہیں......؟“

”ایسا نہیں ہے عظام بھائی...... مجھے لگا اگر موئید بھائی آپ سے اپیا کے بارے میں کچھ پوچھیں گے تو شاید ان کو آپ بتا دیں۔“

”تمہیں یہ لگا تھا کہ موئید تم سے زیادہ میرے لیے اہم ہے یا میں جان بوجھ کر تمہیں مکنون کے لیے پریشان کر رہا ہوں...... کیا میں نے ہر بار تم سے نہیں کہا تھا کہ صحیح وقت کا انتظار کرو؟“ وہ سخت ناگواری سے بولے۔

”میں نے تو ان سے صرف ایک بات کی تھی مجھے کیا پتہ تھا کہ وہ اپنے یاروں کے سامنے ڈھنڈورا پیٹ دیں گے۔“ اس نے جل کر یقیناً عشارب کو سنایا تھا۔

”چپ رہو اب...... آج جس قسم کی بھیانک کارروائیاں تم دونوں نے کی ہیں اس سب نے بہت مایوس کیا ہے مجھے۔ اب تو میں خود نہیں چاہتا کہ تم اس گھر میں رہو۔“ ان کے سخت سنجیدہ لہجے پر میلک دنگ ہوئی تھی جب کہ عشارب نے بھی بری طرح چونک کر انہیں دیکھا تھا۔

”ابو نے مکنون کے ساتھ جو غلط کیا سو کیا مگر میں نے اس کے حق کے لیے ہر طرح سے سپورٹ کیا‘ اس کا صلہ مکنون سے مجھے یہ ملا کہ زریاب سے شادی کے فوراً بعد وہ کب کس وقت یہ ملک چھوڑ گئی اس نے اس کی بھنک تک مجھے نہیں لگنے دی۔ میرے باپ سے اس کا تعلق ختم ہوا تھا مگر شادی کے بعد کوئی اپنے فرائض اور دوسروں کے خود پر حقوق نہیں بھول جاتا۔ مجھے ایک طرف کر دو مگر تم تو اس کی بہن تھی میرے لیے مکنون کی یہ معذرت بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی تھی کہ زریاب کے اور اس کے ملک سے باہر جانے کے معاملات اتنے اچانک مکمل ہوئے کہ کسی کو خبر دینے کا موقع تک نہ ملا۔“ عظام انکشاف کر رہے تھے جب کہ وہ سانس روکے سننے والی وہاں اکیلی نہیں تھی۔

”مکنون تمہیں بھی اپنے پاس بلانا چاہتی تھی مگر میں ایسا ہرگز نہیں چاہ سکتا تھا۔ وہ اگر تم سے رابطہ کرتی تو تم اس کے پاس جانے کی ضد کرتیں مگر میں دیار غیر میں تمہارے لیے کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے یہ نہیں چاہا تھا کہ مکنون تم سے دور جائے‘ میں نے اس سے کہا تھا کہ اسے تمہارے لیے واپس آنا ہوگا۔ زریاب وہیں رہے مگر وہ تمہارے لیے یہاں آ جائے مگر وہ نہیں آئی۔ میں نے بھی اسے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا کہ تم سے وہ رابطہ واپس اسی

ملک میں آ کر کرسکتی ہے ورنہ میری بے خبری میں اس نے تم سے کوئی رابطہ کیا تو میں تم دونوں ہی سے ہر تعلق ختم کردوں گا۔“

”اور اسی لیے آج تک اپیا نے مجھ سے بات تو کیا میری آواز تک سننے کی ہمت نہیں کی۔ وہ آپ کے خلاف کبھی نہیں جاسکتی تھیں...... انہوں نے آپ کی بے خبری میں یہ ملک چھوڑ کر غلط کیا مگر اس کی سزا مجھے کیوں دی گئی؟ آپ جانتے تھے کہ میں ان کے لیے تڑپ رہی ہوں مگر اپنے فیصلے کے سامنے آپ نے ایک بار بھی میرے بارے میں نہیں سوچا کبھی؟“ سخت صدمے سے بولتے ہوئے اس کی آنکھیں لبریز ہونے لگی تھیں۔

”سوچ رہا ہوں اب تمہارے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں یہ میری غلطی تھی کہ میں نے تمہیں گھر بدر ہونے کے بعد ملک بدر نہیں ہونے دیا۔ اپنے قریب اپنوں کے درمیان رکھا اس بے لگام معاشرے میں تمہیں جانے کی اجازت نہیں دی جہاں مہذب لباس میں درندے پائے جاتے ہیں۔“ عظام غصیلے لہجے میں بولے تھے جب کہ عشارب بغور انہیں دیکھتا سب سن رہا تھا۔

”تمہارے ماں باپ کے بعد تم اور مکنون دونوں ابو کی ذمہ داری تھیں جو ذمہ داریاں وہ اپنی زندگی میں نہ نبھا سکے وہ سب خود بخود مجھ پر عائد ہوگئی تھیں، مکنون پردیس میں اپنے شوہر کے ساتھ ہے مگر تم صرف میری ذمہ داری ہو۔ کس کے بھروسے پر بھیجتا تمہیں؟ میں نے اگر سب کچھ تم سے چھپایا تو اس لیے کہ مکنون کی خواہش جاننے کے بعد تم یہاں رہنے کے لیے تیار ہوتیں؟ میں نے جو کیا اگر وہ سب غلط ہے تو بھی مجھے شرمندگی نہیں کیونکہ مجھ میں کہیں نہ کہیں میرے باپ کی فطرت بھی شامل ہے۔ تمہیں لگتا ہے کہ میں نے مکنون سے اور تم سے تعلق ختم کرنے کی شرط رکھ کر اسے تم سے دور رکھنے کا ظلم کیا ہے زیادتی کی ہے تو اب میں ازالہ کردیتا ہوں، میں کوشش کروں گا کہ جلد از جلد تمہارا پاسپورٹ بن جائے میں آج ہی مکنون سے اس بارے میں بات کرلیتا ہوں۔“

”آپ نے مجھے ایک موقع بھی نہیں دیا، آپ کو مجھ پر ذرا بھی بھروسہ نہیں تھا۔ آپ کو یہ یقین تھا کہ میں آپ کی اجازت کے بغیر سب کچھ چھوڑ جاؤں گی اپنی بہن کے لیے، میں آخر کس طرح......“ شدید تاسف سے بولتی وہ یک دم چپ ہوئی اور پھر ایک جھٹکے سے اٹھتی ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔ دروازے کے پاس موجود سمانہ اور عشارب کے درمیان خاموش نظروں کا تبادلہ ہوا تھا۔

”بھائی...... سات سال معنی رکھتے ہیں...... آپ ایک بار میلک سے اس بارے میں بات تو کرسکتے تھے۔“

”تم اپنے کام سے کام رکھو مجھے مت بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے تھا کیا نہیں۔“ عظام کے سخت ناگوار لہجے پر عشارب کے تاثرات بدلے تھے اگلے ہی پل وہ سرخ چہرے کے ساتھ اٹھتا تیز قدموں سے ڈرائنگ روم سے نکل گیا تھا۔

”اپنی بات کہنے کے بعد دوسرے کو بھی کچھ کہنے کا موقع دینا چاہیے عظام۔“ سمانہ ناراضی سے بولے بغیر نہیں رہ سکی تھیں۔

❀ ...... ❀ ...... ❀ ...... ❀

موسمی اثرات کی وجہ سے اس کی طبیعت ناساز تھی یہ اور بہانہ مل گیا تھا اسے اپنے کمرے تک محدود رہنے کا۔ وہ اتنی خاموش اور سنجیدہ ہوگئی تھی کہ سمانہ کی بھی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ زبردستی اس کے سر پر سوار ہوکر اسے بولنے پر مجبور کرتیں۔ شاید عظام سمیت وہ سب سے ہی ناراض تھی یا پھر ڈسٹرب۔ گزرے تین دنوں میں عظام کو بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ ان کا سامنا بھی نہیں کرنا چاہتی۔ میلک کی طبیعت کی ناسازی کا پتہ چلنے کے بعد وہ اس کا حال دریافت کرنے اس کے کمرے تک چلے آئے تھے۔ میلک کا سرد رویہ اور بس ”ہاں“ یا ”نہیں“ تک محدود اس کے جواب سے اندازہ کیا جاسکتا تھا کہ وہ ان سے زیادہ گفتگو سے بھی گریز کررہی ہے۔

اپنے کمرے سے باہر آتیں سمانہ نے اظفر کو پکارا جو لاؤنج میں ہی صوفے پر نیم دراز تھا۔ ٹی وی کا والیوم کم

کرتے ہوئے وہ اٹھ بیٹھا تھا مگر کمبل سے باہر نکلنے کی زحمت نہیں کی تھی لہٰذا سمانہ کو خود ہی اس کی طرف آنا پڑا۔

"تم گئے نہیں میلک کے پاس...... اندر آئی وہ......؟"

"نہیں باہر ہی ہے، میں گیا تھا مگر وہ بات کرنے کے موڈ میں ہی نہیں تو کیا کرتا واپس آ گیا۔"

"پہلے ہی طبیعت ٹھیک نہیں اس کی اور اب اتنی رات میں باہر جا کر بیٹھی ہے وہ بھی اتنی سردی میں۔" سمانہ تشویش سے بولتیں وہاں آتے عشارب کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"تم ہی جا کر اس سے کوئی تکرار کر لو یا ڈانٹ کر اندر بھیج دو اتنی سرد ہوا ہے باہر۔" زچ ہو کر سمانہ نے اسے مخاطب کیا۔

"بھابی...... میں ٹھہرا امن پسند بندہ، بحث و تکرار سے تو مجھے اللہ واسطے کا بیر ہے یہ کس کام پر لگا رہی ہیں آپ مجھے۔" مسکراہٹ چھپائے وہ بولا۔

"عشارب...... میں واقعی پریشان ہو رہی ہوں۔ تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔ پتہ ہے اس نے مکنون سے فون پر بات کرنے سے بھی انکار کر دیا ہے...... کل عظام نے مجھے مکنون کا فون نمبر دیا تھا تاکہ وہ میں میلک کو دے دوں مگر اس نے نمبر بھی نہیں لیا۔" سمانہ بول رہی تھی جب کہ عشارب کے تاثرات سنجیدہ ہو گئے تھے۔

"آپ ایسا کریں مکنون اپیا کا نمبر مجھے دیں۔ بھائی سے اس بات کا ذکر مت کیجیے گا۔" کچھ سوچ کر اس نے کہا۔

"میرے فون میں ہے اس کا نمبر...... رکو فون لے کر آتی ہوں۔" سمانہ کمرے کی سمت چلی گئی جب کہ وہ اظفر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"جاؤ جا کر کافی کے دو مگ تیار کرو۔" اس کے حکم نے اظفر کو دنگ کر دیا تھا۔

"اللہ کو مانیں، ایک گھنٹہ پہلے ہی میں نے آپ کے لیے کافی تیار کی تھی۔"

"صرف سردیوں میں ایک کافی ہی پسند ہے مجھے یہ بھی برداشت نہیں ہوتا۔" بگڑ کر اس نے اظفر کو دیکھا۔

"جی ہاں...... وہ اس لیے کہ ہر ایک گھنٹے کے بعد آپ کو کافی کی فرمائش پوری کروانے کے لیے میں ہی جو ملتا ہوں...... کاش آپ کو چائے کی طرح کافی سے بھی نفرت ہو جائے۔" جھلائے انداز میں اظفر گرم کمبل سے نکلنے پر مجبور ہوا۔

❁......❁......❁......❁
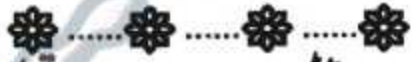
چیئر پر پیر سمیٹے بیٹھی وہ سرد ہواؤں سے لاتعلق کیاری کی سمت دیکھ رہی تھی جہاں رات کی رانی کے گھنے پودے موجود تھے۔ ان پر کھلے چھوٹے چھوٹے سفید پھولوں کی تیز خوشبو بہت پراسرار مگر بہت دل فریب اور خواب ناک تھی۔ قدموں کی آہٹ پر وہ چونکی...... چاند کی روشنی اتنی ضرور تھی کہ وہ اسے پہچان سکتی جو قریب ہی دوسری چیئر پر بیٹھ رہا تھا۔ سرعت سے نیچے گھاس پر پڑی سلیپرز میں پیر ڈالتی وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹھ جاؤ، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" عشارب نے کہا۔

"مجھے کسی سے کوئی بات نہیں کرنی......" رکے بغیر بولتی وہ اس لمحے اپنی جگہ ساکت رہ گئی جب عشارب نے اس کا ہاتھ تھام کر روکا تھا۔

"بیٹھ جاؤ، زیادہ ڈسٹرب نہیں کروں گا بس ایک دو ضروری باتیں تم سے کرنی ہیں۔" اس کے نرم لہجے پر وہ جو دنگ تھی مزید کچھ بھی بولے بغیر چپ چاپ واپس بیٹھ گئی۔

"تمہارے ساتھ بات بات پر تکرار کا جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا...... بالآخر بھائی نے بتا ہی دیا کہ مکنون اپیا کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں......؟ بھائی کے دل میں چھپی کوئی بات ان کی زبان تک لانا بہت مشکل کام ہے...... اپنے ناروا سلوک کے لیے میں تم سے معذرت کرتا ہوں مگر یہ سچ ہے کہ میں تم سے زیادہ مکنون اپیا کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھا۔" گہرے سنجیدہ لہجے میں وہ

بولا اور پھر اپنی طرف آتے اظفر کو دیکھ کر خود ہی اٹھ کر اس کی طرف بڑھ گیا...... دوسری جانب میلک اب بھی بے یقین نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی جو اظفر سے کافی کے مگ لیتا واپس آ رہا تھا۔ کچھ تذبذب کے بعد اس نے کپ عشارب سے لے لیا۔

"میں جانتا ہوں بھائی کی وجہ سے تمہیں بہت زیادہ تکلیف پہنچی ہے تمہاری جگہ میں ہوتا تو یقیناً اتنی خاموشی سے یہ زیادتی نہ سہتا...... مگر یہ بھی سچ ہے کہ بھائی تمہارے لیے بہت زیادہ پوزیسو ہیں۔ مکنون اپیا نے ان کی بے خبری میں یہ ملک چھوڑ کر ان کو بہت ہرٹ کیا تھا۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں۔ بھائی کو یہ خوف رہا ہے کہ مکنون اپیا تمہیں بھی ان سے دور کر دیں گی...... بھائی کی طرف سے بدگمان ہونے سے پہلے تمہیں ان کے جذبات کو بھی سمجھنا چاہیے۔ اس حقیقت کے برعکس کہ جو ہوا غلط ہوا۔"

"میں بدگمان نہیں ہوں ان سے، میں اب تک شاک میں ہوں وہ اتنے کٹھور کیسے بن سکتے تھے۔ اتنی سخت شرط اپیا کے سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے میرے بارے میں سوچا تک نہیں۔" وہ شدید تاسف سے بولی۔

"یہ ایک عمل کا ردعمل بھی ہوسکتا ہے...... تمہیں اس چیز کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مکنون اپیا نے بھائی پر کسی اور شخص کو فوقیت دے کر انہیں مسترد کیا تھا۔" عشارب کی اس بات پر وہ بری طرح چونکی۔

"بے شک بھائی نے بہت خاموشی سے مکنون اپیا کو سپورٹ کیا تھا' بھائی کی وجہ سے ہی وہ اپنا حق استعمال کر سکی تھیں مگر ان کی ایک غفلت نے بھائی کی انا پر ضرب لگائی تھی۔ بہرحال وہ ایک مرد ہیں...... رد کیا جانا ایک حقیقت ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مکنون اپیا کا ساتھ دے کر شاید بھائی نے ان سے کچھ زیادہ ہی توقعات وابستہ کر لی تھیں مگر مکنون اپیا اپنے شوہر کی مرضی سے بڑھ کر کسی کو نہیں رکھ سکتی تھیں۔ بھائی کی ناراضگی کی وجہ سے وہ اپنے شوہر کو چھوڑ کر واپس یہاں فوری طور پر نہیں آسکتی تھیں۔ وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ وہ تم پر بھائی سے بڑھ کر حق نہیں رکھتیں اس لیے بھائی کی اتنی سخت شرط پر انہوں نے احتجاج نہیں کیا لیکن مجھے یقین ہے وہ تمہارے لیے واپس آنے کے لیے بے چین ہوں گی۔" بات مکمل کرتا وہ کافی کی طرف متوجہ ہوا۔ جب کہ مگ سے سپ لیتے ہوئے میلک بھی کسی گہری سوچ میں گم ہوگئی تھی۔

"کیا آپ کو یہ لگتا ہے کہ عظام بھائی...... اپیا سے محبت کرتے ہیں......؟" اس کے اچانک سوال نے عشارب کو حیران کر دیا تھا۔

"مکنون اپیا اس گھر کی ایک فرد رہی ہیں اور اب بھی ہیں۔ بھائی ان کی اسی طرح فکر رکھتے ہیں جیسی کہ مجھ سے یا تم سے اور گھر کے دیگر افراد سے۔ تم جس محبت کی بات کر رہی ہو وہ ان کی اپنی زوجہ محترمہ سے ہی ہے' ویسے بھی بھابی صرف ابو کی پسند نہیں بھائی کو بھی پسند پہلے سے تھیں۔ صرف ابو کو پسند ہوتیں بھابی تو بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ لو میرج نہ بھی ہو تو شوہر اور بیوی کے درمیان عزت' احترام اور عقیدت کا ہونا ہی کافی ہے۔" عشارب کے ہلکے پھلکے لہجے پر وہ خاموش رہی۔

"اپیا سے کانٹیکٹ کیوں نہیں کرنا چاہتی تم...... اب تو عظام بھائی بھی چاہتے ہیں......؟"

"وہ تو اب چاہتے ہیں کہ میں اس گھر میں نہ رہوں۔" میلک نے اس کی بات کاٹی۔

"یہ بات انہوں نے غصے میں کہہ دی تھی آخر بھائی تو وہ میرے ہی ہیں ورنہ وہ کیا چاہتے ہیں یہ تم بھی جانتی ہو۔" عشارب کے گہرے سنجیدہ لہجے پر وہ چپ رہی۔

"سردیوں کی راتوں میں کھلے آسمان تلے خنکی' خاموشی اور تنہائی کو محسوس کرنا مجھے بھی بہت پسند ہے لیکن اب کافی رات ہو چکی ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا......؟" آخر میں عشارب کے سوال پر وہ اپنی شال ٹھیک کرتی چیئر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"شاید آپ عظام بھائی کی طرف سے میرا دل صاف کرنے مجھ تک آئے تھے۔" اس کے ہمراہ آگے بڑھتے

ہوئے وہ بولی۔
''نہیں......میں صرف تمہارے لیے تم تک آیا تھا۔''
اس کے سنجیدہ لہجے پر میلک نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر نظر چرائی برآمدے کے اسٹیپس چڑھنے لگی تھی۔

❁......❁......❁

دسمبر کی کن من آج صبح سے جاری تھی۔ سارا دن موسم بہت خوب صورت رہا تھا اور اب رات میں خنک سوندھی سوندھی ہوائیں بھی بہت خوش گوار لگ رہی تھیں۔ برآمدے میں کھڑی وہ کچھ دیر تک ملیحہ کی واپسی کا انتظار کرتی رہی جو کسی کام سے اپنے پورشن میں گئی تھی۔ گیٹ کے قریب ہی عشارب' اظفر کے ساتھ مل کر اپنی گاڑی کا کوئی فالٹ ٹھیک کر رہا تھا۔ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی وہ چھت کی سمت جاتی ماربل کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی تھی۔ تیسرے چوتھے اسٹیپ پر بیٹھتے ہوئے اس نے اپنی طرف آتے موئید کو دیکھا اور پھر عشارب کو جو ایک پل کے لیے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔
''کیسے مزاج ہیں ہٹلر کے دشمنوں کے......؟'' موئید کے شرارتی انداز پر وہ بس مسکرائی اور پھر اپنی ہاتھ میں موجود چاکلیٹ کا ایک ٹکڑا اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔
''اتنی ساری چاکلیٹ دے دی تم نے کہاں رکھوں گا اسے سنبھال کر۔''
''تو پھر کھالیں۔'' وہ دھیرے سے ہنسی اور اس کی حیرت پر جب کہ چاکلیٹ کھاتے ہوئے موئید نے عشارب کو آواز لگائی تھی۔
''میلک پوچھ رہی ہے تم بھاگے کیوں تھے......؟''
اس کے سوال کو نظر انداز کرتا عشارب دوبارہ کام میں مشغول ہو گیا تھا۔ جب کہ میلک نے کافی ناراضگی سے موئید کے ہنستے چہرے کو گھورا تھا۔
''لو بھئی تمہارے کزن صاحب کی تشریف آوری ہوگئی۔'' موئید نے اسے گیٹ پر نمودار ہوتے کیف کی طرف متوجہ کیا۔
''مجھے ایک شو کے پاسز کیف سے چاہئیں ذرا بات کرلو۔'' موئید بولتا ہوا گیا تھا جب کہ میلک حیرت سے اس جانب دیکھ رہی تھی جہاں خلاف توقع عشارب بڑی گرم جوشی سے کیف سے مل رہا تھا۔
''کیف کب آیا' مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا۔'' ملیحہ خوش گوار حیرت سے بولتی اس کے ساتھ ہی آ بیٹھی تھی۔
''بات سنو......کل سے اب تک یہ تیسری بار آمد ہوئی ہے کیف کی...... یہ چکر کیا چلا ہے میری بے خبری میں......'' مشکوک نظروں سے میلک نے اسے دیکھا۔
''تم تو خوامخواہ حیران و پریشان ہو رہی ہو کل میں اتفاق سے گیٹ کی طرف تھی دن میں جب کیف تمہاری چاکلیٹس دینے آیا تھا تم سو رہی تھیں اور وہ جلدی میں تھا گیٹ پر ہی اس نے چاکلیٹس مجھے دے دیں میں نے بس اتنا اس سے ضرور کہا تھا کہ اگر یہ چاکلیٹس میرے لیے ہوتیں تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی بس وہ تو ایسا نہال ہوا کہ اس کے اصرار پر وہ چاکلیٹس مجھے ہی رکھنی پڑیں۔ ویسے سچی بات ہے اتنا جینئس بندہ زہر بھی دے تو انکار نہیں کروں۔''
''ہاں...... اس سب کے بعد وہ شام کو دوبارہ چاکلیٹس کے دو دو پیکٹ لے آیا تو مجھے حیرت نہیں ہونی چاہیے ناں؟'' میلک نے خشمگین لہجے میں کہا۔
''میں نے اسے تمہاری طبیعت کا بتایا تھا وہ تمہارے لیے ہی دوبارہ آیا تھا۔ اب اگر تمہارے ساتھ ساتھ وہ میرے لیے مزید چاکلیٹس لے آیا تو اس میں شکوک و شبہات کیا معنی رکھتے ہیں۔ ویسے بھی معاف کرنا یہاں رقیب روسیاہ والا معاملہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ تم کیف کی بہن ہو اور میں صرف اپنے بھائیوں کی۔'' ملیحہ ڈھٹائی سے بولی۔
''دو چار دن میں بستر سے کیا لگی تم نے اپنا کام دکھا دیا۔ تمہاری نیت تو پہلے ہی اس پر خراب تھی۔'' میلک نے ایک چپت اس کے سر پر لگائی۔
''تم تو تم بھی نہیں ہو' میں نے تو صرف مذاق میں کہا تھا مگر تم نے سچ مچ ہٹلر کو قابو میں کرلیا......'' ملیحہ کی بات ادھوری رہ گئی تھی جب میلک نے اس کے بال کھینچے تھے۔

"ارے...... کیا کررہی ہو۔ تھوڑا رحم کرو زلف گرہ گیر پر۔" قریب آتے کیف نے مسکراتی نظروں سے ملیحہ کو بھی دیکھا تھا جو اپنے بال ٹھیک کرتی جھینپ گئی تھی۔

"لوگوں کو بڑی تکلیف ہورہی ہے کیف...... آپ ایسا کریں جو چاکلیٹس مجھے دیں آپ ان کی مجھ سے قیمت لے لیجیے۔" ایک نگاہ میلک پر ڈالتی وہ نخوت سے بولی۔

"خلوص کی اگر کوئی قیمت ہے تو آپ ضرور دے دیجیے۔" کیف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس سے زیادہ گھسا پٹا ڈائیلاگ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔" میلک نے کوفت سے کہا۔

"اور تم اٹھو یہاں سے...... کیف کے اور میرے لیے کافی تیار کرکے لاؤ۔" گھر کنے والے انداز میں میلک نے حکم دیا۔

"ضرور کیوں نہیں۔" ملیحہ فوراً اٹھی تھی۔

"ویسے آپ چائے بہت زبردست پکاتی ہیں کل شام اندازہ ہوا۔ میرے لیے چائے ہی لے آئیے گا اور اپنے لیے بھی۔" کیف کے والہانہ انداز پر ملیحہ نے مسکراتے ہوئے پہلے کیف کو اور پھر میلک کو دیکھا۔

"مگر اس کے لیے تو کڑوی کسیلی کافی ہی لاؤں گی۔" میلک کو گھور کر بولتی وہ وہاں سے چلی گئی تھی۔

"اسے اپنے ساتھ لے کر کسی دن گھر آؤ......" کیف نے التجائی لہجے میں کہا۔

"کیوں...... ایک بہن اور چاہیے گھر میں؟"

"ہرگز نہیں...... میری سب بہنوں پر بھی تم ایک ہی بہن کافی ہو مزید کی ضرورت نہیں۔" کیف ڈھٹائی سے مسکراتا بولا...... جب کہ وہ کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

ایک نظر اس نے سمانہ کو دیکھا جو کیف سے کوئی بات کررہی تھی ملیحہ بھی وہیں کھڑی تھی اور پھر دوبارہ وہ عشارب کی طرف متوجہ ہوئی جو پچھلے صحن کی طرف جاتا آنکھوں سے اوجھل ہوگیا تھا۔ نامحسوس انداز میں ماربل کی سیڑھیاں چڑھتی چھت پر اس جانب پہنچ گئی تھی جہاں سے گھر کا عقبی حصہ واضح نظر آتا تھا۔ چند بار پہلے بھی وہ عشارب کی جاسوسی کرچکی تھی۔ پچھلے صحن کا آہنی گیٹ کھولتا عشارب باہر نکل گیا تھا آج بھی وہ چپ چاپ مگر حیرت زدہ تھی اسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ حد نگاہ تک پھیلے اس ویران کچے میدان میں رات کے وقت اتنے ہیبت زدہ ماحول میں ہی وہ پابندی سے واک کرنے کیوں جاتا ہے' کچھ دیر تک وہ عشارب کو دور جاتا دیکھتی رہی تھی۔ زیادہ دیر رکنا وہاں اس کے لیے ناممکن تھا کیونکہ پچھلے صحن میں موجود بادام کا درخت بالکل منہ کے سامنے ہی تھا۔ ایک آخری نظر اس نے میدان میں بہت دور آسمان سے باتیں کرتے دو درختوں پر ڈالی جو ایک دوسرے کے آمنے سامنے موجود تھے۔

سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ ہمت کرکے عشارب سے پوچھے گی کہ وہ ایسے وحشت ناک ماحول میں واک کے لیے کیوں جاتا ہے جب کہ گھر کے قریب پارک موجود ہے صاف کشادہ سڑک بھی ہے۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁

موقع اسے دوسرے دن مل گیا تھا۔ ملیحہ کے پورشن سے وہ نکلی تھی جب سامنے سے اسے عشارب آتا نظر آیا۔ وہ سیاہ شلوار سوٹ میں ملبوس تھا حالانکہ آج سارا دن بادل برستے رہے تھے۔ کچھ گھنٹوں پہلے ہی آسمان کھلا تھا' ہوائیں یخ بستہ تھیں جو شاید اس پر کوئی اثر نہیں کررہی تھیں جب کہ خود اس کا یہ حال تھا کہ سوئیٹر کے ساتھ شال بھی لے رکھی تھی پھر بھی کپکپی چڑھے جارہی تھی۔ حیرت سے عشارب نے اسے دیکھا جو تیز قدموں سے اسی جانب آتی دکھائی دے رہی تھی۔

"مجھے حیرت ہوتی ہے کہ آپ واک کے لیے اتنی وحشت ناک جگہ پر کیوں جاتے ہیں' وہ بھی رات میں......؟" اس کے حیران لہجے نے عشارب کو مزید حیران کردیا۔

"تمہیں کیسے پتہ وہ جگہ وحشت ناک ہے......؟"

"دور سے ہی لگتا ہے۔" وہ بولی۔

”دور سے اندازے لگانا درست نہیں، سچائی کو جاننے کے لیے قریب جانا پڑتا ہے۔“ وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”تو ٹھیک ہے پھر چلیں۔“ وہ فوراً بولی۔

”سوچ لو فریز نہ ہو جانا۔“ سردی کی شدت کو دیکھتے ہوئے عشارب نے اسے خبردار کیا۔

”آپ کے غصے کی گرمی نے میرا کچھ بگاڑا ہے جو یہ سردی مجھ پر اثر کرے گی؟“

”ہاں یہ تو ہے۔“ دھیرے سے ہنستے ہوئے عشارب نے اسے چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ اجلا سا میدان چمکتی سی ریت نور سے بھرا چاند تاروں کا سماں خنک فضا میں حسین رات کا تھان حد نگاہ تک بکھرا پڑا تھا۔ جگ مگ کرتا آسمان زمین سے بہت قریب دکھائی دے رہا تھا۔ گھمبیر خاموشی میں بھیگی ہوا کی سرسراہٹوں کو محسوس کرتے ہوئے عجیب سا سکون اور طمانیت وہ محسوس کر رہی تھی۔

”میرا اندازہ غلط تھا یا پھر آج کی رات مختلف ہے۔“ وہ بولی۔

”میرے لیے تو مختلف ہے کیونکہ آج میں تنہا نہیں ہوں۔“ چاند کی تیز روشنی میں ایک نگاہ اسے دیکھتا ہوا بولا۔

”مدیحہ بھی کبھی آپ کے ساتھ یہاں نہیں آئیں؟“ وہ غیر ارادی طور پر بولی مگر اگلے ہی پل عشارب کے چونک کر دیکھنے پر گڑبڑا سی گئی۔

”میرا مطلب ہے کوئی بھی دوسرا گھر کا فرد......؟“

”نہیں سب بدذوق ہیں، تم بھی بس اپنا تجسس دور کرنے ساتھ آئی ہو۔“

”جی ہاں یہ سچ ہے لیکن اب میں روز یہاں آنا چاہوں گی۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”جانتی ہو دسمبر میں مجھے چاند کی چودھویں رات کا بہت انتظار رہتا ہے اور آج چاند کی چودہ تاریخ ہے۔“ عشارب کے اشارے پر اس نے آسمان پر پوری آب و تاب سے روشنیاں بکھیرتے مکمل چاند کو دیکھا اور ایک بار پھر مبہوت سی رہ گئی۔

”مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ آپ کو فطرت کے قریب رہنا کتنا پسند ہے...... ورنہ اتنی مصروف زندگی میں ان چیزوں کے لیے وقت نکالنے کے بارے میں اکثر سوچا بھی نہیں جاتا۔“ وہ سنجیدگی سے بولی۔ دھیرے دھیرے نم ریت پر چلتے ہوئے وہ دونوں ان درختوں کے قریب ہوتے جا رہے تھے جو آمنے سامنے سر اٹھائے کھڑے تھے۔

”مجھے یاد آ رہا ہے کہ جب ہم چھوٹے تھے تو اپنے بڑوں سے چھپ کر سب یہاں آتے تھے۔“ وہ بولی۔

”شکر ہے تمہیں اتنا تو یاد ہے۔“ عشارب نے کہا۔

”مجھے یہ بھی یاد ہے کہ اپیا نے جانے سے پہلے آپ کو کہا تھا کہ آپ میرا خیال رکھیں گے اور یہ بھی کہ اپیا واپس آ کر سب سے پہلے آپ سے ہی میرے بارے میں پوچھیں گی۔“ اس کے سنجیدہ لہجے پر عشارب نے اسے دیکھا۔

”مگر وہ واپس نہیں آئیں اور نہ ہی تمہیں واپس یہاں آنے دیا۔ بھائی نے اس سچ کو میرے تمہارے سامنے غلط قرار دیا مگر حقیقت تم بھی جان گئی ہو۔“ عشارب کے کہنے پر وہ خاموش رہی۔

”مجھے اس میدان میں یہ دو درخت بہت اٹریکٹ کرتے ہیں۔ ہوا سے جب ان کی شاخیں لہراتی ہیں تو ان کا شور سحر انگیز موسیقی سے کم نہیں ہوتا۔“ سر اٹھائے ان درختوں کو دیکھتا وہ بولا۔

”میری حد بس یہیں تک ہے۔ اس جگہ میں روز قدرت کے نئے نئے اسرار کھلتے، چھپتے دیکھتا ہوں۔“ دونوں درختوں کے درمیان ایک بھاری بھر کم درخت اپنی سوکھی ٹہنیوں کے ساتھ گرا ہوا تھا۔ عشارب کی تقلید میں وہ اسی گرے ہوئے درخت کے تنے پر بیٹھ گئی۔

”تھینکس کہ تم نے میری بات مان کر اپیا سے بات کی۔ یقیناً تمہاری الجھن دور ہو گئی ہوگی۔ بھائی بھی یہ چاہتے ہوں گے کہ اپیا خود اپنی غلطی کا اعتراف کریں وہ

ان کے خلاف کچھ بولنا نہیں چاہتے ہوں گے۔‘‘
’’عظام بھائی کی کچھ باتیں میرے لیے واقعی ناقابل قبول تھیں‘ وہ اتنے سخت دل ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ میں ان کو جانتی ہوں۔‘‘ وہ دھیمے لہجے میں بولی۔
’’اپیا نے پہلی غلطی یہ کی کہ ایسے شخص کو دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا جس نے اپنے باپ کے ڈر خوف کے باوجود ان کو مکمل سپورٹ کیا‘ اپیا نے اپنی پسند اپنے حق کے لیے عظام بھائی کو استعمال کیا...... اپنا حق حاصل کرنے کے لیے کسی ٹشو پیپر کی طرح استعمال کرکے پھینک دینا شرمناک حرکت ہے...... ملک چھوڑنے سے پہلے انہوں نے بھائی سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ بہت غلط کیا انہوں نے نہ صرف میرے ساتھ بلکہ عظام بھائی کے ساتھ بھی...... باہر جا کر انہیں یاد آیا کہ پیچھے وہ ایک بہن کو بھی چھوڑ آئی ہیں۔ خالہ جان کے گھر میں کوئی ان کا ذکر کرنا بھی گناہ سمجھتا تھا اسی لیے ان کو عظام بھائی سے میرے لیے رابطہ رکھنا پڑا۔ عظام بھائی نے مجھے ان کے پاس بھیجنے سے انکار کیا تو انہوں نے بعد ہو کر ان سے تلخ کلامی کی یہاں تک دھمکی دی کہ وہ میرے لیے عظام بھائی کے خلاف قانونی کارروائی کریں گی۔ نفرت کا زہر جو وہ اپنے دل میں چھپا کر لے گئیں تھیں اسے عظام بھائی پر ظاہر کرکے وہ شاید ان زخموں کی تلافی کرنا چاہتی تھیں جو تایا ابو کی وجہ سے ان کے وجود ان کی روح پر لگے تھے۔‘‘
’’میں جانتی ہوں کہ اس وقت اگر اپیا کے شوہر درمیان میں نہ آتے تو بھی عظام بھائی کسی قانونی کارروائی سے ڈر کر مجھے ملک سے باہر نہ بھیجتے۔ تایا ابو کی وفات کے بعد عظام بھائی مجھے واپس گھر لے جانا چاہتے تھے مگر اپیا کی وجہ سے وہ یہاں مجبور ہوگئے وہ خود تو عظام بھائی سے بات چیت ترک کرچکی تھیں مگر اپنے شوہر کے ذریعے انہوں نے یہ پیغام بھیج دیا تھا کہ اگر عظام بھائی مجھے خالہ جان کے گھر سے لے گئے تو وہ خود آ کر مجھے اپنے ساتھ باہر لے جائیں گی۔‘‘
نظروں کے سامنے ریت میں جذب ہوتی تیز چاندنی کو تکتی وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوگئی تھی۔
’’اپیا نے عظام بھائی پر الزام لگایا کہ وہ میرے ساتھ بھی وہی سب کریں گے جو تایا ابو نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ وہ اس گھر کی روایات سے بغاوت کرگئی تھیں مگر ان روایات کو زندہ بھی انہوں نے رکھا۔ عظام بھائی نے نہیں۔‘‘
’’اپنے اپنے ظرف کی بات ہے میلک...... انسان کی مثبت سوچ حالات کی سختیوں سے گزر کر اسے ہیرے کی طرح تراش دیتی ہے سوچ منفی ہو تو بے حیثیت پتھر اور کنکر ہی ہاتھ آتے ہیں۔‘‘ وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔
’’مگر میں اس انا اور نفرت کی گردشوں میں کہاں ہوں......؟ میں تو سات سال سے اپنے انتظار میں وہیں کھڑی ہوں جہاں اپیا چھوڑ گئی تھیں۔ اتنا بے عزت ہونے کے بعد اگر غصے میں عظام بھائی نے ایک فیصلہ سنا دیا تو وہ پتھر کی لکیر نہیں بن گیا تھا۔ اتنی چیزیں ہوجانے کے بعد بھی تو عظام بھائی ان کے شوہر کے ذریعے ہی سہی مگر ان سے رابطے میں تو رہے تھے میرے لیے اگر وہ عظام بھائی سے معافی مانگ لیتیں تو میں اتنے ماہ و سال تک ان کے لیے آنسو نہ بہا رہی ہوتی۔ وہ جانتی ہوں گی کہ عظام بھائی کی اجازت کے بغیر بھی انہوں نے مجھ سے رابطہ کیا تو بھی وہ ان سے یا مجھ سے قطع تعلق کرسکتے ہیں مگر نہ ان کو اپنے حق کے لیے گھر اور یہ زمین چھوڑتے ہوئے میرا خیال آیا نہ ان کی انا کے سامنے میری کوئی اہمیت رہی تھی اتنی خود غرضی اتنی مفاد پرستی۔‘‘ نم آنکھوں سے اس نے عشارب کو دیکھا۔
’’مجھے دربدر رکھنے میں اپیا کا ہاتھ ہے ورنہ میں بہت پہلے سے آپ سب کے درمیان اپنے گھر میں ہوتی...... ایک بار بھی انہوں نے نہیں سوچا ہوگا کہ انہوں نے جو قدم اٹھایا تھا وہ بعد میں میری زندگی پر بھی اثر انداز ہوسکتا ہے۔ زریاب بھائی کے ذریعے ان کو میرے زندہ ہونے کی خبر مل جانا ہی کافی رہا سات سال تک باقی ان کی انا کی تسکین

تو ہوتی رہی تھی۔ میں نے کئی بار یہ چاہا کہ کاش سمانہ بھابی کی جگہ اپیا عظام بھائی کی زندگی میں ہوتیں مگر اب ایسا نہیں ہے۔ اپیا ان کو ڈیزرو ہی نہیں کرسکتی تھیں۔ عظام بھائی کی زندگی میں سمانہ بھابی جیسی ہی عورت کو ہونا چاہیے تھا...... میں نے آپ کے کہنے پر پہلی بار ہی نہیں آخری بار بھی اپیا سے بات کی ہے۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ اب میں دوبارہ ان سے تب ہی بات کروں گی جب تک وہ عظام بھائی سے معافی نہیں مانگ لیتیں اور میں ایسا ہی کروں گی۔''

''ٹھیک ہے تمہیں جو بہتر لگا تم نے کہہ دیا ان سے اور ہونا بھی یہی چاہیے مگر تم ان کے خلاف مت رہو بھائی بھی یہی چاہتے ہوں گے کہ تم اپنی بہن سے بدظن نہ ہو۔ اس لیے بہت ساری چیزوں کو انہوں نے تم سے چھپائے رکھا۔ اب ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ فاصلوں کو ختم کیا جائے۔ میلوں کوسوں اور سمندروں کے فاصلے فساد کھڑے نہیں کرتے دل کے فاصلے رشتوں سے احساس ختم کردیتے ہیں۔ ہمیں نسل در نسل نفرتوں اور اشتعال کو منتقل نہیں کرنا ہم نے سہہ لیا کافی ہے جو کام ہمارے بڑوں نے کیا وہ ہم نہیں کریں گے۔ اپیا نے غلط کیا اس سب کا انہیں اعتراف ہے احساس بھی ہے تمہیں اب اپنے ظرف اور دل کو بڑا رکھ کر ان سب باتوں کو دہرانا نہیں...... تم ان کو وہی عزت اور احترام دو گی جس کی وہ مستحق ہیں۔ انا کو درمیان میں لاکر اب تم وہی غلطی نہ کرو۔ اپیا جب تم سے بات کرنا چاہیں گی تم ضرور کرو گی۔'' عشارب کے تاکیدی لہجے پر وہ خاموش رہی۔

''میرا خیال ہے گھر میں کسی کو پتہ نہیں ہوگا کہ تم میرے ساتھ یہاں ہو۔'' عشارب کے کہنے پر وہ بھی جانے کے لیے اٹھ گئی تھی۔

''دیکھو ذرا مجھ غریب کی قسمت' اتنی حسین رات ہے سب کچھ کتنا رومانٹک ہے اور میرے ساتھ کوئی رومانٹک باتیں کرنے والی بھی نہیں۔'' عشارب کے اچانک ہی کہنے پر وہ دھیرے سے ہنسی۔

''ہنس رہی ہو۔ مجھ پر یہ نہیں کہہ سکتی کہ میں ہوں تو سہی آپ کے ساتھ۔'' وہ مسکراتے لہجے میں اسے شرمندہ کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

''ویسے تم دل رکھنے کے لیے ایسا کہہ بھی دو تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ مجھے تو کوئی تجربہ بھی نہیں رومانس کا۔''

''اچھا ایسا لگتا تو ہرگز نہیں۔'' وہ فوراً بولی۔

''کیا مطلب؟'' عشارب نے حیران ہوکر اسے دیکھا۔ جواباً وہ نفی میں سر ہلاتی بس مسکرائی تھی جب کہ عشارب الجھی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ گھر سے کچھ فاصلے پر ہی تھے جب میلک نے پچھلے صحن کے درخت کی طرف اس کی توجہ دلائی۔

''مجھے اس درخت کی وجہ سے صحن کی طرف آنے سے بھی خوف آتا ہے اس رات آپ کی گاڑی کے ٹائر پنکچر کرکے جب میں بھاگتی ہوئی اس درخت کی طرف آئی تو مجھے یقین آگیا اس درخت پر کسی مخلوق کا بسیرا ہے۔'' اس کے پریقین لہجے پر وہ مسکرایا۔

''تمہارا وہم ہے ورنہ اس درخت پر کچھ ایسا ویسا نہیں......''

''ایسا ویسا ہی ہے جب ہی تو اس سے ڈر کر میں آپ کا بھی ڈر بھلا کر واپس بھاگی آئی...... مگر...... آپ تو مجھ سے بھی پہلے دوڑ گئے تھے۔ سچ بتائیں آپ نے بھی اس درخت پر کوئی چیز دیکھی تھی؟'' میلک نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں نے صرف تمہیں دیکھا تھا مجھے لگا تم مجھ پر غصے میں حملہ کرنے آرہی ہو میں تمہیں چٹکیوں میں قابو کرلیتا مگر یہ فزیکل ہوجاتا اور کچھ زیادہ ہی ہوجاتا' تم تو بچ جاتیں مگر بھائی کا عتاب مجھ پر نازل ہوجاتا اسی لیے تم سے پہلے ہی دوڑ گیا۔ بدنام تو مجھے گھر میں سب نے کردیا کہ میں تم سے ڈر کر بھاگا تھا۔'' عشارب کے بتانے پر وہ بے ساختہ ہنسی۔

''واپس آتے آتے تھکا دیا آپ نے اتنا تیز چلے ہیں

آپ۔" میلک نے اس سے شکایت کی...... جواب آہنی گیٹ کولاک لگا رہا تھا۔

"سوری تیز اس لیے چلنا پڑا کہ مجھے فکر ہو رہی تھی تمہاری گمشدگی پر بھائی بھابی کا بی پی لو نہ ہو جائے۔"

"نہیں...... جب ہم جا رہے تھے تو آپ کی مدیحہ صاحبہ نے ٹیرس سے ہمیں دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے بتا دیا ہوگا بھابی کو۔" اس کے کچھ استہزائیہ لہجے پر عشارب نے چونک کر اسے دیکھا۔

"آپ کی مدیحہ صاحبہ سے کیا مطلب تھا تمہارا؟"

"کوئی مطلب نہیں۔" وہ شانے اچکاتی حیرت سے بولتی اسے پھر الجھا گئی تھی۔

"میلک...... مجھے صاف اور سیدھی بات پسند ہے اس لیے آئندہ خیال رکھنا۔" ناگواری ضبط کرکے وہ سنجیدگی سے بولا...... اور پھر آگے بڑھ گیا۔ گہری سانس لے کر اس کے پیچھے جاتے ہوئے میلک نے کوفت سے مدیحہ کو دیکھا جو اپنے پورشن کے باہر ہی کھڑی ان دونوں کو دیکھ کر ہاتھ ہلا رہی تھی۔ مدیحہ کی طرف جاتے ہوئے عشارب نے گردن موڑ کر بس ایک نگاہ میلک کو دیکھا جو مدیحہ کے اشارے کو مکمل نظرانداز کیے رخ بدلتی اپنے پورشن کی سمت بڑھتی چلی گئی تھی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁

برآمدے میں آتے ہوئے اس نے رک کر لان کی طرف دیکھا' نیٹ لگائے اس وقت بیڈمنٹن کھیلتے عشارب اور مدیحہ بالکل فارم میں تھے' چھٹی کا دن تھا اس لیے شاید فراغت کے ساتھ سب لان میں ہی موجود تھے کچھ دیر پہلے وہ سو کر اٹھی تو سمانہ سے پتہ چلا ملیحہ تین چار بار اسے پوچھنے آئی تھی۔ مگر اب اس کا بالکل بھی لان میں موجود ملیحہ کی طرف جانے کا ارادہ نہیں تھا ملیحہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی یہ غنیمت تھا البتہ عشارب اس کی طرف متوجہ ہوا تھا مگر وہ فوراً ہی واپس پلٹ کر اندر چلی گئی تھی۔

"تم واپس کیوں آ گئیں میں تمہارے لیے چائے باہر ہی لا رہی تھی۔" عظام کو چائے کا کپ دیتیں سمانہ نے وہاں آتی میلک کو مخاطب کیا۔

"بس یونہی' سر میں درد ہو رہا ہے۔" مدھم آواز میں بولتی وہ ان سے چائے کا مگ لے کر وہیں بیٹھ گئی۔

"ٹیبلیٹ لے آؤں سر درد کی؟" سمانہ نے پوچھا۔

"نہیں' خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔" اس کے انکار پر سمانہ نے ایک نظر عظام کو دیکھا تھا جو ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ تھے آج صبح ہی ناشتے کی ٹیبل پر سمانہ نے عشارب سے پوچھا تھا کہ شام کو وہ کہیں جا رہا ہے یا گھر پر ہی ہے؟

"آج شام مدیحہ اور مجھے بک فیسٹیول میں جانا ہے وہاں وقت لگ جائے گا آپ کو کوئی کام تھا؟"

"نہیں میلک کو خالہ جان کی طرف جانا تھا۔"

"نہیں بھابی...... میرا آج جانے کا موڈ نہیں' جانا ہوا بھی تو کیف کو کال کر دوں گی۔" وہ فوراً بولی۔

"میں جاتے ہوئے تمہیں ڈراپ کر دوں گا کوئی مسئلہ نہیں۔" عشارب نے براہ راست اسے مخاطب کیا۔

"نہیں میری وجہ سے آپ لوگ اپنا پروگرام ڈسٹرب نہ کریں۔" اس کی جانب دیکھے بغیر وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

"اگر کوئی مسئلہ ہے تمہیں تو میں پہلے تمہیں ڈراپ کر آؤں گا باقی تمہاری مرضی۔"

"مجھے کیا مسئلہ ہو سکتا ہے کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ ناگواری محسوس کرتی بول اٹھی۔

"مطلب یہ کہ اگر تمہیں مدیحہ کی وجہ سے کوئی مسئلہ ہے تو پہلے تمہیں ڈراپ کر آؤں گا۔" سنجیدگی سے بولتے ہوئے عشارب نے غور سے اس کے تاثرات دیکھے۔

"مجھے ان سے کیا مسئلہ ہو سکتا ہے؟ میرا موڈ نہیں کہیں جانے کا اس لیے منع کیا یہاں تو ذرا سی بات کے رائی کے پہاڑ بن جاتے ہیں۔" ناگواری سے بولتی وہ جانے کے لیے اٹھی تھی وہاں آتے عظام نے حیرت سے برابر سے گزرتی میلک کو دیکھا اور پھر سوالیہ نظروں سے عشارب اور سمانہ کو۔

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

''کیا ضرورت تھی تمہیں الٹی بات کہنے کی اس کی بے تکلفی ملیحہ سے زیادہ ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مدیحہ کو ناپسند کرتی ہے۔'' سمانہ سے ساری بات سن کر عظام نے اسے ہی ٹوکا جو خاموش رہا تھا۔ چائے کے خالی مگ لے کر وہ کچن کی طرف گئی تھی جب سمانہ نے عظام کو مخاطب کیا۔

''آپ کب تک اس سے ناراض رہیں گے؟''

''تم نے دوبارہ اس سے پوچھا نہیں کہ وہ اپنا پاسپورٹ کیوں نہیں بنوانا چاہتی؟'' وہ سمانہ کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''کیونکہ اسے مکنون کے پاس فی الحال نہیں جانا۔'' سمانہ دھیمی آواز میں جتانے والے انداز میں بولیں۔

''ویسے آپ کی ناراضی سے عشارب اور میلک کے تعلقات تو ٹھیک ہوگئے آپ ان دونوں کے لیے کیا چاہتے ہیں عشارب تو جانتا ہی ہے بہتر ہوگا کہ آپ اب ڈائریکٹ مکنون اور خالہ جان سے اس سلسلے میں بات کریں۔'' سمانہ اتنا ہی کہہ کر خاموش ہوگئی تھی کیونکہ میلک واپس آ گئی تھی۔

''تم رات تک سر درد ٹھیک کرلو کیونکہ میں اور سمانہ بھی تمہارے ساتھ خالہ جان کی طرف جائیں گے۔'' عظام کے اچانک ہی مخاطب کرنے پر وہ چونکی مگر خاموش رہی تھی۔

❁......❁......❁......❁

سرخ کاٹن کے دیدہ زیب لباس کو زیب تن کیے وہ ڈریسنگ کے سامنے بالوں میں برش کررہی تھی جب ونڈو کے شیشے پر دستک کی آواز نے اسے چونکایا تھا۔ پردہ ہٹاتی وہ دوسری جانب عشارب کی موجودگی پر حیران ہوتی ونڈو کو اوپن کرگئی تھی۔

''سوری مگر کبھی کبھی شارٹ کٹ راستے استعمال کرلینے میں کوئی حرج نہیں۔'' وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''پانچ منٹ میں باہر آجاؤ اگر آئسکریم کھانے میرے ساتھ چلنا ہے تو۔''

''مگر میں تو عظام بھائی اور بھابی کے ساتھ......''

''ہاں میں جانتا ہوں مگر ابھی بھائی کے ایک دوست آ گئے ہیں ان کو رخصت ہونے میں ایک گھنٹہ لگ جائے گا تب تک ہم واپس آجائیں گے اب دیر مت کرو بھابی کو بتا کر آرہی ہو تم......؟''

''ٹھیک ہے آتی ہوں۔'' وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی...... سمانہ سے ایک گھنٹے میں واپسی کا کہہ کر وہ تیزی سے برآمدے میں آئی کہ تب ہی جیسے ابلتا کھولتا پانی اس کے سر پر گرا تھا گیٹ کی طرف گاڑی کے پاس ملیحہ تو موجود تھی ہی مگر اس کے ساتھ ہینڈ بیگ پکڑے مدیحہ بھی موجود تھی اور عشارب سے محو گفتگو تھی وہ تینوں یقیناً اس کے ہی منتظر تھے مگر وہ الٹے قدموں واپس اندر چلی گئی تھی کچن میں عظام کے دوست کے لیے چائے کا اہتمام کرتیں سمانہ نے حیرت سے اس کے تاثرات کو دیکھا تھا۔

''میرے سر میں پھر درد شروع ہوگیا ہے میں کہیں بھی نہیں جارہی' خالہ جان کی طرف بھی نہیں۔'' سمانہ کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی اس نے عجیب جھنجلاہٹ کے ساتھ کہا...... تب ہی وہاں عشارب چلا آیا تھا۔

''کیا ہوا تمہیں واپس کیوں آ گئیں؟'' اس کے سوال پر میلک نے اس کی جانب دیکھا بھی نہیں مگر سمانہ نے فوراً وجہ بتادی تھی۔

''ابھی کچھ دیر پہلے تک تو تم ٹھیک تھیں قسطوں میں چل رہا ہے کیا تمہارا دردِ سر......'' عشارب نے حیران لہجے میں پوچھا۔

''آپ کو اس سے کیا' نہیں جانا مجھے کہیں' میری مرضی۔'' وہ چیخ کر بولی۔

''میری طرف سے جہنم میں جاؤ اپنے ایٹی ٹیوڈ بھائی بھابی کے لیے سنبھال رکھو مجھے دکھانے کی ضرورت نہیں ہے بیکار میں مدیحہ سے خار کھاتی ہیں یہ محترمہ اور پھر کہتی ہیں اس سے کوئی پرابلم نہیں۔'' آخری جملہ عشارب نے سمانہ سے کہا تھا۔

"مجھے کوئی ایٹی ٹیوڈ دکھانے کا شوق ہے نہ ہی کسی سے خار کھانے کی ضرورت ہے سمجھے آپ۔" وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

"وقت نہیں میرے پاس تمہیں سمجھنے کا' دیواروں کو سمجھاؤ۔" ناگواری سے اس کے سرخ چہرے کو دیکھتا وہ کچن سے نکل گیا تھا۔

"اتنے گھنٹے بک فیسٹیول میں گزارنے کے بعد وہ اب پھر گھومنے جانے کے لیے باہر تیار کھڑی ہے اس کو کندھے سے لٹک کر گھومنے کا شوق ہے مجھے نہیں۔" عشارب کے جاتے ہی وہ سمانہ کے سامنے پھٹ پڑی جب کہ حیران ہوتیں سمانہ اپنی مسکراہٹ نہیں چھپا سکی تھیں۔

"ادھر آ کر بیٹھو مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔" اس کا بازو پکڑے سمانہ ٹیبل کی طرف لے آئیں۔

"ملیحہ نے تمہیں احسن کے بارے میں کبھی کچھ بتایا؟"

"کون احسن؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"موئید کا دوست ہے فیملی ٹرمز بھی ہیں آپس میں...... سب سے اہم یہ کہ مدیحہ اور احسن آپس میں انٹرسٹڈ ہیں مگر چچی جان فی الحال راضی نہیں کیونکہ وہ اپنے بھتیجے سے مدیحہ کی شادی کرنا چاہتی ہیں مگر موئید اور مدیحہ کے لیے ان کو راضی تو ہونا ہی پڑے گا۔ احسن ملک سے باہر کوئی کورس کرنے گیا ہے ابھی اس کی طرف سے باقاعدہ رشتہ نہیں آیا اور پھر چچی جان کی رضامندی بھی باقی ہے اس لیے ملیحہ نے تمہیں بتانا مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔" بات ختم کر کے سمانہ نے مسکراتی نظروں سے اس کے شرمندہ تاثرات کو دیکھا۔

"تمہیں عشارب اور مدیحہ کے بارے میں صرف غلط فہمی ہوئی ہے اب دور ہوگئی وہ غلط فہمی؟"

"اب کیا کہوں میں؟" وہ شرمندگی سے اتنا ہی بول سکی تھی۔

"تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی چھوٹی بہن کی طرح چاہا ہے تمہارے دل میں کیا ہے کیا نہیں یہ مجھے خود بخود پتہ چل جاتا ہے۔"

"آپ بہت اچھی ہیں بھابی مگر مجھ پر آپ کا ذرا اثر نہیں ہوا۔" اس کے افسردہ لہجے پر سمانہ مسکرائیں۔

"تمہیں کسی کا اثر لینے کی ضرورت نہیں' میں تمہاری اور عشارب کی صلح پر بہت خوش ہوں لہٰذا اب سارے جھگڑے بعد کے لیے اٹھا رکھو کیونکہ عظام اب تم دونوں کا معاملہ فائنل کر رہے ہیں۔ انہوں نے پہلے سے تمہیں عشارب کے لیے چن رکھا تھا تمہیں اپنے ساتھ یہاں لانے کے بعد ہم نے خالہ جان کے کان میں بھی یہ بات ڈال دی تھی۔" سمانہ بول رہی تھیں جب کہ وہ دنگ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

برآمدے کے اسٹیپس پر بیٹھی وہ لان میں کھیلتے بچوں کو دیکھ رہی تھی اپنے دوست کو گیٹ سے رخصت کر کے واپس آتے عظام اسے نظر انداز نہیں کر سکے تھے۔

"چلنا نہیں ہے خالہ جان کی طرف؟" کچھ فاصلے پر بیٹھتے وہ پوچھ رہے تھے۔

"پھر کسی دن چلیں گے...... ابھی میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہ رہی تھی۔"

"ہاں بولو کیا بات ہے؟"

"آپ نے یہ کیوں کہا تھا کہ آپ اب خود نہیں چاہتے کہ میں اس گھر میں رہوں؟"

"اس بات کو رہنے دو وہ میں نے غصے میں کہا تھا کیونکہ تم نے اور عشارب نے مجھے عاجز کر دیا تھا اور نہ سچ تو یہی ہے کہ میں ہمیشہ تمہیں اپنی نظروں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولے۔

"اور میں بھی کبھی آپ سب سے دور جانے کا حوصلہ نہیں رکھتی' بلاوجہ اندیشوں میں گھر کر اپیا کی ضد اور مطالبے کو آپ نے خود پر حاوی کیا۔" وہ بولی۔

"وہ تمہاری بہن ہے میلک' وہ اگر تمہیں دنیا کے دوسرے کونے سے بھی پکارے گی تو تم ان سنی نہیں کر سکتیں۔"

''وہ میری بہن ہیں تو آپ میرے بھائی...... میرے لیے آپ کی رضامندی آپ کی خوشی ہر چیز سے زیادہ اہم ہے۔'' وہ اپنے لفظوں پر زور دیتی ان کو باور کرا گئی تھی۔

''ایک صرف آپ ہی ہیں جو میری ہر مشکل، ہر ضرورت، ہر اچھے برے وقت میں میرے ساتھ رہے ہیں آپ اپنی زندگی میں اپنے کسی حق کے حصول کے لیے مجھ سے نظر چرا کر جان چھڑا کر نہیں گئے۔ اب اپیا بھی یہ جانتی ہیں کہ آپ ان سے زیادہ مجھ پر حق رکھتے ہیں ابھی بھی تو میں ان سے بات کرتی ہوں کتنی بار میں نے ضد کی کہ مجھے اپیا کے پاس جانا ہے؟ آپ نے مجھے اتنا کچھ دے رکھا ہے کہ میں آپ کی سپورٹ کے بغیر بھی اپیا کے پاس جاسکتی ہوں مگر میں آپ سب کی محبتوں کی مقروض ہوں میں نہ احسان فراموش ہوں اور نہ ہی خودغرض۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ سب سے دور جانا ہی میرے لیے ناممکن ہے۔ دکھ صرف اس بات کا ہے کہ آپ کو مجھ پر یقین کیوں نہیں تھا۔ یہ اندازہ آپ کو کبھی کیوں نہیں ہوا کہ میرے لیے آپ اور بھابی کتنی زیادہ اہمیت رکھتے ہیں؟''

''میں جانتا ہوں یہ بھی جانتا ہوں کہ میری ایک ایک بات بھی تمہارے لیے کتنی اہم ہے۔ یہ مجھ پر تمہارا بھروسہ ہی ہے کہ تم نے بہت صبر کیا مکنون کے لیے سب کچھ مجھ پر چھوڑ کر...... کبھی کبھی انسان اپنے خوف کے ہاتھوں بے وقفانہ حد تک کمزور پڑ جاتا ہے اور اس حقیقت کو سب سے چھپائے رکھنے کے لیے غلطیوں پر غلطیاں کرتا چلا جاتا ہے۔ مجھے یہ خوف تھا کہ ایک بار مکنون نے تمہیں اپنے پاس بلالیا تو واپس کبھی تم نہیں آسکو گی۔ مکنون کو یہ خوف تھا تم یہاں رہیں تو تمہیں بھی ان سختیوں سے گزرنا پڑے گا جن کا سامنا اس نے کیا تھا۔ بس اپنے اپنے خوف اپنی اپنی انا میں غلطیوں اور ندامتوں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔ کچھ غلطیوں کا ازالہ نہیں ہوتا چاہے ان پر انسان کتنا ہی نادم اور شرمسار ہو۔'' ان کے کمزور لہجے پر میلک نے بغور انہیں دیکھا۔

''جسے چاہا جائے جسے پانے کی بھی چاہت دل میں ہو پھر بھی اس سے دستبردار ہونا پڑ جائے تو اس چیز کا اثر کس حد تک انسان کی زندگی پر ہوسکتا ہے آپ کے خیال میں؟'' میلک کے اس اچانک سوال پر عظام نے چونک کر اسے دیکھا پھر دھیرے سے مسکرائے۔

''انسان کے دل میں ہزاروں خواہش، ہزاروں چاہتیں ہوتی ہیں جو خواہش پوری ہوگئی وہ ختم ہوگئی جو چاہا وہ نہ ملا تو اس کی خلش دل میں رہ جاتی ہے میرے دل میں کوئی خلش تھی بھی تو وقت کے ساتھ مندمل ہوچکی ہے۔''

''واقعی آپ کے دل کی بات کو زبان تک پہنچانا بہت مشکل کام ہے۔'' وہ زچ ہوکر بولی۔

''میں جانتا ہوں تم کیا جاننا چاہتی ہو بہت فکر ہے تمہیں میرے دل کی مگر مجھے تم سے اب کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں، تمہارا تجسس لاحاصل ہے کیونکہ سچ صرف یہ ہے کہ میں نے جسے چاہا اس سے محبت بھی کی ہے اور اس سے ہی شادی کی ہے اتنا کافی ہونا چاہئے تمہارے اطمینان کے لیے۔'' عظام کے کہنے پر اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ دل میں اس نے تہیہ کرلیا تھا کہ اب آئندہ کبھی اس معاملے پر عظام سے کوئی بحث نہیں کرے گی، ضروری نہیں کہ ہر معاملے کی جڑ تک پہنچا جائے کچھ معاملات اتنے حساس ہوتے ہیں کہ ان کو ادھورا چھوڑ دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔

گہری سانس لے کر اس نے آسمان پر پھیلی دھند کو دیکھا...... خنکی بڑھتی جارہی تھی لان میں کھیلتے بچوں کو اس نے گھر میں جانے کی تلقین کی...... گیٹ پر بجتے ہارن پر عاطر کے پیچھے اپنے پورشن کی طرف بڑھتی وہ رکی تھی اسے حیرت ہوئی تھی کہ عشارب کے ہمراہ ملیحہ اور مدیحہ واپس نہیں آئی تھیں۔

''میں جانتی ہوں آپ مجھ سے ناراض ہیں لیکن اتنا تو بتادیں کہ ملیحہ اور مدیحہ آپی کہاں ہیں؟'' عشارب کے نظر انداز کرنے پر وہ خفت سے پوچھتی پیچھے آئی تھی۔

''وہ دونوں اپنے ماموں کی طرف ہیں کل واپس آئیں گی اور میں نے یہ سوچا تھا کہ واپسی میں تم ساتھ

ہوگی تو ایک زبردست کینڈل لائٹ ڈنر ہوجائے گا مگر تم نے تو ٹھان رکھی ہے کہ صرف میرے لہو پر گزر اوقات کرتے رہنا ہے۔" وہ خطرناک سنجیدگی سے انکشاف کرتا اسے صدمے سے دوچار کرگیا تھا۔

"آپ اب یہ چاہتے ہیں کہ زمین پھٹے اور میں اس میں سماجاؤں؟"

"میرے خیال میں سمانے کے لیے زمین سے زیادہ دل اچھی جگہ ہے۔" اس کے گہرے لہجے پر وہ بس اسے دیکھ کررہ گئی تھی جو آگے قدم بڑھا چکا تھا یک بیک میلک کی دھڑکن رکی تھی جب کہ رکے بغیر عشارب نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

"ریڈ میرا فیورٹ کلر ہے، بہت اچھی لگ رہی ہو تم۔" اس کے مسکراتے لہجے اور گہری توصیفی نظروں پر وہ جھینپتی مسکراہٹ کے ساتھ خود بھی برآمدے کی سمت قدم بڑھا گئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

"دسمبر کی آخری شام کا سورج غروب ہوچکا تھا نئے سال کے استقبال کے لیے اظفر نے چھت پر اپنے دوستوں کے ساتھ ایک گیٹ ٹو گیدر رکھی تھی باربی کیو کا اہتمام بھی تھا چھت سے میوزک اور شور وغل کی آوازیں پھیل رہی تھیں اپنے پورشن کے باہر ہی وہ ملیحہ اور مدیحہ سے باتیں کرتی بار بار گیٹ کی سمت بھی دیکھ رہی تھی۔

"لگتا ہے آج عشارب تمہارے صبر کا امتحان لے کر ہی رہے گا۔" اس کی بے چینی پر مدیحہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کچھ تو کرنا چاہیے تھا اب تو مجھ سے بھی انتظار نہیں ہورہا۔" ملیحہ نے اسے گھر کا۔

"میں نے بہت کوشش کی تھی مگر انہوں نے کوئی اشارہ تک نہیں دیا بس یہی کہا کہ نیو ایئر پر میرے لیے ایک بہت بڑا سرپرائز ہے۔" وہ کوفت سے بولی۔

"اب جہاں اتنا انتظار کرلیا ہے تھوڑا اور کرلو یہ بتاؤ اب تم دونوں یونیورسٹی کب جارہی ہو؟ عشارب کی اجازت تو مل گئی اور میں نے فارم بھی دیئے تھے تم دونوں کو؟"

"آپی...... بس ایک دو دن میں ہم دونوں جائیں گے۔" ملیحہ کی بات ادھوری رہ گئی تھی مخصوص ہارن کی آواز پر

اظفر چھت سے نیچے اسی وقت آیا تھا سو وہی گیٹ کی طرف دوڑا۔ عشارب کی گاڑی سے برآمد ہوتے کیف نے جہاں ملیحہ کے چہرے کو کھلا دیا وہیں میلک کو چونکا دیا تھا اس لمحے وہ شدید حیرت میں مبتلا ہوئی تھی جب اس نے بیک سیٹ پر موجود اپنی خالہ جان کو دیکھا تھا' کیف ان کو گاڑی سے اترنے میں مدد دے رہا تھا' ان کے لیے تو کہیں آنا جانا ہی محال تھا' شاید ان کی وجہ سے ہی عشارب نے گاڑی اپنے پورشن کے قریب روکی تھی۔ اس جانب بڑھتی وہ یک دم اپنی جگہ ساکت ہوئی تھی گاڑی سے ایک اور چہرہ بھی طلوع ہوا تھا۔

"میلک...... اپیا آئی ہیں۔" اس کے شانے کو ہلاتی ملیحہ چیخی تھی بلاشبہ وہ مکنون ہی تھیں گہرے سبز رنگ کی ساڑھی میں ان کو پہچاننا مشکل تھا وہ اتنی حسین لگ رہی تھی کہ دیکھنے والے دم بخود ہو گئے تھے۔ ملیحہ اور مدیحہ کی تقلید میں مکنون کی طرف جانے کے بجائے وہ دوڑتی ہوئی سمانہ اور عظام کو اطلاع دینے گھر کے اندر آ گئی تھی۔

"اس میں کوئی شک نہیں آپ نے ہمیشہ یہی کوشش کی کہ سارے انتشار سارے اختلافات ختم ہو جائیں' لیکن میں اپنے ظرف کو بڑا کر کے آپ کا ساتھ نہیں دے سکی' یہ تک مجھے یاد نہ رہا کہ آپ میرے محسن ہیں' میرے یہاں واپس آنے کا سب سے پہلا مقصد یہی ہے کہ میں آپ سے معافی مانگوں۔ مجھے معاف کر دیں میری سب غلطیوں کے لیے جن کی وجہ سے آپ کے دل کو ٹھیس پہنچی۔" بمشکل آنسوؤں پر بند باندھے مکنون لرزتے لہجے میں بولیں۔

"غلطیاں صرف تم سے ہی سرزد نہیں ہوئیں' میں بھی اس میں حصے دار رہا ہوں' بہر حال تم نے آ کر تمام فاصلوں اور ناچاقیوں کو ختم کر دیا ہے۔" ان کے سر پر ہاتھ رکھتے عظام اپنے ازلی مہربان لہجے میں بولے تھے۔ سمانہ نے آگے بڑھ کر مکنون کو گلے سے لگا لیا تھا جب کہ میلک تو مکنون کے دونوں بچوں میں گم تھی۔

قدم روک کر اس نے لان کی سمت دیکھا جہاں ہلچل مچی تھی ڈنر کا اہتمام وہیں ہونا تھا چھت سے دھواں اٹھ رہا تھا یقیناً گرما گرم سیخیں تیار ہو رہی تھیں۔ میلک بالکل بھی متوجہ ہوتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ لان میں کیف کے ساتھ موئید بھی کھڑا فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ موئید کو اس نے کچھ اس طرح پکارا کہ سب کے ساتھ میلک بھی بری طرح چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"تم کھڑے کیوں ہو...... بیٹھ جاؤ۔" اس کی گرجتی بلند آواز پر موئید ہونقوں کی طرح سب کے ہنستے چہروں کو دیکھتا فوراً قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گیا تھا مگر مجال ہے جو فون پر اس نے سلسلۂ کلام روکا ہو۔

عشارب کو پچھلے صحن کی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ نامحسوس انداز میں سب کے درمیان سے نکل آئی تھی۔

"کھانے کے بہانے ہم سب کو باہر بھیج کر عظام بھائی وغیرہ مل کر کوئی کھچڑی پکا رہے ہیں۔" گیٹ سے باہر نکلتی وہ بولی۔

"بالکل' بھائی میرے اور تمہارے معاملے کو آگے بڑھانے میں بالکل دیر نہیں لگائیں گے۔" سرد راتوں کی خاموشیوں میں پھیلے اجلے میدان پر طائرانہ نگاہ ڈال کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"میری اسٹڈیز کا کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے بس۔" وہ جتانے والے انداز میں بولی۔

"اچھا...... اور کوئی حکم؟" عشارب کے خشونت بھرے لہجے پر وہ ہنسی۔

"آپ بہت اچھے ہیں' اپیا کا آ جانا میرے لیے اتنی بڑی خوشی ہے کہ جس کا اظہار بھی میں نہیں کر پا رہی۔ مجھے تو اب تک یقین نہیں آ رہا......" اس کے خوشی سے نہال انداز پر وہ بس مسکرایا تھا۔

"آپ کی وجہ سے یہ نیا سال اتنا خوشیوں کے ساتھ شروع ہو رہا ہے۔ میرے پاس تو لفظ بھی نہیں کہ آپ کا شکریہ ادا کر سکوں۔ آپ کی وجہ سے ہی اپیا اتنی مصروف زندگی سے جان چھڑا کر یہاں آنے میں کامیاب ہو سکی ہیں ورنہ تو اپیا نے یہی بتایا کہ ہر بار کوئی نہ کوئی رکاوٹ ان

کے راستے میں آجاتی تھی۔‘‘
’’ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے بس انسان کو کوشش کرتے رہنا چاہیے وقت اور راستے نکالنے پڑتے ہیں۔ تدبیر سے تقدیریں بنتی ہیں۔‘‘ وہ سنجیدگی سے بولا۔
’’اپیا پھر چلی جائیں گی۔ میں تو یہ سوچتے ہوئے دہل رہی ہوں۔‘‘ وہ یک دم اداسی سے بولی۔
’’صرف چند ماہ کی بات ہے۔ زریاب بھائی کو اپنا بزنس وائنڈ اپ کرنے میں کچھ وقت تو لگے گا۔ اپیا یہاں جو گھر اپنے لیے لیں گی ان کے آنے تک تم نے ہی اس گھر کو ڈیکوریٹ کرنا ہے اور پھر تمہاری اسٹڈیز کی مصروفیت‘ چند ماہ پلک جھپکتے ہوئے گزر جائیں گے۔‘‘ اس کے تسلی دینے والے انداز پر وہ مسکرائی تھی۔
’’آپ نے اپیا سے کوئی شکایت کیوں نہیں کی؟ آخر ان کی وجہ سے ہی تو تایا جان نے آخری دم تک آپ سے بات نہیں کی تھی۔‘‘ سوال کرتے ہوئے میلک نے بغور اسے دیکھا۔
’’شکایت تو اپیا کو مجھ سے ہوگی کیونکہ میں نے ان کی نصیحت کو بھلا کر اپنے باپ کے سامنے اپنی آواز بلند کی اور اس کی سزا جھیلی۔ لیکن یہ سچ ہے کہ میں نے کئی بار ان سے معافی مانگی تھی۔ میرا جو فرض تھا وہ میں نے بار بار دہرایا۔ مگر ابو کی فطرت ایسی تھی کہ وہ ایک بار جو بات کہہ دیتے تھے پھر اس سے پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔‘‘
’’مگر ان کے سینے میں دل تو ایک باپ کا ہی تھا۔ مجھے یقین ہے انہوں نے آپ کو معاف کردیا ہوگا۔‘‘
’’ہاں‘ میرا دل بھی یہی کہتا ہے۔‘‘ مدھم لہجے میں بول کر وہ خاموش ہوگیا تھا۔ میلک نے بھی چپ سادھ لی تھی۔
’’آج زیادہ دور نہیں جاتے۔‘‘ یک دم میلک کا ہاتھ اپنی گرفت میں لیتا وہ واپسی کے لیے پلٹا مگر اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں ہی رکھا تھا۔
’’تم خوش ہو بھائی کے فیصلے سے؟‘‘ گھر سے کچھ فاصلے پر رک کر پوچھا۔
’’وہی جو میرے اور تمہارے لیے انہوں نے کیا ہے۔‘‘ اس کی سوالیہ نظروں پر وہ بولا۔ جواباً ایک پل کے لیے کچھ سوچ کر میلک نے اسے دیکھا۔
’’میں خوش ہوں لیکن مجھے تب زیادہ خوشی ہوتی اگر ایسا ہوتا کہ آپ کی نظر میں اپنے شریک سفر کے لیے عزت و احترام کے ساتھ ساتھ محبت کا ہونا بھی زیادہ اہم ہوتا۔‘‘ وہ سنجیدگی سے مسکراہٹ کے ساتھ بولتی اسے چونکا گئی تھی۔
’’مطلب..... آپ کی لو میرج ہوگی؟‘‘ وہ فوراً بولی۔
’’ظاہر ہے..... کیا مطلب ہے تمہارا......؟‘‘ عشارب کے یک دم ہی چونکنے پر وہ ہنسی تب ہی دھماکے کی سی آواز پر وہ دہل کر عشارب کے قریب ہوتی آسمان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ آسمان پر دائروں کی شکل میں پھیلتے رنگ برنگ جھلملاتے ستاروں نے اسے دم بخود کردیا تھا۔ چھت پر موجود اظفر اور اس کے دوست آتش بازی شروع کرچکے تھے‘ کھلے آسمان تلے کھڑے ہوکر یہ دلکش نظارہ دیکھنا بہت خوب صورت تھا۔
’’نیا سال مبارک ہو۔‘‘ مسکراتی نظروں سے عشارب نے آسمان پر رنگ بدلتے ستاروں کی روشنیوں میں جھلملاتے اس کے چہرے کو دیکھا۔
’’آپ کو بھی نیا سال مبارک۔‘‘ جھینپی مسکراہٹ کے ساتھ بولتے ہوئے میلک نے اس کی آنکھوں میں دیکھا..... اس یقین کے ساتھ کہ واقعی تدبیر سے تقدیر بن جایا کرتی ہے گلاب لمحوں کے مہکتی رتوں کے خواب دیکھنا ہی کافی نہیں ان کو تعبیر دینے کی ٹھان لینا بھی بہت خوب صورت عمل ہے۔

سویرا فلک

"یار میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں نے ایسی کون سی انوکھی بات کہہ دی ہے جس پر آپ سب اس طرح ری ایکٹ کررہے ہیں۔" مسلسل تین دن سے گھر پر طاری خاموشی کے جمود کو ارسلان کی گھن گرج نے تنگ آ کر آخر کار توڑ ہی ڈالا۔

"واہ کیا بات ہے جناب کی۔ تیلی دکھا کر تماشا بھی دیکھ رہے ہیں پھر انجان بھی بن رہے ہیں کہ یہ آگ کیسے لگی؟" جواباً صادقہ بیگم کے تو گویا تلوؤں پر لگی اور سر پر بجھی۔

"تو یہ بات ہے اماں۔ رائی کا پہاڑ بنانا تو کوئی آپ سے سیکھے۔"

"ایسا بھی کیا کردیا میں نے؟" اماں کی جھاڑ کے بعد ارسلان اور جھنجلایا۔ مگر اماں کو اس وقت اکلوتے اور لاڈلے بیٹے پر ہرگز نہ ترس آرہا تھا نہ پیار۔ انہیں تو بس اپنے ارمانوں کا خون کیے جانے اور خوابوں کا محل مسمار ہونے کا غم ڈوبے لیے جارہا تھا۔ اس لحاظ سے اماں کا برتاؤ ایسا کوئی بے جا بھی نہیں تھا ان کا ہائے واویلا ارسلان کی نظر میں بے شک ناجائز اور بے بنیاد تھا مگر روایتی ماؤں کی نظر سے دیکھا جاتا تو اس کو بھی حق بجانب ہونے کی سند ہی حاصل ہوتی ہے۔ یقینی طور پر وہ کوئی انوکھی ماں نہیں تھیں جو اپنے اکلوتے خوبرو اور کماؤ پوت کے لیے من پسند بہو لانے اور سب سے بڑھ کر اس کے لیے چاند کے ٹکڑے کی تلاش میں جوتیاں چٹخانے کے ارمان پالے بیٹھی تھیں۔ اب ظاہر ہے ایسے میں جب ارسلان میاں نے یہ بریکنگ نیوز دی کہ وہ تو اپنی دفتری کولیگ مائرہ سے شادی کا خواہش مند ہے تو اماں کو تو یہی لگتا تھا کہ ان کے کانوں میں گویا صور پھونک دیا گیا ہو۔ اماں خالصتاً روایتی اور قدامت پسند خاتون تھیں اس لیے اول تو وہ پسند کی شادی کے ہی خلاف تھیں دوئم یہ کہ لڑکی جاب کرنے والی تھی اور وہ بھی دفتر میں۔ اماں نے تو جھٹ گال پیٹ ڈالے۔

"توبہ...... توبہ ارے کہتی تھی ناں میں یہ دفتر میں کام کرنے والیاں ایسی ہی ہوتی ہیں اکلوتا دیکھ کر پھانس لیا میرے لڑکے کو۔"

"اماں اللہ کے لیے یوں بہتان تراشی نہ کریں آپ بھی بیٹیوں والی ہیں کسی کی بیٹی پر بے جا تہمت لگا کر کیوں گناہ سر لے رہی ہیں۔" ارسلان نے احتجاجاً اماں کو ٹوکنا چاہا تو اماں نے اس سے بھی بڑھ کر احتجاجی رویہ اختیار کیا اور باقاعدہ سینہ کوبی شروع کردی۔

"ہائے میرے اللہ...... ارے کیا گھول کر پلا دیا ہے موئی نے تجھے۔ جو ماؤں بہنوں پر اس کو ترجیح دے رہا ہے۔ ارے شکر ہے تیری بہنیں ابھی کالج میں گئی ہیں ورنہ......"

"اماں کیا ہوگیا ہے آپ کو۔ سیدھی سادی بات کو جانے کیا رنگ دے رہی ہیں آپ۔ کوئی تک ہے بھلا آپ کی ان بے تکی باتوں کی؟" ارسلان کی جھلاہٹ عروج پر تھی۔

"ارے میرے اللہ اب یہی سننا رہ گیا تھا ماں کو پاگل کہہ رہا ہے اول فول بکنے لگی ہوں میں۔" اماں اب براہ راست اللہ سے مخاطب تھیں تو ارسلان کو بھی اب فرار ونجات کا یہی راستہ نظر آیا۔

"یا اللہ کہاں پھنس گیا ہوں میں، کوئی میری بات سمجھنے کو تیار ہی نہیں۔" ارسلان نے انگلیاں بالوں میں

پھنسا کر انہیں مٹھی میں جکڑا۔ پھر پیر پٹختا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے قدم بیرونی دروازے کی جانب بڑھا دیئے اماں کن اکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے چھکوں پھکوں رونے لگیں۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁

عبید صاحب کو گھر میں چھڑی جنگ وجدل کی خبر ملی تو وہ فوری طور پر آفس سے چھٹیاں لے کر لاہور سے کراچی آپہنچے اور آتے ہی عدالت لگالی۔

''ہاں بھئی نیک بخت کیا مسئلہ بنایا ہوا ہے؟'' انہوں نے عینک ناک سے ذرا نیچے کھسکا کر براہ راست بیگم کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ مسئلہ میں نے بنایا ہے یا آپ کے صاحب زادے نے۔'' اماں اپنے مؤقف میں بھلا کتنی بھی سخت تھیں مگر میاں جی کے سامنے ان کی آواز نہیں نکلتی تھیں کیونکہ وہ آفس کے بھی سپرڈینٹ تھے اور گھر کے بھی۔

''واہ یہ خوب طریقہ ہوتا ہے آپ بیٹوں کی ماؤں کا۔ ویسے تو ہر بات میں میرا بیٹا میرا بیٹا کی گردان چلتی ہے مگر جہاں ذرا بیٹے نے اپنی پسند کی بیوی کیا لانی چاہی آپ لوگ تو گویا دستبرداری کا اعلان کردیتی ہیں۔ بات سنیں میری کان کھول کر پسند کی شادی کوئی جرم نہیں۔ وہ لڑکی اگر جاب کرتی ہے تو آپ چاہیں تو شادی کے بعد چھڑوا سکتی ہیں اور اگر وہ کرتی بھی رہے گی تو ارسلان کو سپورٹ ہی کرے گی اس لیے آپ یہ بے جا ضد اور فضول قسم کے واہمے اور اندیشے بننا چھوڑیں اور رشتہ لے جانے کی تیاری کریں۔'' شریک سفر کو اپنے مؤقف میں شریک نہ پاکر صادقہ بیگم کا دل چکنا چور ہوگیا اور منٹوں میں ان کا چہرہ موٹے موٹے آنسوؤں سے پر ہوگیا اور وہ شکایتی لہجے میں میاں سے بولیں۔

''مجھے بھی آپ سے ایسی امید نہیں تھی کہ آپ اولاد کے سامنے مجھے نیچا دکھائیں گے بجائے اس کو کہتے کہ وہ میرا حکم مانے مجھے کٹہرے میں کھڑا کرکے مجھے ہی سزا سنادی کیا یہی انصاف ہے؟''

''عقل کے ناخن لو صادقہ بیگم جوان اولاد کو کٹہرے میں کھڑا نہیں کیا جاتا اور گھر میں ایسے اونچ نیچ کے معاملات ہوتے رہتے ہیں اس سے کسی کی عزت گھٹتی ہے اور نہ بڑھتی ہے ہاں اگر آپ کے صاحب زادے نے ضد میں آکر کورٹ میرج کرلی تب ضرور آپ کی ہماری جگ ہنسائی ہوگی اور پر سے بیٹا بھی ہاتھ سے جائے گا۔ ذرا ٹھنڈے دل ودماغ سے غور کریں میری باتوں پر۔ میں ذرا بینک تک جارہا ہوں۔'' انہوں نے میز پر رکھے ٹشو بکس سے ٹشو نکال کر بیگم کو تھمائے اور خود کمرے سے باہر نکل گئے اور ان کی پشت کو تکتی صادقہ بیگم دل ہی دل میں میاں کی دور اندیشی کو داد دینے لگیں۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁

من پسند بیوی لاکر ارسلان تو بے حد خوش تھا مائرہ خوش شکل ہونے کے ساتھ ساتھ خوش مزاج بھی تھی۔ بہنیں بھی دوست نما اکلوتی بھابی پاکر بھائی کی خوشی

میں خوش تھیں۔ البتہ اماں کا رویہ مائرہ کو شدت سے یہ احساس دلاتا تھا کہ وہ ان کی من پسند بہو نہیں ہے کیونکہ وہ سلجھے ہوئے دل و دماغ کی لڑکی تھی تو اس بات کا قلق محسوس کرتی تھیں اور اکثر اس کا اظہار ارسلان سے بھی کرتی رہتی تھی۔ مگر ارسلان نے اس سے شروع دن سے کوئی بات نہیں چھپائی تھی اس نے مائرہ کو کھل کر بتا دیا تھا کہ اماں بہت اصرار کرنے پر یہ رشتہ کرنے پر رضا مند ہوئی ہیں کیونکہ بہر حال وہ ان کا اکلوتا بیٹا ہے اور اس کی بیوی وہ اپنی پسند سے لانا چاہتی تھیں مگر جس طرح اس نے مائرہ کی خاطر سب کی ناراضگی برداشت کی ایسے ہی اسے ارسلان کی خاطر یہ رویہ سہنا ہوگا تب وہ مسکراتے ہوئے کہتی۔

''ضرور آپ کی خاطر میں سب برداشت کروں گی۔''

''گڈ گرل اور تمہیں پتا ہے کہ برداشت اور صبر کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے اس لیے مجھے پوری امید ہے کہ ایک نہ ایک دن تم اپنے اچھے رویے کی بناء پر اماں کا دل بھی جیت ہی لوگی۔'' اور ایسا ہی ہوا بھی۔ مائرہ کی خدمت گزاری اور فرماں برداری نے صادقہ بیگم کا دل جیت ہی لیا اور پھر جب سال بھر بعد ارسلان کا بیٹا آیان اس گھر میں آیا تب تو سب...... سب کچھ بھول بھال کر اسی میں لگ گئے۔ مائرہ نے امید سے ہوتے ہی ارسلان کی ایماء پر جاب تو چھوڑ دی تھی مگر اب جو یہ فل ٹائم جاب ایان کی صورت میں لگی تھی ایسے میں مائرہ بھی ہلکان ہونے لگتی تو دونوں نندیں رابعہ اور انعم ایان کے ساتھ کھیلتے ہوئے کہتیں۔

''ارے بھابی آپ کیوں فکر کرتیں ہیں آپ اپنا کام یا آرام کریں اس چھوٹو کی فکر بالکل چھوڑ دیں۔'' نندوں کے اس دلاسہ پر وہ مسکرا دیتی اور پھر محبت سے ان کا ہاتھ تھام کر کہتی۔

''اتنی پیاری نندوں کے ہوتے ہوئے تو مجھے واقعی کوئی فکر نہیں مگر میں اس سوچ میں گھری رہتی ہوں کہ جب یہ پیاری پیاری بہنوں جیسی نندیں پیا دیس سدھار جائیں گی تو میرا کیا ہوگا کیوں اماں......'' وہ شرارتی نظروں سے دونوں کے سرخ پڑتے رخساروں کو دیکھ کر اماں کی طرف رخ پھیرتے ہوئے بولی تو اماں بھی مسکرا دیں۔

❀ ...... ❀ ...... ❀ ...... ❀

وقت اچھا گزر رہا تھا۔ ایان تین سال کا ہو گیا تھا مائرہ پھر امید سے تھی ایسے میں عبید صاحب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور ان کے گھٹنے کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ نوکری چھوڑ کر گھر بیٹھ گئے۔ صادقہ بیگم ایک طرف تو میاں کی حالت دیکھ کر حیران پریشان ہو گئیں تو دوسری طرف گھر کے بگڑتے مالی حالات انہیں تنگ کرنے لگے اب ایک کمانے والا تھا جوان لڑکیاں سر پر تھیں۔ ارسلان نے اوور ٹائم لگانا شروع کر دیا تھا انعم اور رابعہ نے گھر پر ٹیوشن پڑھانا شروع کر دیا۔ گھر میں ایک مستقل بیمار شخص کے ہونے کی صورت میں گھر کی عورتوں کی ذمہ داریاں اور بڑھ گئیں تھیں بڑھتے خرچے سب کو ٹینشن میں مبتلا کر رہے تھے ایسے میں گھر کی واشنگ مشین بھی ایسی خراب ہوئی کہ مرمت کے قابل بھی نہ رہی صادقہ بیگم سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

''برائی آتی ہے تو ہر طرف سے آتی ہے زندگی مشکل سے مشکل تر ہوتی جا رہی ہے۔''

''امی آپ فکر کیوں کرتی ہیں بچوں کے کپڑے تو میں ہاتھ کے ہاتھ دھوتی ہوں چند کپڑے اور بھگو لیا کروں گی۔ اچھا ہے روز کے روز دھل جائیں گے۔'' مائرہ نے ساس کو تسلی دینا چاہی۔

''ارے بیٹا تم پر پہلے ذمہ داریاں کم ہیں اچھا بڑا گھرانہ ہے ہمارا۔ پھر تولیے چادریں الگ' ہفتے میں دونوں بہنیں مشین لگا لیتی تھیں اب تو آتی ہی چار بجے ہیں پھر ٹیوشن بلاوجہ کا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔'' صادقہ بیگم ہنوز فکر مند تھیں ایسے میں بچوں کو پڑھاتی انعم بولی۔

''ارے امی کیوں نہ بھابی کے جہیز کی واشنگ

مشین نکال لیں جو اسٹور میں رکھی ہے۔"

"اے ہاں...... میرا تو دماغ دیکھو کیسا ہو گیا ہے دھیان ہی نہیں گیا۔" صادقہ بیگم ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولیں۔

"امی یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے آخر مشین نہیں ہوتی تھی تو ہاتھ سے دھلتے ہی تھے نا کپڑے بلکہ اچھا ہے بجلی کی بچت ہوگی۔" مائرہ نے دکھتی کمر پر ہاتھ رکھ کر کہا تو صادقہ بیگم بری طرح چونک پڑیں۔ آج غالباً پہلی بار مائرہ نے ان کی کسی بات سے اختلاف کیا تھا ان سے قطعاً برداشت نہ ہوا تو بات کاٹ ڈالی۔

"سچ کہا ہے بی بی کسی نے برے وقت میں کوئی ساتھ نہیں دیتا۔ دیکھ لیا عبید صاحب آپ نے۔ اس لیے میں جاب کرنے والی لڑکی لانے کے خلاف تھی۔ کیسا گھمنڈ ہے آج تک اس کو اپنی کمائی چیز کا۔" انہوں نے قریب چارپائی پر لیٹے میاں کو سنایا۔

"امی میں تو......" مائرہ نے کمر سے اٹھتی درد کی ٹیسوں کو ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا مگر صادقہ بیگم اب ضبط کرنے کے موڈ میں نہ تھیں۔

"ارے معاف کردو بی بی۔ جاؤ تمہاری چیز تمہیں مبارک۔" وہ اس کے اذیت بھرے چہرے کو قطعاً نظر انداز کرتے ہوئے تن فن کرتی باورچی خانے کی طرف بڑھ گئیں۔ مائرہ نے نہایت بے چارگی سے باری باری سسر اور نند کی طرف دیکھا مگر ان کی آنکھوں میں لہراتی اجنبیت اس کی اذیت اور بڑھا گئی۔

❀ ...... ❀ ...... ❀ ...... ❀

فاصلے جب پیدا ہوتے ہیں جب لوگ ایک دوسرے سے کہنے سننے سے کترانے لگتے ہیں یہی حال یہاں ہوا گھر کے تمام افراد سمیت ارسلان نے بھی اس کا نقطہ نظر ماننا تو کجا سننے سے ہی انکار کر دیا۔

"تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے مائرہ مجھے آج اپنے انتخاب پر افسوس ہو رہا ہے۔ شاید واقعی بڑے ہمیشہ صحیح کہتے ہیں تم نے اپنی کمائی سے اپنا جہیز اس لیے

بنایا کہ تمہارے گھر والوں پر کوئی بوجھ نہ پڑے اور آج تم اس حد تک اس پر اپنا تسلط سمجھتی ہو کہ کسی دوسرے کی نگاہ پڑنا بھی گوارا نہیں کررہی ہو۔ بہت دوغلی نکلی تم۔ صرف اوپر اوپر سے تم نے سب کو اپنانے کا ڈرامہ کیا مگر درحقیقت تم بھی ان ہی لڑکیوں میں سے ہو جو سسرال اور سسرالیوں کو ہمیشہ غیر سمجھتی ہیں۔'' الفاظ تھے کہ برچھیاں۔ مائرہ کا وجود لہولہان ہوا جارہا تھا شادی سے پہلے لڑکیاں ہونے والے شوہروں کو جو گھر کے اندر کی باتیں بتادیتی ہیں وہ یوں ہی اکثر انہیں طعنے کی صورت میں پلٹائی جاتی ہیں مائرہ بھی آج پچھتاوے کا شکار تھی کہ اس نے کیوں ارسلان کو ہر بات کھل کر بتادی کچھ تو اس کا اس کے گھر والوں کا بھرم رہ جاتا۔ سچ ہے انسان کی عزت اس کے اپنے ہاتھوں میں ہوتی ہے حد سے زیادہ بھروسہ اکثر نقصان ہی پہنچاتا ہے وہ مسلسل پچھتاوؤں کی زد میں تھی۔ اعتبار کو ٹھیس لگے تو قرار مشکل سے ہی آتا ہے وہ بھی بے کل، بے قرار اور بے سکون تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁

آج بڑے دنوں بعد بہت کھل کے دھوپ نکلی تھی اتوار کا دن تھا تو سب ہی نرم چمکیلی دھوپ کا مزہ لینے چھت پر چلے آئے تھے اب تو عبید صاحب کی طبیعت بھی کافی بہتر تھی وہ وہیل چیئر پر بیٹھ کر باآسانی ادھر سے ادھر حرکت کرلیتے تھے حالات اور موسم کبھی بھی ایک جیسے نہیں رہتے۔ بدلتے ماہ و سال کے ساتھ چیزیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں اس گھر کے مکینوں کے مالی حالات بھی اب بہتری کی طرف گامزن تھے۔ برائی کی طرح اچھائی بھی آتی ہے تو آتی ہی چلی جاتی ہے اس گھر کو بھی بہت دنوں بعد سہی، خوشیوں کی نوید سنائی دی تھی۔ ایک طرف ننھی اجیہ نے آکر اپنی قلقاریوں سے گھر میں رونق بکھیر دی تھی تو دوسری جانب انعم کے لیے عبید صاحب کے کسی دیرینہ دوست کے بیٹے کا رشتہ آیا تھا اب سب مل بیٹھے تھے تو اس بابت ذکر بھی نکل آیا تھا صادقہ بیگم کو شادی کی تیاریوں کی فکر کھائے جارہی تھی۔

''میری تو سمجھ نہیں آرہا ارسلان مہنگائی کے اس دور میں کیسے تیاری ہوگی۔ جمع پونجی تو بس اتنی ہی ہے کہ کھانے کا انتظام ہوسکے تم بھی ابھی ڈلیوری کے اخراجات سے فارغ ہوئے بیٹھے ہو اوپر سے لڑکے والے ہتھیلی پر سرسوں جمائے بیٹھے ہیں کہ اسی سال منگنی اسی سال شادی۔'' مائرہ جو کپڑے دھوکر اوپر چھت پر سکھانے آئی تھی ساس کا متفکرانہ لہجہ سن کر ان کے پاس ہی چلی آئی۔

''امی اگر ایسا ہے تو آپ بس بسم اللہ کریں۔ جہیز کی فکر نہ کریں میرا اسٹور میں پڑا جہیز میں نے اسی مقصد کے لیے رکھا تھا کیونکہ جب میں اس گھر میں آئی تو الحمدللہ یہاں ہر شے موجود تھی وہ تو ہم حالات کے لپیٹے میں آگئے اور جب بگڑتے حالات میرے سامنے آئے تو میں نے اسی وقت فیصلہ کرلیا تھا کہ یہ جہیز میری بہنوں کے کام آئے گا کیونکہ میں اس گھر کی بھی بھلائی چاہتی تھی۔'' وہ آج بتارہی تھی سب سن رہے تھے وہ مناسب وقت اور موقع کے انتظار میں تھی تاکہ اپنا مدعا بیان کرسکے کیونکہ بسا اوقات اپنی صفائی پیش کرنا بھی بہت ضروری ہوتا ہے اس نے بہت اطمینان سے اپنی بات مکمل کی اور ساس کی گود میں لیٹی اجیہ کو گود میں اٹھالیا۔

''میں اسے سلانے جارہی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے نیچے جانے والے راستے کی طرف بڑھ گئی اور ان سب کے اندر گویا گلیشئر کی مانند بدگمانی اور نفرت پگھل رہی تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁

اجیہ کو فیڈ کرواکر وہ تھپکیاں دے کر سلارہی تھی کہ ارسلان کمرے میں چلا آیا اور اس کے سامنے آبیٹھا۔ مائرہ نے ایک لمحے اسے دیکھا پھر بولی۔

''کچھ چاہیے آپ کو۔''

"مجھے معافی چاہیے...... مائرہ آئی ایم سوری میں نے کتنا غلط سمجھا تمہیں۔" وہ شرمندگی سے بولا۔

"نہیں ارسلان آپ نے نہیں' میں نے غلط سمجھا آپ کو۔ اعتبار کر بیٹھی آپ پر۔ کبھی کہ محبت کا بھرم قائم رکھیں گے آپ۔" اس کا لہجہ بھرانے لگا۔

"پلیز مائرہ...... اللہ کے لیے یوں بھگو بھگو کے جوتے تو نہ مارو اصل میں...... میں تم سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ......"

"کہ آپ نے میری بات سننا بھی گوارا نہیں کیا۔ محبت میں اعتبار نہیں تو کچھ بھی نہیں ارسلان صاحب۔ میں بھر پائی آپ کی اس محبت سے۔" اس نے رخ موڑ لیا تو ارسلان مزید شرمندہ ہوگیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اسے منائے۔ وہ شش و پنج میں تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ مڑ کر دیکھا تو صادقہ بیگم' بیٹیوں کے ساتھ دروازے پر کھڑی تھیں۔

"امی آپ......! کھڑی کیوں ہیں آ جائیں نا۔" مائرہ بستر سے اتر کر ان کے پاس چلی آئی تو انہوں نے ہاتھ جوڑ لیے۔

"اللہ کے لیے امی مجھے گناہ گار تو نہ کریں۔" مائرہ نے انہیں گلے لگا لیا اور ایک ہاتھ سے ان کا شانہ تھام کر بستر پر چلی آئی اجیہ کو بستر پر لٹایا اور خود ان کے برابر میں آ بیٹھی۔

"میں آپ کی بیٹی ہوں امی۔ میں کسی پر کوئی احسان نہیں کر رہی صرف اپنا فرض ادا کر رہی ہوں۔" وہ ان کا نم اور ستا ہوا چہرہ دیکھ کر ان کی دلی حالت خوب سمجھ رہی تھی۔

"تم نے اس گھر کو واقعی اپنا جانا بیٹا۔ غلط تو میں تھی کہ یہ سمجھتی رہی کہ جاب کرنے والی لڑکیاں اور آج کی لڑکیاں مفاد پرست ہوتی ہیں ہم کون ہوتے ہیں بنا تصدیق کسی کو بھی کریکٹر سرٹیفکیٹ ایشو کرنے والے۔ غلطی بڑوں سے بھی تو ہو جاتی ہے ناں بیٹا۔ لیکن ہم بڑے اکثر خود کو بندہ بشر سے کچھ اوپر کی شے سمجھنے لگتے ہیں اور نئی نسل کی نئی سوچ کو بے وجہ بے بنیاد ہی تنقید کا نشانہ بنا دیتے ہیں مگر تم جیسی نئی نسل کے نوجوان واقعی ہمارے اقدار اور روایات کے اصل امین ہیں۔" اب کہ صادقہ بیگم نے بہو کا ماتھا چوم ڈالا تو وہ نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے گلے لگ گئی۔

"بہو اب اس نئی نسل کے گھامڑ کو بھی معاف کر دو جسے ماں اور بیوی کے درمیان توازن رکھنا اور لوگوں کو پرکھنا نہ آیا۔ ایسے جذباتی نوجوان ہی نئی نسل کو بدنام کیے ہوئے ہیں۔" یہ عبیداللہ صاحب کی آواز تھی جس پر ارسلان کا جھکا ہوا سر مزید جھک گیا تو مائرہ نے کہا۔

"میں ایک شرط پر ان کو معاف کروں گی۔ پہلے ان کو جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔"

"کیسا جرمانہ؟" ارسلان نے چونکتے ہوئے پوچھا تو مائرہ نے ایک نظر سب کے حیرت زدہ چہروں پر ڈالی اور پھر ہونٹوں پر تیزی سے ابھرتی مسکراہٹ کو بمشکل دباتی ہوئی بولی۔

"ہم سب کے درمیان اس غلط فہمی کو دور کرنے کے بجائے بڑھانے کے جرم کی پاداش میں یہ آج ہمیں ڈنر باہر کروائیں گے۔"

"واؤ بھابی کا نیو سپر آئیڈیا زندہ باد۔" انعم اور رابعہ بھی گھر کا ماحول بدلے جانے پر جوش میں آ گئیں تو ارسلان نے ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"منظور بار بی کیو ڈنر ڈن۔" باہر سے آتی پٹاخوں کی آواز نئے سال کی آمد کی خوشیوں کا اعلان کر رہی تھی اور آج پہلی بار صادقہ بیگم نے آسمان پر نظر آتے اناروں کو برا بھلا کہنے کے بجائے مسکرا کر دیکھا تھا کیونکہ ان کی سوچ کا رخ بدل گیا تھا اور وہ اب نئی نسل سے بدگمان نہیں تھیں۔

سرمایہ

ایمان علی

بے تحاشہ شور اس کی گہری نیند توڑنے میں مداخلت کا باعث بنا تھا۔ کچی نیند کا خمار اور کسل مندی کے زیر بار وہ پہلے اس انہونی افتاد کو سمجھ ہی نا پائی تھی۔ حواسوں نے اپنا کام کرنا شروع کیا تو کان گویا مزید اس آفت پر جھنجلا اٹھے تھے۔ بیرونی دروازہ تسلسل سے دھڑ دھڑ بجتا چلا جارہا تھا اس کی دھڑ دھڑ سر پر ہتھوڑے کی مانند لگتی محسوس ہورہی تھی۔

"یا اللہ کون بے صبرا آن ٹپکا ہے۔" وہ گھڑیال کے چمکتے ہندسوں پر ایک نگاہ ڈالتی بیڈ سے نیچے پاؤں لٹکاتی طنزیہ بھنائی۔

صبح کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ میاں کو بینک اور احمد بیٹے کو وہ آٹھ بجے ہی اسکول کے لیے روانہ کرچکی تھی۔ آدھے جاگے اور آدھے سوئے حواس لیے ست روی سے چلتی جیسے ہی باہر پہلا قدم دھرا تو کہر اور دھند میں لپٹی سردی اور یخ بستہ ہواؤں نے اسے کانپنے پر مجبور کردیا تھا۔ اس نے دبی دبی سانس لیتے منہ سے دھواں خارج کرتے ایک نگاہ آسمان پر ڈالی۔ جہاں آج پھر دھوپ کا عکس ونشان گم شدہ سا تھا۔ جنوری کا نیا نیا آغاز تھا اس لیے آفتاب میاں کبھی درشن کرانے چمکتا تو کبھی اکثر دن غائب ہی رہتا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں رگڑتی مسلتی خود کو گرمائش بخشتی دروازے تک آئی۔ تو دوسری طرف دروازہ وا ہوتے ہی سبزی فروش خان گل کو دیکھ کر خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

"او باجی تم کہاں رہ گیا تھا ام تو دروازہ بجا بجا کے تھک گئی۔" مذکر کو مونث اور مونث کو مذکر کے کلیے میں جوڑتا خان روہانسا ہورہا تھا۔

"نسوار کھا کے مری پڑی تھی میں اور کچھ۔" باجی بے زاری اور کرخت لہجے سے پھنکاری تھی۔ جمائیاں تواتر اپنی لے پر نازل ہوئی جارہی تھیں۔ دوسری طرف کان کو اس بات پر کھی کھی کی گنگناہٹ سنائی دی۔

اس نے پہلے ایک عقابی نظر گل خان پر اور دوسری ریڑھی پر بچی سبزی کے ڈھیر پر ڈالی تھی احمد آلو مٹر کی فرمائش صبح چاؤ سے کرگیا تھا۔ مٹر اور آلو تو کثیر تعداد میں فریزر میں موجود تھے البتہ ٹماٹر اس خان کی ہی ریڑھی سے دستیاب ہوسکتے تھے۔

"بیس روپے کے پاؤ ٹماٹر تول دو۔" اس نے منہ پر آئی جمائی کا گلہ گھونٹنے کی وجہ سے منہ پر ہاتھ جڑ دیا۔

"بیس روپے کے ٹماٹر......!" خان اس کے لفظوں پر کرنٹ کھا کر جیسے اچھل پڑا تھا۔

"باجی تم کو پتہ ہے پاؤ ٹماٹر چالیس کے بھاؤ سے ہیں تم کس دنیا میں رہتا ہے......؟" اس نے منہ بسور کر اس کی عقل بلکہ کم عقلی پر ماتم کیا۔

"کیا کہا......! پاؤ ٹماٹر چالیس کے؟" وہ حیرت اور صدمے سے چیخی۔ کون سی نیند کہاں کی جمائی وہ سب اس پل بھول گئی۔

"باجی اس میں امارہ کیا قصور اس ملک میں تو دن رات ہر چیز آسمان پر بھاگا جارہا ہے۔" خان اس کے تیوروں سے گھبرا کر افسردگی سے بولا۔ واقعی ابھی کل بھی تو ریحان کہہ رہے تھے۔

"اف نئے سال کی آمد کیا ہوئی ہے انسان کا خون

چوسا جارہا ہے ایک سے بڑھ کر ایک مہنگی اشیاء۔" وہ گم صم اپنے خیالات کی رو میں بہتی چلی گئی۔

"باجی لینا ہے یا میں آگے نکل جاؤں۔ بہت سردی ہے آج۔" خان کے اکتاہٹ بھرے انداز نے اس کی گہری سوچوں کی ندی میں ہوش کا کنکر پھینکا۔

"ہاں وہ..... ٹھیک ہے تم ایک پاؤ تول دو۔" اس نے چونکتے گہری سانس لی اور اس کو تولنے کا حکم سنا کر اندر پیسے لینے چلی۔

دو منٹ بعد اس نے مٹھی میں دبائے بیس کے دو نوٹ اس کی طرف بڑھائے تو اس نے شاپر کی ہمراہی میں ایک کاغذ بھی اس کی جانب بڑھایا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے کاغذ کے متعلق استفسار کیا۔

"وہ باجی..... وہ بل والی آدمی آئی تھی۔" اس نے کاغذ ہاتھ میں پکڑتے اس پر سرسری نظر ڈالی تو گیس کا بل تھا۔ اگلے ہی پل اماؤنٹ پر نگاہ پھسلتے ہی وہ دھک سی رہ گئی۔

"چار ہزار۔" وہ زیر لب بول اٹھی۔

"باجی کتنا بل آئی ہے؟" گل کو شاید افشین کے چہرے کے تاثرات سے بل زیادہ ہونے کا گمان ہوا تھا تھا۔ تبھی پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"تمہیں کیا ہے تم جاؤ اپنا کام کرو۔" افشین نے چراغ پا ہو کر اسے لتاڑا۔ جیسے گیس والوں کا غصہ اس پر اتارا ہو اور کھٹ سے دروازہ بند کر دیا جو اشتیاق سے چہرہ اٹھائے سوالیہ نظریں جمائے بیٹھا تھا بدمزہ جواب پا کر منہ لٹک گیا۔

"امیروں کے نخرے۔" وہ نخوت سے بڑبڑاتے ریڑھی آگے کی جانب گھسیٹنے لگا۔

"اف اللہ..... پورے چار ہزار کا بل..... ابھی چار دن پہلے ہی تو چار ہزار پانچ سو بجلی کا بل چکایا تھا اور اب یہ نیا سیاپا۔" اس نے ناگواری سے سر پکڑا۔ سر کا درد گویا پہلے سے زیادہ شدت اختیار کرتا جارہا تھا اس کی رگیں پھٹنے کو تھیں۔

ریحان کی اگرچہ بینک میں ملازم ہونے کے ناتے اچھی تنخواہ تھی مگر کرایہ بلز اسکول فیس کی کٹوتی کے بعد اتنا ہی بچتا تھا جو وہ لوگ زیادہ اچھا ناں سہی مگر بہتر کھا پی لیتے تھے۔

صرف تین وقت کا کھانا اور با ضرورت گیس کے استعمال سے اگر چار ہزار بل آیا تھا تو یہ بات واقعی افشین کے لیے باعث تشویش تھی۔ کافی دیر تک خون کھولتے اور سلگتے رہنے کے بعد جب نگاہ وال کلاک سے ٹکرائی تو تاخیر پر چونکی۔

"بھاڑ میں جائیں سب۔" وہ تن فن ہوتے اٹھی اور چائے پکانے کی غرض کچن کی سمت چل دی۔

❀ ❀ ❀ ❀

رات کو جیسے ہی ریحان نے کھانا ختم کیا تو اس نے بے تابی سے بل اس کے سامنے لا پٹخا۔

"خیریت یہ کیا ہے؟" وہ ہاتھ میں تھامے چائے کے کپ سے سپ لینا بھول کر کبھی بیگم کے تنے ہوئے نقوش کو تکتے تو کبھی سامنے میز پر پھڑپھڑاتے کاغذ کو۔

''جہنم کا بل۔'' ضبط جواب دے گیا تھا۔

''ارے...... ارے۔'' ریحان کی حیرت سے آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ بے ساختہ کپ میز پر دھر کر کاغذ اٹھایا تو نظریں پھسلتے ہی رخ مبارک پر مسکان اُمڈ آئی۔

''ارے بیگم یار ایک لطیفہ یاد آ گیا۔''

''ایک عورت کو گیس والوں نے ایک لاکھ کا بل بھیجا تو وہ طیش کے عالم میں سیدھی کمپنی گئی اور بولی...... کیوں میاں کیا جہنم میں آگ میرے گھر سے جاتی ہے۔'' لطیفے کے اختتام پر ریحان شگفتگی سے ہنس دیئے افشین کو مانو آگ ہی لگ گئی۔

''میں ادھر سارا دن تفکر سے آدھی رہ گئی ہوں آپ کو ہری ہری سوجھ رہی ہے۔'' وہ شدت غم سے پھٹ پڑی۔

''دیکھو افشین۔'' اس نے اس کا موڈ بھانپتے یکلخت سنجیدگی اختیار کی۔

''بجلی اور گیس بہت مہنگی ہوگئی ہے پھر ایک تو آج کل ہے ہی سردیوں کا سیزن اوپر سے نئے سال کی آمد۔ آئل اور گیس ریگولیٹری اتھارٹی نے نرخ بڑھا کر قیمت میں اضافہ کردیا ہے ہر چیز اس ملک میں مہنگی ہوتی جارہی ہے۔ ہم عوام کیا کرسکتے ہیں سوائے احتجاج کرنے کے۔ سڑکیں بلاک کرنے سے دھرنا دے کر ریلی نکالنے سے۔'' وہ تحمل مزاجی سے حالات کا نقشہ کھینچ کر سمجھا رہے تھے۔

''کاش ہمارے حکمرانوں کا ضمیر جاگے اور ان میں اس قدر عقل وشعور آجائے کہ پہلے ہی سی این جی کی کمی کے باعث عوام مشکلات کا شکار ہے مہنگائی کے بے قابو جن کے ہاتھوں پریشان ہیں سچ تو یہی ہے کہ ملک کے موجودہ نظام میں غریب غریب تر اور امیر امیر تر ہوتا جارہا ہے۔'' وہ مزید رنجیدہ ہوئی۔

''ارے افسردگی کو گولی مارو پہلے ہی تم میں حسن کی کمی ہے بوڑھی ہوتی جارہی ہو۔'' وہ مصنوعی شرارت سے اسے چھیڑنے لگے۔ مقصد صرف افشین کا دھیان بٹانا تھا۔

''ارے...... جائیں جائیں صاحب آپ سے پورے بارہ سال چھوٹی ہوں۔'' افشین نے بھی اس کی شرارت کا حصہ بنتے جھوٹ میں مبالغہ آرائی کی۔

''کیا......! پورے بارہ سال اللہ کو مانو یار۔'' ریحان چلائے۔ جواباً وہ دل کھول کر ہنستی رہی۔

''ساری ٹینشن مجھے دے دو اور خوش رہا کرو بیوی۔'' وہ نثار آلودنگاہیں لٹاتے بولے۔

''آپ کے ہوتے بھلا کیا ٹینشن۔'' وہ میٹھے لہجے میں مسکرائی۔ انداز میں جان لٹاتا پیار پنہاں تھا۔

''اف...... باتوں باتوں میں آپ کی چائے ہی ٹھنڈی ہوگئی...... میں ابھی گرم کرکے لائی۔'' وہ کپ اٹھا کر چل دی تو ریحان مطمئن ہوکر نیوز کی طرف متوجہ ہوگئے۔

❁......❁......❁......❁

اتوار کا دن ہمیشہ اسے بے حد مصروفیات میں گھیرے رکھتا تھا چونکہ احمد اور ریحان کی چھٹی کا روز ہوتا تھا سو وہ عام دنوں کے برعکس اس دن لنچ پر خاصا اہتمام کیا کرتی تھی اس وقت بھی وہ کچن میں چکن قورمہ پکا کر بریانی کو دم لگانے میں جتی ہوئی تھی کہ لاؤنج سے ریحان کی صدا سنائی دی۔

''افشین جلدی آؤ تمہارا فون بج رہا ہے۔''

''میرا فون۔'' اس نے جلدی سے بریانی کو دم لگاتے چولہے کی آنچ ہلکی کی اور لاؤنج میں چلی آئی۔ موبائل اٹھایا تو اسکرین پر سارہ کا جگمگاتا نام دیکھ کر جھٹ بٹن پش کرکے فون کان سے لگایا۔

''ہیلو افشین تم آج دوپہر میں فارغ ہو؟'' نا سلام نا دعا وہ فوراً اپنے مدعا پر اتر آئی۔

''ہاں لیکن کیوں خیریت؟'' وہ الجھی۔

''یار ایکچولی صدر میں لینن سوٹ کی نئی ورائٹی کی سیل لگی ہے سنا ہے سستے داموں پر اعلیٰ اور شاندار کوالٹی کا کپڑا مل رہا ہے اور جدید ڈیزائن کی شالیں۔ میری نند لائی تھی کچھ ڈریسز۔ یار میں تو مچل گئی ہوں دیکھ کے۔ بس تم تین بجے تک تیار رہنا۔ تمہارے پاس آرہی ہوں اکٹھے شاپنگ کریں گے۔'' سارہ ایک ہی سانس میں ساری رام کتھا سنا گئی۔

"مگر......" افشین نے ہڑبڑا کر نقطہ اعتراض اٹھانا ہی چاہا تھا کہ سارا نے یک دم بات کاٹی۔

"تو اگر مگر میں تین بجے پہنچ رہی ہوں بائے۔" اپنی ہانک کر اس نے رابطہ منقطع کردیا۔ افشین نے ٹھنڈی سانس بھرتے مرے مرے ہاتھوں سیل کان سے ہٹایا۔ ریحان نے نگاہ کا زاویہ اخبار سے ہٹا کر ایک پل اس کا جائزہ لیا۔ چہرہ مرجھایا سا تاثر دے رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے خیریت؟" وہ پریشانی سے ہول اٹھے۔

"ہاں خیریت ہی ہے سارہ کا فون تھا تین بجے مارکیٹ چلنے کا کہہ رہی تھی ساتھ۔"

"تو اس میں منہ لٹکانے والی کیا بات ہے...... چلی جانا۔" ریحان نے چہرہ واپس اخبار میں گم کرلیا۔

"لیکن......" افشین تذبذب سے جھجکی۔

"احمد کی فکر نا کرو۔ میں آج گھر پر ہی رہوں گا تم بے شک دیر سے آجانا۔" اس نے اپنے تئیں اطمینان دلایا۔

"ہاں چلی جانا۔ جیسے لاکھوں روپے سے میرا پرس بھرا پڑا ہے جسے کندھے پر لٹکا کر چلتی بنوں۔ ہونہہ......" وہ تنک مزاجی سے بھڑک کر پھٹ پڑی اور اپنی جونک میں دل کی بھڑاس نکالتے ایک نگاہ ریحان کے چہرے پر ڈال کر دھیان بھی ناں دیا جو اس کی بات پر ایک پل کو سیاہ پڑ گیا تھا۔

"ارے دھیرج...... دھیرج۔" ریحان نے خود کو سنبھالا اور جیب ٹٹولتے بٹوہ برآمد کیا کچھ نوٹ نکالے اور اس کی جانب بڑھائے۔

"یہ کیا ہے؟" افشین تعجب سے چونکی۔

"پیسے ہیں یار اور کیا ہے گن لو پورے چھ ہزار ہیں ناں؟" ریحان اس کی حیرت پر دھیما سا مسکرائے۔

"ہاں لیکن یہ آئے کہاں سے؟" افشین شوہر کو اب کی بار مشکوک نظروں سے تاڑنے لگی۔

"مہینے کا آخر اور اتنی بچت......!"

"سوری افشین میں اپنی غفلت اور کوتاہی کا اقراری ہوں واقعی یہ میری غلطی ہے کہ کب سے سردیاں آچکی ہیں مگر تم نے اپنے اور احمد کے گرم کپڑے نہیں لیے۔" ریحان ندامت سے چور لہجے میں گویا ہوئے۔

"نہیں ریحان پلیز آپ کا بھلا کیا قصور؟ کون سا آپ اپنی ذات پر لٹانے کو آدھی تنخواہ اپنی پاکٹ کے اندر دبا کے رکھتے ہیں جو کماتے ہیں وہی سب گھر لاتے ہیں اور گھر کا نظام چلتا ہے۔ سوری میں کچھ زیادہ تلخ ہوگئی۔" وہ اپنے سابقہ لفظوں کو ذہن میں دہراتے شرمندگی سے پانی پانی ہونے لگی۔

"نہیں پگلی ایسی کوئی بات نہیں تم بلاوجہ کی گلٹی اپنے اوپر طاری مت کرو۔" ریحان نے اس کی ادا پر نہال ہوتے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا وہ دھیمے پن سے مسکائی۔

"لیکن اب تو آپ کو بتانا ہی پڑے گا یہ پیسے آئے کہاں سے۔" اس کی ذہنی رو واپس سوال پر بھٹکی۔

"اف......! ایک تو تم عورتوں کی قوم بھی ناں...... کسی معاملے میں یادداشت کام کرے نا کرے مگر شک اور پوچھ گچھ میں یادداشت خوب عروج پر ہوتی ہے۔" وہ مصنوعی غصہ دکھاتے کوفت سے جھنجھلائے۔

"کرائے کے لیے رکھے ہوئے پیسے ہیں یہ تم شاپنگ کے لیے رکھ لو۔ شام کو عقیل (دوست) مجھے اپنا ادھار چکائے گا تو ان میں سے کرایہ ادا ہوجائے گا اب پلیز یہ سب باتیں چھوڑو کھانا لگادو سچ اب بھوک سے بے تاب ہونے لگا ہوں۔" وہ ندیدے پن سے بولے تو اس نے بھی بے ساختہ ہنستے اپنی نشست چھوڑی۔

"آپ احمد کو لے کر ٹیبل پر آجائیں میں بس جھٹ پٹ کھانا لگاتی ہوں۔" ریحان نے اثبات میں سر ہلایا۔

❀......❀......❀......❀

وہ کافی دیر سے نوٹ کر رہے تھے کہ جب سے افشین شاپنگ سے لوٹی ہیں انتہائی اضطرابی حالت میں مبتلا تھی...... مگر عجیب بات تھی کہ وہ کسی اسٹیچو کی مانند چپ تھی سوچوں میں گم۔ اس وقت بھی ریحان نے نیم دراز ہوتے کنکھیوں سے اسے دیکھا جو اس کے پاس بیٹھے ہوئے بھی کہیں دور سوچوں میں غلطاں تھی۔

"کیا بات ہے بھئی کہیں خاموشی تو نہیں اپنالی آج آپ نے؟" بالآخر ریحان نے ہی سناٹے کی دیوار توڑ کر اسے ہم کلامی پر اکسایا۔

"ریحان آپ آج سارہ سے ملے...... کتنی بدل گئی ہے ناوہ؟" افشین نے خلاء میں نگاہیں مرکوز کرتے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"کیوں بھئی......اس نے سرجری کروالی ہے کیا؟" ریحان اس کے سوال پر متبسم ہوکر بولے۔

"نہیں...... اس کا حلیہ اس کی ظاہری حالت نوٹ نہیں کی آپ نے؟" افشین نے نظروں کا رخ اس کی طرف موڑتے ہنوز سنجیدہ پن سے اپنی بات پر زور دیا۔

"اور پتہ ہے کیا...... جو اس نے سوٹ پہنا ہوا تھا وہ پورے آٹھ ہزار کا تھا۔" وہ انگلیاں نچا کر پرجوش ہوئی۔ مجال ہے جو ریحان نے ذرا بھی بات میں تجسس یا دلچسپی دکھائی ہو۔ وہ درویش صفت انسان تھے اپنے نصیب اور حال میں خوش۔

"پھر کوئی قارون کا خزانہ ہاتھ لگا ہوگا اسے۔" وہ اپنی ازلی بے نیازی سے بولے۔

"ہاں تو لگا ہے نا اس کے ہاتھ خزانہ۔ ایک اسکول کی جاب کیا کرنے لگی حالت ہی بدل گئی ہے۔" افشین نے سراہاتے توجیہہ پیش کی۔

"اچھا...... ہوں۔" ریحان نے آنکھیں موندتے ہنکارا ابھرا۔ نیند کا غلبہ وجود کو پکڑنے لگا تھا۔ افشین نے ڈرتے ڈرتے میاں کا موڈ جانچا اور دل ہی دل میں ان لفظوں کو جوڑنے لگی جو ریحان کی سماعت کی نذر کرنے تھے۔

"ریحان وہ ایک بات کہوں؟" وہ اس لمحے خود کو شدید الجھن کا شکار محسوس کررہی تھی۔

"ہوں بولو۔" وہ بند آنکھوں سمیت بولے۔

"سارا بتارہی تھی کہ اس کے اسکول میں آج کل ایک ٹیچر کی جگہ خالی ہے تو میں اپلائی کرلوں؟" اس نے خوف کی لپیٹ میں بات مکمل کی کیونکہ اس کی طرف سے اسے بات کے رد ہونے کا خدشہ تھا اور ہوا بھی وہی تھا۔

"نہیں......" فوراً ریحان نے آنکھیں وا کرکے یک لفظی انکاری جواب سے نوازا۔

"آخر کیوں؟"

"کیوں کیا...... میں گھر کی ذمہ داریاں ٹھیک طرح نبھانے کی اہل کھو بیٹھا ہوں؟" ریحان نے میٹھے طنزیہ انداز میں الٹا سوال دغا۔ لہجے میں کاٹ داری صاف عیاں تھی۔ وہ میاں کے تنے ہوئے اور بگڑے نقوش پا کر گڑبڑا گئی۔

"نہیں ریحان باخدا نہیں لیکن آپ ٹھنڈے دماغ کے ساتھ سوچیں۔ مہنگائی اتنی بڑھ گئی ہے اگر میں اس ذمہ داری میں شانہ بشانہ چلنا چاہتی ہوں تو اس میں غلط کیا ہے؟" اس نے شوہر کو قائل کرنے کے لیے بے چارگی سے کہا۔

"مجھے تمہارے خلوص پر کوئی شک نہیں مگر یہ میرا گھر میری جنت ہے اور بچے میرا سرمایہ یہ سنوارہ ہوا خوش حال گھر' اور بچے' تمہارے مجھے عنایت کردہ تحائف ہیں لیکن اگر تم جاب کروگی تو کیسے گھریلو ذمہ داریاں اور احمد کو سنبھالو گی...... کہاں کہاں تو جدو گی؟ سارہ کو دیکھ کے اگر تمہارے سر پر خبط سوار ہوا ہے تو یہ سراسر تمہارا پاگل پن کے علاوہ کچھ نہیں۔ نمبر ایک سارا کا ابھی کوئی بچہ نہیں نمبر دوئم وہ جوائنٹ سسرالی سسٹم میں رہتی ہے اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ تمہارا میری اس لگی بندھی تنخواہ سے گزارہ دشوار ہورہا ہے تو میں پارٹ ٹائم جاب کے لیے بھی تیار ہوں میرا خیال ہے اب سونا چاہئے امید ہے آئندہ کے لیے آج سے یہ ٹاپک بند ہوچکا ہوگا اوکے گڈ نائٹ۔" اس نے نرماہٹ سے اس کا گال تھپتھپایا اور کروٹ دوسری جانب کرکے لیٹ گیا۔ کاش وہ اس وقت افشین کا دھواں دھواں چہرہ غور سے پڑھتے تو جان لیتے کہ یہ ٹاپک بند نہیں بلکہ اس کے اوپر ایک مسلسل عذاب اور اذیت کی شکل میں مسلط ہونے والا تھا۔ آنے والے دنوں میں ریحان کو بخوبی اندازہ ہوگیا کہ جس معاملے کو اس نے مصلحت آمیزی سے اپنے تئیں ختم

کیا تھا باقی تھا اس شب کا سارا سمجھانا اور فہم آمیز گفتگو جیسے بیکار گئی تھی۔ فقط اس کے ایک انکاری لفظ کو لے کر افشین نے ضد وانا کا مسئلہ بنا کر خود کو سرتا پیر بدلا کہ وہ دنگ سا رہ گیا تھا۔ ملائمت اور نرم لہجے کی مالک افشین اب سارا دن بے زار اور اکتائے ہوئے تاثرات لیے رہنے لگی تھی احمد کو بات بے بات جھڑکنا جیسے معمول بن گیا تھا گھنٹوں بے تکان بولنے والی اب مٹی کا ایسا مادھو بن گئی تھی کہ بات چیت کا دورانیہ سکڑ کر بضرورت لفظوں کی ادائیگی میں ڈھل چکا تھا۔ تین دن لگاتار اس کی یک طرفہ ناچاقی برداشت کرتے کرتے چوتھے دن وہ اس کے آگے پھٹ پڑا۔

''یہ سب کیا کھیل تماشہ لگا رکھا ہے افشین؟'' کچن میں برتن دھوتی افشین نے تلخی میں کیے سوال پر ٹھٹک کر نظر گھمائی تو دروازے پر ریحان کو طیش واشتعالی کیفیت میں مبتلا پایا تھا۔ اس نے خاموشی سے اپنی توجہ واپس برتنوں پر مبذول کرائی۔ چہرہ تاثرات سے مکمل عاری تھا سپاٹ اور سنجیدہ۔ ریحان کو اس کی نظر اندازی نے آگ لگا دی۔ وہ آگے بڑھے اور اس کا بازو سختی سے اپنے شکنجے میں پکڑ لیا۔

''کیا ہو رہا ہے یہ تین دن سے...... مسئلہ کیا ہے تمہارا ہاں؟'' وہ اسے شعلہ بار نظروں سے دیکھتے دانتوں پر دانت جمائے سلگے تھے۔

''جہاں میرے الفاظ کوئی اہمیت وقعت نا رکھتے ہوں وہاں میرے مسئلے کا حل صرف دو تین نصیحتوں میں ہی پوشیدہ ہو سکتا ہے۔ سو اس معاملے کو آپ جانے دیں تو بہتر ہے۔'' اس نے اپنا بازو اس کے ہاتھ سے چھڑواتے روندھی آواز میں کہا۔ مارے تکلیف سن ہوتا بازو اسے اذیت بخش رہا تھا۔

ریحان نے اس کی بھیگی آواز پر اپنے دل میں مزید بوجھ بڑھتا محسوس کیا غصہ اس کی نم ہوتی پلکوں پر زائل ہو چکا تھا۔ لیکن وہ مجبور تھا افشین جو چاہتی تھی اور چاہنے کی آرزو مند تھی وہ تحمل کے ریپر میں لپیٹ کر اسے دینا ناممکن تھا۔ کاش وہ اس کے دل میں چھپے اصل خدشات کی نوعیت اور حقائق سمجھ سکتی وہ بے بسی کی انتہا پر تھے۔

''دیکھو افشین تمہاری ڈیمانڈ سراسر غلط......''

''ہاں میں غلط ہوں۔'' وہ بات کاٹتے حلق کے بل چلائی۔

''ایک ایک چیز کے لیے اپنا من مار کر ترسوں تب بھی میں غلط ہوں۔ اپنے حق کے لیے للکاروں ہاں تب بھی میں غلط ہوں۔'' وہ غصے سے سرخ چہرہ لیے بپھری تھی۔ آنسو ابل ابل کر رخسار پر گر رہے تھے۔ ریحان ہک دک سے ماؤف دماغ لیے ساکت کھڑے رہ گئے تھے۔ سماعت میں گھومتے چکراتے کٹیلے اور نوکیلے جملے اگر افشین کے منہ سے ادا ہوئے تھے تو اس کے لیے بے حد تکلیف دہ جملے تھے وہ منجمد ساکت وصامت وجود لیے افشین کا ہٹیلا پن تکتے رہ گئے وہ اس کے سخت رویے پر اگر بولتے تو کیا بولتے۔ اس کی سر دھری پر سارے لفظ اندر ہی اندر سر پٹختے رہ گئے۔

''او کے......'' ان مشکل لفظوں کا چناؤ اکٹھا کر کے وہ دل میں چابک مارتی دل کی لہروں کو دبانے کی سعی کرنے لگے۔

''تمہیں آج سے ابھی سے اپنی مرضی سے جینے کی پوری اجازت ہے۔'' وہ نوید سنا کر آگے بڑھ گئے اور افشین...... گوں مگو کی حالت میں پتھرائی آنکھوں سے اسے تکتی رہ گئی۔

❁......❁......❁......❁

زندگی سے کچھ نئے قرضے کے حصول کی جحت میں انسان کو پرانے قرض چکانے پڑتے ہیں۔ ایک بڑی قربانی کی بھینٹ چڑھا کر ہی من چاہی تمنا ئیں ہاتھ آتی ہیں۔ افشین نے ابتدائی حالات اور منتشر ذہن کے ساتھ اسکول جوائن کر لیا تھا۔ اپنی خواہش کی تعبیر پا کر بھی اس کا اندر شادمانی سے لبریز نہیں تھا۔ دل جیسے خالی خالی ویران سا ہو گیا تھا۔ ریحان کا رویہ اگرچہ اس دن کے بعد سے پہلے کی طرح کسی حد تک نارمل دکھنے لگا تھا مگر وہ جانتی تھی کوئی تشنگی اپنی جگہ بطور قائم ہے ہاں شاید اس کی شکوہ کناں نگاہیں جن کی جوت بجھا بجھا سا عکس دینے لگی تھی۔

اف وہ جب بھی اس کی آنکھوں میں جھانکتی تو ان میں مچلتی شکایتیں اس کے دل میں سوئی سی چبھو دیتی تھی۔ پراگندہ دماغ اعصابی ٹوٹ پھوٹ اور اسکول اور گھر کی ٹف روٹین نے ایک ماہ میں ہی اسے نڈھال کردیا تھا۔ عین ممکن تھا وہ اپنی اپنائی ہوئی روش اور شوق کے زینے سے نیچے اتر آتی لیکن پہلی تنخواہ اور ساتھ میں پرنسپل کے سراہتے قصیدوں نے اسے اونچائی اور اڑان کی نئی لگام تھما دی اور ساری تکالیف جھنجھلاہٹ تھکن اور سوچی پلاننگ کو پانی کی طرح بہا لے گئی۔

شاید پیسہ اور شہوت وہ چیز ہوتی ہے جو انسان کے اندر مادہ پرستی ڈال کر کبوتر کی طرح اردگرد سے آنکھیں بند کروا دیتی ہیں۔

✿.....✿.....✿.....✿

گزرتے دنوں کے ساتھ وہ رفتہ رفتہ گھر شوہر احمد اور گھریلو ذمہ داریوں سے غفلت برتنے لگی۔ مارے بندھے رویے کے ساتھ وہ کام نپٹانے کا فریضہ انجام دینے لگی تھی۔ کچھ دن سے مزید دو کلاسز پڑھانے کی ڈیوٹی لگ چکی تھی سو وہ اس قدر مصروفیات کے جال میں پھنس گئی کہ اسکول سے واپسی کے بعد وہ گھر کے کاموں کی رہ گئی۔ احمد اس کی آغوش اور ممتا سے دن بدن محروم ہونے لگا۔ اس ابتدائی صورت حال نے اسے بھی سہما کے رکھ دیا تھا۔ آدھا دن اسکول میں گزارنے کے بعد اس کا باقی وقت گھر اور اسکول کے کاموں کے لیے وقف ہوگیا تھا۔

ریحان نے احمد کی پژمردگی اور مرجھائی نفسیات جلد اخذ کرلی یا شاید حالات کا اس نہج پر آنے کا اسے پہلے ہی علم تھا وہ افشین کی بے حسی پر باز پرس کرنے کے بجائے خاموشی سے لب سیے بیٹھے رہے کیونکہ جو چیز انسان کو خود احساس دلانے سے عاری کردے اس طرف زبردستی توجہ مبذول کرانا فائدہ مند نہ تھا۔ وہ بطور خود اس کی رفاقت پانے کو ترسنے لگے تھے رات کو وہ دیر تلک گفت وشنید بس اب خواب تھا۔ مٹا مٹا سا خواب۔

✿✿✿✿

"مما ذرا مجھے یہ سوال تو سمجھائیں؟" وہ شام میں اللہ اللہ کرکے عجلت میں کاموں کا انبار نمٹا کر کاپیوں کا بنڈل لیے بیٹھی۔ احمد ہاتھ میں میتھ کی کاپی پکڑے قریب آیا۔

"بیٹا ابھی میں مصروف ہوں بعد میں سمجھاتی ہوں۔" وہ ہنوز اپنے کام پر توجہ کرتی مصروف کن انداز میں بولی۔

"پھر آپ کام میں لگ جائیں گی ابھی سمجھائیں۔" احمد روہانسا ہوکر بےزاری سے بولا۔

"احمد تم دیکھ نہیں رہے میں کام میں بزی ہوں اچھا رات میں ضرور سمجھاؤں گی اب جاؤ مجھے آرام سے اپنا کام کرنے دو۔" وہ احمد کو ڈانٹ ڈپٹ کر پھر سے کاپی میں محو ہوگئی۔

"میرے لیے آپ کے پاس ٹائم ہوتا ہی کب ہے لاسٹ ٹائم بھی آپ نے ایسا ہی کیا تھا اور رات میں پھر بھول گئی تھیں مجھے ابھی ابھی سمجھائیں۔" وہ بدتمیزی سے بولتا افشین سے کاپی چھیننے لگا۔

"احمد شٹ اپ۔" اس نے اس کا ہاتھ جھٹکتے غصہ کے ساتھ اسے تھپڑ دے مارا۔

"افشین......" اندر آتے ریحان نے آفس بیگ جھٹ صوفے پر پھینکا اور تڑپ کے سرخ چہرہ لیے قریب آیا۔ احمد باپ کو دیکھ کر اور مزید زور شور سے اس کی ٹانگوں سے لپٹ کر رونے لگا۔

"آئندہ اگر تم نے میرے بیٹے پر انگلی بھی اٹھائی نا تو اچھا نہیں ہوگا۔ سمجھی تم۔" وہ چہرے پر چٹان سی سختی لیے اسے وارن کرگیا۔ افشین خفت کا شکار ہونے لگی۔

"آؤ بیٹا...... پاپا کو بتاؤ۔ میں سمجھاتا ہوں ابھی۔" وہ اس کے آنسو چنتا پیار سے احمد کا ہاتھ تھام کر اندر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ افشین نے تنے نقوش کے ساتھ گہری سانس لی تھی۔ افشین کا اپنی کولیگ کے ساتھ جھگڑا ہوا تھا اور وہ اس قدر شدید نوعیت اختیار کرگیا کہ وہ پرنسپل کو ہزار دلیلوں منت وسماجت اور سوری کے باوجود جاب کو اللہ حافظ کہہ آئی تھی۔ اس نے جب یہ خبر ریحان کو دی تو اس نے آہستگی سے سر ہلانے کے سوا اور کوئی خاص ریسپانس نہ دکھایا۔ تو وہ

اپنی جگہ جز بز ہوگئی تھی۔ اس کا وجدان اور دماغ فیل کرنے لگا تھا کہ احمد کے پاس اس کے لیے ویسی گرم جوشی کا رجحان مفقود ہے جیسا وہ ریحان کے ساتھ دوستانہ سلوک برتنے لگا تھا۔ لاڈ نخرے فرمائشیں ہنسی مذاق چہکنا وہ سب احمد کی طرف سے اپنے اوپر بند ہوتا محسوس کررہی تھی وہ بے تابی سے ممتا کے پھول نچھاور کرنے اس کے آگے پیچھے پھرنے لگی مگر اس کا رویہ بدستور سپاٹ اور نالاں سا رہنے لگا تھا۔ ایک دن وہ تھک ہار کر ریحان کے آگے رو پڑی وہ ترحم آمیز نگاہوں سے اسے چند ثانئے تکتے رہ گئے۔ وہ اس عورت کی تڑپتی ممتا کو دیکھ رہے تھے جس کے جذبات آب ماہی کی مانند مچل رہے تھے بے شک دنیا گول ہے اللہ انسان کو ایک دن اسی رستے پر واپس پہنچاتا ہے جہاں سے آپ پہلے ناقدری اور ناشکری کی انتہا برتتے آگے کی جستجو میں مگن رہتے تھے۔

”والدین کے پاس اگر کوئی قیمتی سرمایہ اور خزانہ ہوتا ہے تو وہ اولاد ہوتی ہے افشین..... مرد اور عورت کے مابین جڑے رشتے و تعلق کی پاکیزہ نشانی..... ان کی اولاد۔ اگر والدین ہی انہیں زمین پر لاکر اپنی ذمہ داریوں اپنے فرائض سے نگاہ چرالیں تو ثابت تو یہی ہوتا ہے کہ ہم اس خزانے کی حفاظت کرنے اور نگرانی کرنے کی رتی بھر بھی اہلیت نہیں رکھتے حالانکہ ہم ہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو خشوع وخضوع سے دعاؤں میں اللہ سے اولاد کو طلب کرتے ہیں۔“ وہ مدبر لہجے میں سمجھاتے باری باری اس پر نگاہ ڈالتے جو سر نیچے کیے ندامت سے اشک بہا رہی تھی۔

”میں مانتا ہوں ایک ٹیچر ایک رہنما اور ماں برابر درجہ رکھتی ہیں معاشرے میں۔ لیکن تم نے ایک پل کو بھی سوچا۔ اپنا اندر ٹٹولا کہ معاشرے کے اندر سانس لیتے بچوں کو اجالوں سے روشناس کراتے تم اپنے سگے بچے کو تاریک اندھیروں میں دھکیل رہی ہو۔“ وہ تاسف سے کہہ اٹھے۔

افشین کو خود سے بے پایاں نفرت ہونے لگی۔

”کاش اس وقت ذرا غور کرتی احمد تو سوال مجھ سے بھی سمجھ سکتا تھا پر وہ صرف تمہاری توجہ کا پیاسا تھا اسے وہ پیاس بجھانی تھی جو ماں کی طرف سے عدم توجہی کی صورت میں اس کا حلق خشک کررہی تھی میں تمہیں بتا نہیں سکتا میں اس وقت خود کو ایک زندہ لاش محسوس کررہا تھا جب احمد مجھ سے لپٹ لپٹ کر روتے پوچھ رہا تھا...... پاپا کیا اب میں مما کو تھوڑا بھی اچھا نہیں لگتا میں مر بھی جاؤں تب بھی نہیں؟“ ریحان کے انداز میں بولتے بولتے دکھ اتر آیا تھا۔ افشین کا اس لمحے دل چاہا خود کو شوٹ کرلے۔

”کتنی بدنصیب ماں ہوں میں۔“ اس نے کرب سے آبدیدہ ہوکر آنکھیں موندلیں آنسو قطرہ قطرہ بن کر گر رہا تھا۔ ریحان نے نرمی سے اس کا ہاتھ دبایا۔

”میرا مقصد قطعی تمہاری دل آزاری یا شرمساری سے چور کرنا نہیں ہے میں بس تمہیں اتنا باور کرانا چاہتا ہوں کہ ہمارا گھر ہمارا سکون ایک دوسرے کو راحت اور توجہ دینے میں پوشیدہ ہے ابھی دیر نہیں ہوئی ابھی بھی وقت تمہاری تحویل میں ہے تم اپنے اصل سرمائے کی خود مختار مالک بن کر دیکھ بھال کرسکتی ہو احمد آج بھی تمہارے پیار کا منتظر ہے اور...... اور میں بھی۔“ اس نے محبت سے لبریز سرگوشی افشین کے کان میں انڈیلی۔

افشین کی آنکھوں کی قندیل چمک اٹھی اس نے اطمینان سے ریحان کے کندھے پر سر رکھ دیا کیونکہ اسے پتا تھا اس کا ہم سفر اس کی راہ میں بکھرے سب کانٹے چن لے گا اور ان کے گلشن کے گلاب اپنی خوشبو سے سدا مہکیں گے۔

حصہ 5

سیدہ ضوباریہ ساحر

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

سلوئی شہباز کے گھر والوں سے گھل مل جاتی ہے سلوئی شہباز سے ایک ماہ پہلے ہی سوئٹزر لینڈ چلی جاتی ہے گھر میں شادیوں کے بعد ایک دم ہی خاموشی چھا جاتی ہے۔ بڑی امی کی اس پر سکون زندگی میں ہلچل اس وقت ہوتی ہے جب پوسٹ مین ایک خط دے کر جاتا ہے یہ خط بیرون ملک سے آیا ہوتا ہے ان کے لیے خط کی تحریر بھی اجنبی ہوتی ہے بڑی امی خط لے کر عباس کے ہمراہ فارن ایمبیسی چلی جاتی ہے وہ خط سلوئی کا ہوتا ہے اس نے بتایا ہوتا ہے کہ کس طرح پاکستان سے واپسی کے بعد شہباز نے اسے اسلام قبول کرنے کا کہا تھا، سلوئی اسلام قبول کرنے سے انکار کردیتی ہے۔ اس کے انکار کے بعد سے شہباز لاپتا ہوتا ہے بڑی امی ایمبیسی والوں کو بتاتی ہے کہ شہباز پاکستان واپس نہیں آیا تھا تب ایمبیسی ہی سلوئی کو جوابی خط ارسال کرتی ہے۔ دوسری طرف عارف علی ہر گزرتے دن کے ساتھ پہلے سے زیادہ بگاڑ کی طرف مائل ہوتا ہے لیکن پروین ہاشمی سے کہی گئی اپنی بات پر اسی طرح قائم ہوتا ہے کہ بھلے سے بیوی بچوں کا احساس آج بھی نہیں کرتا تھا لیکن شور وغل کرنا، مغلظات بکنا بالکل بند کردیتا ہے۔ ہادیہ بھی میٹرک امتیازی نمبروں سے پاس کرلیتی ہے۔ پاکستان سے واپس آنے کے بعد سلوئی پھر سے بدل جاتی ہے اپنی فیملی اپنے خاندان اور گھر کو دیکھنے کے بعد اسے شہباز سے اپنی شادی کا فیصلہ ٹھیک نہیں لگ رہا ہوتا ہے رہی سہی کسر شہباز کی ڈیمانڈ نے پوری کردی ہوتی ہے وہ ایک قدامت پسند انگریز گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اس کے والدین اس کے بہن بھائی تو ہمیشہ کے لیے اس سے قطع تعلق ہو گئے ہوتے ہیں اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ خود شہباز بھی سمجھ جاتا ہے کہ سلوئی کا ساتھ یہیں تک تھا شہباز کے قدم جس سرزمین پر آ کر رکے وہاں اس کا کوئی مہربان نہیں ہوتا۔ دوسری طرف عارف علی کو کسی نے بتایا تھا کہ خراسانی اجوائن منشیات کے عادی کے لیے فائدہ مند ہوتی ہے عارف علی لگاتار ایک ہفتہ ابال کر پی لیتا ہے، جس کی وجہ سے دماغ کی نسیں خشک ہوجاتی ہے اور وہ تقریباً پاگل ہوجاتا ہے عارف علی کی حرکات سے پریشان ہو کر منجھلے چچا اسے ایک ریہیبلیٹیشن سینٹر چھوڑ آتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

اس کی ہادی...... اس کی پیاری بہن...... جس کی ہمیشہ سے وہ واحد دوست اور غمگسار تھی...... کتنا بڑا راز اپنے دل میں چھپائے پھر رہی تھی۔ کتنے آرام سے رات سے دن اور دن سے رات کیے جا رہی تھی۔ معمول کی زندگی گزارتے کسی کو بھی یہ احساس دلائے بغیر کہ اس کے بزدل اور ڈرپوک دل نے محبت کرنے کی جرأت کرلی تھی اور ایقہ یہ سوچ رہی تھی کہ یہ دل کے معاملات بھی کس قدر الجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ آنکھیں ایسے خواب دیکھنے لگتی ہیں جن کی تعبیروں کا یقین تو کیا گمان بھی ممکن نہیں ہوتا......

اسے ہادی کے خوابوں کے ٹوٹ جانے کا سو فیصد یقین تھا۔ وہ گھر جہاں صرف اچھی شکل وصورت اور روپے پیسے ظاہری نمود ونمائش کی حیثیت واہمیت تھی وہاں ہادیہ کی سلجھی ہوئی مگر عام سی شخصیت کس طرح اپنی جگہ بنا سکتی تھی۔ وہ شادی اور اس کے بعد بھی کئی بار کبیر سے مل چکی تھی اور بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ محض شکل وصورت پر مرمٹنے والا ایک عام سا سطحی شخص ہے۔ سو اس کے نزدیک ہادیہ اور اس کی محبت کی کوئی اہمیت نہیں ہونی تھی لیکن پھر بھی کہیں اندر اس کے دل نے یہ آرزو کی تھی کہ کاش ہادیہ کا یہ خواب سچ

ہو جائے۔ محبت نے پہلی بار اس کے دل پر دستک دی ہے تو بہتر ہے کہ یہی دستک قسمت کی یاوری سے اس کے مقدر کا بند دروازہ کھول دے۔ بچپن سے محرومی کی زندگی گزارنے والی ہادیہ کو کم سے کم یہ سکھ یہ خوشی تو مل ہی جائے...... اس نے بے حد احتیاط سے وہ ڈائری اسی طرح رکھ کر دراز کو لاک لگایا۔ چابی بھی چھپادی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی بھی طرح ماہین کو کچھ بھی علم ہو...... ماہین نے جس طرح ان دونوں کو بے حد سنبھال سنبھال کر پروان چڑھایا تھا اس حالت میں اس طرح کی کسی بھی خطا کی کوئی جگہ نہیں تھی۔

ہادیہ کی واپسی پر اس نے ہادیہ کا پیچھا لے لیا۔

''ہادی...... تم ایک خود غرض لڑکی ہو بے حد مطلبی......''

اس کے منہ بسور کر کہنے پر ہادیہ نے حیرت سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

''کیا مطلب بھئی؟ یہ فتویٰ کس لیے صادر کیا جارہا ہے ایسا کیا کردیا میں نے؟''

''تم نے وہ کیا ہے، جس کی میں کبھی بھی تم سے توقع نہیں کرتی تھی۔'' انیقہ نے پھر منہ بسورا۔

''ارے نکی...... خیر تو ہے...... خاصے سنجیدہ بلکہ سنگین موڈ میں نظر آرہی ہو...... تم مجھے بتاؤ گی تو مجھے پتہ چلے گا ناں کہ مجھ سے آخر کیا غلطی ہوگئی۔'' ہادیہ نے ہاتھ میں پکڑی کتاب بند کرتے ہوئے اس کی طرف پوری توجہ مبذول کردی۔

''پہلے تم مجھے یہ بتاؤ بلکہ خود سوچو...... کہ کیا کچھ ایسا ہے جو تم جان بوجھ کر مجھ سے چھپا رہی ہو۔'' انیقہ نے بغور اس کو دیکھتے ہوئے کہا تو ہادیہ نے گڑبڑا کر نظریں چرالیں۔

''میرا نہیں خیال کہ ایسا کچھ ہے جو تم سے چھپا رہی ہوں میں......''

''اچھا...... چلو ایک اور موقع دیتی ہوں' اچھی طرح سوچ سمجھ کر جواب دو کوئی جلدی نہیں ہے۔''

''کچھ بھی تو نہیں ہے نکی......'' ہادیہ نے جیسے اسے ٹالا۔

''اچھا......'' انیقہ نے اچھا کو خاصا لمبا کھینچا۔ ''تم نہ صرف مجھ سے چھپاتی رہی بلکہ اب جھوٹ بھی خاصی مہارت سے بول رہی ہو...... میں نے تو کہیں پڑھا تھا محبت انسان کو بے وفائی کرتی ہے اس کے اندر کو خالص بناتی ہے...... محبت ان کے اندر اتنی برائیاں بھی پیدا کرتی ہے یہ کہیں نہیں پڑھا میں نے۔'' انیقہ کی گہری نظروں کے حصار میں ہادیہ نے خود کو بے بس سا محسوس کیا۔

''کیا کہنا چاہ رہی ہو تم میں کچھ نہیں نکی؟'' اپنے لہجے کو حتی المقدور سادہ رکھنے کے باوجود ہادیہ کو اپنی آواز کی لرزش واضح محسوس ہوئی۔

''میں یہ کہنا چاہ رہی ہوں ڈیئر سسٹر کہ کبیر بھائی کے لیے تمہارے دل میں جو جذبات ہیں وہ بالکل بھی ڈیزرو نہیں کرتے۔'' ہادیہ کو کرنٹ سا لگا۔

''تم نے میری ڈیرا کھولی نکی؟ یہ بہت غلط بات ہے۔'' ہادیہ خاصی سنجیدگی اور خفگی سے بولی۔

''ظاہر ہے تم جب مجھ سے خود کو چھپانے لگو گی تو مجھے کچھ تو کرنا پڑے گا ناں۔''

''میں تمہیں بتادیتی نکی...... ظاہر ہے تم سے تو نہ چھپاتی لیکن مجھے یہ سب خود بھی ٹھیک نہیں لگ رہا تھا' اسی لیے تم سے ذکر نہیں کیا......'' ہادیہ نے نظریں جھکا کر کہا۔ ''مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں مماجی کو دھوکا دے رہی ہوں' ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کا ذریعہ بن رہی ہوں۔ میں محسوس کرتی ہوں کہ میں اچھی بیٹی نہیں ہوں۔''

''تمہاری یہ سوچ ٹھیک نہیں ہے' ہر انسان کی زندگی میں کبھی نہ کبھی' کہیں نہ کہیں ایسا ہوتا ہے' تم جو اپنے اندر سب کچھ رکھتی رہی تمہیں مجھ سے تو ڈسکس کرنا چاہیے تھا۔ ہم بہنیں نہیں ایک دوسرے کی دوست ہیں۔ ایک دوسرے کا درد بانٹنے والی...... لیکن ہادی...... مجھے یہ سب بالکل ناممکن لگتا ہے تم نے شادی میں نہیں دیکھا تھا' کبیر بھائی ایک گوری سی لڑکی کے پیچھے کس طرح پاگل بنے پھر رہے تھے۔ وہ بے انتہا مادیت پسند اور حسن پرست ہیں۔ مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔'' انیقہ نے اپنے اندر کا خوف اس کے سامنے کھل کر بیان کردیا۔

''جانتی ہوں...... وہ سب کچھ میں نے بھی دیکھا ہے لیکن نکی جب یہ رشتہ بڑے طے کریں گے پھر کبیر کچھ بھی نہیں کہیں گے۔ گل ماموں انوالو ہوں گے ناں تو ٹھیک ہوجائے گا۔'' ہادیہ نے انیقہ کو بتایا۔ ماہین اور شہباز کی جتنی سی گفتگو کے بارے میں بھی اور انیقہ کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔

"ہادی...... ہادی کیا کہوں میں تمہیں؟ کس بات کو ذہن میں بٹھا کر خود کو روگ لگائے جارہی ہو...... ذرا سوچو تو وہ نیا نیا وقت تھا گل ماموں کے ذہن میں خدا جانے کیا تھا جو انہوں نے ممانی جی سے یہ بات کردی...... اب حالات مختلف نہیں دکھائی دے رہے تمہیں......؟ گل ماموں پہلے سے کتنے چینج ہوچکے ہیں۔ جب سے تابندہ مامی ملک سے باہر گئی ہیں، گل ماموں کا رویہ بہت بدلا بدلا سا لگنے لگا ہے۔ وہ والے گل ماموں تو اب لگتے ہی نہیں......" انیقہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔

"نہیں تو اپنی کہی ہوئی بات بھول بھی چکی ہوگی اور تم نے اس روا روی میں کی گئی بات کو اس قدر سنجیدگی سے لے لیا ہادی...... یہ سب ٹھیک نہیں ہوا...... ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔" انیقہ تاسف سے بولی۔ واقعی ہادیہ کے اس قدر احمقانہ طرز عمل کے بارے میں تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ آج تک ہادیہ سب کے سامنے ایک سمجھدار، سلجھی ہوئی، سنجیدہ مزاج لڑکی کے روپ میں رہی تھی۔ اتنی بڑی بے وقوفی...... محض ہوا میں قلعہ بنانے کے سوا کچھ نہ تھی، اور اس کی ڈائری پڑھنے کے بعد انیقہ کو ایسا ہی لگا تھا جیسے ہادیہ نے اسی محبت کو اپنا مقصود بنا لیا ہے۔ ایک بہترین اسٹوڈنٹ، ذہین لڑکی اور بہت اچھی بیٹی...... ہر کردار کو ایک طرف رکھ کر وہ صرف سرتاپا محبت میں ڈھل گئی تھی۔ اور اس کے اس طرز عمل نے انیقہ کے اندر عجیب سا ڈر پیدا کردیا تھا۔ جو ہادیہ چاہتی ہے اگر ایسا نہ ہوا تو......؟ اور اس تو کے آگے ایک سرخ رنگ کا سوالیہ نشان تھا اور بس......

❀ ❀ ❀

دھیرے دھیرے تابندہ کے گھر والوں کی سوچیں اور ان کا مطمع نظر کھل کر سامنے آنے لگا تھا۔ وہ شہباز کے ذریعے اپنی تمام ترکمیاں پوری کرنے کے چکر میں تھے۔ تابندہ کے ہاں تیسری بیٹی نے جنم لیا۔ شہباز جس کے دل میں بیٹے کی شدید ترین آرزو تھی، دل مسوس کر رہ گیا۔ اندر ہی اندر اپنی اس محرومی نے اس کے دل کو تڑپا کر رکھ دیا تھا۔ یہ اور بات کہ اس نے کسی پر بھی ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ ماہین نے کال کرکے اسے بے حد تسلی اور دلاسا دیا تھا۔ ویسے بھی وہ تو شہباز کے سائے سے بھی محبت کرتی تھیں۔ ایسی جان لٹانے والی بہن دنیا میں نایاب ہی کہی جاسکتی ہیں۔ شہباز کے توسط سے اس کی بچوں کے لیے بھی ماہین کی محبت کا دامن بے حد وسیع تھا۔ ان کی بھیجی گئی چند تصاویر کو وہ دن میں جانے کتنی بار دیکھتی تھیں۔ آنکھوں میں نمی اور محبت کا ملا جلا تاثر لیے، جانے دل ہی دل میں کتنی دعائیں دیئے جاتیں۔ انہی دنوں دو بہت اہم واقعے ہوئے۔ نیلی آنٹی کی شادی اور کبیر کی بلجیم روانگی...... ہاں اس سے کچھ ماہ قبل بڑی امی کے گھرانے میں دلخراش واقعہ ہوا جس نے گھر کی بنیادیں تک ہلادیں۔ مصور کی بیوی، خوبصورت اور نازک اندام پیاری سی عینی اپنے میکے جاتے ہوئے روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہوئی اپنے پانچ سالہ بیٹے شاداب کو زخمی حالت میں روتا بلکتا چھوڑ کر وہ اس دنیا سے ہی رخصت ہوگئی۔

درد کا ایک سیل رواں تھا جس نے اس گھر کے چھوٹے بڑے ہر فرد کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بڑی امی گم صم ہوکر رہ گئیں۔ ماہین بھی اندر ہی اندر جیسے بجھ گئیں۔ مصور کچھ دن کے لیے پاکستان آیا تھا، چھوڑ جانے والی شریک حیات کو یاد کرتا رہا، نم آنکھوں سے کتنی کتنی دیر اس کی قبر پر بیٹھا سرگوشیوں میں باتیں کرتا رہا اور چند دن دکھ منا کر واپس پردیس سدھار گیا۔ لالہ آنٹی اور ماہی بھی زیادہ عرصہ تک اپنے اپنے گھر کو چھوڑ کر میکے میں نہیں رہ سکتی تھیں، سو ڈیڑھ ماہ گزار کر وہ بھی اپنے اپنے گھروں کو سدھار گئیں۔ نیلی آنٹی اور بڑی امی نے بہت مشکلوں سے اس ننھے وجود کی بھاری ذمہ داری کے لیے خود کو کمپوز کیا۔ تقدیر اور نصیب یہی تو ہوتا ہے۔ اچانک وہ کچھ ہوجاتا ہے، جس کی توقع یا خیال تک ذہن میں نہیں ہوتا۔ ہنستی مسکراتی عینی جو اس گھر میں بہار کا پیام تھی، جس کی بے غرضی، بے ریائی کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی جو قربانیوں کی تفسیر تھی۔ جس نے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ جس شخص کی خاطر جس کے نام سے اس گھر میں آئی ہے اسی کے ساتھ رہنا چاہیے، اسے اسی شخص کے پاس چلے جانا چاہیے اس نے اس کی ماں اور بہنوں کی خدمتیں کرنے کا ٹھیکا تو نہیں لے رکھا۔ مگر وہ ایسی نہیں تھی، کئی کئی ماہ شوہر کے بغیر اس کی جدائی میں بھی ماتھے پر بل لائے بغیر وہ اپنی سسرال کے ایک ایک فرد کی خدمت کیے جاتی، ایک ایک کو ریسپکٹ دینا ہر رشتے کا بے حد دھیان اور خیال رکھنا...... وہ کیا گئی تھی جیسے بڑی امی کے

گھر سے جنت کی ہوائیں روٹھ گئیں، بہار جیسے ان کے گھر کا راستہ ہی بھول گئی، مسکراہٹیں ہونٹوں سے خفا ہوگئیں، ہوا اور پرسکوت سا عالم صرف گھر پر ہی نہیں خاندان بھر کے دلوں پر بھی طاری ہوگیا۔

اک آہ بھری ہوگی ہم نے نہ سنی ہوگی
جاتے جاتے تم نے آواز تو دی ہوگی
ہر وقت یہی ہے غم اس وقت کہاں تھے ہم
کہاں تم چلی گئیں
چٹھی نہ کوئی سندیس
جانے وہ کون سا دیس
جہاں تم چلی گئیں
اس دل کو لگا کے ٹھیس
جانے وہ کون سا دیس
جہاں تم چلی گئیں

ایک لامتناہی درد تھا۔ جس نے ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ زخموں سے چور عینی کے ٹوٹے ہوئے وجود کو ماہین نے اپنے ہاتھوں سے غسل دیا تھا اور کئی راتیں سسک سسک کر گزاری تھیں۔ شاداب کے پاس ہسپتال میں بڑی امی جیسے پل صراط پر اپنا ایک ایک لمحہ بتا رہی تھیں۔ ابھی تو خوشیوں نے ٹھیک سے اس دروازے پر دستک بھی نہ دی تھی ابھی تو ڈھنگ سے سب کے چہروں نے مسکرانا بھی نہ سیکھا تھا کہ اس سانحے نے دلوں کا خون کردیا۔ مسکراہٹیں چھین کر آنکھوں میں آنسو بھر دیئے۔ جینے کی آرزو تک چھین لی۔ سانسیں حلق میں کانٹوں کی طرح چبھنے لگیں۔ درد جگر کو بے حال کرنے لگا...... ایسا کیوں ہوا تھا۔ یہ سب مقدر ان کے ساتھ ہی کیوں کرتا آیا تھا، اور اب بھی کیے جارہا تھا۔ ایک طرف بیٹے کے گھر کا خالی پن اذیت دیتا تو دوسری طرف پانچ سالہ ننھے سے وجود کا یک دم ماں جیسی ہستی سے محروم ہوجانا بے قرار کردیتا...... مگر بڑی امی حوصلے کی چٹان تھیں ہر درد کو پی جانے والی، ہر اذیت کو چپ چاپ سہہ جانے والی، اس سانحے کو بھی نوشتہ تقدیر سمجھ کر خاموشی سے سہہ گئیں۔ زندگی تو اول روز سے ہی میدان کارزار تھی، ان کے لیے اور میدان کارزار میں ایک سپاہی کو اپنے زخموں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے لڑنا ہوتا ہے اور وہ بھی ایک سپاہی تھیں تو وجود وروح پر لگے زخموں کو بھلا کر انہیں بھی لڑنا تھا...... آخری سانس تک، یہ جنگ ان کے دل اور درد کے درمیان تھی۔ اور ہر بار کی طرح وہ درد کو شکست دینے میں کامیاب ہوگئی تھیں۔

❁......❁......❁

چلتے چلتے پاؤں ہوجائیں گے پتھر دیکھنا
یاد جب بھی آئے گا اس کا پلٹ کر دیکھنا
خود سمجھ جاؤ گے اس کی چاہتوں کا رخ ہے کیا
تم ہوا کے سامنے مٹی اڑا کر دیکھنا......!!

وہ چہرہ اسے ازبر نہیں ہوا تھا، کیونکہ کبھی فرصت سے اس نے دیکھا ہی نہ تھا۔ بے حد خاموشی کے ساتھ وہ دل ہی دل میں جس سے ڈھیروں باتیں کیا کرتی تھی حقیقت میں اس سے بات تک نہ کرپائی اور وہ چلا گیا...... دولت، پیسہ، حسن، نمود و نمائش کی پٹی آنکھوں پر باندھے انجان دیس کی طرف بے حد خوشی اور مسرت کے ساتھ ڈھیروں امیدوں کے جگنو اپنے ہاتھوں کی اوک میں لیے وہ خوش آئند مستقبل کے خواب آنکھوں میں سمیٹے چلا گیا۔ ہادیہ کے پاس بس ایک یاد تھی جب جاتے سمے سب اسے رخصت کررہے تھے ہادیہ ان سب رخصت کرنے والوں میں سب سے آخر میں تھی اور بیرونی دروازے پر جاکر ایک بار پلٹ کر کبیر نے دیکھا تھا۔ "اسے" یہ خوش فہمی اس کے دل نے اسے دلائی تھی۔ پتہ نہیں کس سوچ نے اسے پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔ ہادیہ کے ذہن میں اس کا پلٹ کر دیکھنا اور مسکرانا ثبت ہوگیا تھا۔ دل میں کہیں یقین سا تھا کہ محبت کی آنچ ایک دل سے دوسرے دل تک پہنچ جایا کرتی ہے۔ جلد یا دیر سے اسے احساس ضرور ہوگا۔

عمر بھر چلتے رہے ساحل کے پتھر کی طرح
یاد کرلینا ہمیں جب بھی سمندر دیکھنا

پھر پتہ چلا کہ باہر ملک کی رنگین ہواؤں میں بسنے کے لیے جانے والے نے اپنی اقدار اپنی حدود سب ہی کچھ تج کر خود کو انہی رنگوں میں ڈھال لیا جو کسی بھی محبت کرنے والے کے لیے ناقابل قبول ہوا کرتے ہیں۔ محبت جبران کا ایک بیان کیا ہوا اقتباس ہے گنجلک، لاحاصل مگر کہیں کہیں مکمل بامعنی و بامقصد بھی...... ہادیہ نے یک طرفہ محبت کے راستے پر چلتے اپنے تھکتے ہوئے قدموں کی طرف

دیکھا بہت وقت ہوگیا تھا وہ بے حد تنہا تھی، بھیڑ میں بھی تنہا اور اپنے کمرے کی تنہائیوں میں اس سے بھی زیادہ تنہا اس طرح اکیلے محبت کے راستوں پر سفر کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ ڈار سے بچھڑی کونج کی طرح اپنے زخمی پروں سے کب تک مسافت طے کی جاسکتی ہے۔ کہنے والے اپنی بات کہہ کر بھول گئے تھے۔ ماضی قصہ پارینہ بن چکا تھا۔ وقت کی دھول نے رشتوں کے اخلاص کو دھندلا کر رکھ دیا تھا۔ مگر وہ تھی کہ اخلاص اور سچائی کے موتی لٹائے جارہی تھی یہ جانے بغیر کہ کیا سامنے والے کو اس اخلاص و وفا کی ضرورت بھی ہے یا نہیں۔

"کاش محبت میں انتخاب کی اجازت ہوتی تو انسان دنیا کے سب سے اچھے انسان کو اپنے لیے چنتا۔"

"ارے پگلی تو پھر تم جیسے بے چارے لوگ کدھر جاتے۔" اس کی سوچ کے جواب میں دل اس پر ہنسا تھا۔

"جانتی تو تھی تم...... بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ دور دیس کا باسی کبھی بھی تمہاری طرف ایک توجہ کی نگاہ نہیں کرے گا پھر بھی تم نے محبت کی...... تو محبت تو ہر انسان کا ذاتی مسئلہ ہوا کرتی ہے ناں...... پھر کسی پر بھی الزام کیا دھرنا۔" ڈھیروں ڈھیر گریٹنگ کارڈز دو تین تصویریں، ڈائریاں اور کفلنکس...... اس نے بیڈ پر پھیلی ہوئی ان تمام چیزوں کو دیکھا جو وقتاً فوقتاً بے حد خلوص اور توجہ سے خریدی گئی تھیں۔ پھر ایک بڑے سے شاپر میں یہ سب کچھ ڈالا اور کمرے سے باہر آگئی۔ صحن کے ایک طرف اجڑی ہوئی کیاری میں سب چیزیں رکھیں اور آگ لگادی۔

"محبت ہر انسان کا ذاتی معاملہ ہے درد ہے دکھ ہے تو ذات کے اندر ہے اذیت کے کانٹے بن کر روح کو چھلنی کرتا ہے مگر اندر ہی رہے باہر کی دنیا میں اس کا کوئی وجود نہیں ہونا چاہیے۔" بزدل اور کم ہمت ہادیہ کے اندر محبت پہلی بار ہمت بن کر ابھری۔ اپنے بہتے آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے ایک نظر محبت کو راکھ کے ڈھیر میں بدلتے دیکھا اور خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اسے یاد آیا ایقہ کا ایک چھوٹا سا آرٹیکل ایک ماہنامہ میں آیا تو اس کے جان سے پیارے گل ماموں نے کتنی باتیں کی تھیں ماہین کو۔

"بی بی...... آپ کی بیٹیاں بہت اوور ہوتی جارہی ہیں۔ اب ان کے نام رسالوں میں چھپیں گے، آپ انہیں منع نہیں کرتی ہیں ناں......" شہباز نے خاصے اونچے لہجے میں ماہین سے بات کی، اور وہ بے چاری حیران سی دیکھتی رہ گئیں۔

"کیا ہوا ہے گل...... مجھے تو کچھ پتہ نہیں......"

"چھوڑیں بی بی...... آپ کو تو بیٹیوں کی تربیت کرنی بھی نہیں آئی۔ تابندہ کو دیکھئے گا وہ کتنی آئیڈیل ماں ہے اور کس طرح اپنی بیٹیوں کو پروان چڑھائے گی۔"

یہ الفاظ ان کے جان سے پیارے عزیز بھائی کے تھے جس سے ملنے کے لیے بے چین وہ دوڑی چلی آتی تھیں۔ جس کو ایک نظر دیکھ کر ان کی دکھے ہوئے دل کو قرار آجاتا تھا۔ وہی بھائی کتنی اجنبیت سے ان سے بات کررہا تھا۔ ان کی تربیت پر انگلی اٹھا رہا تھا، ہادیہ کو یاد تھا اس دن شام میں روئی روئی آنکھوں کے ساتھ ماہین گھر کا ہر کام نمٹاتی رہیں مگر ان دونوں سے نہیں بولی تھیں۔

"مما جی...... کیا بات ہے؟ آپ ہم سے بات کیوں نہیں کررہی ہیں؟" ایقہ سے زیادہ دیر برداشت نہ ہوا۔

"کچھ بھی نہیں ہے تم جاؤ اپنا کام کرو۔" ماہین ترش لہجے میں بول کر دوبارہ سالن پکانے میں مصروف ہوگئیں۔

"نہیں ناں مما جی...... پلیز بتائیں نا کیا ہوا ہے بتائیں ناں۔"

"کیا بتاؤں...... یہی کہ آج تمہاری وجہ سے میرا بھائی مجھ سے اونچی آواز میں بولا، میری تربیت پر انگلی اٹھائی، مجھے ایک جاہل اور ناکارہ ماں کہا اس نے...... جسے اولاد کو سنبھالنا، اس کی تربیت کرنا نہیں آیا...... میری نظریں جھکادیں تم نے...... بس یا مزید کچھ کہوں؟" ماہین کی آنکھیں لہورنگ ہوگئیں۔ ایقہ کو جیسے سکتہ سا ہوگیا۔

"مگر مما جی...... ایسا کیا کیا ہے ہم نے۔"

"تم نے کسی رسالے میں آرٹیکل بھیجا تھا وہ اس نے پڑھا۔"

"مگر مما جی...... اس میں کیا برائی ہے...... علم کی لگن، کتابوں سے محبت تو آپ نے ہمیں گھٹی میں پلائی ہے ہمیشہ ہر مقام پر آپ نے ہماری حوصلہ افزائی کی آپ ہمیں بڑھتے ہوئے دیکھنا چاہتی تھیں ناں، زندگی میں اپنی مرضی، اپنی خواہش سے جیتے ہوئے دیکھنا چاہتی تھیں ناں تو یہ

ایک چھوٹا سا آرٹیکل قیامت کی تفسیر کیوں بن گیا۔ مما جی...... ہمیں اپنی حدود کا علم ہے ہم نے کچھ بھی ایسا غلط نہیں کیا جس سے آپ کی گردن جھک جائے۔ آپ ایک قابل فخر ماں تھیں' ہیں اور رہیں گی۔ آپ جیسی مائیں تو مقدروں سے ملا کرتی ہیں۔ اور کل ماموں نے جن کے ساتھ آپ کا موازنہ کیا ہے وقت بتائے گا کہ وہ کتنی اچھی ماں ثابت ہوتی ہیں۔"

"بس کر جاؤ نگی...... کچھ بھی مت بولو...... آج پہلی بار مجھے احساس ہو رہا ہے' جیسے میرا دامن خالی ہے کچھ نہیں بچا میرے پاس تم جاؤ میرے پاس سے۔" ماہین دل برداشتہ سی ہو کر بولیں۔

اپنی ماں کی آنکھوں میں آنسو ان دونوں کے لیے ہی ناقابل برداشت ہوتے تھے۔ وہ ممتا بھری ان خوب صورت آنکھوں کو مسکراتے ہوئے دیکھنے کی طلب گار تھیں مگر وائے بدنصیبی کہ آج ان آنکھوں میں آنسو لانے کا سبب بھی وہ خود ہی تھیں۔ ہادیہ نے دل میں اٹھنے والے جذبوں کا اپنے ہاتھوں سے گلا گھونٹ دیا تھا۔ جان گئی تھی کہ اس کی ماں کو خبر ہوتی تو ہو سکتا ہے وہ شہباز کو اس کا کہا ہوا یاد دلانے چلی جائیں اور اپنی ماں کی مزید بے وقعتی کروانے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وقت اور حالات رشتوں کو کتنا بدل دیتے ہیں' مگر نہیں وقت اور حالات نہیں دولت' دولت رشتوں کی صورتیں بدل دیا کرتی ہے' عارف علی کی ہنوز وہی حالت اور اس کی وجہ سے ماہین اور ہادیہ لیقہ کی زندگی بھی اسی درجہ قابل رحم تھی۔ روزمرہ اخراجات کو پورا کرتے کرتے حالات سے لڑتے لڑتے ماہین اپنی عمر سے کہیں زیادہ بوڑھی اور بے رونق دکھائی دینے لگیں۔ ناگزیر ضروریات کے لیے بھی کئی کئی دن ترس کر گزارنے پڑتے۔ بڑی چچی نے اپنی بیٹی کی منگنی کی تو جیسے طنز و طعنوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ظاہری بات تھی سحر لیقہ سے بھی چار سال چھوٹی تھی۔

"بھئی ہم نے تو اپنی ننھی سی بچی کا رشتہ طے کر دیا۔ بیٹی کا فرض جتنی جلدی ادا ہو جائے اتنا اچھا...... لوگوں نے تو جوان بیٹیاں بٹھا رکھی ہیں گویا کبھی بیاہنی ہی نہ ہوں۔" ان دنوں بڑی چچی کا یہ پسندیدہ ترین موضوع تھا۔ جہاں ماہین یا کسی دیورانی کو دیکھتیں کسی ریکارڈ کی طرح بجنا شروع کر دیتیں یہ جانے بغیر کہ ان کے کہے الفاظ ہر بار ماہین کے دل کو کس طرح زخمی کرتے ہیں۔ وہ تو صبر و ضبط کی تصویر تھیں' ایک ایسی خاموش تصویر جس کے لبوں پر ایک کرب انگیز مسکراہٹ آ کر ٹھہر سی گئی تھی۔ اچھے رشتے پیڑ پر لگے پھل نہیں ہوتے نہ بازار میں رکھی اشیا کی طرح بکتے ہیں' ظاہری بات ہے لوگ رشتہ طے کرتے ہوئے والدین اور خاندان کو دیکھتے ہیں اچھے لڑکوں کے والدین کو اچھے خاندان کی لڑکی کے ساتھ لاکھوں کا جہیز بھی چاہیے ہوتا ہے اور ماہین کے پاس کیا تھا اپنی بیٹیوں کو دینے کے لیے...... ان کی بہترین تعلیم کے لیے وہ اپنا زیور تک بیچ چکی تھیں۔ جس حق کی خاطر وہ ایک طویل عرصہ سسرال کی ہر زیادتی ہر دکھ کو برداشت کرتی آئیں وہ بھی عارف علی کی ناعاقبت اندیشی کے سبب اس کی جہالت کے کنویں میں جا گرا تھا۔ لے دے کے تھوڑی سی زمین باقی تھی اور ماہین کے ذہن میں یہی تھا کہ زمین بیچ کر کچھ رقم بینک میں جمع کروا دیں اور باقی پیسوں سے اچھے طریقے سے بیٹیوں کی رخصتی کر دیں۔ ان دنوں عارف علی کا موڈ جانے کیوں کر بہتر تھا' ماہین نے اس سے بات کرنے کی ٹھان لی۔ شام میں جب اپنا نشے کا کوٹا پورا کرنے کے بعد وہ کمرے میں آ کر حسب معمول اپنے بستر پر دراز ٹی وی دیکھ رہا تھا' ماہین تخت پوش پر بچھے جائے نماز سے اٹھ گئیں۔ اس کے بالکل سامنے بچھے اپنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بغور اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ جو مناسب ہی تھا۔

"سنیے...... مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا۔" اتنے سالوں کی رفاقت کے باوجود جھجک سے جیسے ماہین کی زبان لڑکھڑا سی گئی۔

"ہوں......" ہنوز ٹی وی پر نگاہیں جمائے عارف علی نے بے توجہی سے ہنکارا بھرا۔

"اگر میری مانیں تو گاؤں والی کچھ زمین فروخت کر دیں گھر کے حالات بہت خراب ہو گئے ہیں۔ ایسے کس طرح گزر اوقات ہو گی۔"

"کیوں...... کیا ہوا گھر کے حالات کو؟ اچھے بھلے تو ہیں' کیا کھانا نہیں ملتا تم ماں بیٹیوں کو یا کپڑے لتے کی فکر ہوتی ہے؟" عارف علی نے تیکھی نگاہوں سے ماہین کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا۔ مگر انہوں نے

پھر بھی ہمت نہ ہاری۔

"دراصل میں...... بچیاں بڑی ہوگئی ہیں کچھ ان کا بھی تو سوچنا ہے۔ کل کلاں رشتے طے ہوں گے دینا دلانا' ریت رواج ہے۔"

"یہ اتنے 'چچے' مامے کس دن کام آئیں گے ساری زندگی کما کر انہی کے پیٹ میں تو ڈالا ہے۔ گھر بنایا' دکانیں بنائیں' ٹرانسپورٹ خریدی ان کی شادیاں کیں' کس جگہ میں نے پیٹھ دکھائی' کیا میری دو بیٹیاں نہیں بیاہ سکیں گے یہ......" عارف علی کے لہجے میں محسوس کی جانے والی تپش تھی اور ماہین چپ بیٹھی رہ گئیں وہ یہ بھی نہ کہہ سکیں۔

"کہ آپ نے جو کچھ کیا آپ کے گھر والوں کی نظر میں بڑا بھائی ہونے کے ناطے آپ کا فرض تھا' کل آپ نے اپنا نہیں سوچا آج کون آپ کے لیے سوچے گا۔ اب تو ہر ایک کا اپنا اپنا خاندان ہے۔ ہر ایک لوٹ مار مچا کر بس اپنوں کے پیٹ بھرنے میں لگا ہوا ہے۔ ایسے میں آپ کی بیوی' آپ کی بیٹیاں کیسے کسی کو دکھائی دیں گی۔"

"تم وقت سے پہلے فضول کی باتیں سوچ کر اپنا دماغ خراب نہ کرتی رہا کرو' وقت آنے پر سب کچھ بہت اچھا ہوگا۔ عارف علی جتنا برا بھی سہی اس نے کسی کا حق نہیں کھایا' تو اس کی اولاد کے لیے بھی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" اس کی بات سن کر ماہین خاموش ہوگئیں لیکن جانے کس طرح پہلی بار عارف علی کے ذہن نے ماہین کی کہی ہوئی باتوں پر غور کرلیا اور کچھ دن گزرے کہ ایک دن عارف علی نے نماز پڑھتی ماہین کے قریب جائے نماز پر ایک چھوٹا سا کالے رنگ کا شاپر لا دھرا۔ نماز سے فراغت کے بعد ماہین نے پہلے شاپر کو پھر عارف علی کے چہرے کو استفہامیہ نگاہوں سے جانچا۔

"ایک لاکھ روپے ہیں اس میں' جس طرح چاہو خرچ کرلو......" ماہین حیران سی دیکھتی رہ گئیں' یہ معجزہ کیونکر ہوا تھا کہ زندگی میں پہلی بار عارف علی نے ان کی کہی ہوئی بات کا مان رکھا تھا۔

"تین لاکھ کی بیچی ہے زمین' اس میں سے دو لاکھ میں نے حمایت علی کو دے دیئے ہیں سبزی منڈی میں آڑھت کی شراکت داری کرلی ہے۔ ایک لاکھ روپے تم رکھ لو اپنی بیٹیوں کے لیے جس طرح چاہو خرچ کرلو۔" عارف علی نے ان کی حیران نظروں کے جواب میں وضاحت کی۔

"سبزی منڈی کی آڑھت میں یہ فائدہ ہوگا کہ منافع کے ساتھ ساتھ گھر کی سبزی دال بھی اچھی طرح چلتی رہے گی اور مجھے بھی بے کاری سے نجات مل جائے گی۔ ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں۔" عارف علی نے تائید چاہی اور ماہین جو بہت اچھی طرح جانتی تھیں کہ اب وہ کسی بھی کام کو بھی موزوں طریقے سے نہیں کرپائے گا پھر بھی اس کی ہاں میں ہاں ملادی۔

"گھر کے لیے اب تم فکر نہ کرنا' سب ٹھیک ہو جائے گا۔" عارف علی جانے کس رو میں تھا جو آج بہت نرم اور سلجھے انداز میں بات چیت کررہا تھا۔ ماہین نے اس کو ہی غنیمت جانا' یہ ایک لاکھ وہ پہلی فرصت میں بچت بینک میں فکس کروا کے آگئیں کہ چلو کچھ نہ کچھ منافع بھی ملتا رہے گا اور اصل رقم بھی محفوظ رہے گی۔ زیورات کے نام پر بری کا ایک بھاری سیٹ ہی باقی بچا تھا۔ ماہین کے ذہن میں تھا کہ اسے تڑوا کر دو اچھے سیٹ دونوں بیٹیوں کے لیے بنوالیں۔ لیکن اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی عارف علی کی سوچ کھل کر سامنے آگئی۔ اس نے سبزی منڈی میں آڑھت میں شراکت داری گھر کے حالات سدھارنے کے لیے نہیں کی تھی بلکہ اپنے نشے کی بڑھتی ہوئی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کی تھی۔ چند دن گھر کے اخراجات پورے کرنے کے بعد اس نے اس طرف سے بالکل ہی کان بند کرلیے۔ اسے اچھی طرح پتہ چل چکا تھا کہ اب اس کے بھائیوں میں سے کوئی بھی اس کی اس ذاتی احتیاج کو پورا کرنے کے لیے رقم نہیں دے گا۔ ادھر ادھر سے مانگ تانگ کر وہ اپنا نشہ پورا نہیں کرسکتا تھا' اس لیے اس نے زمین کا ایک ٹکڑا بیچا اور ماہین کو اپنی باتوں میں الجھا کر اپنے آپ کو معصوم بنالیا۔ حالات پھر اسی نہج پر آنے لگے۔ بڑھتے ہوئے تعلیمی اخراجات' مہنگائی' گھر کے خرچوں نے ایک بار پھر ماہین کو اذیت سے دوچار کردیا۔ حالات کی یہ تنگی ان کے لیے دوہری تکلیف لے کر آئی تھی۔ ایک تو غربت کا اذیت ناک احساس اور اس پر ان رشتوں کے بدل جانے کا درد...... جن کے ہونے سے ماہین خود کو تعبیر کرتی تھیں۔ جن کے ساتھ کی بدولت وہ ہر دکھ ہر اذیت سہہ کر بھی ہمت نہ ہارتی تھیں۔

وہ چہرے، جو زندگی کی کڑی تمازت میں کسی سائبان کی طرح تھے ان چہروں پر سے نرمی ومحبت کا تاثر معدوم ہوتا جارہا تھا۔ شاید وہ اس تمازت اور تپش سے جان چھڑانے لگے تھے۔ شہباز کے بعد اب بڑی امی کا بدلتا رویہ بھی جیسے ماہین کے لیے سوہان روح ہوگیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح ہر ہفتہ وہ بلاناغہ ماں کے گھر جاتیں' اور واپسی پر اداسی کی گہری چھاپ ان کی آنکھوں اور چہرے پر ثبت ہوتی۔ گہری آنکھوں میں محسوس کی جانے والی نمی کو چھپاتی وہ روزمرہ کے کاموں میں لگ جاتیں۔ اور آج پھر وہ اسی طرح چادر اوڑھے تیار کھڑی تھیں۔ ہادیہ کو ان کی ہدایات ازبر تھیں۔

"امی جی کے گھر جارہی ہوں...... کھانا پکا کر کچن میں رکھا ہے کھالینا' میں شام تک واپس آجاؤں گی۔" اور ہادیہ کو بھی پتہ تھا کہ اگر وہ اعتراض کرے گی کہ امی ہر ویک اینڈ پر بڑی امی کے گھر جانا ضروری ہے کیا؟ تو جواباً حقوق اور فرائض پر مبنی ایک لیکچر سننا پڑے گا۔

"بیٹا امی جی نے ہم سب بہن بھائیوں کو بہت پیار سے اور بے حد تکالیف سہہ کر پالا ہے' اب یہ ان کا حق ہے اور ہمارا فرض کہ ہم ان کی خدمت اور دل جوئی کریں۔"

اور پھر شام کے وقت جب واپس آئیں گی تو پاؤں سوجے ہوئے ہوں گے' چہرے اور آنکھوں میں گہری اداسی کا تاثر لیے چپ چاپ اپنے کام میں لگ جائیں گی اور جب ہادیہ یا انیقہ میں سے کوئی پوچھے گا کہ مما جی کیا ہوا؟ تو بس ایک ہی بات کہیں گی "پتہ نہیں میرا بچہ کیا بات ہے میں امی جی کے پاس جاتی ہوں ان سے ملنے کے لیے لیکن کتنی کتنی دیر بیٹھی رہتی ہوں' ان کو بلاتی رہتی ہوں' مگر وہ کبھی ایک کام میں مصروف ہوجاتی ہیں تو کبھی دوسرے کام میں...... وہ میرے پاس کیوں نہیں بیٹھتیں میں تو ان کے لیے اتنی دور سے چل کر جاتی ہوں پتہ نہیں کیوں؟"

کسی خواب کے سے انداز میں خود کلامی کرتے ہوئے اپنے کام میں مصروف ہوجانے والی ماہین شاید جانتے بوجھتے سوچنا نہیں چاہتی تھیں یا پھر یہ ماننے کو تیار نہیں تھیں کہ ان کے قریبی رشتے' ان کی غربت کی وجہ سے بدل رہے ہیں' ساری دنیا کی طرح اب یہ تعلق بھی پیسوں سے تولے جاتے ہیں' بہن بھائی حتیٰ کہ اولاد بھی وہی پیاری ہوتی ہے جو پیسے والی ہو' ماہین کے پاس کیا تھا' محبت اور دعائیں' آج کے مادی دور میں بھلا ان چیزوں کی کیا اہمیت باقی رہی ہے۔ اب وہ زمانہ کہاں رہا جب رشتوں پر ناز کیا جاتا تھا' اب تو رشتے پیسوں سے بنتے اور ٹوٹتے ہیں۔ محبتیں بازار میں بکتی ہیں اور دعاؤں کی احتیاج کسی کو رہی ہی کب ہے۔

❁......❁......❁

کانچ کو خالص ہیرا سمجھے' ساری بھول ہماری تھی
اک صحرا کو دریا سمجھے' ساری بھول ہماری تھی
کتنی خوش فہمی تھی ہم کو ان کی نہ کو ہاں گردانا
وہ کیا بولے' ہم کیا سمجھے' ساری بھول ہماری تھی

اپنی نادانی پر خود کو جتنا بھی لعن طعن وہ کرسکتی تھی کرچکی تھی۔ زندگی کے قیمتی لمحے دان کرنے پر' بیش بہا الفاظ کے نذرانے چڑھانے پر' اپنے رشتوں کو نظر انداز کرکے ایک ایسے رشتے کو وقعت ووقت دینے پر جو کہ کہیں موجود تھا ہی نہیں وہ خود کو جس حد تک کوس سکتی تھی اس نے کوسا تھا۔ بکھری ہوئی سوچیں ایک جگہ پر کمپوز کرتے ہوئے اس نے خود کو باور کروایا تھا کہ جہاں وقت نے ہر رشتے کی صورت کو بدلا تھا وہیں کہیں اس کے جذبوں کو بھی شاید موت آگئی تھی۔ اپنے وقتی جذبات سے نکل آنے کے بعد وہ خود کو خاصا ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی۔ انیقہ نے اسے پرسکون انداز میں زندگی کے معمولات میں حصہ لیتے دیکھا تو پہلے حیران ہوئی پھر جیسے وہ بھی پرسکون ہوگئی۔ دل ٹوٹنے کے جس مرحلے کو وہ ہادیہ کے لیے بے حد اذیت ناک خیال کرکے ڈری ہوئی تھی ہادیہ اس مرحلے سے بہت کمپوز ہوکر نکل آئی تھی۔ انہی دنوں اس نے اپنا گریجویشن مکمل کیا' امتحانات کے دوران پوری لگن اور تندہی سے پڑھائی کی۔ اندر کہیں یہ اطمینان تھا کہ اپنی ماں کو مزید کسی دکھ اور پریشانی کا شکار نہیں ہونے دینا' کچھ بھی ہوجاتا مگر یہ بات ان دونوں کے لیے ہی سوہان روح تھی کہ کبھی ان کی وجہ سے ماہین دکھی ہوں...... وہ محبت کی پیکر تھیں وفا کی علامت' بے غرضی کی مجسم صورت' اپنی پوری حیات ان دونوں پر نچھاور کرنے کے بعد اگر انہیں یہ احساس ہوتا کہ ان کی اس قدر محبت کے باوجود کہیں کوئی ایسا خلا رہ گیا تھا جس کو بھرنے کے لیے ان کی بیٹی کو محبت ڈھونڈنی پڑی' کس قدر تکلیف ہوتی انہیں جب انہیں یہ پتہ چلتا لیکن اچھا ہی ہوا

تھا محبت کا وہ خودرو پودا جو اس کے نوخیز خیالات کا پانی پی کر پروان چڑھ رہا تھا اس نے خود اپنے ہاتھوں سے اسے اکھاڑ پھینکا تھا۔ ان دنوں اس نے ایک پرائیویٹ اسکول میں جاب شروع کردی۔ آدھا دن بچوں کے ساتھ سر کھپا کر جب گھر لوٹتی تو گھر کے کاموں میں جت جاتی۔ بہت مشکل سے ملنے والی فراغت میں رسائل وجرائد کا مطالعہ کرتی' ان دنوں اس کا زیادہ تر وقت کہانیاں پڑھنے میں گزرتا' وہ ایک پل کے لیے بھی اپنے ذہن کو خالی نہیں رہنے دینا چاہتی تھی' کہ کہیں کوئی روزن کوئی در ایسا نہ کھل جائے جو اس کی سوچوں اور خیالات کو اپنی رو میں لے کر چل پڑے لیکن ہونی شاید اسی کو کہا جاتا ہے۔ انسان کو خبر تک نہیں ہوتی کہ وہ انجانے میں کس طرف جارہا ہے' حالات وواقعات دراصل زندگی کے مختلف ادوار کو ترتیب دے رہے ہوتے ہیں۔ سوچ کا ایک پہلو کبھی کبھی پوری زندگی پر محیط ہوجاتا ہے اور کبھی کبھی انجانے میں اٹھایا جانے والا قدم پوری حیات پر ایسے اثرات مرتب کردیتا ہے جو کبھی مدھم نہیں ہوتے' ایسا ہی کچھ ہادیہ کے ساتھ بھی ہوا تھا' دل بہت زود حس تھا' نئی چوٹ سے نبرد آزما' تبھی تو اس ماہانہ رسالے کے آخری صفحات پر چھپے ایک خط نے اسے جھنجوڑ ڈالا تھا۔ یہ خط اس کے پسندیدہ رائٹر کا خط تھا۔ خط کیا تھا درد تھا جو حرف حرف کاغذ پر انڈیلا گیا تھا۔ ہادیہ کا حساس دل تڑپ اٹھا' طاہر شکیل ایک ابھرتا ہوا نام...... ایک سلجھے ہوئے انسان کی شبیہہ ذہن کے پردے پر جھلملائی...... حساس اور دردمند جو خود ٹوٹا ہوا ہونے کے باوجود دوسروں کے دلوں کو جوڑنے کی سعی کرنے والا تھا۔ ایک رائٹر یا شاعر تو صرف وہی بن سکتا ہے جو بے غرض ہو' بے لوث' اخلاص اور محبت کے جذبوں سے مزین' جسے خود سے بڑھ کر دوسروں کے درد کا احساس ہو' جو خود تو چوٹ کھائے مگر دوسروں کے لیے چھتر چھایا بن جائے' جانے ہادیہ کے دل میں کیا آئی کہ اس نے اپنے پسندیدہ رائٹر کو خط لکھ دیا۔ خط لکھنے کے پیچھے صرف اور صرف ایک جذبہ کارفرما تھا۔ درد مشترک کا جذبہ۔

وہ اسے احساس دلانا چاہتی تھی کہ رشتوں سے چوٹ کھانے والے تم اکیلے نہیں ہو بلکہ دنیا میں اور بھی بہت سے لوگ ہیں جو قریبی رشتوں سے ملنے والی اذیتوں کا بوجھ اپنے دل پر اٹھائے جی رہے ہیں۔ ملال' درد' رنج اور اذیت جیسی ہزیمتیں اٹھائے پھر رہے ہیں تم خود کو اس طرح دکھ دے کر کیسے جی پاؤ گے' اگر ایک طرف دکھ ہیں' کچھ رشتوں سے ملنے والی تکالیف ہیں تو دوسری طرف تمہارے دامن میں چند رشتوں کی محبتیں اور ان کی طرف سے ملنے والا وفا کا احساس بھی تو ہوگا اور یہ احساس نفرتوں سے قوی تر ہوتا ہے۔ اس نے کئی بار خط لکھا اور پھاڑ دیا...... پھر آخر ہمت کرکے لکھا اور پوسٹ کردیا۔ ایک بار پھر انجام سے بے خبر ہوکر اس نے قدم اٹھالیا تھا۔ آگے نصیب اس کے لیے کیا لے کر آنے والا تھا اسے اس کا کچھ اندازہ نہیں تھا۔

❁......❁......❁

''بی بی آپ کی ڈاک آئی ہے۔'' اسکول کے گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی چوکیدار بابا نے کہا تو ایک پل کو وہ حیران سی ان کا منہ دیکھنے لگی۔ ذہن کے کسی گوشے میں بھی نہیں تھا کہ اسے کوئی خط لکھ سکتا ہے۔

''میری ڈاک......'' انداز سوالیہ سے زیادہ خود کلامی کا تھا۔

''جی بی بی...... آپ کے ٹیبل پر رکھ دی ہے۔'' بابا جی یہ کہتے ہوئے گیٹ سے باہر نکل گئے اور وہ الجھتی ہوئی اپنے آفس میں چلی آئی۔ ان دنوں وہ اس پرائیویٹ اسکول میں وائس پرنسپل کے طور پر کام کررہی تھی۔ آفس میں داخل ہوتے ہی نگاہ ٹیبل پر دھرے ایک ضخیم سے براؤن لفافے پر جا پڑی۔ پرس ایک طرف رکھتی جلدی سے اپنی کرسی پر بیٹھی اور لفافہ اٹھالیا۔ پتہ دیکھ کر دل عجب انداز میں دھڑک اٹھا۔ اسے تو وہ خط بھیجے بیس دن ہوچکے تھے اور بھول بھی چکی تھی لیکن اس کے ہاتھ میں موجود طاہر شکیل کی طرف سے بھیجا گیا یہ لفافہ ثابت کررہا تھا کہ اس کے الفاظ میں کچھ تو ایسا تھا جس کے بدلے طاہر شکیل نے اسے یہ اعزاز بخشا تھا۔ اس لفافے میں طاہر شکیل نے اپنے والد کی شاعری کی کتاب بطور تحفہ بھیجی تھی اور نہایت خوب صورت الفاظ میں اس کے جذبوں کو سراہا تھا۔ بے حد مہذب' سلجھا ہوا انداز......

خلوص ہی کافی نہیں ربط باہمی کے لیے
وفا بھی شرط ہے اے دوست دوستی کے لیے

خط کے ایک ایک لفظ سے خلوص کی خوشبو محسوس ہورہی

تھی۔ ہادیہ اس جوابی ردعمل کے لیے تو ہرگز تیار نہیں تھی اور اب جبکہ طاہر شکیل نے اسے جواب ارسال کردیا تھا تو پھر اس نے بھی بہتر یہی سمجھا کہ کم سے کم جوابی خط لکھ کر شکریہ تو ادا کردیا جائے۔ یوں انجانے میں ہی ایک ایسے سلسلے کا آغاز ہوگیا جس نے دونوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا۔
اس بار ہادیہ نے انیقہ کو بتادیا کہ اس کا ایک بہت سلجھے ہوئے رائٹر کے ساتھ خطوطی رابطہ ہے۔ لیکن انہی دنوں کچھ ایسا ہوا کہ ہادیہ کو ماہین کو بھی اعتماد میں لینا پڑا۔
ہوا یہ کہ چند خطوط ایک دوسرے کو بھیجنے کے بعد ایک دن ہادیہ کو طاہر شکیل کے بابا کا خط موصول ہوا۔
پیاری بیٹی ہادیہ!
السلام علیکم!
امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ احوال یہ ہے کہ آپ کا ہمارے بیٹے طاہر شکیل کے ساتھ جو خطوطی رابطہ ہے وہ اس نے ہمارے گوش گزار کردیا ہے۔ ہمیں یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ آپ ہر لحاظ سے ہمارے بیٹے کے قابل ہیں۔ اور آپ کو اپنے گھر کی زینت بنانے پر ہم سب میں سے کسی کو بھی قطعاً کوئی اعتراض نہیں لیکن قانون دنیا ہے کہ بچوں کی زندگی کا فیصلہ والدین کے ذریعے ہو تو زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ اس لیے آپ سے اتنی گزارش ہے کہ اپنے والدین کو آگاہ کردیجیے تاکہ ہم باضابطہ طور پر آکر آپ کے والدین سے آپ کا ہاتھ مانگ سکیں۔
والسلام!
آپ کے باباجان' امی جان!
ہادیہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔
''نکی...... اب کیا کریں......'' وہ ہونق بنی دیکھ رہی تھی۔
''کیا مطلب کیا کریں؟ حماقتیں کرتے وقت مجھ سے پوچھتی ہو جواب میرے سرہانے آکر بیٹھ گئی ہو۔''
''ممااجی' بہت ناراض ہوں گی نکی......''
''تو یہ پہلے سوچنا تھا ناں...... اندھوں کی طرح چھلانگ لگادیتی ہو پھر بیٹھی روتی رہتی ہو۔'' انیقہ کو اس پر خاصا غصہ تھا کبیر والے معاملے میں بھی ہادیہ پہلے ہی عقل سے پیدل ہونے کا ثبوت دے چکی تھی اور اب ایک ان دیکھے ان جانے رائٹر حضرات کے والدین کا خط ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی۔
''کیا زندگی میں دوبار محبت ہوسکتی ہے؟'' انیقہ بھونڈے انداز میں چلائی۔
''مجھے نہیں پتہ...... کبیر کے لیے میرے احساسات مجھے اب ایسے لگتا ہے محض متاثر ہونے تک کے تھے' پھر پس منظر میں ایک توقع تھی جس نے مجھے اس سے باندھے رکھا۔ شاید اسی لیے جب وہ مجھ سے دور ہوا تو مجھے زیادہ اذیت نہیں ہوئی۔'' ہادیہ نے بے رحمی سے اپنا تجزیہ کیا۔
''اور اب...... یہ طاہر شکیل صاحب...... ان کے بارے میں بھی اپنے نادر خیالات کا اظہار فرمادو۔'' انیقہ تو جیسے جلی بیٹھی تھی۔
''یہ اور میں تو ایک کشتی کے سوار ہیں۔ ایک جیسے حالات کا سامنا کرکے جینے والے' مجھے یوں لگتا ہے جب وہ خط لکھتے ہیں تو ایک ایک لفظ میں جانے کتنے آنسو' کتنی آہیں ہوتی ہیں۔ میرا دل روتا ہے ایک ایک سطر زندگی خوشیوں کے ہنڈولوں میں جھولنے کا نام نہیں۔ دردمند بن کر کسی کے درد سمیٹنے کا نام ہے۔'' ہادیہ ایک جذب کی کیفیت میں بولی۔
''او ہادی...... ہوش کے ناخن لے یار...... اگر وہ بوڑھا ہوا تو۔''
''تو کیا فرق پڑتا ہے...... ہمارے ذہن ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ عمروں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''
''تمہیں پتا ہے اس کے بابا کے خط سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا گھر بار بھی نہیں ہے نہ کوئی دکان' جائیداد' نہ کوئی پراپرٹی سیٹ اپ ہے۔ میں نے تو کہیں پڑھا تھا ادب کو مایہ ناز دولت سے نوازنے والے' یہ شاعر ادیب لوگ بھوکے مرتے ہیں۔''
''مجھے فرق نہیں پڑتا ان چیزوں سے...... دیکھو بڑی امی نے جائیداد' گھر بار' دولت' گاڑیاں دیکھ کر ممااجی کا رشتہ کیا تھا ناں ابو سے' ساری زندگی دکھ اور اذیت کے سوا انہیں اس گھر سے کیا ملا؟ نصیب جھونپڑی سے محل تک لے کر جاتے ہیں اور نصیب ہی محل سے جھونپڑی میں بھی لاتے ہیں۔ اگر میرے نصیب میں سکھ ہوگا تو غربت میں بھی مل جائے گا ورنہ دنیا کی کسی دولت سے بھی سکھ خریدا نہیں جاسکتا۔''

"ہادی کیا سچ میں تم نے فیصلہ کرلیا ہے طاہر شکیل کی زندگی میں شامل ہونے کا۔" انیقہ نے بغور اس کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر سچائی کی الوہی چمک تھی۔ محبت میں ناکامی نے اس کے اندر غمگساری کا شعور پیدا کردیا تھا۔ اب یہ اس کے نصیب کہ یہ غمگساری یہ حساسیت اسے ایک بار پھر محبت کے خارزار میں گھسیٹ لائی تھی۔

"ہاں...... اور میں مماجی سے بھی بات کروں گی۔"

"مماجی کو بہت دکھ ہوگا......" انیقہ نے کہا تو ہادی نے عجیب پرسوز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں ہوگا......" اسے جیسے یقین تھا کہ ہر ایک کا دکھ محسوس کرنے والی اس کی ماں بہت اچھی طرح سمجھ سکتی ہیں ہر معاملے کو اس کے احساسات کو۔

اور پھر اسی شام اس نے طاہر شکیل کے بابا جان کا خط ماہین کے سامنے رکھ دیا۔

"یہ کیا ہے......" انہوں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"پہلے آپ اسے پڑھ لیں۔" ہادیہ نے نظریں جھکا کر کہا تو ماہین نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کاغذ کھول کر پڑھنا شروع کیا...... تمام خط پڑھ لینے کے بعد بھی وہ جیسے کومگو کی کیفیت کا شکار تھیں۔

ہادیہ نے مختصر الفاظ میں طاہر شکیل کے ساتھ اپنے خطوطی رابطے اور اس کے بعد اس کے والد کی طرف سے آنے والے خط کا ذکر کیا۔ ماہین ایک سکتے کی سی کیفیت میں اس کا چہرہ دیکھے گئیں۔ شاید اپنی اس قدر سلجھی ہوئی بیٹی سے انہیں اس طرح کی کسی بھی حماقت کی توقع نہیں تھی۔

"مماجی...... مجھے معاف کردیجیے گا میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا...... طاہر کو خط لکھتے ہوئے میرے ذہن کے کسی گوشے میں بھی نہیں تھا کہ یہ سلسلہ مزید آگے بڑھے گا' ان کے جواب کے بعد ایک کے بعد ایک پھر جیسے روٹین سی بن گئی۔" ہادیہ چہرہ جھکائے بولے گئی۔

"وہ جو کچھ بھی ہوا' ہوچکا اب مزید آگے کیا کرنا ہے؟" ماہین نے بے حد سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

"آپ جیسا کہیں گی مماجی......" ہادیہ کھوکھلے لہجے میں بولی۔

"پہلے مجھ سے پوچھ کر کیا ہے یہ سب...... گل ٹھیک کہتا ہے میں نے تم دونوں کو بہت ہی آزادی دے دی...... ہمیشہ دوستوں جیسا رویہ رکھا اسی کا نتیجہ ہے جو آج تم ناک کٹوانے پر تل گئی۔ اپنے رشتے طے کرنے لگ گئی۔ ماں باپ' خاندان کی کوئی وقعت ہی نہ رہی تمہاری نظر میں۔"

"نہیں مماجی...... ایسا نہیں ہے...... آپ جیسا کہیں گی میں ویسا ہی کروں گی...... آپ پلیز خفا مت ہوں۔"

"ٹھیک ہے...... پہلی فرصت میں خط لکھنا بند کردو مجھے اگر پتہ چلا کہ تم نے دوبارہ کوئی خط بھیجا ہے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ اور یہ خط مجھے دے دو میں خود رابطہ کروں گی ان سے۔ اچھی طرح دیکھ بھال کر طے کریں گے رشتہ...... اس طرح ہوا میں قلعہ تعمیر نہیں کیا جاتا۔ یہ فیصلے بڑوں کے ہوا کرتے ہیں۔ انسان اپنی بکری بھی وہاں چھوڑتا ہے جہاں گھاس دیکھتا ہے اور جب تک تمام معلومات نہیں مل جاتیں اچھی طرح چھان بین نہیں ہوجاتی...... گھر میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوگی۔" ماہین حتمی انداز میں کہہ کر اٹھ کر باورچی خانے کی طرف بڑھ گئیں اور ہادیہ کن ہوتے حواسوں کے ساتھ وہیں بیٹھی رہ گئی۔ اتنا تو وہ جانتی تھی کہ اس کی ماں اس کی مرضی کے خلاف کبھی بھی کچھ نہیں کریں گی لیکن ان کی ناراضگی کا خیال اسے اندر ہی اندر کھائے جارہا تھا' اس نے ان کے اعتماد و یقین کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ وہ مجرم تھی ان کا دل دکھانے کی...... لیکن دوسری طرف اس کے دل پر سے ایک بوجھ سرک گیا تھا۔ ماں سے چھپ کر کچھ بھی کرنا کبھی بھی ٹھیک نہیں ہوا کرتا۔ احساس جرم کی ایک سل جو ہر پل دل پر دھری رہتی تھی' وہ ہٹ گئی تھی۔ آج اس نے دنیا کے سب سے سچے اور مخلص رشتے سے اپنے اندر کو بانٹ لیا تھا۔

❁......❁......❁

خط لکھنے کیا بند کیے جیسے طاہر شکیل کی بے قراریوں کو مہمیز ہی مل گئی۔ ہر دوسرے دن ہادیہ کے آفس ٹیبل پر ایک براؤن لفافہ اس کا منتظر ہوتا۔ بے چینیوں اور اذیتوں کے احوال کہتا ایک ایک لفظ سے بہتے تنہائیوں کے آزار نے ہادیہ کو مجبور کردیا اور ماہین کی نصیحت کو پس پشت ڈال کر اس نے طاہر شکیل کو خط لکھنے کا سلسلہ ایک بار پھر شروع کردیا۔ یہ اس کے اپنے دل کی آواز تھی۔ بات اب صرف درد مشترک کی نہیں رہی تھی بلکہ اس سے کہیں آگے بڑھ آئی

تھی۔ ہادیہ کو لگتا کبیر کے معاملے میں کہیں نہ کہیں، بہت کچھ مسنگ تھا۔ یہ یک طرفہ سوچیں تھیں جنہوں نے ایک عرصے تک اس کے ذہن کو اپنے کنٹرول میں رکھا تھا...... اور اس حوالے سے وہ خود کو بالکل بھی قصوروار نہیں ٹہراتی تھی۔ کیونکہ ایک سولہ سترہ سال کی عمر کی نوخیز لڑکی کو اگر یہ معلوم ہوجائے کہ کون اس کی زندگی کا ساتھی بنے گا تو غیر ارادی طور پر بھی...... اس کا ذہن ایک مستقبل کا خاکہ بنالے گا لیکن طاہر شکیل کے لیے اپنے محسوسات کو بے حد پرکھنے اور جانچنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ محبت اپنی مکمل صورت کے ساتھ اس کے سامنے جلوہ گر تھی۔ اب کچھ بھی کہیں بھی کمی نہیں تھی۔ تصویر کا ہر رنگ مکمل تھا۔ کیونکہ محبت کے جواب میں محبت اپنا دامن وا کرکے اس کی طرف بڑھی تھی۔ اب صرف وہ بے چین نہیں تھی' خلا صرف اس کی زندگی میں نہیں تھا بلکہ کوئی اور بھی تھا جو راتوں کو جاگتا تھا' اسے سوچتا تھا اس کے راستے کے خار پلکوں سے اٹھانے کو تیار تھا' ان دنوں گھر میں ہادیہ اور انیقہ دونوں کے رشتے کی باتیں ہورہی تھیں۔ ایک اچھا پروپوزل آنے پر ماہین نے بہت زیادہ چھان بین کرنے کی بجائے انیقہ کے لیے یہ رشتہ اوکے کردیا۔ گھر والوں نے ہادیہ کے حوالے سے سوال کیا تو ماہین نے سب کو یہ کہہ کر مطمئن کردیا کہ ہادیہ کے رشتے کی بات لاہور میں ایک اچھی فیملی کے ہاں طے پانے کی امید ہے۔

''ماہین بھابی...... لاہور میں...... کون لوگ ہیں...... لڑکا کیا کام کرتا ہے؟'' چھوٹی چچی نے حیرت سے پوچھا تھا کیونکہ ماہین تو ان سے دل کی ہر بات کیا کرتی تھیں اتنی بڑی بات کیسے نہیں کی۔

''ابھی کچھ زیادہ نہیں پتہ بس کچھ دن تک معلوم ہوجائے گا تو پھر سب کو بتادوں گی۔'' ماہین نے الجھی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ انہیں مطمئن کردیا لیکن دل خاصا بے چین تھا۔

انیقہ کی منگنی کی تیاریاں شروع ہوگئیں اور ادھر سے ماہین نے خط لکھ کر طاہر شکیل کے والدین کو بھی آنے کا عندیہ دے دیا۔ عارف علی نے ہمیشہ کی طرح کسی کام میں بھی دلچسپی نہیں دکھائی۔ ماہین کے پاس ایک بڑا سونے کا سیٹ رکھا تھا جو بری میں چڑھایا گیا تھا۔ سنار کو دے کر اس میں سے دو لاکٹ سیٹ بنوالیے اور باقی ایک لاکھ روپیہ لاکر گھر میں سنبھال کر رکھ دیا۔ شام میں باقر چچا کا چکر لگا اور جب انہیں یہ پتہ چلا کہ ماہین کے پاس ایک لاکھ روپے ہیں تو جیسے فوراً ہی ان کے ذہن میں ایک منصوبہ آگیا۔

''مینا باجی آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔''

''کیا بات ہے بولو باقر......'' ماہین حسب معمول تخت پوش پر بیٹھی اپنے روزمرہ وظائف میں مصروف تھیں۔

''بانو بتارہی تھی آپ نے اپنا زیور بیچ دیا ہے تو اس پیسے کو کس طرح انویسٹ کرنا ہے۔''

''ہاں بیچا تو ہے ظاہر ہے حالات کے ہاتھوں مجبور ہوگئی ہوں۔ ابھی اخراجات بہت ہیں اور آمدنی نہ ہونے کے برابر ہے۔ خود ہی بتاؤ کہ کیا کروں؟''

''مینا باجی اگر آپ یہ ایک لاکھ مجھے دے دیں تو میں اسے کاروبار میں انویسٹ کردوں گا۔ ہر ماہ پانچ ہزار آپ کو دے دیا کروں گا' اور جب آپ کو اپنی پوری رقم کی ضرورت ہوگی تو مجھے ایک ماہ پہلے بتادیجیے گا۔ میں وہ رقم آپ کو مکمل طور پر لوٹادوں گا۔'' باقر چچا نے کہا تو ماہین سوچ میں پڑ گئیں۔

''کوئی جلدی نہیں ہے سوچ کر بتادیجیے گا۔'' باقر چچا تو چلے گئے اور ماہین سوچنے لگیں کہ اگر اس طرح ماہانہ اخراجات کا نظام بہتر ہوجاتا ہے اور رقم بھی پوری طرح محفوظ رہتی ہے تو کیا حرج ہے۔

''مما جی...... ایک بات کہوں......'' انیقہ نے سوچ میں ڈوبی ماں کو دیکھا تو ان کے قریب آگئی۔

''کسی پر بھی بھروسہ مت کریں۔ بڑے چچا کی ہی مثال لے لیں جب تک ان کی ضرورت تھی دن رات ہمارے پورشن کے چکر لگاتے تھے اب ان کی صورت مہینوں میں بھی دکھائی نہیں دیتی۔ اب چھوٹے چچا آپ سے میٹھی میٹھی باتیں مٹھار رہے ہیں بعد میں دیکھیے گا یہ بھی نظر نہیں آئیں گے۔''

''بہت بری بات ہے انیقہ...... اس طرح نہیں کہتے بیٹا اور یوں بھی ماہانہ نظام کو بہتر چلانے کے لیے اچھے خاصے پیسے چاہئیں۔ اپنے باپ کا تو پتہ ہے تمہیں...... اس سے تو کوئی بھی توقع نہیں کی جاسکتی' تو کسی نہ کسی پر تو

بھروسہ کرنا پڑے گا ناں۔" ماہین نے سرزنش کے سے انداز میں اسے سمجھایا۔

"سوچ لیں مما جی...... مجھے تو کوئی بھی قابل بھروسہ دکھائی نہیں دیتا...... سب کی اپنی اپنی فیملیز ہیں اور اپنے اپنے مفادات۔"

"بات تو تمہاری ٹھیک ہے میرا بچہ...... لیکن اس حوالے سے مجھے مدد چاہیے۔ پہلے تو امی جی اور گل کو میرا بہت خیال ہوتا تھا۔ لیکن اب جیسے وہ بھی مجھے بھولتے جارہے ہیں۔ اتنی دور سے امی جی سے ملنے جاتی ہوں تو وہ بھی ایسے اکھڑی اکھڑی سی نظر آتی ہیں کہ الٹا دل پر بوجھ لے کر واپس آجاتی ہوں اور گل سے بھی کئی کئی مہینے بات نہیں ہو پاتی پھر کس سے کہوں یہ مسائل...... آنکھیں بند کرلینے سے یہ مسئلے حل تھوڑی ہوجائیں گے کچھ نہ کچھ عملی کوشش تو کرنی پڑے گی ناں۔" ماہین مجبوراً یہ سب کررہی ہیں یہ تو انیقہ بھی جانتی تھی کہ اس کی سادہ لوح ماں آج بھی ان رشتوں میں وہی مہر وفا ڈھونڈتی ہے جو صرف اس کی اپنی ذات کا خاصا ہے اور جو دنیا میں ناپید ہوچکی ہے۔

انیقہ کی منگنی کا دن آن پہنچا۔ صبح سے ہی خوب چہل پہل تھی۔ پورے گھر کی جی جان سے صفائی ستھرائی کی گئی۔ انیقہ کو سادگی سے تیار کیا گیا' کھانے پکانے کا سارا کام ماہین نے خود کیا...... شام چار بجے مہمانوں نے پہنچ جانا تھا۔ چار بجے' پھر پانچ...... پھر چھ اور پھر سات بج گئے۔ مہمانوں کا کچھ پتہ نہیں تھا' ماہین نے ندرت کو فون کیا جس کے توسط سے یہ رشتہ آیا تھا تو انہوں نے کہا کہ آپ کو سننے میں غلطی ہوئی ہے مہمانوں نے آج نہیں کل آنا ہے' سب کے چہرے عجیب سے تاثرات سے سجے تھے۔ کہیں ہمدردی' کہیں تمسخر' کہیں مضحکہ' ماہین نے اپنے اردگرد موجود اپنوں کے بیگانے چہروں پر خلوص ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کی۔

"یہ تو ہونا ہی تھا' عورتوں کے طے کیے ہوئے رشتوں کی پائیداری تو یہیں سے دکھائی دے گئی۔" بڑے چچا نے عجیب طنزیہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر کہا۔ بڑی چچی بھی زبان سے تو زیادہ نہیں بولیں البتہ آنکھوں ہی آنکھوں میں جس قدر مذاق اڑا سکتی تھیں اڑایا۔

"بے چاری انیقہ سارا دن تیار ہوکر متوقع سسرال کے انتظار میں بیٹھی رہی۔" بڑی چچی نے بظاہر ترحم بھری نظروں سے اسے دیکھا لیکن اس بات میں چھپی تشنیع نے جیسے ماہین کا کلیجہ تک چھلنی کردیا۔ رات تک ان کی طبیعت بگڑنے لگی۔ اچانک ہی ہاتھوں پیروں میں بل پڑنے لگے۔ ناک اور کانوں سے خون رسنے لگا۔ منجھلے چچا اور تائی امی انہیں لے کر قریبی ہاسپٹل چلے گئے۔ ڈاکٹر نے کہا کہ شدید ترین ذہنی دباؤ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔ ہر ممکن طریقے سے انہیں پریشانی سے دور رکھا جائے۔ ورنہ دماغ کی کسیں بھی پھٹ سکتی ہیں۔ ماہین کو گھر لے آئے وہ دن انہوں نے بہت بے چینی سے گزارا۔ اگلے دن مہمان آئے بہت اچھے طریقے سے ان کی آؤ بھگت کی گئی اور انیقہ کو انگوٹھی بھی پہنا دی گئی۔ انیقہ کے فیانسی کو دیکھ کر سب ہی مبہوت رہ گئے۔ اپنے گھر کا اکلوتا چشم و چراغ گھر بار زمین جائیداد کا تنہا وارث' اچھی شکل و صورت کا خاصا معقول جوان...... ماہین منگنی کے تمام دورانیے میں انیقہ کے قریب نہیں آئیں' سب کے اصرار کے باوجود انہوں نے بس اتنا ہی کہا۔

"میں نہیں چاہتی کہ میرا سایہ بھی میری بیٹی پر پڑے۔ اللہ میری بیٹیوں کے نصیب مجھ سے بالکل جدا بنائے۔"

اچھے طریقے سے منگنی کا فنکشن اختتام پذیر ہوا۔ مہمان رخصت ہوگئے' سکون ہوجانا چاہیے تھا لیکن ماہین جلے پیر کی بلی کی طرح بے قرار رات بھر سو نہ پائیں۔ اگلے کچھ دن وہ بے حد خاموش خاموش' مرجھائی مرجھائی سی رہیں۔

"ہادیہ...... لاہور سے کوئی خط آیا۔" انیقہ کی منگنی ہوئے چھٹا یا ساتواں روز تھا جب ایک دن ماہین نے پوچھا۔

"نہیں مما جی...... کوئی خط نہیں آیا۔" ہادیہ سر جھکا کر بولی۔

"کیا ہوگا تمہارا ہادی...... وقت بہت کم ہے چھوٹی بہن کا رشتہ ہوجائے تو بڑی بہن کے لیے پھر رشتے بہت مشکل سے ملتے ہیں۔ فون نمبر بھی نہیں ہے ان کا ورنہ میں خود بات کرلیتی۔" وہ جیسے خود کلامی کے سے انداز میں بولیں۔

ہادیہ کو ان کے چہرے کے سکوت نے خوف زدہ کردیا۔

"آپ پریشان نہ ہوں مماجی...... آجائے گا خط۔"
"تم نہیں سمجھ سکتی بیٹا جانی...... نہ میں سمجھا سکتی ہوں۔" وہ نماز ادا کرنے کی غرض سے اٹھ گئیں۔
"پتہ نہیں کیا بات ہے جب سے تم دونوں کے رشتوں کی بات چلی ہے ناں۔ میرے اندر ایک خاموشی سی ٹھہر گئی ہے۔ آج تک میں نے تم دونوں کو ہی اپنے جینے کا مقصد سمجھا ہے سوچتی ہوں جب تم دونوں کی شادیاں ہوجائیں گی اس کے بعد میں کیا کروں گی۔"
"ارے مماجی...... آپ فکر کیوں کرتی ہیں ہم جلدی جلدی آپ سے ملنے آیا کریں گے اور آپ کے پاس فراغت ہوگی ناں تو خوب سارے ڈائجسٹ لگوا لیجیے گا' ڈھیروں مطالعہ کیا کیجیے گا جو اب کاموں کی وجہ سے آپ نہیں کرپاتیں۔" انیقہ نے اچانک پیچھے سے آکر ان کے گلے میں بازو ڈال کر کہا تو ماہین جیسے اس کے بھولے پن پر مسکرادیں' مطالعہ تنہائی کا اچھا مصرف ہی لیکن اندر اترتی تنہائیوں کا علاج نہیں بن سکتا۔ مگر وہ یہ مشکل باتیں اپنی بیٹیوں سے نہیں کرسکتی تھیں۔ بس ایک زخمی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر آکر ٹھہر جاتی تھی۔

❁......❁......❁

باقر چچا نے ماہین سے پیسے لے کر کاروبار میں انویسٹ کردیئے اور پہلی پانچ ہزار کی ادائیگی بھی کردی تو ماہین کے ساتھ ساتھ انیقہ کو بھی قدرے یقین آگیا۔ انیقہ کی منگنی کا آٹھواں روز تھا جب ماہین کو پہلا ہارٹ اٹیک ہوا۔ چارپائی پر بیٹھے بیٹھے اچانک وہ پیچھے کو گرگئیں۔ ہادیہ اور انیقہ کے حلق سے چیخ نکل گئی۔
"مماجی...... مماجی......" دونوں بری طرح روتے ہوئے انہیں جھنجوڑنے لگیں تو ماہین نے بمشکل آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھا اور اس سے بھی کہیں زیادہ مشکل سے مسکرائیں۔
"کچھ نہیں ہوا مجھے۔ بس ہلکا سا چکر آگیا تھا۔" وہ جیسے انہیں تسلی دینے کے لیے اپنی ڈوبتی دھڑکنوں کو قابو کرنے میں لگی تھیں۔
"مماجی! آپ بس ابھی جائیں گی ڈاکٹر کے پاس...... کوئی لاپروائی نہیں چلے گی۔" ہادیہ نے ان کا ہاتھ تھام کر تیز انداز میں کہا تو وہ مدھم سی مسکراہٹ لبوں پر لاکر رہ گئیں۔
ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد ای سی جی کا کہا اور اگلے دن جب انہوں نے ڈاکٹر کو رپورٹ دکھائی تو ڈاکٹر کے خدشے کی تصدیق ہوگئی۔ ماہین کا دن بدن بڑھنے والا موٹاپا ان کی جان کا آزار بنتا جارہا تھا۔ جسم کے بیرونی حصے پر ہی نہیں اندرونی اعضاء پر بھی سوجن ہوتی جارہی تھی۔ دل پر بھی اتنی سوجن آچکی تھی کہ خون کی سرکولیشن متاثر ہونے لگی تھی' اسی سوجن کے باعث ہارٹ اٹیک کے پل انہیں کسی بھی قسم کی تکلیف محسوس نہیں ہوئی تھی بس یہی محسوس ہوا تھا کہ جیسے کچھ پل کو دل ڈوب گیا ہو۔ حواس کچھ دیر کے لیے گم ہوگئے ہوں اور بس...... لیکن یہ اٹیک جان لیوا بھی ہوسکتا تھا' ہادیہ اور انیقہ کی تو جان پر بن آئی۔ شدید گرمیوں کے دن تھے اور ماہین کو کمرے میں ایک پل سکون محسوس نہیں ہوتا تھا۔ کمرے کے اندر داخل ہوتے ہی جیسے دم گھٹنے لگتا۔ بیرونی دروازے کے بالکل سامنے وسیع وعریض برآمدے میں ہی انہوں نے اپنی چارپائی بچھوالی۔ اس اٹیک کے بعد انہیں اپنے حوالے سے جانے کیا خیال آنے لگے تھے کہ وہ مضمحل اور افسردہ سی دکھائی دیتیں۔ ہادیہ اور انیقہ ان کے قریب جتنی دیر رہتیں وہ بس خاموش نگاہوں سے ان کی طرف دیکھے جاتیں۔
ہادیہ بال سلجھاتی اور ہمیشہ کی طرح ان کا دل بہلانے کو بولے جاتی۔
"مماجی...... آپ کے بالوں سے میں آج بھی جیلس ہوتی ہوں۔ کاش میرے بال بھی آپ کی طرح ہوتے...... اتنے گھنے' لمبے سیاہ بال۔"
"میرا دل بہت گھبراتا ہے ان بالوں سے...... گھٹن ہوتی ہے ہادی۔" ماہین کا لہجہ عجیب سا ہوجاتا' انیقہ ماہین کے پاؤں نرمی سے دھلاتی' یہ پاؤں جوان کے لیے جنت جانے کا راستہ تھے اور یہی پاؤں جو بہت تھکاوٹ سہہ کر بھی اپنی جنت کی تلاش میں عرصے سے لمبی مسافتیں طے کرتے رہے تھے۔
محض دس دن کے بعد ہونے والے دوسرے ہارٹ اٹیک نے جیسے ہادیہ اور انیقہ کی قوت گویائی سلب کرلی۔ وہ بس ساکت اپنی ماں کے چہرے کی جانب دیکھتی جارہی تھیں۔ ان کے پیارے گل ماموں کو بھی اپنی بی بی کی

بیماری کی خبر مل چکی تھی۔ بے حد بے چین ہو کر اس نے فون کیا تھا۔ اپنے دوست کے توسط سے دس ہزار روپے بھجوائے کہ فوری طور پر بی بی کو کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھایا جائے کسی قسم کے اخراجات کی فکر نہ کی جائے۔ رات صحن میں چارپائی پر بیٹھی ماہین کی رنگت میں زردیاں سی گھلی ہوئی تھیں۔ پاؤں بے جان اور وجود اس قدر بھاری محسوس ہو رہا تھا کہ ان کی اپنی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ انہیں آخر کیا ہو گیا ہے۔

''کچھ بھی نہیں ہوا اسے...... مکر کر رہی ہے۔'' عارف علی حسب عادت ایسے پل میں بھی زبان کے تیر چلانے سے باز نہیں آیا تھا۔ انیقہ اور ہادیہ کی زخمی نگاہوں نے ایک پل کو اپنی ماں کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھا اور پھر اس شخص کو جو کاغذات میں ان کے باپ کے درجے پر فائز تھا لیکن جس کے وجود سے آج تک رحم اور ہمدردی کا ایک لمحہ ان کی ماں کو یا انہیں نصیب نہیں ہوا تھا۔ اس رات ماہین نے انیقہ اور ہادیہ کا بستر اپنے دائیں طرف لگوایا۔ رات میں جس پل بھی ہادیہ کی آنکھ کھلی اس نے ماہین کو اپنی جانب ہی دیکھتا پایا کیا نہیں تھا ان آنکھوں میں...... درد، سوز، خوف، تکلیف، برداشت۔

''مما جی...... کچھ چاہیے......'' ہادیہ نے ان کے سرد ہاتھ تھامے۔

''نہیں تو ہادی......''

''آپ سو جائیں نا مما جی۔'' ہادیہ نے ان کے سرد ماتھے پر سے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔

''نیند نہیں آ رہی بیٹا۔ تم سو جاؤ۔ میں بھی سونے کی کوشش کرتی ہوں۔'' اسے دکھانے کو انہوں نے کروٹ بدل لی لیکن رات بھر ایک پل کو بھی انہوں نے جھپکی نہ لی۔ جانے کیا بے چینی تھی جو ایک لمحے کو بھی نیند ان کے قریب نہ آنے دے رہی تھی۔ صبح کاذب کا جھٹپٹا ہوا تو انہوں نے دونوں کو آواز دی۔

''ہادی...... نکی اٹھو بیٹا جلدی سے فجر کی نماز ادا کر لو پھر قضا ہو جائے گی۔'' دونوں ہی پہلی آواز پر اٹھ کھڑی ہوئیں اور ماہین کو بھی وضو کروایا۔ انہوں نے اشاروں سے نماز ادا کی۔

''مما جی...... ناشتے میں کیا لینا ہے بتائیں میں بنا لاؤں؟'' ہادیہ نے پوچھا تو انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''کچھ بھی نہیں ہادی...... کچھ بھی کھانے کو جی نہیں چاہ رہا بیٹا۔ تم میرے پاس آ کر بیٹھو ادھر......''

''ہادیہ کیا طاہر شکیل کا کوئی فون نمبر ہے تمہارے پاس؟''

''نہیں مما جی...... میرے پاس ان کا کوئی نمبر نہیں ہے۔ میری آج تک ان سے بات نہیں ہوئی۔'' ہادیہ نے نگاہیں جھکا کر کہا۔

''پتہ نہیں کیوں میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ مجھے کیوں ایسا لگتا ہے ہادی کہ کچھ بہت غلط ہونے والا ہے میرا بچہ...... میں جلد سے جلد رابطہ کرنا چاہتی ہوں طاہر کے والدین سے...... تم میری طرف سے ابھی خط لکھ کر پوسٹ کر دو ہادی...... ان سے کہو کہ وہ پہلی فرصت میں یہاں آ جائیں......'' ماہین کے لہجے میں محسوس کی جانے والی گھبراہٹ نے ہادیہ کو پریشان کر دیا۔

''مما جی...... آپ اس قدر ٹینشن نہیں لیں کچھ بھی نہیں ہو گا ان شاء اللہ۔ سب کچھ بہت اچھا ہو گا۔'' ہادیہ نے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی۔ لیکن ماہین کی نگاہیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں وہ شاید کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ ایک ماں کی بے چین روح تھی جو اذیت کا پل صراط آنے سے پہلے ہی مستقبل کی پیش بینی کر چکی تھی۔ وہ کس طرح حرف نظر کر سکتی تھیں جو کچھ پیش آنے والا تھا۔

''ہادی...... میرا بچہ، بہت غور سے میری بات سنو وارڈ روب کے اندرونی دراز میں اٹھائیس ہزار روپے رکھے ہیں، جو کمیٹی کے میں نے سنبھال رکھے تھے۔ کمیٹی کے رجسٹر میں سب حساب کتاب لکھے ہیں ہادی...... اور ایک بات نکی کا ہمیشہ بہت خیال رکھنا ہادی...... چھوٹی ہے لاپروا ہے مگر تم تو میرا سلجھا ہوا پیارا بچہ ہو ناں۔''

''مما جی آپ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں۔'' ہادیہ نے انتہائی الجھ کر ان کے پرسکوت چہرے کی طرف دیکھا۔ ماہین کی آنکھوں میں عجیب سی الوہی چمک آ ٹھہری تھی۔

''اپنی تائی امی کو بلا لاؤ ذرا......'' ماہین نے تکیے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔

''جی بہتر مما جی۔'' ہادی تیزی سے تائی امی کو بلا کر لے آئی۔

"بھائی...... بڑے بھیا سے کہیں ایک آخری تکلیف کرلیں۔ ایک بار ڈاکٹر کو بلا لائیں......" ماہین کے چہرے کی شکستہ مسکراہٹ نے تائی امی کے ہاتھ پاؤں سن کردیئے۔

بڑے بھیا ڈاکٹر کو بلا لائے۔ ماہین کے چیک اپ کرنے کے بعد ڈاکٹر کچھ دیر سر جھکائے بیٹھا رہا...... پھر نسخہ لکھ کر بڑے بھیا کے ہاتھ میں تھمادیا۔

"زیادہ پریشانی کی بات تو نہیں ہے ناں ڈاکٹر صاحب۔" بڑے بھیا نے پوچھا۔

"نہیں...... کوئی خاص مسئلہ نہیں ہے۔ آپ یہ دوائیں منگوالیں۔" ڈاکٹر اٹھ کھڑا ہوا۔ برآمدے سے نیچے اتر کر ڈیوڑھی کی طرف جاتے راستے میں منجھلے چچا اور بڑے چچا بھی ان کے ہمراہ ہوگئے۔

"دیکھیے...... میرے تجربے کی بنیاد پر میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ خاتون زندہ نہیں ہیں، آئی مین ان کی ہارٹ بیٹ کم سے کم دس گھنٹوں سے بند ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ آخر کون سی چیز ہے جو انہیں زندہ رہنے پر مجبور کیے ہوئے ہے۔ یہ اگر اب تک آپ کو زندہ دکھائی دے رہی ہیں تو یہ ان کی ول پاور ہے اور وائز شی از ایکسپائرڈ۔" ڈاکٹر کہہ کر دروازے سے باہر نکل گیا۔ منجھلے چچا اور بڑے چچا کے ساتھ ہونے والی ڈاکٹر کی یہ گفتگو بڑی امی نے بھی سن لی جو اسی وقت اپنے گھر سے ماہین کو دیکھنے کی خاطر آئی تھیں۔ تڑپتے دل پر ہاتھ رکھ کر بے یقینی سے انہوں نے برآمدے میں نیم دراز اس وجود کو دیکھا جو ہر ہر قدم پر ان کا دم ساز رہی تھیں۔ یہ ایک بیٹی نہیں تھیں، ان کی ہمراز ان کا درد بانٹنے والی، ان کی ہر پکار پر لبیک کہنے والی اور ہر قدم پر نگاہیں جھکا کر بنا سوال کیے چل پڑنے والی...... وہ ایک بے ضرر اور معصوم روح تھیں جو اس دنیا سے اذیتوں کے سوا کچھ نہ پاسکی تھیں، قدم قدم پر ہونے والی اپنی نفی پر بھی ہمت سے مسکرادینے والی ان کی بیٹی کچھ پل میں ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوجانے والی تھی، ان کی ہر ذمہ داری کو خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے اٹھانے والی ان کی بیٹی ذمہ داری کے دو پہاڑ ان کے کندھوں پر ڈال کر ایسے سفر پر جانے والی تھی جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ انہیں اپنا کلیجہ منہ کو آتا محسوس ہوا۔

"ہائے اللہ...... میرے مولا یہ کیسا امتحان لکھا تونے میرے نصیب میں...... میں یہ سب دیکھنے کو ہی زندہ ہوں کیا میرے مالک، میری بچی...... میری ماہین میں کس طرح تمہارے سامنے آؤں...... کیسے تمہاری بجھتی آنکھوں کو دیکھوں۔" کمرے کے فرش پر بیٹھی وہ اپنا سر پیٹتی کبھی سینے پر دوہتڑ رسید کرتیں بلک بلک کر فریاد کررہی تھیں، منجھلے چچا نے انیقہ کو بلالیا۔

"دیکھو انیقہ، توجہ اور غور سے میری بات سنو، تمہاری اماں مرنے والی ہے ایک گھنٹہ...... دو گھنٹے دھیان رکھنا کسی قسم کا ڈرامہ، تھیٹر لگانے کی ضرورت نہیں، ابھی وہ کہہ رہی ہے کہ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤ، ایمبولینس منگوائی ہے، تمہاری ماں کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتے ہیں آخری تسلی کے لیے، ورنہ ابھی ڈاکٹر کہہ گیا ہے کہ یہ زیادہ دیر نہیں جی پائے گی۔" لہجے کے ساتھ الفاظ بھی پتھروں کی طرح انیقہ کی سماعت سے ٹکرا کر اس کی روح تک کو زخمی کرگئے۔

"مما جی......" وجود کے اندر ہی ایک چیخ تڑپ کر معدوم ہوگئی۔ "آج تک ہر دکھ اور اذیت کو ہم تک پہنچنے سے آپ نے روکا ہے آپ ہمیں چھوڑ کر چلی جائیں گی تو ہمارا کیا ہوگا، کون ہمارا خیال کرے گا مما جی...... ایسا مت کریں ہمارے ساتھ......" انیقہ کی آنکھوں سے جھر جھر آنسو بہہ رہے تھے۔ ایمبولینس آگئی، ماہین کو اسٹریچر پر منتقل کیا گیا، بڑی چچی بھی ہمراہ ہوگئیں، انیقہ بھاگ کر کمرے میں گئی اور چادر اٹھالی۔

"میں نے بھی مما جی کے ساتھ جانا ہے۔"

"نہیں......" ماہین نے ہاتھ اٹھا کر ہادیہ اور انیقہ کو روک دیا۔ "میرے ساتھ بچیاں نہیں جائیں گی۔ تم لوگ گھر میں رہو۔" انیقہ اور ہادیہ برآمدے کے ستون سے لگی کھڑی بے بسی سے روتی رہ گئیں۔ ایمبولینس روانہ ہوگئی۔

پندرہ منٹ بعد ہی ماہین نے گاڑی روڈ پر رکوادی۔

"زاہدہ...... مجھے دو گھونٹ پانی دو۔" بڑی چچی نے دو گھونٹ جوس کے ماہین کے حلق میں ٹپکائے۔

"بس۔" ان کا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے ماہین نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔

"میں جانتی ہوں مجھے کہیں بھی لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے ڈاکٹر کی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

"تو پھر آپ نے ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضد کیوں کی بھابی۔" بڑی چچی نے حیرت سے ان کے زرد چہرے کی طرف دیکھا جس پر موت کی زردی کے ساتھ ساتھ بے چین ممتا کی تڑپ کی تحریر بھی واضح نظر آرہی تھی۔

"میں اپنی بچیوں کے سامنے مرنا نہیں چاہتی تھی زاہدہ...... ان کے چہروں کی طرف دیکھتی ہوں تو مرنا بہت مشکل لگتا ہے۔ میری بیٹیوں کا بہت خیال رکھنا......" ماہین کے لہجے کی التجا نے بڑی چچی کے دل کو جھنجوڑ ڈالا تھا۔

"اللہ آپ کو صحت دے ماہین بھابی...... ایسی باتیں مت کریں۔" لیکن اسی اثنا میں ان کے ہاتھ میں تھما ماہین کا ہاتھ بے جان ہوگیا اور ساتھ ہی وہ روشن آنکھیں بھی بند ہوگئیں جن میں کبھی کسی کے لیے غصہ اور نفرت نہیں آتی تھی۔ ہر پل ہر لحہ امید کی جوت جلتی تھی۔ اللہ کی اس اتنی بڑی سرزمین پر بکھرے ڈھیروں رشتوں پر محبت نچھاور کرنے والی ماہین آخر اپنا دامن سمیٹ کر اس جہان سے رخصت ہوگئیں۔ بڑے بھیا کا منہ سر پیٹنا' بیٹیوں کا بلک بلک کر رونا' ماں اور بہنوں کی فریاد' پردیس میں تڑپتے بھائیوں کے آنسو کوئی چیز بھی اب ان کو واپس نہیں لاسکتی تھی۔ وہ بے نیاز ہوچکی تھیں ہر درد' ہر غم' ہر رشتے کی محبت اور ہر محبت کے بدلے ملنے والی ٹھوکر سے......!

❀......❀......❀

حیرت سی حیرت تھی محبت اور ممتا کا بیش بہا خزانہ منوں مٹی تلے دفن کرکے بھی وہ زندہ تھیں...... جس چہرے کو دیکھے بنا زندگی کا تصور بھی بے معنی لگتا تھا' کس طرح ملک الموت ایک جھٹکے میں ان کے ہاتھوں سے وہ ہاتھ چھڑا کر لے گیا تھا۔ آج کا دن جب طلوع ہوا تھا تو ماہین کی الوہی چمک والی پیاری آنکھیں اپنی پوری آب وتاب سے زندگی کے رنگوں میں ڈھلی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں اور دن ڈھلنے کے ساتھ ہی وہ خوب صورت آنکھیں بند ہوگئیں اور پھر مٹی تلے جا سوئیں۔ بڑے چچا کیٹرنگ والوں سے کھانے کی پکی پکائی دیگیں اٹھالائے۔ دور نزدیک کے تمام رشتے دار گھر میں جمع تھے' منجھلی چچی نے چاولوں کی پلیٹ سے نوالہ اٹھا کر ہادیہ کے منہ میں ڈالنے کی کوشش کی۔

"نہیں شاہ گل...... حلق سے نہیں اترے گا۔" ہادیہ نے ان کا ہاتھ پرے کیا حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا پھنس گیا۔

"دیکھو ہادی...... تمہارے بھوکا رہنے سے ماہین بھابی کو بہت تکلیف ہوگی اور یوں بھی جب تک تم نہیں کھاؤ گی تمام مہمان بھی اسی طرح بھوکے بیٹھے رہیں گے اور یہ اچھی بات نہیں ہے بیٹا' زیادہ نہیں بس دو نوالے کھالو......" ان کے اصرار پر دو نوالے ہادیہ نے زہر کی طرح آنکھیں موند کر نگل لیے۔ انیقہ بھی سکتے کی سی کیفیت میں تھی۔ ہادیہ نے اسے گلے لگایا تو جیسے ایک بار پھر آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا جو دونوں کو بہالے گیا۔ اس رات دونوں کی آنکھ ایک پل کو بھی نہ لگی۔ وہ محبت بھرا دامن بہت دور ہوچکا تھا جو ہر درد' ہر تکلیف میں فوراً وا ہوکر انہیں خود میں سمیٹ لیتا تھا۔ آج وہ بلک بلک کر رو رہی تھیں۔ رات بھر سو نہیں پائی تھیں' ماہین نہیں تھیں ناں جو آکر انہیں سلاتیں' اپنی گود میں سر رکھ کر ان کے بالوں میں انگلیاں پھیرتیں' انہیں ایک آنسو نہ بہانے دیتیں۔

صبح بڑے چچا نے شہباز کے بھیجے ہوئے دس ہزار کا حساب بل کی صورت میں ہادیہ کے سامنے رکھ دیا۔

"وہ دس ہزار جو گل نے ماہین کے علاج کے لیے بھیجے تھے۔ وہ میرے پاس تھے ناں تو انہی پیسوں سے ماہین کے کفن دفن کا سارا انتظام' مولوی کی ادائیگی قبر کی کھدائی اور رات کا کھانا ان تمام چیزوں کا انتظام کیا گیا ہے۔ یہ تین سو پچھتر روپے بچے ہیں اور بل پر ساری تفصیل درج ہے دیکھ لینا۔"

"ہائے میری ماں...... اپنے شوہر کے گھر کا کفن بھی تیرے نصیب میں نہیں تھا...... قربان ہوجاؤں میں تیری عاجزی' تیری بے سروسامانی اور اپنے گل سے تیری محبت کی انتہا پر......" ہادیہ ہاتھ میں پکڑے بل پر دھندلائی ہوئی نگاہیں جمائے بے آواز روتی چلی گئی۔

ایک ماہین کے جانے سے ایسا کیا ہوگیا تھا۔ ہر چہرہ اجنبی اجنبی سا دکھائی دینے لگا۔ کتنے دن گزر گئے تھے۔ لیکن ہادیہ کو وہ پل نہیں بھولتا تھا جب کسی قریبی رشتے دار نے کہا کہ بیٹیوں کو بلاؤ اپنی ماں کو غسل دیں تاکہ ان کے دل کو صبر آئے اور ہادیہ نے ماہین کے سر کے نیچے اپنے دونوں ہاتھ رکھے اس پل ماہین کی بند آنکھوں سے دو آنسو نکل کر کانوں کی لوؤں میں گم ہوگئے تھے۔ وہ آنسو ہادیہ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

کے کلیجے پر زخم ڈال گئے تھے۔ زندگی نے ماہین کو کچھ نہیں دیا تھا لیکن وہ ابھی جینا چاہتی تھیں۔ اس وقت تک جب تک وہ اپنی بیٹیوں کو عزت سے ان کے گھر کا نہ کر دیتیں۔ وہ جانتی تھیں ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد ان کی بچیوں کا کسی نے وارث نہیں بننا تھا' لیکن موت کے بے رحم پنجوں سے کون بچ سکتا ہے' زندگی جتنی لکھی تھی وہ گزر چکی تھی اور محض اکتالیس سال کی عمر میں ہی وہ حالات کی دی ہوئی اذیتوں کے آگے اپنی جان ہار گئی تھیں۔ اپنے ڈھیروں ارمان اپنے دل میں ہی لیے وہ اس جہان فانی سے رخصت ہو گئی تھیں اور ایک کڑی تمازت میں اپنی پیاری بیٹیوں کو جلنے کے لیے تنہا چھوڑ گئی تھیں۔ جن بیٹیوں پر وہ کبھی غم کا ہلکا سا سایہ بھی نہیں پڑنے دیتی تھیں وقت ان بیٹیوں کے ساتھ کس حد تک بے رحمی کے ساتھ پیش آنے والا تھا کوئی نہیں جانتا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

وہ زخم ڈھونڈتا رہا ہنسی لیے لب پر
ہر اک سے پوچھتا پھرتا تھا کچھ کھو گئے نہیں
وہ داستاں جسے سنتے ہو روز ہنس ہنس کر
کبھی جو ہم سے سنو گے تو پھر ہنسو گے نہیں

تین دن ہو گئے تھے ممتا کا دامن ہاتھ سے چھوٹے اور ان تین دنوں میں کیا کیا نہ دیکھ لیا تھا ان دونوں نے......

زخم لگنا بھی اک قیامت ہے
دینے والے یہ درد کیا جانیں

باقر چچا نے ہادیہ کو کہا تھا۔

''میں نے ساٹھ ہزار تمہاری ماں کو دے دیا تھا۔ اب میرے پاس بقایا چالیس ہزار روپے ہیں۔ اس لیے پانچ ہزار روپے ماہانہ والی شرط بھی اب لاگو نہیں ہوگی۔ جب تمہیں چاہیے ہوں مجھے پندرہ بیس دن پہلے بتا دینا میں دے دوں گا۔'' اور ہادیہ حیرت سے ان کے منہ کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ اگر انہوں نے ماہین کو وہ پیسے دے دیئے تھے تو پھر ماہین نے ہادیہ سے اس کا تذکرہ کیوں نہیں کیا تھا۔ تمام چچیوں' ممانیوں کے زیورات ماہین کے ہاتھ میں تھے۔ وہ انہوں نے اپنی وفات سے ایک دن پہلے سب کو بھجوا دیے تھے جو امانتیں تھیں جس جس کی ادائیگی باقی تھی۔ ماہین نے ایک ایک پیسے کا ذکر کیا تھا اور ساٹھ ہزار معمولی رقم تو نہیں ہوتی' جب ایقہ کو پتہ چلا تو وہ زہر خند سے مسکرا دی۔

''میں پہلے سے جانتی تھی پیسہ ایمان سے بڑھ گیا ہے آج کل کے لوگوں کے لیے......ظاہری بات ہے اب مما جی دوبارہ تو دنیا میں آ کر نہیں کہہ سکتیں ناں کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ بس تم بھی خاموش ہو جاؤ۔ ابھی تو محض تین دن گزرے ہیں اور ان سب کی باتیں اور ان سب کے چہروں کے نقاب اترنے شروع ہو گئے ہیں آگے آگے دیکھتی جاؤ۔''

عارف علی کو سب نے بٹھا کر سمجھایا کہ پہلے تو ماہین تھی اس لیے کسی کو فکر نہیں ہوتی تھی اپنی بچیوں کی ہر طرح کی دیکھ بھال اور ذمہ داری وہ احسن طریقے سے نبھاتی رہی لیکن اب وہ جنت مکانی اس دنیا میں نہیں ہے تو تمہیں اس کے حصے کی ذمہ داریاں بھی اٹھانی ہوں گی۔ بیٹیوں کا اصل محافظ باپ ہوا کرتا ہے۔ اب کچھ ہوش کے ناخن لو یہ نشہ پانی چھوڑو اور گھر میں دلچسپی لو۔ خیر سے ایک بیٹی کا رشتہ طے ہو چکا ہے اور دوسری کا بھی ہو جائے گا پھر ان کی شادیوں کی فکر کرنا۔ سب کی باتوں کا لگتا تھا عارف علی کے ذہن پر کچھ کچھ اثر ہونے لگا تھا۔ کیونکہ روزانہ شام کو وہ ہادیہ اور ایقہ کے ساتھ گھنٹہ آدھا گھنٹہ بیٹھ کر بات چیت کرنے لگا تھا۔ سب گھر والوں کے لیے فی الحال یہ بھی غنیمت تھا۔

ہادیہ کے حوالے سے گھر میں طرح طرح کی باتیں ہو رہی تھیں کہ جانے ماہین نے کہاں اور کس کے ساتھ اس کا رشتہ طے کر دیا تھا۔ ابھی تک کھل کر کسی سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ بس چہ میگوئیاں ہی تھیں۔ ہادیہ نے تمام خطوط کے ساتھ ایک ڈائری جس میں وہ کبھی کبھی اپنے دل کی ہر بات لکھا کرتی تھی' طاہر شکیل کو پوسٹ کر دی' اسے خبر کر دی کہ وہ ہستی جس کے نزدیک اس کی خوشی کی اہمیت بے حد تھی وہ ہستی اب اس جہاں میں نہ رہی تھی اور شاید ان دونوں کا ساتھ بھی خدا کو منظور نہیں تھا۔ تبھی تو طاہر کے والدین ماہین کی زندگی میں ماہین سے نہ مل پائے تھے اور یہ رشتہ مناسب انداز میں سب کے سامنے نہ آ پایا تھا۔

طاہر شکیل کے لیے ماہین کی وفات کی خبر سوہان روح تھی اور ہادیہ کا ہتھیار ڈال دینا بھی......جس کے تصور سے

اس کی تنہائی آباد تھی جس کے الفاظ اس کے زخموں پر مرہم کا کام دیتے تھے وہ مسیحا وہ ہمدم وہ دمساز اس سے جدا ہوجائے اس کا تصور تو اس کے ذہن کے کسی گوشے میں بھی نہ آیا تھا۔

ماہین کے چالیسویں کے دن طاہر شکیل کے والدین ہادیہ کے ہاں پہنچ گئے۔ بے حد سادہ اور کسی حد تک غربت کی منہ بولتی تصویر تھے وہ۔ بزرگ سے بابا اور بے حد سادہ مزاج امی جان۔ ہادیہ کے گھرانے کے مادیت پرست لوگوں میں سے کسی کے معیار پر پوری نہ اتریں اور اتر بھی کیسے سکتی تھیں ان کے پاس بیش قیمت لباس تھا نہ زیورات...... ہادیہ اور انیقہ کے لیے وہ دونوں بے حد مہربان اور سچے انسان تھے۔ ایسے انسان جو ملمع کاری نہیں کرتے' جو اپنی اصل نہیں چھپاتے' تمام مہمانوں کے چلے جانے کے بعد ہادیہ اور انیقہ امی' بابا کے پاس کافی دیر تک بیٹھی رہیں۔

''ہم سمجھتے تھے آپ خاصی بڑی لگتی ہوں گی۔ مگر آپ تو گڑیا سی ہیں' طاہر کے ساتھ آپ کی جوڑی بہت خوب لگے گی۔'' بابا کے مخصوص دھیمے مگر دبنگ لہجے میں کی گئی بات نے ہادیہ کو شرم سے سمٹنے پر مجبور کردیا۔

شام میں بڑی امی نے دونوں کو اپنے گھر دعوت پر بلایا...... شہباز بھی ان دنوں پاکستان میں ہی تھا۔ بڑی امی نے ایک دن کی مہمان نوازی میں خوب آؤ بھگت کی لیکن صرف ایک مہمان کی حیثیت سے...... ان کے ہر ہر انداز سے یہ پتہ چلتا تھا کہ ہادیہ کے لیے وہ اس رشتے کو مناسب خیال نہیں کرتیں...... طاہر شکیل جسے ہادیہ ایک رائٹر کی حیثیت سے خاصا بڑا تصور کررہی تھی وہ عمر میں ہادیہ سے تین سال چھوٹا کالج کا اسٹوڈنٹ دکھائی دینے والا ایک نوعمر خوش شکل نوجوان تھا۔ محض عمر کا فرق ہی نہیں تھا اسٹیٹس کی بھی ایک خلیج حائل تھی ان دونوں کے درمیان جو ہادیہ اور طاہر کو محبت کی آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتی تھی لیکن ہادیہ کا سارا گھرانا اس حوالے سے بے حد پوزیسو تھا' بڑی امی اور شہباز جنہوں نے خود غربت کا ایک طویل دور دیکھا تھا۔ اب خوش حال اور آسودہ ہوجانے کے بعد جیسے غربت ان کے لیے ایک عظیم جرم تھی۔ اگلے دن بابا اور امی رخصت ہوگئے انہیں کسی قسم کا کوئی امید افزا جواب نہیں دیا

اگر یاد ہو تو...

تم نے کہا تھا!
تم ہی نے تو کہا تھا!
کہ اداسی اچھی نہیں ہوتی
تم اداس اچھی نہیں لگتی
تمہاری خوشی کی خاطر
میں نے اداسی کو چھپا رکھا
مسکراہٹ کو چہرے پہ سجا رکھا
ازل تا ابد میں اکیلی تھی
اداسی تو میری سہیلی تھی
بس وہی تو میری سہیلی تھی
سہیلی تو ہمدرد ہوا کرتی ہے
بس وہی تو دعا کیا کرتی ہے
بس اک تمہاری خاطر
اسکو چھپانا پڑا مجھے
دل کو بہلانا پڑا مجھے
سہیلی کو بھلانا پڑا مجھے
ہاں بس تیری ہی خاطر
لیکن
آج تو نے ہی
نوازش کرڈالی
میری سہیلی
مجھ کو ہی ملواڈالی
اب میں خوش ہوں
اور بہت خوش ہوں
کیونکہ تم نے کہا تھا
تم ہی نے تو کہا تھا!!!!!

شاعرہ: سعدیہ سعید

گیا۔ امی نے رخصت ہوتے سے ہادیہ کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر ماتھے پر پیار کیا اور کہا۔

''یہ چاند صرف اور صرف ہمارے آنگن میں اترنے کے لیے بنا ہے۔''

بابا نے عارف علی سے بہت سادہ اور صاف الفاظ میں ہادیہ کے رشتے کی بات کی۔ عارف علی نے تسلی دی کہ میں خود لاہور آؤں گا اور سب معاملات میں خود دیکھوں گا۔

کسی بھی حوصلہ افزا جواب کے نہ ہونے کے باوجود بابا اور امی کی آنکھوں میں امید کی قندیلیں روشن تھیں۔ کیونکہ وہ ہادیہ کی سادگی اور سچائی کو اپنی جہاندیدہ نگاہوں سے پرکھ چکے تھے لیکن آنے والے حالات سراسر ان کی سوچوں کے مخالف تھے۔ بڑی امی نے ندرت پھپھو سے بالا ہی بالا ہادیہ کے لیے رشتہ دیکھنے کو کہا اور چند ہی دن میں ندرت سے بڑی بہن شمیمہ کے سسرال میں ایک اچھا رشتہ تلاش بھی کرلیا۔ ایک دن ندرت پھپھو ہادیہ انیقہ سے ملنے آئی ہوئی تھیں۔

”ہادی...... مجھے سچ سچ بتاؤ کہ تم کیا چاہتی ہو؟“

ندرت پھپھو بہت دوستانہ مزاج کی مالک تھیں ہادیہ اور انیقہ جب سے بڑی ہوئی تھیں یہ ان دونوں کی فیورٹ پھپھو تھیں۔

”پھپھو کیا میں جو کہوں گی وہ آپ مانیں گی؟“ ہادیہ نے گہری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

”کیوں نہیں مانوں گی۔ تم مجھے وہ بتاؤ جو تمہارا دل کہتا ہے۔“

”تو پھپھو میں چاہتی ہوں کہ جہاں میری مماجانی نے میرا نام جوڑا میرا رشتہ وہیں رہنے دیا جائے۔“

”لیکن ہادی...... ہم سب لوگ اب تک حیران ہیں کہ مینا باجی نے بنا دیکھے بھالے یہ رشتہ کیسے طے کردیا۔ وہ لوگ کسی بھی طرح ہم سے میل نہیں کھاتے۔ خود دیکھو اور سوچو بیٹا یہ ایک دو دن کی بات نہیں ہے پوری زندگی کا معاملہ ہے۔ ایک عزت دار عورت کے لیے شوہر ہی سب کچھ ہوا کرتا ہے۔ جہاں تمہارا رشتہ طے ہوا ہے وہ لڑکا تو ابھی بہت کم عمر ہے۔ دنیا کے معاملات اور ٹھوکروں سے بے نیاز ساری زندگی وہ خود کو تم سے چھوٹا سمجھ کر بس ناز ہی اٹھواتا رہے گا اور تم چاہے جیسے بھی حالات رہے ہوں، لیکن پھر بھی آسائشات میں پلی ہو کیا غربت میں گزارا کرسکو گی؟“

”پتہ نہیں پھپھو یہ تو وقت اور حالات ہی بتا سکتے ہیں میرا ذہن تو بس اتنا کہتا ہے کہ بے شک کچھ نہ ہو مگر احساس، محبت اور ذہنی ہم آہنگی ہو تو زندگی گزر جاتی ہے اگر دولت اور گھر بار سے زندگی میں خوشیاں آتیں تو ہماری ماں بھی امیر گھرانے میں بیاہی گئی تھی پھر اس نے ایک پل سکون کا سانس کیوں نہیں لیا۔ میں تو یہ سمجھتی ہوں پھپھو مماجی وقت سے پہلے دنیا سے چلی گئیں کیونکہ ابو نے زندگی کے کسی دور میں کسی مقام پر بھی انہیں اپنی زندگی کے ساتھی ہونے کا احساس نہیں دلایا تھا۔ ابو کی بے حسی، بے نیازی اور نظر اندازی نے ہماری ماں کو اس حال میں پہنچادیا کہ وہ وقت سے پہلے دنیا سے منہ موڑ گئیں۔“ ہادیہ کے حلق میں آنسوؤں کی کڑواہٹ گھل گئی۔ ندرت پھپھو خاموش نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھتی رہیں۔ ہادیہ کیا چاہتی تھی وہ ان پر واضح ہو چکا تھا۔ لیکن اس شام ہادیہ کے دل کے اندر درد کی ایک لہر ابھر کر معدوم ہوگئی جب شام کو سب گھر والے اسے مہندی لگانے کے بہانے ان کے پورشن میں چلے آئے اور اس پر کھلا کہ آنے والے دن کو اس کی منگنی طے پاگئی ہے، اس نے شاکی نظروں سے ندرت پھپھو کی طرف دیکھا، جنہوں نے اس کی طرف سے نگاہیں چرالیں۔ اس کا دل ایک دم بدگمان سا ہوگیا۔

”کیا یہ سب اس نے اپنی ماں سے کہا ہوتا تو وہ اس کے دل کی بات کو اس کے محسوسات کو اس طرح نظر انداز کرکے اپنی مرضی اس پر ٹھونستیں...... کبھی بھی نہیں...... وہ ایسا کبھی بھی نہیں کرتیں کیونکہ ان کے نزدیک اپنی بیٹیوں کی خوشی سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں تھا اور آج جب ان کی آنکھیں بند ہوگئی تھیں تو کسی کو بھی ان دونوں کا احساس رہا تھا نہ خیال۔ سب کے ذہن میں اسٹیٹس اور نمود و نمائش کی اہمیت تھی ان دونوں کی خوشی کا خیال نہیں تھا۔ ہادیہ کے حلق میں بدگمانی کی کڑواہٹ گھلنے لگی۔ اندر ہی اندر ایک بے چینی ایک اذیت تھی جو اسے کھائے جارہی تھی لیکن بظاہر وہ خاموش تھی۔ اگلے دن مہمان آئے اور اسے انگوٹھی پہنا کر چلے گئے۔ اسی شام باباجی طاہر شکیل کا خط بھی اسے دے گئے تھے۔ خط کے الفاظ نے اس کی بے چینی کو مزید سوا کردیا تھا۔ کیونکہ طاہر شکیل یہیں اسی شہر میں تھا اور اس سے ملنے کا طلب گار بھی۔ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ کیا طاہر کو ملنے سے منع کردے جو کئی گھنٹوں کا طویل سفر طے کرکے محض اسے دیکھنے اس سے ملنے آیا تھا۔ اور دل کے

اندر کہیں ہمکتی ہوئی آرزو بھی تھی کہ وہ شخص جس کے ہمراہ سال بھر وہ خوب صورت الفاظ کی جنت میں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے گھومتی رہی ہے اسے ایک نظر دیکھ تو لے اور دوسری طرف یہ احساس کہ اس کے ہاتھ میں زبردستی باندھا گیا ایک رشتہ انگوٹھی کی صورت میں موجود ہے۔ رات گئے تک ایک کشمکش دل و دماغ میں جاری رہی اور آخر کار دل کی جیت ہوئی۔ اگلے دن اسکول سے ہاف لیو لے کر وہ طاہر سے ملنے چلی گئی۔

پہلی بار ایک دوسرے کو دیکھا تھا انہوں نے......

ذہین آنکھوں میں شوق کا ایک جہاں آباد کیے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ سجائے طاہر مسلسل ہادیہ کے چہرے کو اپنی نگاہوں میں جذب کررہا تھا اور ہادیہ...... اونچے لمبے وجیہہ سے طاہر کو دیکھ کر حیران سی تھی۔ اس کی ہمراہی میں چلتے ہوئے اس نے خود کو بے حد پُراعتماد اور محفوظ تصور کیا تھا۔ نپے تلے قدموں کے ہمراہ پُرمتانت چال والا طاہر شکیل باتیں کرنے میں بھی بے مثال تھا۔ محض ایک یا دو گھنٹے کی ملاقات نے جیسے ہادیہ کو اس کے سحر میں گرفتار کردیا تھا۔

"میری منگنی ہوچکی ہے۔" نگاہیں جھکا کر ہادیہ نے اپنا انگوٹھی والا ہاتھ اس کے سامنے کیا تو طاہر نے خاموش سنجیدہ نظروں سے اس کو دیکھا۔

"میرا یقین ہے کہ ہمارا رشتہ اس قدر کمزور نہیں ہے جو محض کسی کے انگوٹھی پہنا دینے سے ٹوٹ جائے گا...... ایسے کیسے کوئی اجنبی صرف ایک انگوٹھی پہنا کر آپ کو مجھ سے دور کرسکتا ہے۔"

"میری فیملی والے کبھی بھی آپ کے حوالے سے نہیں مانیں گے۔"

"وجہ پوچھ سکتا ہوں......؟"

"سب کا خیال ہے کہ آپ اسٹیٹس کے اعتبار سے ہم سے میل نہیں کھاتے۔"

"کیا آپ نے مجھ سے محبت کرنے سے پہلے سوچا تھا اس بارے میں۔"

"نہیں......"

"اگر آپ کو یاد ہو تو میں نے اپنے اکثر ابتدائی خطوط میں اپنی سفید پوشی کا تذکرہ کیا تھا۔ جسے آپ نے درخود اعتنا نہیں جانا۔"

"مجھے یاد ہے اور میں نے یہ تو نہیں کہا کہ مجھے کسی قسم کا اعتراض ہے میرے نزدیک ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں، یہ آپ جانتے ہیں۔" ہادیہ نے کہا۔

"تو پھر یہی بات آپ کو اپنے خاندان والوں کو بھی سمجھانی چاہیے تھی ناں......" طاہر شکیل نے سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میں نے اپنی پھپھو سے تفصیل سے بات کی تھی لیکن انہوں نے میری کسی بھی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ الٹا اتنی جلدی میں میرا رشتہ طے کردیا۔"

"اب آپ کیا چاہتی ہیں...... اگر آپ کہتی ہیں تو میں ابھی آپ کے ہمراہ چل کر آپ کے والد اور چچاؤں سے بات کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"نہیں...... نہیں ایسا سوچیے گا بھی مت...... زندہ زمین میں گاڑ دیں گے وہ مجھے۔" ہادیہ لرز گئی۔

"میرے ہوتے ایسا تو ممکن نہیں ہاں یہ ضرور ہوگا کہ آپ کے دامن پر داغ لگنے کا خدشہ ہے اور ایسا جان بوجھ کر تو میں کبھی بھی نہیں ہونے دے سکتا۔ اس لیے جیسا آپ کہیں گی ویسا ہی ہوگا۔ بس اس انگوٹھی کو اہمیت دینے کو میں کبھی تیار نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس رشتے کی میری نظر میں کوئی وقعت نہیں۔ رشتہ وہی پائیدار ہوتا ہے جسے دل سے تسلیم کیا جائے اور محترم بھی......" ایک ایک لفظ میں محبت، احساس، اپنائیت کا ایسا رنگ رچا ہوا تھا کہ ہادیہ کے ذہن پر چھائی مایوسی کی کہر چھٹ گئی۔ آگے کا راستہ طویل تر تھا مگر دور دور تک صاف ستھرا دکھائی دے رہا تھا اور اس راستے میں اس کی ہمراہی میں طاہر شکیل تھا اور بس......!

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

بات چیت

حرا قریشی

اللہ ہی سمجھے عبدالقدیر صاحب کو..... ناول چاہیے تو پکار بیگم کی۔ آفس جارہے ہیں موصوف اعلیٰ پالش شدہ جوتے درکار تو پکار بیگم کی...... اللہ اللہ کرکے جو شام کا کھانا کھایا۔ اب چائے درکار تو پکار بیگم کی اچانک بارش ہوگئی' پکوڑوں کی طلب تو پکار بیگم کی' ضروری فائلز' اسائمنٹ ریکارڈ چاہیے تو پکار بیگم کی' شیو کرنی ہے تو شیو کیٹ بیگم لائے گی۔ مبادا وہ گھنٹہ شیشے کے سامنے کھڑے ہوکر وقت گزار دیں گے۔ ٹائی نہیں مل رہی بیگم میرا نظر کا چشمہ کہاں ہے رات یہیں الماری کے پاس دھری میز کے پاس تو رکھا تھا۔ اففففف...... میرا بریف کیس۔ ضرور بیگم صاحبہ صفائی کے چکر میں آپ نے ادھر ادھر کرکے جگہ بدل دی ہوگی۔ میرا ہیر برش بھی غائب ہے۔ واپسی پہ ضرور لاؤں گا آپ کے لیے گجرے ایسے کئی فقرے دن یا شب کے کسی بھی پہر آپ کو قدیر ولا سے سنائی دیں گے گویا بھلکڑ عبدالقدیر صاحب اپنی نصف بہتر کو ہر شے کے لیے آگے پیچھے پھرانا فرض سمجھتے ہیں۔

ارے وہ بھی تو شوہر ہوتے ہیں کہ اگر بیگم واشنگ مشین لگائے تو نہ صرف کپڑے نچوڑ کر تاروں پر پھیلا دیتے ہیں بلکہ سوکھ جانے پر تہہ لگا کر الماری میں مقررہ جگہوں پر بھی رکھ دیتے ہیں اور وہ شوہر تو مجھے ہر دلعزیز ہیں جو سبزی بنوا دیتے ہیں ساتھ کچن میں ڈھیروں ڈھیر برتن بھی دھلوا دیتے ہیں۔ ان شوہر حضرات کی تو میں دل سے گرویدہ ہوں جو روز شام ڈھلنے سے پہلے آفس سے واپسی سے کچھ دیر پہلے فون کرکے یہ کہتے ہیں۔

"بیگم آج کچھ نہ پکانا' شام پانچ بجے تک تیار رہنا' رات کا کھانا باہر کھائیں گے اور ہاں تمہاری پسند کی وہ آئس کریم بھی ہوگی جو تمہیں اس وقت بھی عزیز ہوجاتی ہے جب شوہر کے علاوہ بھی کوئی اور کھلانے پر مصر ہوجائے۔"

اگر شوہر شیف بن جائے تو موجاں ہی موجاں۔ بروقت مہمانوں کے آنے پر بھی ہر شے آپ کے سامنے فوری تیار' آپ خوش اور مہمان بہت خوش۔ حق ہا...... ایسی کوئی قسم۔

"داڑھی میجر......" (عبدالقدیر صاحب کو یہ لقب عنایت کرتی جب بہت غصہ آتا) میں نہیں جو ان خاص الخاص شوہر حضرات میں پائی جاتی ہے۔ بھئی آخر کو داڑھی میجر جو ہوئے اور مجھ سے بڑے بھی پھر وہ جو بچپن میں بھی بڑوں کی ہر بات پر سر جھکاتا آیا ہو۔ جس نے احباب من کی کوئی بات کبھی نہ ٹالی ہو۔ وہ شوہر نامدار کی حکم عدولی کیسے اور کیونکر کرسکتی ہے؟ آپ ہی بتائیں بھلا...... بے شک پانی کا بھرا جگ بستر کے پاس رکھا ہو۔ لیپ ٹاپ پر مودب بنے سر جھکائے کی بورڈ پر ٹھکا ٹھک ٹائپ کرتے عبدالقدیر صاحب کو جب پیاس محسوس ہوگی چاہے دیوار پر ایستادہ کلاک رات کے ایک بجے کا عندیہ دے رہا ہو۔ وہ پاس موجود محو خواب بیگم کو جھنجھوڑ ڈالیں گے اور کہیں گے۔

"بیگم...... ایک گلاس پانی۔" پانی سے خشک حلق تر کرنے کے بعد ایسے معصوم بن کر کام میں مگن ہوجائیں گے کہ بیگم اب سوجاؤ' تمہارا کام ختم۔" گویا وہ بھولا بادشاہ جو چوری کرے تو ایسے یقین سے جھوٹ بولے کہ سامنے والے کے پاس اس کی بات ماننے کے علاوہ اور کوئی اضافی آپشن درکار نہ ہو۔ بہر حال جیسے بھی ہیں' ہیں تو میرے اور صرف میرے داڑھی میجر۔

دسمبر کی جب آمد ہوتی' اس وقت تو گویا داڑھی میجر اپنے جامے سے ہی باہر آجاتے' ہر آدھے گھنٹے بعد چائے کی پکار' اتنا ہی نہیں جب بھاپ اڑاتی چائے بروقت درکار ہوجاتی تو اس کو بھول جاتے اور بیس منٹ کے بعد پھر بیگم کی پکار کچھ یوں ہوتی۔

"لو...... بھلی مانس چائے پھر بھول گیا۔ ذرا گرم کرکے لے آئیں۔" اور بیگم صاحبہ تو جیسے پیدا ہی عبدالقدیر صاحب کی خدمت کے لیے ہوئی ہوں۔

دسمبر سے تو اس وقت سے مجھے شدید دشمنی ہوگئی جب دسمبر کی ایک سحر داڑھی میجر اٹھے' اپنے کپڑے پریس کیے۔ ٹائی کی ناٹ خود ٹائٹ کی۔ بریف کیس خود سیٹ کیا۔ دیر تک فائلز ڈھونڈتے سارے کمرے میں کاغذات اور کتابوں کو پھیلا دیا مگر میری جانب نہ دیکھا' گویا ایک غلط نگاہ ڈال بھی لی تو گناہ کبیرہ کر بیٹھیں گے۔ جو کچھ لمحے بھوک کے معاملے میں صبر نہ کرسکتا ہو آج اس داڑھی میجر نے ناشتہ بھی نہ کیا تھا۔ میرا دل اب بھی نہ ہولتا تو پھر کب...... حضرت کے استری کرنے کے باوجود کپڑے نمایاں سلوٹوں کا بھرپور منظر پیش کررہے تھے۔ دسمبر کی یخ بستگی عروج پر تھی۔ سارے گھر کا سسٹم جنجال پورہ دکھائی دے رہا تھا۔ میرا نہیں خیال تھا میرا ذرا سا انکار ان کی انا پر کاری ضرب کی مانند لگے گا ہوا کچھ یوں تھا کہ رات کام میں منہمک داڑھی میجر نے میرا کاندھا ہلایا اور حسب معمول چائے کی فرمائش کی' جانے

کتنا غصہ اندر ہی اندر بھرا پڑا تھا۔ یک دم ابلتے دودھ کی طرح باہر آ گیا...... چونکہ دسمبر کی ٹھنڈ میرے قلبِ ناتواں کے ایک ایک جوڑ کو ہلا دیتی تھی اور اس سرد ماہ کی خصوصی نوازش جو شدید نزلے زکام اور کھانسی کی صورت میں مثل ابرِ باراں گرجتے برستے بادلوں کی صورت مجھ پر نازل ہوتی تھی۔ وہ بیان سے باہر ہے...... دل و دماغ غصے کے رحم و کرم پر تھے سو جب داڑھی میجر بولے کہ۔

"بیگم...... ایک چائے کی پیالی کی درخواست ہے۔" میں نے جھٹ سے کہہ دیا۔

"آج آپ خود پکالیں کچن میں جا کر چائے میری طبیعت بہت ناساز ہے۔" اور چادر تان دوبارہ سوگئی۔ اس وقت بس ایک لفظ "شا" کے علاوہ انہوں نے کچھ نہ کہا اور خاموش رہے' کسی جوابی ردِعمل کا بطور خاص مظاہرہ نہ کیا۔ میں نے بھی بذاتِ خود فرض کرلیا کہ "کچھ نہیں ہوا۔" داڑھی میجر خفا نہیں ہوئے بلکہ معاملے کی نزاکت کو سمجھتے خاموشی کی چادر اوڑھ کر پھر سے ادھورے کام کو پورا کرنے کی مد میں مگن ہوگئے ہیں۔ خیال رہے ہماری زندگی کے گزشتہ برسوں میں ایسا پہلی دفعہ ہوا تھا کہ عبدالقدیر صاحب شدید ناراض ہوگئے تھے یہی وجہ تھی کہ میں نے دسمبر کو خوب لعن طعن کرکے کئی باتیں سنا ڈالی تھیں کہ عبدالقدیر صاحب تو پل بھر میں اجنبی بن گئے تھے۔

"آہا...... یاد آیا آج دسمبر کی تیس تاریخ ہے۔ اوہ یس...... آج تو داڑھی میجر کے عزیز از جان دوست محبوب کی ویڈنگ اینی ورسری ہے جو ہمارے میاں صاحب کبھی مس نہیں کرتے تھے اور محبوب صاحب تو بھابی شاہینہ (یعنی کہ میں) کے بغیر اپنی اینی ورسری سیلیبریٹ کبھی نہیں کریں گے۔ پھر تو ماننا ہی پڑے گا داڑھی میجر کو...... ایک مسحور کن مسکراہٹ نے میرے لبوں کے گرد احاطہ کیا تھا۔ آخر کار وہ وقت بھی آ گیا جب داڑھی میجر کی آفس سے واپسی ہوئی تھی۔ میں تو بروقت تیار ہوگئی اور کمال یہ ہوا کہ داڑھی میجر بھی الرٹ تھے۔ بڑی سج دھج کے ساتھ تیار بھی تھے۔ میری جانب ذرا کی ذرا نظر گھمائی۔ اپنی قیمتی کار کے کھلے دروازے کی جانب اشارہ کیا اور خود فی الفور کار کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ سارا راستہ خاموشی سے گزرا۔ ناراضگی موصوف کی ہنوز قائم رہی میں نے بھی نہیں منایا' نہ ہی بات کرنے کی کوشش کی کہ وہاں پہنچ کر محبوب کو جواب دیتے پھریں گے مگر یہ کیا داڑھی میجر اس قدر ہوشیار ہوں گے مجھے اندازہ نہ تھا' مجھے دسمبر کے اس خاص دن کو معلوم ہوا۔ وہ تو اس طرح خوش اسلوبی سے لوگوں سے حال احوال لیتے رہے کہ جیسے ہمارے درمیان کچھ ہوا ہی نا ہو۔ جب دل چاہتا میرا ہاتھ پکڑ کر تعارف کروا دیتے اور جب موڈ ہوتا انتہائی غیر محسوس انداز میں ہاتھ چھوڑ دیتے۔ فنکشن اختتام کو پہنچا اور ہم جیسے ہی واپس گھر پہنچے تو داڑھی میجر ویسے ہی شدید خفا کہ بات کرنے تک کے روادار نہیں۔ داڑھی میجر خاموشی سے اور انتہائی تیزی سے اپنی قیمتی کار کو گیراج میں لے گئے نیچے اتر کر اسے لاک کیا باہر آئے خفگی بدرجہ اتم تھی۔ گیراج کا گیٹ مقفل کرنے کے بعد بنا پیچھے دیکھے سونے کے لیے تشریف لے گئے...... نصف شب حضرت کی آنکھ کھلی تو دیکھا بیڈ خالی' پہلا خیال یہی آیا کہ بیگم صاحبہ سب چھوڑ چھاڑ فرار ہوگئیں ہیں۔ گیراج میں گئے یہ دیکھنے کی خاطر کہ کہیں "شا" قیمتی کار بھی ساتھ تو نہیں لے گئیں۔ سو عبدالقدیر صاحب نے گیراج کی بتیاں روشن کیں تو یہ دیکھ انگشت بدنداں رہ گئے کہ کار لاک تھی اور اندر میں یعنی مسز عبدالقدیر "داڑھی میجر کی شا" گٹھڑی بنی پڑی تھیں۔ موصوف نے بہ عجلت کار کا دروازہ کھولا اور ملامت سے بولے۔

"تم نے چلا کر بتا دیا ہوتا کہ میں تمہیں بند کیے جارہا ہوں۔" پشیمان سے داڑھی میجر کچھ اور بھی معصوم لگ رہے تھے۔ میں نے بھی برجستہ جواب دیا۔

"کیسے چلاتی؟ آپس میں ہماری 'بات چیت' جو بند تھی۔" عبدالقدیر صاحب مسکرا دیئے اور دسمبر کا یہ یخ بستہ دن اپنے لیے میرے دل میں نفرتوں کی بجائے محبتوں کا در وا کرگیا۔ مجھے واثق یقین تھا کہ آئندہ آنے والے پانچ سال بھی داڑھی میجر کو مجھ سے ناراض نہیں ہونے دیں گے۔ شکریہ دسمبر...... خوش آمدید سالِ نو۔

چلو زیست کو سمجھتے ہیں

حنا اشرف

"پروردگار میری مدد فرما' مجھے ذلت سے بچا۔ یہ میری زندگی کی پہلی اور آخری غلطی ہے۔" اس کی بدقسمتی اسے اس دوراہے پر لاکھڑا کرے گی یہ تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔ جتنی بھی قرآنی آیات اسے زبانی یاد تھیں وہ ان کا ورد کررہی تھی۔

یہ ایک چھوٹا سا اسٹور روم تھا' جسے اندر سے لاک کیے وہ چھپی بیٹھی تھی۔ گھٹنوں میں سر دیئے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے وہ پھر سے رو دی تھی' باہر سے قدموں کی چاپ صاف سنائی دے رہی تھی وہ شدت سے دعا مانگنے لگی کہ اس طرف کوئی نہ آئے مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے بھلا۔ قدموں کی چاپ باہر دروازے کے پاس آکر رک گئی' کھٹکا سا ہوا' جیسے باہر سے دروازہ کھولنے کی کوشش کی گئی ہو۔ تزمین کا سانس ایک لمحے کو جیسے رک سا گیا۔

"سر...... ڈور اندر سے لاک ہے' اسے بھی ایک بار چیک کرلینا چاہیے۔"

"اوکے میں دیکھتا ہوں' آپ اس طرف آجائیں۔"

ایس پی شازب نے لیڈی کانسٹیبل کو اشارہ سے دوسری سمت جانے کو کہا۔ اس نے دروازے کو زور سے دھکا دیا' اندر ٹیک لگائے بیٹھی تزمین ڈر کر کھڑی ہوئی اسے اپنی موت قریب کھڑی دکھائی دی۔

نظروں کے سامنے مما اور پاپا کے چہرے دکھائی دینے لگے' کچھ دیر بعد اس کی وجہ سے ان کی عزت کا جنازہ نکلنے والا تھا۔ وہ ذلت کے گڑھے میں گرنے والی تھی۔ ایس پی شازب نے اپنی گن دوسرے ہاتھ میں منتقل کی اور بھرپور قوت سے کندھے کو زور سے دروازے کے ساتھ ٹکرایا اور اگلے ہی لمحے وہ پرانا سا لاک کھل چکا تھا۔

اسٹور کاٹھ کباڑ سے بھرا ہوا تھا اور سامنے آنکھیں بند کیے تھر تھر کانپتی لڑکی کو دیکھ کر وہ حیران ہوا' اگلے ہی لمحے جیسے وہ ہوش میں آیا تھا اور بھرپور قوت سے کھینچ کر تھپڑ اس نے تزمین کے چہرے پر مارا' جو لہرا کر نیچے گر پڑی۔ پہلے تو اسے سمجھ ہی نہ آئی کیا ہوا ہے' ہوش ٹھکانے پر آئے تو اس نے سنسناتے گال پر ہاتھ رکھا' سامنے شازب کو پولیس یونیفارم میں دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئی' نہ زمین پھٹی تھی نہ آسمان مگر وہ جیتے جی مر گئی تھی۔

***

پاکٹ سے سیل فون نکال کر اس نے نمبر پریس کیے۔

"ہاں فضیل فوراً دائیں طرف والی راہداری کے قریب پہنچو۔" جس طرح کے حالات اور گھمبیر تھی وہ ایک لمحے کی بھی مزید تاخیر نہیں کرسکتا تھا۔ سیل کو واپس پاکٹ میں ڈال کر وہ نیچے گری تزمین کی طرف متوجہ ہوا۔ قدم آگے بڑھا کر اسے بازو سے دبوچ کر جھٹکے سے اپنے سامنے کھڑا کیا۔

"دل تو چاہ رہا ہے یہیں کھڑے کھڑے تمہیں شوٹ کردوں مگر پھر پھوپو کا خیال آتا ہے۔ تم جیسی بیٹیاں تو اللہ دشمن کو بھی نہ دے۔" نفرت زدہ لہجہ اسے لہولہان کرگیا تھا۔

"فی الحال تو یہاں کے معاملے کو کنٹرول میں لانا ہے تمہاری سزا بعد میں تجویز کروں گا۔"

"شازب...... کیا ہوا؟" اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا' فضیل تیزی سے اس کے قریب آیا اور سامنے روتی بلکتی تزمین کو دیکھ کر ہکابکا رہ گیا۔

"یہ یہاں کیسے؟" وہ حیرت سے کبھی شازب تو کبھی تزمین کو دیکھتا۔

"فضیل...... اسے میرے فلیٹ پر چھوڑ کر آؤ' باہر سے اچھی طرح لاک لگا دینا۔ میں یہاں سب دیکھ لوں گا' تم سے رابطے میں رہوں گا۔" کی چین فضیل کے حوالے

کرتے قہر بھری نگاہ تزمین پر ڈالتا وہ باہر نکل گیا۔

"مسٹر پلیز باہر آئیں۔ اس سے پہلے کہ کوئی اور یہاں آجائے۔" فضیل آہستگی سے بولا تو وہ اچھی طرح چہرے کو دوپٹے میں چھپاتی اس کے پیچھے چل دی۔ سارا راستہ خاموشی سے گزرا فضیل ڈرائیونگ کرتا رہا جبکہ ایک پل کو بھی اس کے آنسو نہ تھمے تھے اسے شازیب کے فلیٹ پر چھوڑ کر وہ واپس اپنی ڈیوٹی پر چلا آیا تھا۔

❁......❁......❁

"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا وہ سمجھتا کیا ہے آخر خود کو؟ کس کے بل بوتے پر وہ ہمیں ہراساں کرنے کی کوششوں میں ہے۔" دائیں سے بائیں چکر کاٹتا وہ بھرا ہوا تھا جبکہ مرینہ بھی پریشان حال صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

"ہمیں اس وقت تزمین کو ساتھ لانا چاہیے تھا جس طرح کی صورت حال درپیش تھی وہ ہمارے ساتھ آنے کے لیے رضامند بھی ہوجاتی۔" اس نے رک کر مرینہ کو دیکھا۔

"نہیں ارمان...... اسے وہیں چھوڑ دینا ہی بہتر تھا اگر وہ ہمارے ساتھ آتی تو ہمیں بھی مشکل میں ڈال سکتی تھی۔ شکر کرو ہم خیریت سے وہاں سے نکل آئے اگر پولیس کے ہاتھوں پکڑے جاتے تو وہاں سے نکلنا ناممکن تھا۔"

"ایک بات تو قابل غور ہے ارمان...... ہماری وہاں موجودگی کا پولیس کو کیسے معلوم ہوا' کہیں شازب کو ہم پر شک تو نہیں ہوگیا کہ ہم تزمین کے ذریعے اسے بلیک میل کرنا چاہ رہے ہیں۔" مرینہ کا انداز پرسوچ تھا' ارمان نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے یہ سب افق کا کیا دھرا لگ رہا ہے وہ اسٹوپڈ جانتا تھا رمیز کی اور میری پارٹنرشپ کا۔ ہمارے ہر راز سے واقف تھا وہ' کافی دنوں سے رمیز کی اور اس کی کسی سلسلے میں لڑائی چل رہی ہے۔"

"تمہیں انکل نے منع بھی کیا تھا' رمیز کا ساتھ دینے کو

مگر تم باز نہیں آئے ناں..... اب بھگت لو۔" ماتھے پر آیا پسینہ ٹشو سے صاف کرتی وہ بولی۔

"ٹیک اٹ ایزی..... تم پریشان نہیں ہو جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچنے دوں گا۔" اس نے مرینہ کا گال تھپک کر اسے دلاسہ دیا۔

"مرینہ پلیز ڈیڈ کو اس بات کی بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے۔ تم جانتی ہو ناں اس طرح بات بگڑ بھی سکتی ہے۔" مرینہ اس کے کہے بغیر بھی اس کا ساتھ دے گی جاننے کے باوجود بھی ریکوئسٹ کی گئی۔ فضیل اسے وہاں دیکھ چکا تھا اسے اصل پریشانی اسی بات کی تھی۔ اس کا مطلب تھا شازب کو اس کے خلاف ایک اور ثبوت ملنا۔ وہ گہرے سانس لیتا خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

٭٭٭

نیلم ہاتھ میں موبائل لیے پریشانی سے لان میں ٹہل رہی تھی، کبھی گیٹ کی طرف دیکھتیں تو کبھی تزمین کا نمبر ڈائل کرتیں جو کہ بند جا رہا تھا۔ تزمین نے آج کالج سے جلدی آ جانا تھا مگر اس کے بتائے گئے وقت سے ایک گھنٹہ اوپر ہو چکا تھا۔ بہروز صاحب بھی کال اٹینڈ نہیں کر رہے تھے وہ ابھی لاؤنج میں آ کر بیٹھی ہی تھیں کہ شازب کی کال آنے لگی جسے انہوں نے فوراً پک کیا۔

"السلام علیکم پھوپو جان..... کیسی ہیں آپ؟"

"وعلیکم السلام! بیٹا میں ٹھیک ہوں آپ سنائیں کیا حال ہے؟"

"وہ ایک ضروری بات کرنی تھی آپ سے۔" اپنی خیریت سے آگاہ کرنے کے بعد وہ بولا تو نیلم اس کے انداز پر چونکیں۔

"بیٹا..... سب ٹھیک تو ہے نا؟ پلیز مجھے بتاؤ، ایسے کیوں لگ رہا ہے جیسے کچھ ہو گیا ہے؟" وہ نم آواز میں بولیں تو شازب نے گہری سانس لی۔

"تزمین میرے پاس ہے، کیوں..... یہ میں آپ کو شام کو آ کر بتاتا ہوں۔ انکل سے میری بات ہو چکی ہے انہیں میں نے یہی بتایا ہے کہ تزمین کو کالج سے پک کر کے

میں نے اس کی دوست کے ہاں چھوڑا ہے جس کی آج برتھ ڈے پارٹی ہے۔" بات کرتے ہوئے اس کے لہجے میں تھکن کے آثار نمایاں تھے۔ اس کا من چاہا وہ سب کچھ ابھی بتا دے مگر وہ یہ بات فون پر کرنے والی ہرگز نہ تھی تبھی وہ خود پر کنٹرول کر گیا۔

"بیٹا..... میری تزمین ٹھیک تو ہے ناں؟"

"پلیز پھوپو..... آپ ٹینشن فری رہیں، شام میں ملتے ہیں تو آپ سے بات ہوتی ہی۔" رابطہ منقطع کرنے کے بعد اس نے چہرے پر ہاتھ پھیر کر خود کو نارمل رکھنے کی سعی کی۔ اگلے کچھ گھنٹے آفس میں بے حد مصروفیت کے ساتھ گزارے تھے۔

"فضیل میں گھر جا رہا ہوں، یہاں کوئی بھی پرابلم ہو تو سنبھال لینا۔ کوئی بھی لاک اپ سے باہر نہ آنے پائے چاہے کوئی بڑی سفارش ہی کیوں نہ ہو۔" وہ سختی سے کہتا اپنی کیپ اور فائل اٹھا کر گاڑی میں آ بیٹھا۔ اس کی ہر سوچ پر تزمین حاوی تھی، رش ڈرائیونگ کے ساتھ وہ فلیٹ میں پہنچا تھا۔

٭٭٭

وہ سے بازو سے زبردستی کھینچتے ہوئے اندر لایا تھا، نیلم بیٹی کی اجڑی صورت دیکھ کر گنگ رہ گئیں۔

"تزمین کیا ہوا..... سب خیریت تو ہے نا؟" دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھامے وہ فکرمندی سے بولیں تو تزمین اور زیادہ شدت سے روتی ان کے گلے لگ گئی، شازب لب بھینچے کھڑا رہا۔

"شازب بچے..... آپ ہی بتاؤ یہ ایسے کیوں کر رہی ہے؟" جب اس نے کوئی جواب نہ دیا تو انہوں نے آنسو صاف کرتے ہوئے شازب کو مخاطب کیا۔

"یہ رونا تو اب ساری زندگی کا ہے پھوپو جان..... عزت دار گھرانوں کی لڑکیاں دن دہاڑے فحاشی کے اڈے پر نہیں پہنچ جاتیں، پوچھیں اس سے کہاں سے لے کر آیا ہوں اسے؟"

"شازب کیا کہہ رہے ہو تم؟" تزمین کو خود سے علیحدہ کر کے وہ غصے سے بولیں تو وہ تمسخرانہ ہنسی ہنس دیا۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں میں، مجھ پر یقین نہیں تو اپنی صاحب زادی سے پوچھیں جسے رنگے ہاتھوں پکڑ کر لایا ہوں۔ بتاؤ انہیں کیا کرنے گئی تھیں تم وہاں؟ جہاں آج کئی لوگوں کو رنگے ہاتھوں پولیس گرفتار کر کے لے گئی ہے، جو اب سلاخوں کے پیچھے بیٹھے اپنی قسمت کو دوش دے رہے ہیں۔ شکر کریں اس وقت ڈیوٹی پر میں تھا جو اس بدبخت کو بچالیا ورنہ اب تک محترمہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے تشریف فرما ہوتیں۔" زہر کے نشتر تزمین کی روح تک کو چھلنی کیے جارہے تھے اور وہ اپنی صفائی میں ایک لفظ تک منہ سے نکال پائی تھی اور نہ ہی اپنی بے گناہی کے بارے میں بتا پائی تھی۔

"کیا شازب سچ کہہ رہا ہے..... تم سے پوچھ رہی ہوں میں جواب دو۔" اس کے خاموش رہنے پر انہوں نے اس کا کندھا جھنجھوڑا، ماں کا پتھریلا لب ولہجہ اس کی روح کو مزید زخمی کر گیا۔

"مما میں بے قصور ہوں، ریئلی میں کچھ نہیں کیا..... میرا کسی سے کوئی لینا دینا نہیں ہے میں تو وہاں....." لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے منہ سے نکلے۔ وہ بات بھی مکمل نہ کرسکی اور پھر سے رودی۔ نیلم الٹے قدموں سے چلتی اپنے کمرے میں گئیں۔

"اگر پھوپو کو کچھ ہوگیا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اس کی طرف دیکھتا وہ پھنکارا۔ "اور اگر کسی کے سامنے زبان کھولی تو زندہ درگور کردوں گا دفع ہوجاؤ اپنے کمرے میں۔" وہ چیخا تو مارے خوف کے منہ پر ہاتھ رکھتی وہ اپنے کمرے کی طرف دوڑی۔

"شازب..... مجھ سے وعدہ کرو اس بات کو راز رکھو گے کسی کے سامنے کوئی ذکر نہیں کرو گے۔" وہ ان کے پاس آیا تو وہ گڑگڑاتے ہوئے بولیں۔ شازب کو اس لمحے ان کی حالت پر بہت ترس آیا۔ "اولاد چاہے لاکھ غلطیاں کرے مگر ماں پھر بھی ہر حال میں ان کی پردہ کرتی ہے۔"

"پلیز خود کو سنبھالیں، کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوگا آپ کی عزت میری بھی عزت ہے۔" وہ کافی دیر وہاں بیٹھا انہیں تسلیاں دیتا رہا۔

دوسری طرف اپنے کمرے میں بند وہ ماتم کناں تھی، جرم نہ ہوتے ہوئے بھی وہ مجرم بنادی گئی تھی۔

"لڑکیوں کا کردار آبگینے کی طرح صاف شفاف اور نازک ہوتا ہے، ان پر ذرا سی بھی دراڑ آجائے تو بدنما لگتا ہے..... ہماری عزت کا ہمیشہ خیال رکھنا، اپنے بابا کا سر کبھی جھکنے مت دینا۔ اچھی بیٹیاں ہر حال میں والدین کی عزت کو ترجیح دیتی ہیں۔" سن ہوتے دماغ کے ساتھ اس کو بار بار مما کے کہے الفاظ یاد آرہے تھے۔

"میں نے کچھ نہیں کیا..... میں بھلا کیسے کچھ غلط کرسکتی ہوں۔" آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھاتا جارہا تھا لامحدود سوچوں کے ساتھ وہ وہیں ڈھیر ہوگئی۔

❁.....❁.....❁

اپنے کمرے میں بیٹھی نیلم خود کو بہت بے بس محسوس کررہی تھی۔ شازب کی باتیں اور تزمین کا معصوم چہرہ بار بار جیسے سامنے نظر آرہا تھا۔ ان کے دل کو کچھ ہوا۔

"میری بیٹی بھلا کیسے کچھ غلط کرسکتی ہے، مجھے اس کے پاس جانا چاہیے کہیں وہ کچھ غلط نہ کر بیٹھے....."

"ہر کوئی اپنی اولاد کے لیے یہی دعوے کرتا ہے کہ ان کی اولاد کبھی کچھ غلط نہیں کرسکتی مگر جب کوئی نقصان اٹھانا پڑ جائے تو سب دعوے دھرے رہ جاتے ہیں۔ حقیقت بہت تلخ ہوتی ہے جن پر زیادہ اعتبار کیا جائے دھوکہ بھی اکثر وہیں سے ہی ملتا ہے۔ مائنڈ مت کیجیے گا پھوپو..... مگر آپ کی بیٹی نے بہت بُرا کیا ہے۔ میری نظروں میں وہ قصوروار ٹھہر چکی ہے، کبھی کبھار آنکھوں دیکھا بھی سچ نہیں ہوتا مگر یہ بات مجھے جلا کر خاکستر کرگئی ہے کہ تزمین وہاں موجود تھی جہاں سے شریف لوگ گزرنا تو دور کی بات اس طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔" کچھ دیر پہلے شازب کے لفظوں کی بازگشت سنائی دے رہی تھی پر وہ ماں تھی ماں کا دل ہمیشہ نرم ہوتا ہے۔ اس لمحے انہیں اپنی بیٹی کی فکر ہوئی وہ بیٹی جو انہیں جان سے بڑھ کر عزیز تھی۔ وہ تیزی سے اس کے کمرے کی طرف بڑھیں۔ سامنے کارپٹ پر ساکت پڑا اس کا وجود دیکھ کر ان کا کلیجہ منہ کو آیا۔

"ترمین...... آنکھیں کھولو کیا ہوگیا ہے تمہیں؟" بے ربط انداز میں وہ اسے پکارنے لگیں۔

بہروز صاحب ابھی تک گھر نہیں پہنچے تھے ترمین کو کب اسپتال لے جایا گیا کب اس کا ٹریٹمنٹ شروع ہوا انہیں کچھ خبر نہ تھی بس یاد تھا تو صرف اتنا ہمیشہ کی طرح اس بار بھی انہوں نے شازب کو مدد کے لیے بلایا وہ جو اب بھی ان کے ساتھ ہی موجود تھا۔

"ڈاکٹر صاحب خطرے والی تو کوئی بات نہیں ناں؟" ڈاکٹر روم سے باہر آیا تو نیلم اور بہروز صاحب فوراً ان کے پاس آئے۔

"پلیز آپ میرے ساتھ روم میں آئیں۔" کچھ اور کہے بغیر وہ چل دیئے تو شازب نے آگے بڑھ کر بہروز صاحب کو روکا جو ڈاکٹر کے بلانے پر ان کے پیچھے جارہے تھے۔

"انکل...... آپ پھوپو کی پاس رہیں میں ڈاکٹر صاحب سے بات کرتا ہوں۔" نیلم رو رو کر ہلکان ہوئی بیٹھی تھیں۔ شازب کو فکر تھی تو انہی کی جن سے وہ بالکل اپنی ماں کی طرح محبت کرتا تھا جو اس کی آئیڈیل تھیں انہیں تسلی دے کر وہ ڈاکٹر فاروق کے سامنے آبیٹھا۔ ڈاکٹر فاروق نے سامنے بیٹھے یونیفارم میں موجود اس شاندار شخص کو غور سے دیکھا۔

"اگر آپ مریضہ کے والدین کو بھیجتے تو زیادہ بہتر تھا۔" وہ نپے تلے انداز میں گویا ہوئے۔

"دیکھیے ڈاکٹر صاحب......" وہ چیئر پر تھوڑا سا آگے ہوکر بڑھا۔ "آپ کی مریضہ میری کزن ہیں جو کنڈیشن ان کے والدین کی ہے وہ بھی ابھی آپ کے سامنے تھی فی الحال میں یہاں ہوں سو یہی بہتر ہے۔" وہ ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر بولا تو ڈاکٹر فاروق نے اثبات میں سر ہلایا۔

"بچی کو ذہنی صدمہ پہنچا ہے اتنی کم عمری میں آخر کون سی ایسی ٹینشن ہے جس سے یہ حالت ہوئی۔ یہ بہت خطرے کی بات تھی اس طرح برین ہیمرج ہونے کا خطرہ بھی تھا خیر اللہ کا شکر ادا کریں وہ خطرے سے باہر ہے ابھی کچھ دیر بعد روم میں شفٹ کردیا جائے گا۔"

"ڈاکٹر صاحب ایک فیور چاہیے آپ سے امید ہے آپ بھرپور تعاون کریں گے۔" چیئر پر ٹیک لگا کر بیٹھا تو ڈاکٹر صاحب نے اپنا چشمہ اتار کر میز پر رکھا۔

"جی حکم کریں ایس پی صاحب۔"

"ترمین کی رپورٹ میں آپ بلڈ پریشر کا لکھ دیجیے گا اور یہ بات صرف آپ کے اور میرے درمیان رہے گی۔"

"اوکے کوئی اور حکم۔" اب کی بار ڈاکٹر فاروق بھی مسکرائے تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"تھینکس آلاٹ ڈاکٹر...... اب اجازت دیں پھر ملاقات ہوگی۔" مصافحہ کے لیے اس نے ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے بھی اپنا ہاتھ آگے کردیا۔ وہ روم میں داخل ہوا تو وہ آنکھیں موندے لیٹی تھی اپنے غصے کو وہ کافی حد تک کنٹرول کرچکا تھا۔

"غصے کو اسی لیے تو حرام کہا گیا ہے انسان اسی غصے کی وجہ سے بہت کچھ غلط کرجاتا ہے۔" نیلم قرآنی آیات پڑھ کر اس کے چہرے پر پھونک رہی تھیں۔

"آپ اور انکل گھر چلے جائیں کچھ ریسٹ کرلیں میری انیق سے بات ہوچکی ہے وہ کچھ دیر تک پہنچ جائے گا اور ویسے بھی میں ادھر ہوں اس نے نیلم کو حصار میں لے کر کہا جو بھیگی آنکھیں صاف کررہی تھیں۔

"بیٹا...... کس منہ سے شکریہ ادا کروں تمہارا۔"

"پلیز ایسے کہہ کر مجھے شرمندہ مت کریں اپنے ہی مشکل گھڑی میں ساتھ دیتے ہیں۔ بیٹا بھی کہتی ہیں اور پھر شکریہ بھی......" نیلم نے محبت سے اپنے پیارے بھتیجے کو دیکھا جو ان کی بہت قدر کرتا تھا۔

❀......❀......❀

دو دن اسپتال میں رہنے کے بعد وہ گھر آچکی تھی اسے ایک چپ سی لگ گئی تھی۔ پاپا اس کا بچوں کی طرح خیال رکھ رہے تھے کھانا بھی وہ اپنے ہاتھوں سے کھلاتے۔ انیق کے ایگزامز ہونے والے تھے وہ ہاسٹل چلا گیا تھا اسے ایک پل کا چین نہ مل رہا تھا۔ وہی جان لیوا لمحات آنکھوں

کے سامنے آتے' مرینہ جس سے اسے بہت انسیت تھی اب اس سے شدید نفرت محسوس کررہی تھی۔ وہ مرینہ سے ایک بار مل کر اس کی اس چیپ حرکت کے بارے میں ضرور پوچھے گی کہ آخر اس کا کیا قصور تھا۔ مما اب بھی اس سے ٹھیک طرح سے بات نہیں کررہی تھیں۔

شازب کئی دفعہ آیا مگر وہ سوتی بن جاتی' اس کا سامنا کرنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ صبح گیارہ بجے کا وقت تھا' آنکھ کھلی تو یک ٹک وہ چھت پر نظریں جمائے گھورتی رہی پھر آہستگی سے اٹھ بیٹھی۔ کمزوری حد سے سوا تھی' سر کافی بھاری محسوس ہورہا تھا۔ بکھرے بالوں کو سمیٹ کر پشت کی طرف کیا' سیل کی تلاش میں نظروں سے اردگرد کا جائزہ لیا جو سائیڈ ٹیبل پر رکھا نظر آیا۔ انیق نے ٹیکسٹ کی بھرمار کی ہوئی تھی انیق کو جواب دینے کے بعد سیل وہیں رکھ دیا۔

"تزمین باہر آجاؤ' طبیعت پر اچھا اثر پڑے گا۔" نیلم سنجیدگی سے کہہ کر واپسی کے لیے قدم بڑھا گئیں۔

"مما...... آپ مجھ سے ابھی تک ناراض ہیں۔ رئیلی میں نے کچھ نہیں کیا۔" آواز میں نمی گھلی تھی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے فی الحال میں اس موضوع پر تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ تم نے میرا غرور خاک میں ملانے کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی' مجرم بھی اپنے جرم کا اقرار نہیں کرتا۔ بہرحال بیٹی ہو تم میری' اولاد چاہے جیسی ہو مگر ماں کا دل کبھی پتھر کا نہیں ہوتا۔ طبیعت کچھ سنبھل جائے تو شازب آئے گا ہر بات سچ سچ بتا دینا اسی میں سب کی بھلائی ہے۔ جلدی سے آکر ناشتا کرلو میں انتظار کررہی ہوں کچن میں تمہارا۔" وہ کہہ کر باہر چلی گئیں' تزمین نے بہت افسوس سے بند دروازے کو دیکھا۔

"مما آپ اپنی بیٹی سے بدگمان ہورہی ہیں اور یہ سب اس شازب کی وجہ سے ہورہا ہے اسے میں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" آنسوؤں کا گلا گھونٹ کر وہ واش روم میں چلی گئی۔

❀ ❀ ❀

آئی جی صاحب نے اسے اپنے پاس بلایا تھا وہ ان کے سامنے بیٹھا تھا۔

"شازب...... تم جانتے ہو ہمارے ڈپارٹمنٹ میں سفارش اور رشوت چلتی ہے۔ ایسا صرف وہی لوگ کرتے جو اپنے محکمے کے ساتھ مخلص نہیں ہوتے' جنہیں صرف پیسے کی کشش یہاں لے آتی ہے۔ ایسے غدار اپنی دنیا و آخرت دونوں کھو بیٹھتے ہیں ہاتھ میں خسارے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں آتا اور تم جیسا ایمان دار آفیسر جو اپنے پیشے کے ساتھ مخلص ہو زندگی کے کسی میدان میں نہیں ہارتا۔ ملک کی بنیادیں کھوکھلی کرنے میں ہمارے اپنے ہی لوگ شامل ہیں ایسے لوگوں کا ضمیر مرچکا ہے' ہمیں مل کر اپنی سی کوشش کرنی ہوگی۔ بہرحال مجھے تم پر مکمل بھروسہ ہے جبھی میں نے آج تمہیں یہاں بلایا ہے اوپر سے بھی کہا گیا ہے کہ یہ کیس عزیر کے حوالے کیا جائے مگر میری توقعات تم سے وابستہ ہیں۔ مجھے یقین ہے اپنی ذہانت کے بل بوتے پر تم اس گروہ کو پکڑ لوگے' اس فائل میں ایسے کئی لوگوں کی تصویریں اور ریکارڈ موجود ہے جو اس جرم میں ملوث ہیں۔" آئی جی صاحب نے ٹیبل سے فائل اٹھا کر شازب کو تھمائی' جسے کھول کر وہ اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔

"تمہیں جس طرح کی بھی ہیلپ چاہیے ہو مجھے ضرور بتانا' ہمیں ہر حال میں اس گروہ کو پکڑنا ہے جو معصوم لوگوں کا جینا حرام کیے ہوئے ہیں' معصوم بچوں کو اغواء کرنے کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کو بلیک میل کرکے ان کی عزت کے ساتھ کھیلا جارہا ہے۔ فائل میں فہرست موجود ہے باقی ڈیٹیل بھی تم دیکھ لینا۔" آئی جی صاحب نے پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگالیا۔

"سر...... میں اپنی طرف سے مکمل کوشش کروں گا ان شاء اللہ آپ سب کی امیدوں پر پورا اترسکوں' باقی جو رب کی رضا۔" اس نے یقین دہانی کروائی تو وہ مسکرا دیئے اور اثبات میں سر ہلایا۔

اس واقعے کو کافی دن بیت چکے تھے وہ دوبارہ گھر کا چکر بھی نہ لگا سکا تھا۔ شازب اس بار سخت ایکشن لینا چاہتا تھا مگر ناکامی کی صورت دیکھنی پڑی۔ اوپر سفارش سے

اثر ورسوخ رکھنے والوں نے اپنا کام کر دکھایا' ہوٹل سے گرفتار ہونے والے کچھ لوگوں کے خلاف وہ قانونی کارروائی جاری رکھے ہوئے تھا مگر اب ان کی ضمانت کے آرڈر آ گئے تھے۔ وہ خود کو بہت بے بس محسوس کر رہا تھا' ویسے بھی ان کے پاس زیادہ ثبوت بھی نہ تھے' چہرے پر پتھریلے تاثرات سجائے وہ آفس میں ایک طرف سے دوسری طرف چکر کاٹ رہا تھا۔ فضیل خاموشی سے بیٹھا اسے دیکھے جا رہا تھا۔

(دونوں میں گہری دوستی تھی' تعلیم ایک ساتھ مکمل کرنے کے بعد خوش قسمتی سے جاب بھی ایک ہی شعبے میں ملی تھی)

"یار بس کرو' ناحق اپنی جان پر ظلم کر رہے ہو۔ اچھی طرح جانتے ہو ہمارے چاہنے سے سب کچھ ویسا نہیں ہوتا۔"

"میں قول کا پکا...... جو چاہتا ہوں ضرور کرتا ہوں مگر اس بار پھر عزیر صاحب نے میرے کیس میں شامل ہونے کی کوشش کی اور کامیاب ٹھہرے۔ میں اس گینگ کی طرف سخت کارروائی کرنا چاہتا تھا مگر میرے سارے کیے کرائے پر عزیر صاحب نے پانی پھیر دیا' یہ سب اسے بہت مہنگا پڑے گا۔" دائیں ہاتھ کا مکا بنا کر اس نے زور سے ٹیبل پر مارا' اس کے جنون سے فضیل اچھی طرح واقف تھا۔

"دھیرج یار...... جیسا تم چاہتے ہو ویسا ہی ہوگا اب ہم دونوں مل کر اس کیس پر کام کریں گے فی الحال ہمارے پاس ثبوت بھی زیادہ نہ تھے جو لوگ ہاتھ آئے ان کے بیان سے بھی خاطر خواہ اثر نہیں ہوا۔"

"اثر ہو ہی جاتا فضیل...... اگر دو چار دن اور انہیں سلاخوں کے پیچھے رکھا جاتا۔" فضیل کی بات مکمل ہونے سے پہلے وہ بولا اور آ کر اس کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھ گیا۔

"شازب...... ایک بات تو اچھی طرح واضح ہے ان لوگوں کا واسطہ شہر کی مشہور شخصیت اشفاق صاحب سے ہے کیونکہ ان کے صاحب زادے ارمان کو میں نے وہاں دیکھ لیا تھا وہ بھی فرار ہو گیا۔" اس کا انداز پرسوچ تھا جس سے شازب بھی متفق نظر آیا۔

"ہاں مجھے بھی انہی پر شک ہے' عزیر صاحب سے ان کی گہری دوستی ہے' تبھی تو گرفتار ہونے والے لڑکوں کی فوراً ضمانت ہو گئی۔ خیر ایسے لوگوں سے نپٹنا مجھے اچھی طرح آتا ہے کٹہرے میں نہ لا کھڑا کیا تو میرا نام بھی شازب نہیں۔"

"ڈونٹ وری' ہم ساتھ ہیں ان شاء اللہ جیت ہماری ہو گی۔" فضیل کی تسلی سے اس کی کافی ٹینشن کم ہو گئی تھی' وہ کھلے دل سے مسکرا دیا۔

"خود تو پریشان تھا ہی مجھے بھی ساتھ ملا لیا' چل اب جلدی سے کچھ کھانے کو منگوا بلکہ ایسا کرتے ہیں کہیں باہر چلتے ہیں بڑی زوروں کی بھوک لگی ہے۔" اس کے کاندھے پر زور سے مکا رسید کرتے وہ اٹھ کھڑا ہوا تو شازب کو بھی اٹھنا پڑا۔

"شازب...... ایک بات بولوں بُرا نہیں تو مانو گے؟" وہ آئی جی صاحب سے ہونے والی ملاقات کے بارے میں بتا رہا تھا جب فضیل نے جھجک کر اسے مخاطب کیا' دونوں گاڑی میں بیٹھے تھے۔

"تمہیں مجھ سے اجازت کی کب سے ضرورت پڑنے لگی جو بھی کہنا ہے کھل کر کہو۔ تم جانتے ہو نا کہ میں تمہاری کسی بات کا بُرا نہیں مانتا۔"

"وہ تم نے تزمین سے......" بات اس سے نہ بن پڑی تو وہ خاموش ہو گیا۔ شازب اس کی بات کا مطلب بخوبی سمجھ چکا تھا اس کا ہنستا مسکراتا چہرہ تزمین کے نام پر بجھ سا گیا۔

"اس سے فی الحال اس بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی' پھوپو نے اجازت دی ہے کہ میں خود ہی اس سلسلے میں تزمین سے بات کروں تو زیادہ بہتر رہے گا بہر حال تفصیل تو وہی بتا سکتی ہے۔"

"جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں میرا تو یہی خیال ہے اس کو زبردستی وہاں لایا گیا تھا جس سچویشن کا سامنا ہم نے کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے وہ بے قصور ہے اور پلیز نرمی سے بات کرنا شاید وہ کوئی انفارمیشن دے سکے۔" فضیل نے سمجھانے والے انداز میں کہا تو شازب نے اثبات میں سر ہلایا اور گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔

❀......❀......❀

"میں جو پوچھ رہا ہوں تمہیں اس کا جواب دینا ہوگا تزمین...... نہیں تو دوسری صورت میں‘ میں تمہیں اریسٹ کرنے کا حق رکھتا ہوں۔" انداز دھمکی آمیز تھا مگر وہ ٹس بنی بیٹھی رہی‘ کوئی جواب نہ دیا۔

"میری نرمی کا فائدہ مت اٹھاؤ نہ ہی مجھے سختی کرنے پر مجبور کرو۔" شازب نے سختی سے اس کا ہاتھ پکڑا جسے جھٹکے سے اس نے فوراً چھڑا لیا اس کا یہ انداز شازب کو مزید تاؤ میں مبتلا کر گیا تھا۔

"آپ کس حق سے مجھ سے یہ سوال پوچھ رہے ہیں‘ میں آپ کی پابند نہیں جو آپ پوچھیں بتاتی جاؤں۔ جب ایک بار کہہ دیا ہے تو مان لیں بس میں نے کچھ نہیں کیا۔"

"تو میں بھی یہی بکواس کیے جا رہا ہوں آخر کیسے مان لوں کہ تم بے قصور ہو‘ تم نے کچھ نہیں کیا‘ موقع واردات پر گرفتار کر لیتا تو اچھا تھا اسی بہانے تھانے کی سیر بھی ہو جاتی اور عزت افزائی بھی ہے ناں؟" شازب طنزیہ ہنس کر بولا تو تزمین کو جیسے آگ لگ گئی۔

"شٹ اپ...... اس سے پہلے کہ میں آپ سے کچھ سخت کہہ جاؤں چلے جائیں یہاں سے۔" دروازے کی طرف اشارہ کر کے اس نے شازب کو جانے کو کہا اس انسلٹ پر شازب کے چہرے کا رنگ پل میں متغیر ہوا وہ لب بھینچ گیا۔ اسے خود پر بہت کنٹرول تھا وہ چاہتا تو ایک منٹ میں اس کی عقل ٹھکانے لگا دیتا مگر اس نے خود کو قابو میں رکھا۔

"قسم سے مجھے پھوپو کا خیال نہ ہوتا تو وہیں تمہیں شوٹ کر دیتا مگر...... خیر اچھی طرح جانتا ہوں میں تم جیسے الٹے دماغ کے لوگوں کو کس طرح سیدھا کیا جا سکتا ہے۔ سیدھی طرح جواب نہیں دیا تو اب جیل ہی جانا پڑے گا تمہیں‘ چلو میرے ساتھ......" اس کے تیکھے پن سے کہنے پر وہ خزاں رسید پتے کی مانند کانپنے لگی۔ شازب کو اپنی دھمکی کارگر ہوتی محسوس ہوئی۔

"آخر آپ میرا یقین کیوں نہیں کر لیتے؟" آنسو بے ساختہ بہہ نکلے تھے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر لبوں سے ادا ہوئے۔

"یقین دلاؤ گی تو کروں گا۔" تزمین کی غیر ہوتی حالت نے اسے ڈسٹرب کر کے رکھ دیا تو اس نے نرمی اختیار کی۔

"پلیز آپ سمجھنے کی کوشش کریں‘ میں ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ آپ کے کسی سوال کا جواب دے سکوں۔ مجھے تو خود بھی معلوم نہیں وہاں کیا ہو رہا تھا؟" اذیت سے چُور لہجہ تھا۔

"دیکھو تزمین...... تمہیں ہر حال میں میری مدد کرنی ہوگی بہت بڑے خسارے سے بچ کر آئی ہو تم۔ فی الحال کچھ اور دن دے رہا ہوں‘ ذہنی طور پر خود کو تیار کر لو‘ تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ بس تم مجھے سب سچائی بتا دو‘ ہمارے خاندان کی عزت ہو چاہے کچھ بھی ہو تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔" اس ضدی لڑکی پر دل کو نجانے کیوں اعتبار آیا تھا۔ "پلیز اپنے آنسو صاف کر لو۔" تزمین نے اس کے کہنے پر بہتے آنسو بائیں ہاتھ سے صاف کیے۔

اگر وہ اس وقت شازب کے چہرے کی طرف دیکھ لیتی تو حیران رہ جاتی‘ کچھ دیر پہلے لفظوں کے تیر برسانے والا اب مہربان بن چکا تھا صرف چند لمحوں کی بات تھی۔

❀......❀......❀

مرینہ نعمان سے اس کی ملاقات کالج میں ہی ہوئی تھی جو بعد ازاں گہری دوستی میں تبدیل ہو گئی۔ اس نے کئی بار تزمین کو اپنے گھر انوائٹ کیا مگر وہ چاہنے کے باوجود بھی اس کے ہاں نہ جا سکی۔ مرینہ کی سب سے بڑی پہچان شہر کی مشہور ہستی اشفاق گردیزی کی بھانجی ہونا تھی۔ دیکھنے میں ہی وہ بلا کی ذہین لڑکی تھی‘ تزمین سے دوستی کی بڑی وجہ شازب کی کزن ہونا تھی مگر اس بات کا اظہار اس نے کبھی کسی کے سامنے نہ کیا تھا۔ دونوں میں کافی انڈرسٹینڈنگ تھی‘ کچھ لڑکیاں مرینہ کے بارے میں غلط طرح کی باتیں کرتی تھیں مگر اس نے کبھی نوٹس نہ لیا۔ وہ اتنی عقل مند نہ تھی کہ کسی کو پرکھ سکتی‘ وہ ظاہر پر توجہ دینے والی تھی۔ اسے پورا یقین تھا مرینہ جیسی اچھی لڑکی کے بارے میں خوامخواہ

فضول باتیں پھیلائی جارہی ہیں۔

❀......❀......❀

"ہائے تزمین...... کیسی ہو تم؟" نزاکت سے بالوں کو جھٹکا دے کر اس نے تزمین سے ہاتھ ملایا۔

"میں ٹھیک ہوں ڈیئر۔" تزمین کی خوب صورت چمک دار آنکھوں کی چمک اپنی دوست مرینہ کو دیکھ کر مزید دگنی ہوگئی۔

"تمہاری محبت اتنی باکمال ہے کہ میں تم سے خفا بھی نہیں رہ سکتی۔" تزمین نے کہا تو مرینہ کا قہقہہ بلند ہوا۔

"یار بس مت پوچھو یہ دو دن میں نے بہت بے قراری میں گزارے ہر لحہ تمہاری یاد ستاتی رہی۔ ارمان کو تو جانتی ہو ناں بہت ضدی ہے وہ میری تو ایک بھی نہیں سنتا۔ مسٹر کا پکنک پر جانے کا ارادہ ہوا تو مجھے بھی ساتھ گھسیٹ لیا۔" چیونگم چباتی وہ بے فکری سے بولی تو تزمین حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی رہی۔

"مرینہ...... تم اکیلی گئی تھیں کیا اپنے کزن کے ساتھ آؤٹ آف سٹی؟" اس کی حیرت پر مرینہ کا جاندار قہقہہ بلند ہوا۔

"اُف میڈم کس دنیا میں رہتی ہو تم؟ جس سوسائٹی سے میرا تعلق ہے وہاں یہ سب چلتا ہے۔ خیر ہماری پوری فیملی بھی ساتھ ہی تھی مگر میرا دل اس کے ساتھ تنہا جانے کو چاہا تھا آفٹر آل فیانسی ہے میرا مگر اُف یہ ظالم سماج......" اس نے خود ہی اپنی بات کا مزہ لیا اور تزمین کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

"تمہارا کافی حرج ہو چکا ہے اب اسٹڈیز پر توجہ دو میم فاخرہ کو اسائنمنٹ بھی دینا ہے میں نے ڈیٹا سرچ کرلیا تھا اب مل کر بناتے ہیں۔" مرینہ نے بحث کرنا فضول تھا تبھی وہ بات کو دوسرے رخ پر لے گئی۔

"ہاؤ سویٹ...... یار واقعی تم بہت سویٹ ہو بچی بہت معصوم بھی اسی لیے تو میں نے تم سے فرینڈ شپ کی ہے۔" مرینہ کا انداز ذو معنی تھا تزمین نا سمجھی سے ہنس دی دونوں ہاتھوں میں ہاتھ لیے کینٹین کی طرف چل دیں۔

❀......❀......❀

"ممما...... مرینہ کے ہاں برتھ ڈے پارٹی فنکشن ہے سب فرینڈز جارہی ہیں اس نے مجھے بھی انوائیٹ کیا ہے۔ پلیز پاپا سے اجازت لے کر دیں ناں۔" ان کے کاندھے پر سر ٹکا کر اس نے لاڈ سے فرمائش کی جسے رد کردیا گیا۔

"ہرگز نہیں، تم اچھی طرح جانتی ہو تمہارے پاپا لیٹ نائٹ فنکشن کے لیے کبھی اجازت نہیں دیں گے ضد چھوڑ دو ویسے بھی انیق ہاسٹل میں ہے بالفرض اجازت مل بھی گئی تو کس کے ساتھ جاؤ گی اپنے پاپا کی مصروفیات سے اچھی طرح آگاہ ہو تم۔"

"پلیز آپ بس اجازت لے کر دیں باقی میں خود کرلوں گی۔ شازب آج کل گھر آئے ہوئے ہیں پک اینڈ ڈراپ کی ڈیوٹی انہی کے سپرد کردیں گے۔" وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔

کال ملا کر سیل ماں کے حوالے کیا تھوڑی سی تگ و دو کے بعد اجازت مل گئی۔ اس نے مرینہ کو سرپرائز دینے کا سوچا جلدی سے تیار ہونے لگی گفٹ لینا ابھی رہتا تھا جو وہ راستے میں لے لیتی۔ اب وہ پھر سے نیلم کے سر ہوگئی کہ وہ شازب سے بات کریں۔ اس سے پہلے کہ نیلم اسے کال کرکے بلاتیں وہ خود آ گیا مگر ساتھ میں ممانی جان اور شازب کی بہن عمارہ آپی بھی ساتھ تھیں۔ عمارہ آپی کے گولو مٹولو سے بیٹے ارحم کو دیکھ کر وہ دیوانی ہوگئی جو بے حد پیارا تھا۔ مرینہ کے ہاں جانے کا ارادہ اس نے خود ہی کینسل کردیا عمارہ آپی سے وہ کافی دنوں بعد ملی تھی باتوں کا سلسلہ چل نکلا تو وقت گزرنے کا پتا بھی نہ چلا۔ رات گئے وہ واپس گئے تو اپنے کمرے میں آتے اسے پہلا خیال مرینہ کا ہی آیا تھا۔

اوہ ایک بار پھر اس کی ناراضگی مول لینی پڑے گی اسے ٹیکسٹ کرنے کی غرض سے اس نے سیل اٹھایا مگر پھر واپس رکھ دیا۔ یہ سوچ کر کہ کل وہ خود ہی کسی طرح منا لے گی۔ مرینہ کے بارے میں سوچتی وہ نیند کی وادی میں چلی گئی۔

جبکہ دوسری طرف برتھ ڈے فنکشن عروج پر تھا۔ طوفان بدتمیزی برپا تھا بے ہنگم شور کانوں کو پھاڑے جارہا

تھا۔ مرینہ کی سج دھج آج دیکھنے والی تھی وہ محفل کی جان بنی ہوئی تھی۔ اشفاق گردیزی نے اپنے لاڈلے بیٹے کی برتھ ڈے کا فنکشن بڑے پیمانے پر ترتیب دیا تھا۔ دولت کی ریل پیل دکھانے کا کوئی موقع وہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ ارمان اپنے دوستوں کے ہجوم میں گھرا کھڑا تھا' نظریں بار بار بھٹک کر مرینہ کی طرف جارہی تھیں جو کبھی ایک طرف تو کبھی دوسری طرف اڑتی پھر رہی تھی۔ دیکھنے والوں کی نظروں میں ستائش تھی جس کا اندازہ اسے بخوبی تھا۔ ریڈ کلر کی میکسی جس کے بازو ندارد تھے' ساتھ میں ڈریس کی مناسبت سے میک اپ' کھلے بال' وہ موم کی گڑیا معلوم ہوتی تھی۔ ارمان دوستوں سے ایکسکیوز کرتا لان کے ایک گوشے کی طرف چلا آیا' مرینہ کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرنا نہ بھولا تھا۔

''کیا ہوا...... یہاں کیوں بلایا؟'' بالوں کو نزاکت سے پیچھے کرتے ارمان کو دیکھا جو وارفتہ نگاہوں سے اسے تکے جارہا تھا۔

''تم اتنی پیاری ہی ہو یا مجھے نظر آرہی ہو۔''

''ارمان کے بچے پٹو گے مجھ سے اور انکل سے بھی' دن بہ دن کچھ زیادہ ہی بدتمیز ہوتے جارہے ہو۔'' اپنی بڑی سی آنکھیں پھیلا کر وہ بولی تو ارمان ہلکے سے ہنس دیا۔

''کیوں بلایا ہے اب بتا بھی دو؟'' وہ سامنے اسٹیج کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''تمہاری تعریف کرنے کے لیے۔'' ارمان پھر شوخ ہوا۔

''او کے...... ہوگئی تعریف اب میں جارہی ہوں۔'' ابھی وہ محض آگے بڑھ پائی تھی جب ارمان نے اس کا بازو تھام لیا۔

''اچھا بابا سوری' یہاں بلانے کا مقصد صرف یہی ہے کہ تم نے تو کہا تھا اس بار وہ تمہاری نام نہاد دوست تزمین صاحبہ ضرور آئے گی پھر وہ آئی کیوں نہیں' کہیں تم نے اس کے سامنے میرا نام تو نہیں لے لیا تھا۔''

''ارمان...... وہ ڈفر ہے پوری' کچھ بھی اپنی مرضی سے نہیں کرتی۔ میں صرف تمہاری وجہ سے اب تک اس کے ساتھ ہوں ورنہ وہ میرے معیار کی ہرگز نہیں۔'' وہ نخوت سے بولی۔

''مرینہ...... تمہیں ہر حال میں اسے ٹریپ کرنا ہوگا' کسی بھی صورت میں اگر وہ ہمارے ہاتھ آگئی تو سمجھو ہم اپنے مقصد میں کامیاب۔ اس کے ڈیئر کزن سے بدلہ لینے کا اچھا موقع ہے ہمارے پاس' اس ایڈیٹ کی وجہ سے چھ گھنٹے مجھے لاک اپ میں رہنا پڑا۔ سنا ہے بڑا بھاگ بھاگ کر اپنی آنٹی کے گھر چکر لگاتا ہے' کہیں محبت وحبت کے چکروں میں تو نہیں۔''

''ارے نہیں' بڑی سیدھی سی بے وقوف لڑکی ہے تزمین...... ان چکروں میں نہیں پڑتی اور نہ ہی وہ مسٹر شازب کے بارے میں زیادہ بات کرتی ہے۔'' ارمان کے کہنے پر اس نے تزمین کی طرف داری کی۔ چاہے کچھ بھی ہو اس کی معصومیت کی وہ خود بھی تائید کرتی تھی۔

''تم نے مجھے کن باتوں میں لگالیا' میری فرینڈز وہاں ویٹ کررہی ہیں میرا۔'' اپنا ہاتھ چھڑا کر وہ چلتی بنی تو کافی دیر وہاں کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر گہری سانس لیتے سر جھٹک کر خود بھی وہاں سے چلا آیا۔

شازب کے پاس کسی لڑکی کے اغواء کا کیس آیا تھا جس میں ارمان کا بھی ہاتھ تھا۔ ارمان کے دوست کو وہ لڑکی بہت پسند تھی دوستی کی خاطر انہوں نے مل کر اس لڑکی کو اغواء کرلیا۔ کسی انجان شخص نے ان لوگوں کا پیچھا کر کے ٹھکانہ دیکھ لیا تھا' شازب نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر موقع واردات پر انہیں گرفتار کرلیا تھا چونکہ رات کا وقت تھا ضمانت بھی فوراً نہ ہوسکی تھی مجبوراً اسے لاک اپ میں رہنا پڑا۔ شازب نے اس رات اسے تھپڑ مارا تھا' اسے آج بھی اپنا گال سلگتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ وہ بدلہ لینے کا خواہش مند تھا' ایک جنون سوار تھا اس پر' مرینہ کو بھی اس نے اپنے پلان میں شامل کرلیا تھا۔ تزمین کے ذریعے وہ شازب کو مات سے دوچار کرسکتا تھا وہ کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھا جب تزمین اس کے پاس ہوتی' تب وہ شازب کو بتاتا عزت

آخر ہوتی کیا ہے؟

❁.........❁.........❁

"آئی ایم رئیلی ویری سوری میں چاہنے کے باوجود بھی نہیں آسکی۔" وہ شرمندہ سی معذرت کررہی تھی مگر مرینہ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔

"پلیز مان جاؤ نا نیکسٹ ٹائم تمہاری فیملی میں جو بھی فنکشن ہوگا میں ضرور آؤں گی...... پرامس۔" اس نے مرینہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا جسے بے دردی سے جھٹک دیا گیا' ناراضگی ہنوز برقرار تھی' تزمین کو گہرا ملال ہوا۔

"مجھ سے کوئی بات مت کرو' مجھے نہ تمہاری ضرورت ہے' نا تمہاری کسی وضاحت کی۔ اگر تمہیں میری ذرا سی بھی پروا ہوتی تو تم یوں بے اعتنائی نہ برتتیں۔ ایک صرف میں ہی پاگل ہوں جو صرف تمہاری ہو کر بیٹھی ہوں' پورے کالج کی لڑکیاں مجھ سے دوستی کرنے کے لیے مرتی ہیں مگر میں نے بھی انہیں منہ نہیں لگایا' میری پہلی ترجیح صرف تم تھیں۔ اسی لیے میری دوست بھی کیا مجھے یوں ذلیل کرسکو۔ میں نے سب سے کہہ رکھا تھا تم آؤ گی مگر کیا' کیا تم نے؟" تزمین کو شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا' انجانے میں وہ اپنی بہترین دوست کو ہرٹ کرگئی تھی۔

"جب بھی تم سے کہا باہر چلو تم نہیں گئیں' اپنے گھر کئی مرتبہ بلایا وہاں بھی نہیں آئیں۔ میری کبھی کوئی بات نہیں مانی تم نے حالانکہ تم نے جو کہا میں نے ہمیشہ مانا۔ روما لوگوں کے گروپ میں گھلنے ملنے سے روکا میں رک گئی' میری ڈریسنگ تمہیں پسند نہ آئی میں نے چینج کرلی۔ ریگولر کلاس لینے کو کہا میں تمہارے ساتھ رہی' تمہاری پسند کو بغیر کسی غرض کے اپنایا۔ قدم قدم تمہارے ساتھ چلی مگر تم نے کیا' کیا؟ ہاں بولو...... یہی صلہ دیا میری محبتوں کا...... کتنی محبت سے میں نے تمہیں انوائٹ کیا تھا...... خیر میں کیوں خوامخواہ میں اپنی انرجی ویسٹ کروں شکوہ وشکایت تو اپنوں سے کیا جاتا ہے۔" مرینہ ترشی سے بولی اور آخر میں گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ جذباتی بلیک میل کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی تھی تزمین اس کی مکاری سے بے خبر دھندلی ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی اس کے پاس تو جیسے بولنے کو الفاظ تک نہ رہے۔

"تمہاری مما نے منع کیا تھا یا پاپا نے؟" کچھ دیر گزرنے کے بعد جب تزمین کچھ نہ بولی تو مرینہ نے اس کی خاموشی نوٹ کرتے خود ہی پوچھا۔

ان کی طرف سے پرمیشن مل گئی تھی' میری تیاری بھی مکمل تھی مگر عین وقت پر ممانی جان آگئیں۔ عمارہ آپی سے کافی عرصے بعد ملاقات ہوئی انہیں چھوڑ کر تو نہیں آسکتی تھی۔" وہ بے بسی سے بولی' مرینہ جو کافی دیر سے ماتھے پر شکنوں کا جال سجائے بیٹھی تھی ہلکے سے مسکرادی۔

"اچھا تو پہلے بتاتی ناں' میں سمجھی پھر سے تمہارے پیرنٹس نے بے جا پابندی لگادی۔ اسی لیے تو ہائپر ہوگئی میں' رئیلی سوری یار تمہیں ہرٹ کیا میں نے۔" مرینہ نے اپنی طرف سے بات بنائی۔

"میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا مرینہ......"

"والدین کبھی بھی اولاد کا برا نہیں چاہتے اور نہ ہی ان پر ناحق پابندیاں لگاتے ہیں۔ انہیں حق حاصل ہے اپنی اولاد کو اچھے برے کا فرق سے آگاہ کریں۔" وہ دھیمے پر اثر انداز میں گویا ہوئی تو مرینہ سٹپٹائی۔

"ویسے میں یہ کہنے میں بھی عار محسوس نہیں کروں گی' تمہارے والدین تم پر اعتبار نہیں کرتے۔ تم پر پابندیاں لگاتے ہیں' اکلوتی بیٹی ہو تم ان کی' اتنی تو اجازت ہونی چاہیے کہ اپنی مرضی سے کہیں آجاسکو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں' مجھے بھی اجازت ہے میں اپنی مرضی سے جب چاہوں ماموں' خالہ پھوپو کے گھر جاسکتی ہوں پاپا نے کبھی نہیں روکا۔"

"اوہ تو اس کا مطلب ہے ساری پرابلم صرف مجھ سے ہے بالفرض میں اگر تمہاری پھوپو یا خالہ ہوتی تو تم بھی اپنی مرضی سے میرے پاس آجاتی ہے ناں؟" مرینہ نخوت و ترشی سے بولی تو اس چوئشن میں بھی تزمین کو اس کے انداز پر ہنسی آگئی۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا میڈم۔"

''اب بخش دو میری جان...... اب ضرور تمہارے گھر کا چکر لگاؤں گی۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر بولی تو شاطرانہ مسکراہٹ نے مرینہ کے لب چھو لیے۔

❀......❀......❀

ارمان نے اسے شاپنگ کے لیے بلایا تھا' شاپنگ تو صرف بہانہ تھی اصل مقصد آگے کی پلاننگ کرنا تھا۔ وہ جیسے ہی لاؤنج میں آئی مسز اشفاق کو میگزین میں گم پایا۔

''ہائے آنٹی...... ہاؤ آر یو؟'' دور سے ہی ہاتھ کے اشارے سے انہیں مخاطب کرتی وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

''اتنی جلدی میں کیوں ہو میری جان...... کبھی میرے پاس بھی بیٹھ جایا کرو۔'' ان کی پکار پر مجبوراً اسے اپنے قدم واپسی کے لیے موڑنے پڑے' ان کے پاس رکنے کا مطلب ان کا کوئی لمبا چوڑا لیکچر سننا تھا جو وہ سننے کے موڈ میں نہ تھی۔

''وہ مجھے ارمان نے بلایا تھا' شاپنگ کے لیے جانا ہے۔''

''آجائے گا وہ بھی' تم بیٹھو میرے پاس کچھ ضروری بات کرنی ہے تم سے۔'' انہوں نے صوفے کی طرف اشارہ کیا تو مجبوراً اسے بیٹھنا پڑا۔

''جی آنٹی...... سب خیریت تو ہے ناں؟''

''یہ ارمان کیا کرتا پھر رہا ہے آج کل؟ پوچھو تو ناراض ہونے لگتا ہے' لیٹ نائٹ گھر آتا ہے۔ کہیں دوبارہ سے غلط کاموں میں انوالو تو نہیں ہونے لگا۔'' مسز اشفاق کے متفکرانہ انداز پر وہ ہلکے سے ہنس دی۔

''ارے نہیں آنٹی...... آپ پریشان نہ ہوں اس کے لیے' وہ فرینڈز کے ساتھ ہوتا ہے۔ پکی خبریں ہیں اس کے متعلق میرے پاس۔'' مرینہ بولی تو انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔ وہ اپنے اکلوتے لاڈلے بیٹے کے بارے میں بہت پریشان رہتی تھیں جو باپ کے لاڈ پیار' عیش و عشرت سے سر پھرا ہو گیا تھا۔ مرینہ کے دلاسے پر وہ ہلکی پھلکی ہو گئیں' وہ ڈرتی تھیں' جوان اولاد باپ کے نقش قدم پر نہ چلے۔

ایک لمحے کے لیے مرینہ کو بھی احساس ندامت نے گھیرا مگر دوسرے ہی لمحے اس نے سر جھٹکا' بہرحال ارمان کے کاموں میں وہ بھی برابر کی حصہ دار تھی۔ ارمان آیا تو دونوں شاپنگ کے لیے چل دیئے' راستے میں تزمین سے ہونے والی روداد کے بارے میں اسے آگاہ کرتی رہی جسے سن کر وہ بہت خوش ہوا یعنی وہ دن دور نہیں تھا جب تزمین اس کے پاس ہوتی اور شازب اپنی اس شکست پر تڑپ کر رہ جاتا۔ مکارانہ ہنستے وہ آگے کا پلان ترتیب دے رہے تھے مگر اس بات سے بے خبر دوسرے کے لیے کھودے گئے گڑھے میں انسان خود گر جاتا ہے' برائی کا انجام ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے۔

❀......❀......❀

کاغذوں کا پلندہ اس بار شازب اپنے ساتھ لایا تھا' اس وقت وہی کاغذ بیڈ پر پھیلائے دیکھ رہا تھا۔ جب ناجیہ اس کے لیے دودھ کا گلاس لے کر آئیں۔ بیٹے کا تھکن سے چُور مرجھایا سا روپ دیکھ کر ان کا دل پریشان ہوا تھا۔

''شازب بس کرو بیٹا...... اپنی صحت کا بھی خیال رکھا کرو میری جان۔'' ماتھے پر بکھرے بال' رف سا حلیہ وہ خود کو تھکن زدہ سا محسوس کر رہا تھا' جاگنے کے باعث آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں' وہ اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ شازب نے دودھ کا گلاس تھام لیا۔

''میری پیاری ماں...... میری جاب ہی ایسی ہے جو وقت مانگتی ہے۔ آپ کہتی ہیں تو استعفیٰ دے کر گھر بیٹھ جاتا ہوں پھر آپ کے لیے ایک عدد پیاری سی بہو بھی ڈھونڈیں گے جو آپ کے بیٹے کا ڈھیر سا خیال رکھے گی اور پھر آپ کے پوتے پوتیوں کو بھی پالیں گے۔'' وہ شرارت سے گویا ہوا' اس کے انداز پر ناجیہ بھی ہنس دیں۔

''چل شریر نہ ہو تو...... ماں سے ایسے مذاق کرتا ہے کوئی۔'' ناجیہ نے اس کے کان مروڑے۔

''تھوڑے دنوں کی بات ہے پھر میرا ٹرانسفر ہو جائے گا یہیں اور پھر زیادہ وقت آپ کے ساتھ گزار کر آپ کی تمام تر شکایتوں دور کروں گا۔'' وہ ماں کو مزید بتانے لگا'

ناجیہ سر ہلاتے اسے سننے لگیں۔

وہ اپنے شہر میں ٹرانسفر کروا رہا تھا' فضیل اس کا جگری دوست بھی یہیں تھا۔ عمارہ آپی کی شادی کے بعد مما بھی اکیلی رہ گئیں۔ پاپا لیٹ نائٹ گھر آتے' آفس کو اکیلے سنبھالنا ان کے لیے ناممکن بنتا جا رہا تھا۔ شازب نے کئی بار ان سے کہا وہ اب آرام کریں مگر وہ اپنی کرنے والوں میں سے تھے۔ مما اس کی شادی کے لیے بہت اصرار کرتیں' ان کا اصرار اب دن بدن بڑھتا جا رہا تھا' اس نے اس معاملے پر سنجیدگی سے غور کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

❁......❁......❁

''یہ میں کیا سن رہا ہوں ڈیڈی؟'' وہ بپھرا ہوا آفس کا ڈور زور سے دھکیلتا اندر داخل ہوا' جہاں اشفاق گردیزی اپنے منیجر سے اہم ڈسکشن کررہے تھے۔ بغیر اجازت ارمان کے اندر آنے پر انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ڈیڈی...... وہ ایس پی شازب کا ٹرانسفر ہوگیا ہے' ہمارے ہی شہر میں تشریف لا چکا ہے اور آپ کو خبر تک نہیں۔'' منیجر صاحب کو جانے کا کہہ کر وہ بیٹے کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے ریلیکس ہوکر بیٹھنے کو کہا۔

''مجھے سب خبر ہے' میں نے اس کے ٹرانسفر کے آرڈر کی بھرپور کوشش کی مگر بہت دیر ہوچکی تھی۔ خیر تم ٹینس نہ ہو میں دیکھ لوں گا اسے بھی' ہم سے ٹکرائے گا تو بہت پچھتائے گا۔''

''ڈیڈی...... آپ شاید اسے اچھی طرح جانتے نہیں' بہت ہی ایمان دار آفیسر ہے ہارنا تو جیسے سیکھا نہیں اس نے۔'' پریشانی اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔

''ارمان تمہارا باپ ابھی زندہ ہے' کسی میں اتنی جرأت نہیں کہ میرے ہوتے ہوئے تمہیں بری نگاہ سے دیکھے۔ اسے آنے دو ذرا' دیکھ لوں گا اسے بھی۔'' قیمتی پین کو انگلیوں میں گھماتے انہوں نے بیٹے کو مزید شہہ دی تو ارمان کی پریشانی کچھ حد تک کم ہوگئی۔

❁......❁......❁

''اب جو بھی کرنا ہے جلدی کرنا ہوگا۔ شازب ہمارے شہر میں تشریف لے آیا ہے' اب تو ہر طرف اس کی ایمان داری و سختی کے ڈنکے بجیں گے۔'' ارمان نفرت زدہ سا پھنکارا' سگریٹ سلگا کر لبوں سے لگالی۔

''میرے خیال میں اچھی طرح سوچ سمجھ کر قدم اٹھاؤ' کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔'' مرینہ کے دل میں خوف در آیا تھا' آخر وہ بھی تو ارمان کے ہم قدم تھی۔ اس کا کہیں بھی ذرا سا نام آتا تو اپنی تمام تر نرمی کے باوجود ڈیڈی اسے زندہ نہ چھوڑیں گے۔

''مرینہ...... کیا میں یہ سمجھ لوں' تم اس سے خوف کھا رہی ہو۔'' ارمان نے اس پر گہری نظر ڈالی۔

''ڈر نہیں رہی بس آگاہ کررہی ہوں تمہیں۔'' وہ بھی پھیکی ہنسی ہنس دی تو ارمان نے ہنکارا بھرا۔

محبت انسان کو بہت خوار کرتی ہے مرینہ بھی کچھ ایسی ہی محبت کرتی تھی اور ارمان اس بات کا فائدہ بھرپور طریقے سے اٹھاتا تھا۔

''تم جانتی ہو مرینہ...... میں اس دن خود سے وعدہ کیا تھا جب اس ذلیل شخص نے ہتھکڑی لگا کر مجھے لاک اپ میں بند کیا تھا۔ بہت اذیت سے اس رات ایک ایک پل میں نے اس دوزخ میں کاٹا تھا۔ ڈیڈی الگ پریشان تھے کیسے بھول سکتا ہوں میں ان لمحوں کی اذیت' جب میں بے بس تھا۔'' اس کی آنکھیں لہو رنگ ہورہی تھیں۔ مرینہ کو اس سے بہت خوف محسوس ہوا' کچی چین اٹھا کر اس نے ارمان کا ہاتھ تھام کر اسے اٹھایا۔

''چلو آؤ لانگ ڈرائیو پر چلتے ہیں' تمہاری طبیعت پر اچھا اثر ہوگا۔'' اس کے کھینچنے پر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''آج گاڑی میں ڈرائیو کروں گی' تم خاموش بیٹھے رہنا سمجھے۔ تمہارا آج کا دن میرے نام۔'' چلتے ہوئے مرینہ نے اس کے بازو پر ٹھوکا دیا تو وہ زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سمیٹ لایا' بالآخر وہ اس کا ذہن شازب کی طرف سے ہٹانے پر کامیاب ہوگئی تھی۔

لانگ ڈرائیو کے بعد ساحل سمندر پر ننگے پاؤں چلتے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے' چمکتے چہروں کے ساتھ وہ فیوچر کی

پلاننگ کررہے تھے اور دور کھڑی تقدیر ان پر ہنس رہی تھی۔

❋......❋......❋

کالج میں ایگزامز ہونے والے تھے جن کی تیاری میں وہ اس قدر غرق تھی کہ کھانے پینے کا ہوش تک بھلا بیٹھی تھی چونکہ کالج سے فری تھی تبھی مرینہ سے بھی اس کی ملاقات نہ ہوپائی تھی۔

"تزمین تمہاری دوست کی کال ہے بات کرلو۔" وہ کچن میں کھڑی اپنے لیے چائے بنارہی تھی' سر میں شدید درد تھا جو ٹیبلٹ کھانے سے بھی دور نہ ہوا تھا' مما سیل اسے تھما کر چلی گئیں۔ چائے مگ میں ڈال کر وہ وہیں کچن میں رکھی چیئر پر بیٹھ گئی۔ دوسری طرف مرینہ تھی جو پھر سے شکایتوں کی پوٹلی کھولے بیٹھی تھی۔

"کیا ہو یار...... کہاں گم ہو تمہیں بہت مس کررہی ہوں۔ تمہارے بغیر بالکل بھی مزہ نہیں آرہا۔" مرینہ کی بسورتی ہوئی آواز اسے فریش کرگئی تھی۔

"مس تو میں بھی بہت کررہی ہوں تمہیں مگر ایگزامز ہمارے لیے زیادہ اہم ہیں آخر ہمارے مستقبل کا سوال ہے ویسے بھی پرسوں پہلا پیپر ہے جہاں اتنا انتظار کیا ہے تھوڑا اور سہی۔" انداز میں شرارت تھی' مرینہ نے اس کی کھلکھلاتی آواز سن کر دانت پیسے اور خوشامدانہ انداز میں بولی۔

"ایک بہت اچھا حل موجود ہے میرے پاس کیوں نہ ہم کمبائن اسٹڈی کریں۔ دونوں کا فائدہ بھی ہوجائے گا اور آپس میں مل بیٹھنے کا موقع بھی مل جائے گا۔"

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا پھر کل سے ہی تم میری طرف آجاؤ ویسے بھی کچھ سوال مجھ سے حل نہیں ہورہے تھے' سمجھ سے باہر ہیں تم کلیئر کروادینا۔" وہ ساتھ میں چائے بھی پیتی رہی۔

"ایکسکیوزمی محترمہ...... آئیڈیا میرا ہے سو تمہیں میری طرف آنا ہوگا۔"

"نہیں ڈیئر...... تم آجاؤ یہاں تو صرف مما اور میں ہوتے ہیں' پاپا آفس اور انیق ہاسٹل میں' سکون سے اسٹڈی ہوجائے گی۔" مرینہ اس کی بات پر سلگ اٹھی۔

"ساری پرابلم تمہیں میرے گھر آنے پر ہے تزمین...... دو سالوں سے ہمارا ساتھ ہے اتنا بھی اعتبار نہیں تمہیں مجھ پر۔" بار بار کی اس تکرار پر تزمین کو عجیب سی بے چینی ہوئی مگر وہ اپنی دوست نما بہن کو کچھ سخت بھی نہ کہہ سکتی تھی۔

"تمہاری بات پھر وہاں اٹکی' تمہارے اس شکایت کو دور کرنے کا سوچ بیٹھی ہوں بس ذرا یہ ایگزامز ختم ہونے دو۔ اب خوش ہوجاؤ' یہ تھا تو سرپرائز مگر تمہاری حالت کے برعکس ابھی سے بتادیا۔" تزمین کچھ اور بھی کہہ رہی تھی' جس کا جواب مرینہ دے رہی تھی۔

ارمان نے ہی اس سے یہ کال کروائی تھی' لاؤڈ اسپیکر آن کرواکے لفظ بہ لفظ ان کی تمام تر گفتگو وہ سن چکا تھا۔ ٹیرس پر آکر وہ نیچے لان میں موجود سرسبز و شاداب پودوں کو دیکھ کر کچھ سوچ رہا تھا۔ اسے تزمین کا اپنے پاس آنے کا شدت سے انتظار تھا' وہ انتقام کی آگ میں بھڑک رہا تھا' اس آگ کے شعلے اس کو جلا کر خاکستر کیے جارہے تھے۔ وہ آخری اور اہم چال چلنے کے بہت قریب پہنچ چکا تھا۔ سرشاری سے اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا' مرینہ اب اس کے پاس آٹھہری تھی' اسے حصار میں لیتے وہ باتوں میں مشغول ہوگیا۔

❋......❋......❋

"تم نے ڈرائیور کو بھیج دیا ہے ناں؟" مرینہ نے اس سے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں زیادہ دیر تمہارے ہاں نہیں ٹھہر سکوں گی آج آنی کی طرف بھی جانا ہے پھر ممانی جان نے بھی وعدہ لیا تھا سب کو ہی راضی کرنا ہے۔" وہ ہلکا سا مسکرائی۔ ساتھ چلتے ہوئے وہ اسے بتانے لگی تھی۔ اتنے دنوں کا بوجھ سر سے اتر چکا تھا' تزمین خود کو بہت فریش محسوس کررہی تھی دونوں ایک ساتھ کالج سے باہر آئیں۔

"ڈرائیور تم جاؤ ابھی ہمیں کچھ دیر لگے گی۔ ہم کال کرکے تمہیں بلالیں گے نہیں بلکہ میں خود ہی تزمین کو گھر

چھوڑ دوں گی۔" تیزی سے آگے بڑھ کر اس نے ڈرائیور کو سختی سے جانے کو کہا۔ اس سے پہلے کہ تزمین اسے روکتی گاڑی جا چکی تھی' وہ حیرت سے کبھی دور جاتی گاڑی کو تو کبھی مرینہ کو دیکھتی جو اپنی فتح پر سرشار نظر آ رہی تھی۔

"میرے پاس صرف یہی حل تھا تمہارے لیے' اب چلو شاباش ہم لیٹ ہو رہے ہیں اور پتا ہے آج تمہارے لیے ایک زبردست سا سرپرائز منتظر ہے ایسا سرپرائز کہ تم دھک سے دیکھتی رہ جاؤ گی۔" گم صم کھڑی تزمین کو کھینچتی مرینہ گاڑی کی طرف لے جانے لگی۔ وہ اسے بولنے کا موقع بھی نہ دے رہی تھی' مرینہ نے اس کے لیے فرنٹ ڈور اوپن کیا۔

"پلیز میم بیٹھیں ناں۔"

"کیا ہو گیا ہے' تم کیسی حرکتیں کر رہی ہو آج؟" وہ خفا سی بولی تو مرینہ کھلکھلائی۔

"پکچر ابھی باقی ہے میرے یار...... تم چلو تو' ابھی سے حیران ہو گئیں کیا؟" اسے گاڑی میں بٹھانے کے بعد وہ دوسری طرف سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی اور میوزک پلیئر آن کر لیا۔

"مجھے مما سے پرمیشن لینی ہے اور انہیں بتانا ہے تمہارے ساتھ جا رہی ہوں۔" تزمین روہانسی ہوئی۔

"کم آن میں تمہاری دوست ہوں اور کچھ ہی گھنٹوں کی تو بات ہے۔ میں تمہیں گھر بھی ڈراپ کرا دوں گی اور آنٹی سے سوری بھی کر لوں گی ڈونٹ وری ایزی ہو کر بیٹھو۔"

"اچھا ذرا اپنا سیل تو دو میں مما کو میسج ہی کر دوں۔"

"بالکل بھی نہیں اب تم میرے ساتھ ہو' انجوائے کرو باقی سب بھول جاؤ۔"

نجانے کیوں خوامخواہ میں اس کا جی گھبرانے لگا' ایسے لگ رہا تھا کچھ ہونے والا تھا۔ پریشانی اس کے چہرے سے ہویدا ہونے لگی جسے دیکھ کر مرینہ نے مزہ لیا۔ ڈیش بورڈ پر رکھے سیل پر کال آنے لگی' دائیں ہاتھ سے سیل پکڑ کر مرینہ نے سیل کان سے لگا لیا۔

"ہاں بولو...... بس ہم تھوڑی دیر میں پہنچ رہے ہیں' او کے تم وہیں رکو۔ ہاں وہ بھی میرے ساتھ ہے۔" تزمین اسی کی طرف دیکھ رہی تھی' مرینہ نے بھی اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دی' تزمین کو بے چینی سی ہوئی۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر جناب......" وہ یک طرفہ گفتگو سن رہی تھی۔

"کس کی کال تھی؟" رابطہ منقطع ہونے کے بعد تزمین نے فوراً پوچھا۔ جس کا جواب دیئے بغیر اس نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی مما کے بارے میں سوچ کر وہ پریشان ہوئے جا رہی تھی۔

"ہم یہاں کیوں آئے ہیں مرینہ؟" ہوٹل کے سامنے آ کر وہ رک گئی۔

"تم آؤ تو سہی ایک تو سوال بہت کرتی ہو۔"

"مرینہ پلیز میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں مجھے گھر ڈراپ کر دو پھر کبھی آ جاؤں گی تمہارے ساتھ۔" وہ کانپتی آواز میں بولی۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ ہاں بولو' خاموشی سے میرے ساتھ چل نہیں سکتی۔ ایک تو ضدی بہت ہو تم۔" وہ ناراضگی سے بولی تو تزمین کو اس کا انداز بہت برا لگا۔

"میرے ساتھ نہیں چلنا تو دفع ہو جاؤ پھر......" وہ چیخی تو مجبوراً اسے قدم آگے بڑھانے پڑے' ہال کمرے سے گزر کر سیڑھیاں چڑھتے وہ اوپری منزل پر آ گئیں جہاں لمبی راہداری تھیں' جہاں اکا دکا لوگ ہی آتے دکھائی دے رہے تھے۔ نیچے تو پھر بھی گہما گہمی تھی' اس سے پہلے کہ تزمین اسے کچھ کہتی ارمان وہیں آ گیا۔ اس سے ہاتھ ملانے کے بعد مرینہ نے دونوں کا تعارف کروایا۔ ارمان بہت خوش اسلوبی سے اس کا حال چال پوچھنے لگا جو اسے انتہائی برا لگا مگر مرینہ کی وجہ سے اس نے سر ہلا کر جواب دیا۔

"تم لوگ آؤ ناں میرے ساتھ' ساری باتیں یہیں کھڑے ہو کر کرو گے کیا؟" مرینہ اس کے کہنے پر آگے بڑھی' ارمان نے مڑ کر سہم کر وہیں کھڑی تزمین کی طرف دیکھا۔

"آپ رک کیوں گئیں' پلیز آئیں ناں۔ ہماری کمپنی آپ کو یقیناً بہت پسند آئے گی۔" بلیو اینڈ اورنج کلر کے خوب صورت ڈریس میں وہ ارمان کو کافی اچھی لگی۔ سادگی کا پیکر' چہرے پر بچی معصومیت وہ اس کے دل کو بھا گئی تھی' وہ اس وقت شائستہ لب ولہجہ استعمال کررہا تھا۔

خود کو مرینہ کے بھروسے پر چھوڑ کر وہ ارمان کی ساتھ چلنے لگی جس کے لبوں سے مسکراہٹ جدا ہونے کا نام نہ لے رہی تھی۔ ارمان اسے روم میں لے آیا تھا۔

"پلیز آپ مرینہ کو بلادیں گے مجھے گھر جانا ہے۔" خطرے کی گھنٹی اس کے دماغ میں ہلچل مچارہی تھی۔ مرینہ اچانک سے نجانے کہاں غائب ہوگئی تھی۔

"آجاتی ہے وہ بھی آپ بیٹھیں تو سہی۔" ارمان خود سامنے رکھے صوفہ پر پھیل کر بیٹھ گیا مگر تزمین وہیں کھڑی رہی اس کے قدم جیسے زمین سے چپک کر رہ گئے تھے۔

"ارمان...... تم کبھی نہیں سدھرو گے' آنٹی ٹھیک ہی کہتی ہیں تمہیں' بالکل اپنے باپ پر گئے ہو۔" مرینہ کی بات سن کر اس کی ڈھٹائی عروج پر پہنچ گئی جو ابھی وہاں آئی تھی۔

"کیا کریں جناب...... دل والے ہیں خود تو محبت کرنے والوں کو جدا کرنے کا حوصلہ ہم میں بالکل نہیں۔" وہ اٹھ کر مرینہ کی پاس آ ٹھہرا' لہجہ بازاری تھا گہری نظریں مرینہ کے چہرے کا طواف کررہی تھیں۔

"ظالم سماج اگر آپ یہاں سے تشریف لے جائیں تو ہم اپنا کام کریں۔" آنکھ دباتے وہ کھنک دار آواز میں بولا۔

"اوکے میں جاتی ہوں مگر تم یاد رکھنا صرف تصویریں لینی ہیں' حد پار کرنے کی کوشش بھی مت کرنا سمجھے ورنہ میں ہمیشہ کے لیے تم سے اپنا تعلق ختم کرلوں گی۔" انگلی اٹھا کر ارمان کو وارن کرنے کے بعد وہ روم سے باہر نکلی تو اب تک خاموش کھڑی تزمین کو جیسے ہوش آیا' وہ اس کے پیچھے دوڑی ارمان فوراً اس کے سامنے آ گیا وہ فوراً پیچھے ہوئی نہیں تو ارمان سے اچھی خاصی ٹکر ہوجاتی۔

"ارے کہاں چلیں آپ؟ یہاں سے جانے کی اجازت ابھی نہیں ملی آپ کو۔" نفی میں سر ہلاتے وہ اس کی طرف بڑھا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ......؟" وہ چیخی۔

"بدتمیزی تو ابھی کی نہیں ہم نے اور آپ پہلے ہی شروع ہوگئیں۔" وہ کھلکھلایا۔

"ویسے اللہ نے آپ کو بڑی فرصت سے بنایا ہے' یہ بھولی بھالی صورت' قاتل نینا' ہرنی جیسی چال' یہ چاند سے مکھڑا اس پر سجا آپ کا تیکھا غصہ تو مزید دلکش بناتا ہے۔" مزید آگے بڑھ کر اس کے چہرے کو ہاتھ سے چھونا چاہا وہ کھسک کر پیچھے ہوئی وہ اپنی کوشش میں ناکام سا ہنس دیا۔

"دیکھو ڈرو نہیں' ایزی ہوکر بیٹھو فی الحال تو تمہارے ساتھ اپنی کچھ تصویریں لوں گا ایک آدھ وڈیو بھی' آخر کو تمہارے ڈیئر کزن کو جیلس بھی تو کرنا ہے کہ دیکھو جی اتنی خوب صورت لڑکی میرے پہلو میں ہے اس کے بعد آگے کا سوچیں گے۔" بظاہر ڈیسنٹ نظر آتے شخص کے منہ سے اتنی غلط بات سن کر وہ چکرا کر رہ گئی۔

"جسٹ شٹ اپ' تمہاری جرأت کیسے ہوئی اپنی گھٹیا زبان میرے بارے میں استعمال کرنے کی۔" وہ زور سے چلائی۔

"چلانے کی ضرورت نہیں ہے سمجھی؟ اچھی طرح جانتا ہوں تم جیسے الٹے دماغ والے لوگوں کو کیسے سیدھا کیا جاتا ہے۔ زیادہ اکڑنے کی ضرورت نہیں جو کہا جارہا ہے وہی کرو۔" ارمان نے سیل فون نکال کر فرنٹ کیمرہ آن کیا۔ تزمین نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپالیا۔ فرار کی تمام راہیں مسدود تھیں' ابھی وہ اس کے نزدیک آنا ہی چاہتا تھا کہ مرینہ زوردار آواز سے ڈور اوپن کرکے اندر آئی' اس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔

"ارمان فوراً نکلو یہاں سے' پولیس آ گئی ہے۔ کسی نے مخبری کردی ہے۔" وہ کانپتے ہاتھوں سے ارمان کو باہر کی طرف جانے کے لیے کھینچنے لگی' تزمین کی طرف ایک نظر تک اٹھا کر نہ دیکھا۔

"کس نے بلایا پولیس کو؟"
"مجھے نہیں معلوم تم بس چلو ابھی پکڑے گئے تو بدنامی ہوگی۔"
"مگر اس کا کیا کریں؟" وہ جاتے ہوئے پلٹا تو مرینہ کو تزمین کی وہاں موجودگی کا احساس ہوا' دماغ تو پولیس کا سن کر ہی ماؤف ہوچکا تھا۔
"مجھے نہیں پتا' بھاڑ میں جائے یہ تم بس اپنی خیر مناؤ......" دونوں ایک ساتھ دوڑ کر کمرے سے نکل گئے' اب تک حیران پریشان سی تزمین بھی پولیس کا نام سن کر کانپ سی گئی تھی۔
قسمت نے کس دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا اس نے تو کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا یہ صورت حال بھی درپیش آسکتی ہے۔ بہنوں کی طرح دوست' دشمن بن کر وار کرگئی تھی' کہاں اس سے کوئی غلطی ہوئی تھی جس کا بدلہ مرینہ نے اس طرح سے لیا تھا بہرحال اب بدنامی سے کسی صورت بچنا تو تھا' رہائی کی صورت کھلا دروازہ دیکھ کر وہ بلکتی باہر کو لپکی۔
"بھاگو جلدی کرو پولیس اوپر آرہی ہے۔" وہ کوئی ارمان کا ساتھی تھا شاید جسے اندر آتے ہوئے مرینہ نے ہیلو بھی بولا تھا۔
اپنے بچاؤ کے لیے اس نے بھی دائیں طرف پڑی سنسان راہداری کی طرف جائے پناہ پانے کے لیے کوشش کی۔ اس اوپری منزل پر کیا گل کھلائے جارہے تھے وہ اتنی بھی کم عقل نہ تھی کہ سمجھ نہ پاتی۔ کوئی نہ جانتا تھا بظاہر معزز نظر آتی ہستیوں کے پیچھے فریبی چہرے چھپے تھے جو دن کی روشنی میں بھی گناہ کی دلدل میں جان بوجھ کر پھنستے جارہے تھے۔
تزمین کی قسمت خرابی تھی' راہداری کے اختتام پر ایک دروازہ تو تھا مگر اس پر پڑا تالا تزمین کا منہ چڑا رہا تھا' وہ باہر جانے والے راستوں سے بھی بے خبر تھی پیچھے سے تیز ہوتی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ سائیڈ پر ایک چھوٹا سا اسٹور روم نظر آیا جو کھلا ہوا تھا' اللہ کا نام لیتی وہ اندر گھس گئی اور چٹخنی چڑھالی۔
اسٹور کاٹھ کباڑ سے بھرا ہوا تھا' تزمین نے چہرے پر آیا پسینہ صاف کیا اور کاندھے پر لٹکتے بیگ سے سیل فون نکالا اس کی کوتاہی کے باعث سیل آف ہوچکا تھا۔ رابطے کا دوسرا ساماں بھی موجود نہ تھا' وہ بار بار سیل آن کرنے لگی۔
"اُف یہ چارجنگ کو بھی آج ہی ختم ہونا تھا۔" بڑبڑاتی وہ بائیں ہاتھ سے بہتے آنسو صاف کرنے لگی جو اُمڈتے چلے آرہے تھے۔

❁......❁......❁

اس سے آگے کی تلخ ترین باتیں وہ یاد بھی نہ کرنا چاہتی تھی پچھلے واقعات اس کے ذہن کی اسکرین پر پردے پر آگے پیچھے چل رہے تھے۔ مرینہ جس سے اسے بہت انسیت تھی' اب اس سے بہت نفرت محسوس کررہی تھی۔ وہ ایک بار اس سے مل کر اپنا قصور جاننے کی خواہش مند تھی آخر اس نے اس قدر چیپ حرکت کیوں کی۔ وہ جب سے گھر آئی تھی مما بھی ٹھیک سے بات نہیں کررہی تھیں' انہوں نے اس سے کہا تھا۔
"تزمین...... تم تو میرا غرور تھیں' بہت شرمندہ کرکے رکھ دیا۔ میں تو ہر وقت دعائیں مانگتی تھی اللہ تم جیسی اولاد ہر کسی کو دے مگر کیا' کیا تم نے؟ اولاد چاہے جیسی بھی ہو ماں کا دل بھی پتھر نہیں ہوسکتا۔ طبیعت کچھ سنبھل جائے تو شازب آئے گا اسے ہر بات سچ سچ بتا دینا۔" وہ خود سے بھی اب تنگ آگئی تھی' دوسروں کی نظروں میں گر کر جینا اسے منظور نہ تھا بھڑاس نکالنے کا واحد حل آنسو تھے جو بس بہتے رہے۔

❁......❁......❁

انیق گھر آیا ہوا تھا' آج گھر کے چاروں فرد ایک ساتھ کھانے کی ٹیبل پر موجود تھے۔
"آج تو لنچ پر کافی اہتمام کر رکھا ہے تمہاری ماں نے انیق...... یہ سب خاص تمہارے لیے ہے بیٹا۔" اپنی زوجہ محترمہ کو شرارت سے دیکھتے وہ لاڈلے بیٹے سے مخاطب ہوئے جو اُن کی شرارتوں سے محظوظ ہورہا تھا' باپ کی بات

سن کر وہ ہنس دیا۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں پاپا...... مما خاص آپ کے لیے بھی تو ہر کھانے میں اہتمام کرتی ہیں۔"

"ہاں بھئی ہمیشہ اپنی ماں کی ہی طرف داری کرنا" سن رہی ہو تزمین بیٹا نالائق کی باتیں۔" انیق کے بعد اب ان کا مخاطب تزمین تھی، جو مسکراتے ہوئے ان کی بات انجوائے کررہی تھی۔ آج بہت دنوں بعد گھر میں جیسے چہل پہل سی تھی انیق کو باپ کو تنگ کرنے موقع مل گیا اب وہ ماں کے پکے رنگ برنگے کھانوں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملنے لگا۔

"میری پری کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں اب؟" بہروز صاحب نے تزمین کی پلیٹ میں رکھے تھوڑے سے چاول دیکھے جو وہ کھا کم اور ان میں چمچ زیادہ چلا رہی تھی۔

"جی پاپا...... ٹھیک ہوں، بس دل نہیں چاہ رہا کھانے کو۔" ان کا مطلب وہ سمجھ چکی تھی، مکمل جواب دیا۔

"کچھ اور کھانے کا موڈ ہے ہماری بیٹی کا تو حکم کرے۔" وہ لاڈ سے بولے تو انیق کو مصنوعی کھانسی کا دورا پڑا جسے بہروز صاحب نے صاف نظر انداز کیا۔

"اٹس او کے پاپا...... یہ بھی میری پسند کا کھانا ہے بس بھوک نہیں تھی تو ایسے ہی آپ لوگوں کا ساتھ دینے کے لیے آ بیٹھی۔" چہرے پر ہلکی مسکان سجی تھی۔

"بیٹا جی اپنا خیال رکھا کرو دیکھو تو کتنی سی صورت نکل آئی ہے۔ ایسے تو بیمار پڑ جاؤ گی۔" اب پاپا مزید اسے لیکچر دے رہے تھے ان کی اس محبت بھری ڈانٹ وہ سر جھکا کر سنے جارہی تھی۔

❁......❁......❁

مرینہ کے مکروہ روپ سے متعلق وہ مما کو آگاہ کرچکی تھی۔ نیلم کو افسوس ہوا وہ ناحق بٹی سے متنفر رہیں۔ شازب کو بھی ساری بات معلوم ہوچکی تھی وہ آج کل بہت مصروف تھا۔ فضیل کے ساتھ مل کر وہ ارمان سے متعلق ثبوت اکٹھے کررہا تھا کیونکہ آئی جی صاحب نے جو فائل اسے دی تھی اس میں ارمان اور اشفاق گردیزی کا نام بھی شامل تھا۔ اب وہ موقع کی تلاش میں تھا تمام تر ثبوتوں اور گواہوں کی موجودگی میں ان کے گروہ کو گرفتار کیا جاسکے۔ ارمان کے دوست افق نے ان کو بہت ہیلپ کی جو اب راہ راست پر آچکا تھا۔

"جب تک حوصلہ اور لگن آپ کے ساتھ ہوگا تب تک ہر کام خوش اسلوبی اور آسانی سے پایہ تکمیل تک پہنچ جائے گا۔" شازب اپنے پیشے سے مخلص تھا تبھی مشکلات کے باوجود اس کا ہر کام آسانی سے ہورہا تھا۔

❁......❁......❁

"ایم سوری...... " وہ آہستگی سے بولا۔

"سوری کس لیے؟" بے رخی ہنوز برقرار تھی۔

"میں نے تمہیں بہت ڈانٹا تھا، تم جانتی ہو مجھے غصہ کبھی کبھار ہی آتا ہے مگر جب آتا ہے تو مشکل سے ہی جاتا ہے پھر...... وہاں جس طرح تمہیں دیکھا غصہ آنا تو لازم تھا تمہاری وہاں موجودگی مجھے گھائل کرگئی تھی۔" شازب مزید بولا تو اس نے لب بھینچ لیے۔

"تزمین...... عزت اس کانچ کی مانند ہوتی ہے جو ایک بار ٹوٹ جائے تو پھر کبھی نہیں جڑ سکتا۔ تم بہت معصوم ہو، دنیا کے فریب سے بھی ناواقف...... میں جس پوسٹ پر ہوں وہاں کئی طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے چہرے دیکھ کر پہچان لیتا ہوں۔ میں کئی دن تک ڈسٹرب رہا تمہاری وجہ سے، تمہاری وہاں موجودگی نے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں مفلوج کردی تھیں تبھی تو بغیر سوچے سمجھے تم پر ہاتھ اٹھایا۔ تمہیں بری طرح ڈانٹا، معذرت خواہ ہوں تم سے۔" اس کے لفظوں سے بھی شرمندگی ظاہر تھی۔

"مجھے زندگی نے بہت بڑا سبق سکھایا ہے شازب...... ہر شخص اعتبار کے قابل نہیں ہوتا، ہم لڑکیاں بہت نادان ہوتی ہیں جو بہت جلد بغیر سوچے اور پرکھے اعتبار کرجاتی ہیں۔ ہمیں سامنے والے کی عیاری اور مکاری تک نظر نہیں آتی، انسان خطا کا پتلا ہے جانتے بوجھتے وہ کر جاتا ہے جو بہت اذیت ناک اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ مرینہ کے بارے میں دوسری لڑکیاں باتیں کرتی تھیں

میں اگنور کرتی رہی سب کچھ نظر انداز کر کے اپنی دوستی کو دیکھتی رہی کتنی بے وقوف تھی میں......" آواز بھرا سی گئی وہ بات بھی مکمل نہ کرسکی۔ شازب کو اس کا اس طرح سے رونا بے چین کر گیا۔

"پلیز تزمین...... اپنے آنسو صاف کرلو تمہارے رونے سے بہت تکلیف ہورہی ہے مجھے۔ تمہارے ان آنسوؤں کا مداوا نہیں کرسکتا مگر پھر بھی سوری...... ہوسکے تو مجھے معاف کردینا۔" شازب کا بس نہ چل رہا تھا کہ اس لڑکی کے چہرے پر پھول کھلادے جو صرف ہنستی ہوئی شرارتیں کرتی ہوئی اچھی لگتی تھی۔ ساری زندگی وہ ایک کھلی کتاب کی طرح اس کے سامنے رہی مگر جذباتیت میں آکر وہ اس کے دل کو ٹھیس پہنچا گیا تھا۔

"سوری مت بولیں پلیز...... پہلے ہی کافی شرمندہ ہوں میں۔ اپنی نادانی میں بہت کچھ غلط کرچکی ہوں شکر گزار ہوں میرے اللہ نے مجھے بچالیا۔ آپ تو میرے لیے فرشتہ ثابت ہوئے جو اس کڑے وقت میں مجھے بچایا ہر مشکل میں ہمیشہ ساتھ رہے۔" خود کو سنبھالنے کے بعد وہ گویا ہوئی تو شازب نے خود کو ہلکا پھلکا محسوس کیا۔

"اٹس او کے...... بس آئندہ خیال رکھنا۔ کسی پر جلدی اعتبار مت کرنا انجان لوگوں سے دوستی تو بالکل نہیں کرنی۔ ضرورت کے تحت اگر کہیں جانا بھی ہو تو ہمیشہ پھوپو کے ساتھ ہی جانا۔" وہ بڑوں کی طرح اسے سمجھا رہا تھا تزمین نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں اپنی طرف سے مکمل کوشش کروں گی اب کبھی شکایت کا موقع نہ دوں مگر شازب میں جاننا چاہتی ہوں مرینہ نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟"

"بھاڑ میں جائے وہ اسے تو میں اچھی طرح دیکھ لوں گا وہ ہوتی کون ہے تمہیں ٹریپ کرنے والی۔" کہنے کو تو وہ تزمین سے کہہ آیا تھا مگر وہ خود بھی جاننا چاہتا تھا آخر ایسا ہوا کیوں؟ یقیناً یہ ارمان اور مرینہ کی ملی جلی بھگت تھی ابھی صرف اسے شک تھا مگر بہت جلد اس کا یہ شک یقین میں بدلنے والا تھا اسے مکمل یقین تھا۔

❁ ❁ ❁

اشفاق گردیزی کا تعلق ایک پسماندہ گاؤں سے تھا وہ بچپن سے ہی نہایت ضدی اور خودسر تھے۔ ان کے والد صاحب نہایت شریف اور ایمان دار شخص تھے اپنی اولاد کو ہمیشہ حق کی راہ پر چلنے کی تلقین کرتے۔ اشفاق ان کی تیسری اولاد تھے شروع سے ہی چھوٹی موٹی چوریاں لوگوں کو بخواہ مخواہ تنگ کرنا ان کا مشغلہ تھا پہلے تو صرف تفریح کے لیے کیا جاتا یہ سب بعد ازاں جب گھر کے حالت کچھ خراب ہوئے تو سرعام غلط کام کرنے شروع کردیئے۔ والد کے سمجھانے کے باوجود اپنی کوئی بری عادت ترک نہ کی بری صحبت نے ان کو کہیں کا نہ چھوڑا۔

بیس سال کی عمر میں یار دوستوں کے کہنے پر والدین کا گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔ گاؤں سے شہر تک کا سفر کرنے کے بعد تو جیسے زندگی ہی بدل گئی۔ شہر میں ایک دوست کی معرفت سے ڈرائیور کی نوکری ملی اس کے مالک نہایت امیر کبیر شخص تھے دل کے مریض تھے طبیعت آئے روز خراب رہنے کی وجہ سے وہ اپنی اکلوتی لاڈلی بیٹی کو کسی ایمان دار شخص کے حوالے کرنا چاہتے تھے۔ اشفاق ان کے لیے بہت قابل اعتبار تھا انہوں نے اسے ہی داماد بنانے کی ٹھانی ان کی زوجہ حیات نہ تھیں۔

اشفاق سے اپنی بیٹی کے نکاح کے بعد انہوں نے اپنی تمام تر جائیداد دونوں کے نام کردی۔ اشفاق کو یہاں کوئی نہ جانتا تھا اور یہ بات اس کے لیے مزید فائدے کا باعث بنی تھی۔ اپنی سسر کی وفات کے بعد وہ اپنی تمام جائیداد بیچ کر ملک سے باہر چلے گئے۔ کافی سال کے بعد جب وہ دوبارہ پاکستان آئے تو ایک بدلی ہوئی شخصیت کے طور پر تھے نئے سرے سے کاروبار شروع کیا قسمت ساتھ تھی۔ ہر طرف سے فائدہ ہی فائدہ ہوا۔

ارمان ان کی ایک ہی اولاد تھا انہوں نے پیچھے مڑ کر کبھی نہ دیکھا جہاں بوڑھے ماں باپ اس کے واپس آنے کا انتظار کرتے کرتے ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے دور چلے گئے۔ اتنا سب کچھ ملنے کے باوجود بھی ان کی حرص ختم نہ

ہوئی۔ ان کی بیوی پر ان کا اصل روپ بہت عرصے بعد کھلا تب تک ارمان بھی ان کے پاس آچکا تھا وہ صرف دل مسوس کررہ گئیں اب صبر کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

برائی کا انجام بہت ہی برا ہوتا ہے تمام ثبوت اکٹھے ہوچکے تھے۔ دونوں باپ بیٹے پر بھی جرم عائد ہوچکے تھے اب پچھتاوے کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

❀.........❀.........❀

"خوش آمدید جناب...... بتائیے کیا خدمت کرسکتے ہیں ہم آپ کی۔" ارمان کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی تھی دو سپاہی اسے شازب کے کہنے پر اس کے آفس لے آئے تھے۔

"تم جانتے نہیں ہو میرے باپ کو آج ہی ضمانت کروائیں گے میری اور تم دیکھتے رہ جاؤ گے۔ پہلی ملاقات یاد نہیں کیا تمہیں مسٹر شازب۔" اکڑی گردن سے وہ طنزیہ لہجے میں بولا تو شازب نے سر ہلا کر اسے داد بھری نظروں سے دیکھا۔

"جانتا تو میں بہت اچھی طرح ہوں تمہیں بھی اور تمہارے باپ کو بھی۔ وہ کیا ہے ناں کہ اس بار تو تمہارا باپ بھی کچھ نہیں کرسکے گا۔ اچھی طرح بندوبست کیا ہے تمہارے ساتھ ساتھ تمہارے باپ کا بھی۔" شازب نے اس کی تھوڑی کو سختی سے پکڑ کر اس کا چہرہ دائیں بائیں زور سے گھمایا۔ بیٹھ کر خوش اسلوبی سے بات کرتے ہیں اور پلیز اپنے ان ساتھیوں کو بھی باہر بھیج دو ہم دونوں کے مذاکرات میں کسی تیسرے کی موجودگی ٹھیک نہیں۔

ارمان خباثت سے آنکھ دبا کر کہتا آگے بڑھ کر چیئر پر بیٹھ گیا۔ شازب نے سپاہیوں کو باہر جانے کا کہا اور آکر اپنی چیئر پر بیٹھ گیا وہ دیکھنا چاہتا تھا ارمان آخر کس حد تک گر سکتا ہے۔

"جی تو فرمائیں کیا کہنا ہے؟" شازب نے بھنویں اچکا کر پوچھا اور اپنی اسٹک کو انگلیوں کی مدد سے گھمایا۔

"زیادہ ہوشیاری دکھانے کی ضرورت نہیں...... آرام سے بیٹھ کر بات کرو۔" ارمان اٹھنے لگا تو شازب نے سختی سے کہا۔

"ہاں تو کیا ثبوت ہیں تمہارے پاس مسٹر شازب...... جو مجھے مجرم ظاہر کریں۔"

"اتنی بھی کیا جلدی ہے پیارے عدالت چلو گے تو سب کچھ ہی معلوم ہوجائے گا۔"

"پھر بھی آخر مجھے بھی تو کچھ خبر ہو۔" ڈھیٹ بن کی انتہا ہوئی تھی شازب ہولے سے ہنس دیا۔

"تم لوگوں کے تمام کام دھندوں کی خبر ہے مجھے کون کون سے بتاؤں؟ اپنے چند دوستوں کے ساتھ مل کر ہوٹل کو عیاشی کا اڈہ بنانے کا یا پھر اس لڑکی کے قتل کا جسے تم لوگوں نے اغواء کیا تھا بعد میں اس کی موت کو خودکشی کے زمرے میں لاکھڑا کیا۔ لوگوں کو ڈرانا دھمکانا انہیں ٹارچر کرکے اپنے مطلب نکلوانا۔ غیر قانونی انداز سے پلاٹ ہتھیانا بس یہی کافی ہیں یا تمہارے باپ کے بارے میں بھی بتاؤں۔"

"تمہارے پاس کیا ثبوت ہے میں ان کاموں میں ملوث رہا ہوں؟" ماتھے پر ابھرتے پسینے کے قطرے صاف کرتے اس کی تکرار پھر وہاں آرکی تھی۔

"تمہارا جگری دوست افق اور تمہاری فیانسی مرینہ......"

"کک...... ک...... کیا مطلب؟"

"مطلب تو واضح ہے پیارے دونوں تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔ افق اور رمیز دونوں لاک اپ میں بند ہیں۔ مرینہ کو بھی اسی شرط پر فی الحال چھوڑا گیا وہ تمہارے خلاف ثبوت بھی فراہم کرچکی اور گواہی بھی دے گی۔"

"اور تزمین گواہی نہیں دے گی کیا؟ اسے تو تم اچھی طرح جانتے ہی ہوگے۔ تمہاری پیاری کزن یعنی میری گرل فرینڈ وہ بھی تو ہوٹل میں میرے......"

"شٹ اپ...... جسٹ شٹ اپ...... اپنی اس گندی زبان سے ایک لفظ بھی مزید نکالا تو تمہارا حشر بگاڑ دوں گا۔" شازب نے اسٹک کو میز پر زور سے مارا۔

"اس میں ہائپر ہونے کی ضرورت نہیں یقین نہیں

آرہا تو اپنی ڈیئر کزن سے پوچھ لو۔ میری تو اس کے ساتھ تصویریں بھی ہیں مرینہ نے بھی نہیں بتایا حیرت ہے ویسے۔" ارمان اب جھوٹ پر اتر آیا تھا' اس کے ذہن میں کوندا سا لپکا تھا شاید اس طرح وہ شازب کو بلیک میل کرسکے۔

"لے جاؤ اسے اتنا مزہ چکھاؤ کہ اپنے سب جرم مان لے اب اسے قانون سے کوئی نہیں بچاسکتا۔" مٹھیاں بھینچے اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا' ارمان کی گھٹیا بکواس پر اس کی آنکھیں لہو رنگ ہورہی تھیں۔ مرینہ ہر بات اس کے علم میں لاچکی تھی' کس طرح تزمین کے ذریعے وہ شازب سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ شازب نے جگ سے پانی انڈیل کر ایک ہی سانس میں گلاس خالی کردیا۔

"ہاں فیصل...... میرے آفس میں آؤ۔" وہ سیل ابھی ٹیبل پر رکھنے ہی لگا تھا کہ تزمین کی کال آنے لگی۔ وہ کال ڈسکنیکٹ کرنے ہی لگا تھا مگر پھر کچھ سوچتے ہوئے پک کرلی۔

"شازب...... آپ بزی تو نہیں تھے؟" سلام کے فوراً بعد پوچھا گیا تب تک فیصل بھی وہاں آچکا تھا۔

"میں میٹنگ میں ہوں فری ہوکر کال بیک کرتا ہوں۔" دوسری طرف سے کچھ سنے بغیر اس نے سیل سائلنٹ پر لگا کر رکھ دیا پھر ارمان سے ہونے والی بدمزگی کے بارے میں فیصل کو بتانے لگا۔

❁......❁......❁

"تزمین...... سیل کیوں آف رہتا ہے تمہارا؟ انیق کہہ رہا تھا اس نے جب بھی تم سے بات کرنا چاہی آگے سے سیل آف ملتا۔"

"پھر آپ نے کیا کہا؟" میگزین کھولے وہ مصروف بیٹھی تھی۔

"میں نے کیا کہنا تھا بھلا یہی کہہ دیا تمہاری بہن کا دماغ خراب ہے جو سیل چارجنگ پر لگانا بھول جاتی ہے پھر اس نے کہا میں تمہیں اس کا مسیج دے دوں' سیل اٹھا کر دیوار پر دے مارے جب استعمال نہیں کرنا تو رکھنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔"

"اوکے کوئی اور حکم۔" وہ ابھی بھی میگزین پر جھکی ہوئی تھی۔

"تم کبھی نہیں سدھرو گی تزمین...... اگلے گھر جاکر بھی یہی حال رہا تو پھر کوستی رہنا خود کو۔" مما خفا ہوئی تو اس نے میگزین بند کرکے صوفے پر رکھ دیا اور اٹھ کر جانے لگی۔

"اب کہاں جارہی ہو؟"

"میری پیاری ماں...... سیل چارجنگ پر لگانے جارہی ہوں تو پھر آپ کے نالائق بیٹے کی شکایتیں ختم ہونے کا نام نہیں لیں گی۔" جیسے ہی اس نے سیل آن کیا مرینہ کے لاتعداد میسجز آئے ہوئے تھے۔ جو پڑھے بغیر اس نے ڈیلیٹ کردیے وہ جانتی تھی اس بار بھی بار بار اس سے ملنے کی ریکوئسٹ کی گئی ہوگی۔ تزمین کو اب اس کی شکل تک دیکھنا گوارہ نہ تھا۔ مما کو تو اس نے ٹال دیا تھا' اب وہ اپنی وجہ سے کسی کو بھی پریشانی میں مبتلا نہ کرنا چاہتی تھی۔ شازب سے بھی وہ اسی سلسلے میں بات کرنا چاہتی تھی۔

❁......❁......❁

شازب نے اس سے ریکوئسٹ کی' وہ ایک بار مرینہ سے بات کرے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے بات کرنی پڑی' مرینہ نعمان سے روتے ہوئے اس سے معافی مانگی اور بتانے لگی کہ کس طرح وہ ارمان کی باتوں میں آگئی تھی۔ مرینہ اب ہر طرح کی مدد کے لیے تیار تھی اس نے مزید یہ بھی کہا کہ اگر تزمین چاہے تو شازب کبھی اسے گرفتار نہیں کرے گا وہ بار بار معافی مانگ رہی تھی۔

"میں نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا مرینہ نعمان...... میں نے تمہیں معاف کیا اس دوستی کی خاطر جو دو سال تک ہمارے درمیان رہی۔ تم نے بہت اذیت دی ہے مجھے' اب کبھی بھی مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش مت کرنا۔" تزمین کی اعلیٰ ظرفی نے اسے گہرے پاتال میں ڈال دیا تھا۔ پچھتاوے کی آگ میں جھلنے کے لیے' ایک برے شخص کی بدولت اسے مخلص اور محبت کرنے والی دوست ملی تھی جسے اس نے اپنی ہی کوتاہی سے گنوادیا تھا۔

کہنے والے سچ کہتے ہیں انسان بہت ناشکرا ہے جب کچھ پیارے رشتے اس کے پاس ہوں تو اسے پروا نہیں اور جب وہ رشتے کھو جائیں یا دور کردیے جائیں تب ہی قدر محسوس ہوتی ہے۔

''نادانی کے باعث ہونے والی غلطی کی تلافی بھی بہت مشکل سے ہوتی ہے۔'' دوستی جیسے پیارے رشتے کو اس نے غرض کے لیے استعمال کرکے دکھا دیا تھا کہ ہر دوست مخلص نہیں ہوتا' کچھ میں بھیانک چہرے بھی چھپے ہوتے ہیں جو پیٹھ پیچھے وار کر جاتے ہیں۔

❁......❁......❁

''تزمین خوش ہو نا اس رشتے سے؟'' عمارہ آپی اس کی ہیلپ کے لیے کچن میں آ گئی تھیں' باتوں ہی باتوں میں اچانک انہوں نے پوچھا۔

''آپی...... فی الحال کچھ سمجھ نہیں آرہا' اس نئے قائم ہونے والے رشتے پر تھوڑی کنفیوژ ہوں اس طرح سے کبھی نہ سوچا تھا اب اچانک سے......'' وہ جھجک کر آپی کو جواب دینے لگی تو وہ ہنس دیں۔

''میرا بھائی بہت پیارے دل کا مالک ہے لڑکی...... اور میں یقین سے کہہ سکتی ہوں وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔''

''مجھے پولیس والے بالکل بھی پسند نہیں' بہت سخت دل کے ہوتے ہیں۔''

''تو کیا تمہیں ڈاکو پسند ہیں؟'' تزمین کے بسورتے ہوئے ناک چڑھا کر کہنے پر شازب فوراً بولا تو وہ کھسیا کر رہ گئی' اس کی وہاں موجودگی کی توقع اسے بالکل نہیں تھی۔ آپی اس کے گڑبڑانے پر ہنس دی تھیں۔

سب لاؤنج میں بیٹھے تھے جو کچن سے قریب ہی تھا۔ شازب ضروری کال سننے کے لیے باہر آیا تھا' پیاس محسوس ہوئی تو کچن میں آ گیا جہاں تزمین کی باتوں سے بھی فیض یاب ہو گیا۔

''آپ نے ممانی جان کو منع کیوں نہیں کیا؟'' وہ روہانسی ہو کر اس کے سامنے کھڑی مخاطب تھی۔

''کس لیے منع کرتا؟'' آنکھوں میں بھرپور شرارت رقصاں تھی اس نے انجان بن کر پوچھا تو جواباً تزمین نے دایاں ہاتھ آگے کرکے انگوٹھی کی طرف اشارہ کیا جو کچھ دیر پہلے ممانی جان سے محبت سے سب کی موجودگی میں اسے پہنائی تھی۔

''میں نے منع کیا تھا انہیں جب انگوٹھی میرے نام کی ہے تو پہنانے بھی مجھے ہی دیں مگر نہ جی......'' شازب اُمڈتی مسکراہٹ کو روکنے میں ناکام ہوا جا رہا تھا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا شازب...... اس طرح اچانک سے یہ منگنی...... میں نے آپ کے بارے میں کبھی اس طرح سے نہیں سوچا' پلیز سمجھنے کی کوشش کریں۔'' وہ رونی صورت بنا کر بولی تو وہ کھلے دل سے ہنس دیا۔

''نہیں سوچا تو اب سوچ لو' آئی ڈونٹ کیئر میں تمہیں پسند ہوں یا نہیں پر تم مجھے اچھی لگتی ہو۔ میری اجازت سے ہی یہ سب ہوا ہے۔ میں نے سوچا اس پاگل سی ضدی لڑکی کو زیست کا عنوان سمجھنے کے لیے کسی اپنی کی بہت ضرورت ہے اور مجھ سے بڑھ کر بھلا کون اپنا ہو سکتا ہے۔'' بے فکرے پن سے کہتا وہ لاؤنج میں چلا گیا جبکہ تزمین حیرت سے وہیں قدم جمائے کھڑی رہی۔

شازب کے کچھ دیر پہلے کے الفاظ اس کے ذہن میں گردش کرنے لگے پھر بڑی پیاری سی مسکان نے اس کے لبوں کا احاطہ کرلیا۔ دل کو ایک دم سکون ملا تھا' چاہت کا احساس بہت دلکش تھا' سجدہ شکر اب اس پر واجب تھا۔

شازب کے سنگ زندگی بڑی اچھی گزرنی تھی۔ اسی سوچ کے ساتھ وہ بھی سب کے ساتھ آ بیٹھی جہاں اپنوں کے جگمگاتے چہرے دیکھ کر وہ پرسکون ہو گئی' نظریں بے ساختہ مما کی جانب گئیں جو چمکتی آنکھوں اور مسکراتے چہرے کے ساتھ اسے ہی دیکھ رہی تھیں' شرماتے ہوئے تزمین نے سر جھکا لیا تھا۔

❁

خوابوں کی لگن

راؤ سمیرا ایاز

ہم خوابوں کے بیوپاری تھے
پر اس میں ہوا نقصان بڑا
کچھ بخت میں ڈھیروں کالک تھا
کچھ اب کے غضب کا کال پڑا
ہم راکھ لیے ہیں جھولی میں
اور سر پر ساہوکار کھڑا
جب بستی صحرا صحرا تھی
جب ہاتھ کی ریکھائیں چپ تھیں
اور سُر سنگیت میں کھوئے تھے
تب ہم نے جیون کھیتی میں کچھ خواب انوکھے بوئے تھے
جب فصل کٹی تو کیا دیکھا کچھ درد کے ٹوٹے گجرے تھے
کچھ زخمی خواب تھے آنکھوں میں، کچھ خاکستر سے گجرے تھے

پچھلے برآمدے میں خاموشی کا راج تھا...... کچھ کہر تھی اور کچھ یاس بھری دھند...... اور وہ...... جو ٹھنڈی یخ سیڑھیوں پر بیٹھی بے حد خالی احساس کے ساتھ ڈائری کے کھلے صفحوں میں اپنے لفظوں کو دوبارہ دیکھ رہی تھی۔

ابن انشاء کے ان لفظوں کی سحر انگیزی نے جیسے اس کے دل کے تمام نہاں خانوں میں جھانک لیا تھا۔

”خوابوں کی دنیا۔“ وہ آسمان کو دیکھ رہا تھا جہاں کچھ سنہری اور کچھ نارنجی سی شعاعوں کا راج تھا۔

ایسے ہی رنگوں کی دنیا جیسی ہوتی ہے، پُر لطف، کیف آگیں، خمار بھری مگر میری دنیا اس سے قطعاً مختلف، ایک آس، ایک امید، ایک مایوسی بھری آہٹ سے مزین۔ کیونکہ وہ کسی کے دل تک رسائی نہ کرسکی تھی۔ اس کے لیے تو چاہ کے حاصل ہونے کی امید ابتداء ہی ختم شد جو تھی۔

”تمہیں دیکھ کر بھی دل تم تک آنے کو نہیں چاہتا، کوئی بات، کوئی خواہش کچھ بھی تو نہیں۔“ سرد منجمد سی یہ آواز اس کے بخت کی سیاہ نصیبی بہت اچھے طریقے سے اسے باور کرا دیتی اور وہ خاموشی سے جا کر آئینہ سے سوال کرتی اور خود کو اتنے غور سے دیکھتی کہ آئینے کو بھی اپنی جوابدہی سے ہی نظریں چرانی پڑتیں۔

”میں ہی تو ہوں...... جیسے پہلے تھی کہیں کوئی کمی نہیں زیادتی نہیں۔ شاید رضا کو متوازن شخصیت پسند نہیں اور میں ان کی پسندیدہ نہیں۔“

کیسے اسے بے جان چیزوں کے احساسات کا بھی معلوم ہوجاتا ہے...... آئینہ اپنی جوابدہی سے بچا لیے جانے پر حیران ہوتا...... اور وہ گھر کے ہی کسی حصے میں اپنی مصروفیت کا سامان کرتی کہ پھر اور کہاں جاتی۔

یتیمی کا کیبل یا یتیم خانہ پرست۔ اجتماعی شادی میں اس کا فرض پورا کردینا کس کے سر سے بوجھ اترا اور کسی کے سر پر بوجھ آ گرا۔

”بہت کوشش بھی کرلوں تب بھی تمہارا ساتھ اتنی رغبت نہیں رکھتا کہ اپنی خوشی سے ہی کوئی چیز تمہارے لیے لے آؤں۔“ اور وہ خشک جذبات رکھنے والے کا بے تاثر چہرہ دیکھتی رہ جاتی اور پھر ان رویوں کو دیکھتی جو وہ اسے دے رہا ہوتا۔

”یہ رکھو تم بازار جا کر جو دل چاہے لے آنا۔“ ضروریات زندگی، احساسات و جذبات کی زندگی کو مات دے دیتی اور جب ڈھیر لگتا ضروریات زندگی کا تو کہیں نہ کہیں یہ خیال بھی آجاتا کہ زندگی کون سا پہلے اتنی سہل تھی وہ ایک جم غفیر خاندان سے آئی تھی جو مختلف فطرت و ذہنی انداز کے لوگوں کی دنیا تھی، وہ جو نہ جنت تھی نہ دوزخ۔ ان دونوں کے بیچ کا وہ خلا جس کا پُر ہونا ناممکن۔ جہاں نہ تعلیم حاصل کرنا آسان تھا نہ ہی ہنر مند ہونا۔ پھر کس چیز کا غرور اور کس بات کی اہانت۔ وہ نہیں روتی تھی مگر آسمان روتا تھا۔ ایسے میں زمین جب اس کے آنسو خشک کررہی ہوتی تھی تو وہ اس کے فراغ سینے کی کشادگی کو فرصت سے دیکھا کرتی۔

”میں بھی شاید ایسی ہی کسی زمین کا ٹکڑا ہوں جس کی مٹی احساسات میں بے اثر ہے مگر ہر فطری جولانیوں کو خود میں جذب کرلینے کا حوصلہ کرلیتی ہے۔“ اور اس کی ذات کے اندر اٹھتی یہ سرگوشی تقدیر نے بہت دل لگا کر سنی تھی اور ایک نئے موڑ

کے سنگ اس کے سامنے آ ٹھہری۔

"یہ کون شخص تھا...... جو پور پور زخموں سے چور تھا۔" وہ دکھ بھری حیرت سے اسے دیکھتی جارہی تھی جس کا جسم سفید پٹیوں نے جکڑ کر اسے بے بس کردیا تھا۔ ایک بہت اچھی اور بہترین کمپنی میں جاب تھی اس کی مگر وہی بہترین کمپنی ایک ذراسی غفلت سے آگ میں لپٹی تو وہ آگ سے تو جان بچا گیا مگر پہلی منزل کی کھڑکی سے لگائی گئی چھلانگ نے اس کے وجود کا کوئی حصہ زخم آلود ہونے سے نہ چھوڑا۔ سو محتاج ہوا اس کا اور اس نے اس کی خدمت دل و جان سے کی۔ اس خوف کے عوض جو اسے اس طرح دیکھ کر ہوا جذبات واحساسات سے مبرا اس شخص کا وجود اس کے اکیلے سانس لیتے وجود کا ساتھی تھا ایک ساتھ تھا ان کا...... جس نے تنہائی کے عفریت سے بچایا ہوا تھا اور یہ ساتھ ہونا...... زندہ ہونے سے بھی زیادہ ضروری تھا۔

علاج و پیسے کی فکر کمپنی کے حساب میں آن ٹھہری اور اس کی جان وصحت کی فکر عزہ کے سر۔ جس میں اس نے کوئی کوتاہی نہیں برتی اور انہی دنوں اسے ایسا لگا کہ خوشگوار لمحوں کا وجود قریب ہے...... بے حس و خشک چہرے کی نرمی نے اسے ایک امید دے دی تھی۔

"تم بھی تھوڑا آرام کرلیا کرو...... میری فکر نے تمہاری نیند کو بھی بھگا دیا ہے۔" اس کے لہجے کی نرمی ایک آس جلاگئی اس کے دل میں۔

اور پورے دل سے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اس کے ہاتھوں اور پاؤں کی فزیوتھراپی کرتی۔

"تم تھک کر بیمار ہوجاؤ گی ایک دو دن کے بعد بھی یہ تھراپی ہوسکتی ہے۔" اور یہ جملہ تھا یا گدگداتا احساس وہ نرمی سے نفی میں سر ہلاتی مسکرادیتی۔

"آپ کی صحت ہر بات سے زیادہ ضروری ہے۔ جس میں مجھے اپنی ذات سے بھی کمپرومائز کرنا پڑے تو مجھے منظور ہے۔" بہت حق سے ان آنکھوں کی نرمی دیکھتے وہ اسے کہتی جو اس کا آسمان تھا اس کا سائبان...... مگر جیسے ریت کے ذرے ہاتھوں سے پھسل جاتے ہیں وقت کی رمز کو بھی کبھی کبھی انہی ریت کے ذروں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو بالکل صحیح ہوتا ہے۔

وہ لڑکھڑا کر ہی سہی چلنے پھرنے لگا...... اور عزہ کو لگا جیسے زندگی روشن ہوگئی ہو اور ایک نا ختم ہونے والی مصروفیت میں ٹھہراؤ آنے لگا۔ خشک پتوں کے موسم میں نرم جذبوں کی پھوار سی ہونے لگی تھی کہ بدلتے موسم میں بدلتے لمحوں کے بدلاؤ نے اس کے سر سے لمحوں میں اس کے سر کا سائبان و آسمان چھین ڈالا...... نہ ساتھی رہا نہ ساتھ۔

کچھ چیزوں کی محتاجی نے جہاں اسے باہر کا راستہ دکھایا وہیں پڑوس کے گھر میں رہتے اس اکلوتے بچے سے جان پہچان کرادی جسے اس کی ماں اس کی مدد کے خیال سے بھیج دیا کرتی تھی مگر...... بہت زیادہ تو نہیں مگر تھوڑی بہت مدد کے خیال سے وہ اس بچے سے ذرا بھر مسکرا کر اور نرمی سے بات کرلیا کرتی تھی جس کی مسیں بھی ابھی بھیگنی شروع ہوئیں تھیں مگر وہ بچہ رضا کے سوجانے کے بعد اس نے اس کے ہاتھ سے کچھ دودھ دہی اور کچھ دوسرا سامان منگوایا تھا۔ پچھلی بار کی طرح اس بار بھی پیسے کم پڑ گئے تھے حالانکہ اس نے تو حساب میں کوئی کمی نہ چھوڑی تھی مگر شاید اسی کی غلطی تھی بلکہ زندگی کی سب سے بڑی غلطی۔

"ابھی تو میرے پاس پیسے نہیں ہیں سلمان، تم ادھار کروالو دکان سے۔" شرمندہ سے لہجے میں کہتے اسے دیکھا جو بے حد

غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ عنزہ کو کچھ عجیب سا لگا۔
''ایسی کوئی بات نہیں ہے پیسے تو میں خود ہی دے آیا ہوں۔''
''تو ٹھیک ہے پھر تم ادھار کرلو۔''
''لیکن اگر آپ چاہیں تو ابھی اسی وقت یہ ادھار دے سکتی ہیں۔'' یہ الفاظ ایک معصوم بچے کے تو نہ تھے وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی...... جس نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر رکھا دوپٹہ ہٹایا اور اس کے سیاہ بال ہوا سے ادھر ادھر بکھرنے لگے تھے۔
''آپ کو کسی نے بھی بتایا کہ آپ کے بال اور یہ آنکھیں کس قدر خوبصورت ہیں۔'' کیا حق تھا کیا انداز۔
اور ابھی تو وہ خود بھی ہک دک کھڑی صورت حال کو اس قدر خطرناک موڑ پر آتا دیکھ کر اس بچے کو پیچھے ہٹاتی دھکا دینا چاہتی تھی۔ جس کا وجود ان چند ہی مہینوں میں اس قدر بھاری ہوا تھا یا اسے ہی ابھی معلوم ہوا تھا لیکن اس سے پہلے وہ خود بخود پیچھے پڑ گیا نہیں بلکہ اسے ہٹایا...... خود دھکا دے کر۔
''میں تو آپ کو باجی کہتا نہیں' سمجھتا بھی ہوں اور آپ اس قدر گری ہوئی نکلیں...... رضا بھائی میرے لیے سگے بھائی ہیں۔ بڑے ہیں مجھ سے۔ اگر آج وہ بیمار ہیں لاچار ہیں تو کل ٹھیک بھی ہو جائیں گے آپ کو صبر کرنا چاہیے میں تو چھوٹا ہوں آپ سے۔'' سلمان کے لہجے کے افسردگی بھری شدت دیکھنے کے لائق تھی۔
پل میں تولہ پل میں ماشہ شاید یہ شخص نہیں تھا بلکہ اس کی تقدیر تھی جو سامنے آ کھڑی ہوئی تھی اور اس کے پیچھے اس کی حاصلِ زیست کا آخری پڑاؤ۔ جس پر سلمان کی نگاہ لمحہ بھر جمی تھی۔
''تم کیا کہہ رہے ہو سلمان تم خود......'' عنزہ کا سرخ چہرہ سفید ہونے لگا۔ اس کے غصے و دکھ پر حیرانگی غالب ہوئی۔ لیکن سلمان کو شاید اس کے پہلے جملے کا ہی انتظار تھا۔
''رضا بھائی میں اب کبھی یہاں نہیں آؤں گا لعنت بھیجتا ہوں میں آپ پر اور آپ کے ادھار پر۔'' خود ہی قصہ ختم کرتا اس کی ذات کو تماشہ بناتا وہ باہر نکل گیا وہ مڑنے سے بھی قاصر ہوئی۔ کچی پکی زمین پر گری تھیلی سے دودھ بہہ بہہ کر نکل رہا تھا مگر وہ آنکھیں اب بھی خشک ہی رہیں کہ نہ کوئی اس کے سامنے آیا اور نہ ہی وہ پیچھے کی طرف گھومی۔ کوئی باب تھا جیسے جو ختم ہوا۔ ایک قصہ جس کا انت ہوا...... مگر زندگی یہ کوئی صفحوں کی کتاب نہیں ہوتی۔ جس کے بارے میں جان لیا جائے کہ تین سو چھتر صفحوں کے بعد اختتام لازمی ہے نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد۔ یہ تو انجان کتاب ہے کب کہاں ختم ہوگی صرف وہی جانتا ہے جو مالک جسم و جاں ہے۔ تب تک مٹی کے انسان کو بہانے و اسباب ڈھونڈنے ہی پڑتے ہیں۔

❀ ...... ❀ ...... ❀ ...... ❀

ٹھنڈ بڑھنے لگی تھی اور جیسے آنکھوں پر جمنے بھی لگی تھی۔ عنزہ نے شال کے پلو کو آنکھوں پر رکھ کر گرمائش دینا چاہی اور ڈائری کے کھلے صفحوں پر نظر ڈالی جو مکمل ہو گئی تھی۔ آخری صفحہ بھی ختم شد اور اختتام چاہے کسی بھی چیز کا ہو عنزہ کو پسند نہیں تھا۔ اسے بھی یقین نہیں آیا تھا جب وہ چند ہی منٹوں میں دوبارہ بے گھر ہوئی تھی۔ آس و امید کی راکھ اپنی جھولی میں بھرے وہ اس گھر سے نکل آئی خاموشی سے کہ اگر رضا خود خاموش تھا تو اسے کیا ضرورت تھی کہ صفائی پیش کر کے بھی ذلت و رسوائی لے کر نکلتی۔ وہ واپس اپنے گھر ہی آ گئی تھی اسی جم غفیر میں مگر ایک معتبر حیثیت سے کہ اس یتیم خانے کے منتظم اعلیٰ نے دوبارہ اسے شفقت سے جگہ دی تھی کیونکہ وہ اپنے کردار اور اچھے اوصاف میں بہت سے لوگوں میں نمایاں رہی تھی۔ ہنر مندی کام آئی اور وہی ہنر مندی ان بچیوں کو دینے لگی۔ سارا دن مشینوں کی آوازوں اور کپڑوں اور دھاگوں کے رنگوں میں نکل جاتا اگر کچھ بچتا تو یہ شام کے آخری پل جو وہ اپنے نام کر لیتی تھی اور آج تو سال کا ہی اختتام تھا اس کی ڈائری کا بھی اور اس کے آس و امید کے انتظار کا بھی۔
کچھ خشک پتے اس کے اطراف ٹھنڈی سیڑھیوں پر بکھرے اور کچھ ہوا کے زور سے پیروں تک آئے تو اسے بے اختیار ہی رضا کی آنکھوں کی وہ نرمی یاد آئی جس کے آس کی راکھ ہی اب دل میں کہیں اڑتی رہتی تھی۔ خشک و بے رنگ نگاہ اٹھی تا حد نگاہ آسمان پر نارنجی شعاعوں کا رنگ راکھ ہونے ہی والا تھا وہ دیکھتی ہی رہی اور دیکھتی ہی جاتی جو اگر ایک وجود ان راکھ ہوتی شعاعوں کے بیچ نہ آ جاتا۔ وہ پلک تک نہ جھپک سکی۔
''کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ جس کے دل تک رسائی نہ ہو سکی ہو وہ یوں روبرو آئے وہ کسی اور کے دل کی آس و امید کو زندگی کی جلا بخشنے آ جائے۔'' بے یقین نگاہوں کا جال بکھرا اور جوابا وہ جھک گئیں۔

''نہیں...... کچھ باتیں ناممکن ہی رہتی ہیں۔ اختتام کے حاشیے کے بعد اب زندگی کی آہٹ کرنا فضول ہے۔'' اور اس بات پر وہ بالکل پریقین تھی مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا نگاہ جھکا لینا کسی کے دل پر قیامت گزار سکتا ہے۔ بہت آہستگی سے کوئی اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔

''جانتی ہو کس قدر تکلیف و کرب میں گزارے ہیں میں نے یہ چھ مہینے...... کوئی اس طرح بھی کسی کو اس حالت میں چھوڑ کر جاتا ہے جب وہ مکمل طور پر کسی کے آسرے پر ہو...... اور اگر کسی کے پاس میرے جیسا محبت بھرا آسرا ہو تو وہ بالکل ہی فقیر ہو جاتا ہے۔''

یہ کیسا لہجہ تھا...... جہاں نہ کوئی سرد پن تھا نہ بے زار پن کی انتہا...... کیا یہ وہی تھا جس کے چہرے پر خشک جذبوں کی کھرنڈ جمی رہتی تھی۔ وہ حیرت سے اس کا نقش نقش دیکھنے لگی۔ جہاں ایک ہار تھی...... شکستگی......

''مجھے اس طرح فقیرانہ حالت میں چھوڑ کر تمہیں نہیں آنا چاہیے تھا عنزہ۔'' ایسی ناراضگی اور ایسے شکوے کی تو ان کے رشتے میں کیا گنجائش تھی مگر اس شکوے کا جواب از حد ضروری تھی۔

''آپ کے گھر رہنے والی اصلی فقیر تو میں تھی رضا...... ہر طرح سے خالی دامن تھی۔ سوائے عزت نفس اور پاکیزگی کے۔ جس پر میں ایک نقطے برابر بھی گندگی بھی برداشت نہ کر پاتی چاہے وہ لفظوں کی صورت ہی کیوں نہ ہوتی۔'' اور رضا پر کتنے ہی لمحے سرد ٹھنڈی کہر بن کر گزر گئے۔

''میری غلطی تھی عنزہ کہ میں نے تمہیں تمہارے ہر مقام سے عاری رکھا۔ میں سخت سزاوار ہوں کہ تمہاری چاہت نہ کی۔ تم سے محبت نہ کی۔ مگر اللہ گواہ ہے عنزہ کہ میں نے ہر لمحہ تمہاری عزت کی ہے اعتبار کیا ہے۔ مگر تمہاری قدر نہ کر سکا۔'' پچھتاوے بھری آنکھوں نے عنزہ کے ساکت وجود کو دیکھا اور دل کو کچھ ہوا تھا۔

آہستگی سے اس کے ہاتھ تھامے اور جیسے کچھ نئے خواب نئے لمحوں کی اڑان بھرنے کو بے تاب ہوئے تھے۔

''رشتوں سے محروم شخص جب سچے و پاک رشتے کی ناقدری کرے تو قدرت کو بھی یہ ناپسند ہوتا ہے اور سزا یافتہ بنا دیتا ہے جیسے مجھے...... جو چاہ کر بھی تم تک آ نہیں پایا اور نہ ہی تم تک میرا وہ خاموش اعتبار پہنچا جو میں نے تم پر ہمیشہ کیا تھا اور نہ میری زندگی کا خالص و سچا رشتہ یوں مجھ سے انجان بن جاتا یہ ممکن نہیں تھا۔'' عنزہ کے ساکت وجود پر سچ کے جذبوں کی بوندیں گرنے لگیں تھیں اور کوئی کمال ہوا تھا......

''تمہارے وجود و ساتھ کی ناقدری کی تو خاموش تنہائی کے عذاب سے جا ملا ہوں لیکن اب اس کا مسافر نہیں بننا چاہتا۔ مجھے معاف کر دو اور ساتھ چلو۔''

خوف اور التجا بھری بے بسی عنزہ پر صاف یہ راز کھول رہی تھی کہ رضا کے دل کی خشک و دکھی زمین پر عنزہ کے نام کی آبیاری ہو چکی ہے۔ ایک نرم محبت بھری صبح کا آغاز ہونے کو ہے۔ اپنے چہرے کو ان دو مضبوط ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں محسوس کیا تو خشک آنکھوں کی زمین احساس تشکر سے بھیگنے لگی۔ عزت نفس کو پہلی ترجیح پر رکھ کر سب کچھ مل گیا تھا۔ اعتبار بھی، چاہ بھی، ساتھ بھی اور محبت بھی۔ آنکھوں کے کنارے بوند بوند بھیگ رہے تھے۔ خشک چہرے پر نرمی بھری خواہشوں کے ساتھ محبت کا راج تھا اور مسکراہٹ صرف ان لبوں پر نہیں پورے وجود پر جا پھیلی جب عنزہ نے رضا کے فراخ و کشادہ وجود کو محسوس کیا۔ آنسوؤں کی بوند بوند رضا کے دل نے جذب کر لی تھی اور جیسے آس و امید کے ساتھ مایوسی کا بھی اختتام ہوا تھا مگر عنزہ کو یہ اختتام پہلی بار پسند آیا تھا کہ ڈوبتے سورج کے ان لمحوں نے جہاں اس کی سال بھر کی راکھ ہوئیں شامیں اور شامیں سمیٹ لی تھیں وہیں اس کے خوابوں کی دنیا کا انداز بھی بدل دیا تھا۔

جنوری کے سائے تلے طلوع ہونے والا سورج اس کے نئے خوابوں میں رنگ بھرے گا۔ خواہش و خوشی کے۔ کسی کے ساتھ کے رنگین احساس کے اور محبت بھرے دل تک رسائی پا لینے کے سچے خواب کے۔

میرے بھائی کی دلہن

حریم الیاس

''بالکل ایک سو ایک فیصد درست بات ہے' اس میں کوئی شک ہی نہیں...... میں کہتی ہوں لکھ کر رکھ لو۔'' تابندہ چاچی نے اپنی گول گول غلافی وغزالی آنکھوں کو مزید گول کرتے ہوئے کہا۔

یہ وہ ہی غزالی آنکھیں ہیں جن سے بچے سہم جاتے ہیں بڑے گھبرا جاتے ہیں اور چاچو سٹپٹا جاتے ہیں۔

''ارے بھئی کون سی بات؟'' امی ابھی ابھی منظر میں داخل ہوئی تھیں جبکہ ہم ابھی تک چاچی کی گول گول آنکھوں کی گولائی میں ہی چکر کھا رہے تھے۔

''امی...... چاچی کہہ رہی ہیں کہ سانولے لڑکوں کی دلہن گوری آتی ہے اور معاذ بھائی کی دلہن بھی گوری چٹی ہی آئے گی۔'' حماد بھائی نے بتایا۔ امی کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہوئی تھی' ایسا نہیں تھا کہ وہ متفق نہیں تھیں بلکہ اپنے ہونہار بیٹے کے سانولے کہلائے جانے پر ان کی سر پر لگی تلووں پر بجھی تھی۔

خیر آپس کی بات ہے معاذ بھائی سانولے سے زیادہ ہی کالے تھے شاید توے جیسے...... چلیں خیر چھوڑیں اب کیا کہیں ہم۔ امی کمرے سے جاچکی تھیں اور چاچی ابھی تک اپنی بات پر قائم تھیں۔

''ہاں بھئی ہم نے تو بچپن سے یہی دیکھا ہے۔''

''لیکن چاچی...... اگر لڑکی ہی سانولی ہو تو......'' حماد بھائی کچھ بولنا ہی چاہ رہے تھے کہ چاچو کی اخبار کے پیچھے سے آواز آئی۔

''تو لڑکا مجھ جیسا سرخ وسفید ملتا ہے۔'' چاچی نے اس بات پر انہیں اس طور سے گھورا کہ انہیں اخبار میں غرق ہونا چاچی کے ہاتھوں غرق ہونے سے زیادہ بہتر لگا۔

چاچی کے آگے تو پرندہ پر' چڑیا چڑ اور تیتر تر نہیں مار سکتا تھا اور یہ تو بے چارے ہمارے چاچو تھے جو نجانے کتنے عرصے سے چاچی کا عتاب سہہ رہے تھے۔

''ارے تم لوگ شرط لگالو۔'' چاچی نے دعوے سے کہا۔ حماد بھائی تو بغلیں جھانکنے لگے' شرط جیتنا تو خوش کن بات تھی

لیکن شرط ہارنے کی صورت میں خسارہ ہی خسارہ تھا وہ تو ویسے بھی آج کل ادھار پر زندہ تھے۔

''ٹھیک ہے چاچی...... پھر شرط لگی پانچ ہزار کی۔'' ہم نے جھٹ ہاں کی۔

''پانچ ہزار......؟'' حماد بھائی کی چیخ نما آواز بلند ہوئی۔

''ٹھیک ہے لگا لیتے ہیں۔'' چاچی تو جیسے معاذ بھائی کا مستقبل دیکھ آئی تھیں فوراً راضی ہوگئیں۔

''لیکن پانچ ہزار......؟'' حماد بھائی کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

''چلو بھئی میں تو جاؤں بہت کام پڑے ہیں۔'' چاچی تو شرط لگانے کے بعد اپنے دامن جھاڑتے ہوئے کھڑے ہوئیں جیسے ہمارے پورشن میں آگئی ہی اس لیے تھیں' چاچو ہنوز اخبار میں گم تھے۔

''پانچ ہزار......'' چیخ پھر بلند ہوئی۔

''اُف بھائی...... کیوں گھبراتے ہو' سمجھو یہ شرط ہم ہی جیتیں گے۔'' ہم نے اطمینان سے کہا۔

''کیوں...... تم نے کالی بھابی پسند کرلی کیا؟'' اس نے جل کر کہا۔

''بھائی کالی نہ کہو لیکن سانولی ہے' اڑتے اڑتے خبر سنی ہے کہ امی نے فوزیہ آنٹی کی بیٹی بھائی کے لیے پسند کرلی ہے۔'' ہم نے رازداری سے کہا' ڈر تھا کہ کہیں چاچی پھر نہ ٹپک پڑیں۔

''اچھا وہ سانولی سی منہ۔'' حماد بھائی کی موٹی سی عقل میں چھوٹی سی بات آ ہی گئی تھی فوراً منہ کا زاویہ بدلا۔

''واہ میری بہنا...... تم نے تو بیٹھے بٹھائے کمائی کروادی' اب میں فاخر' آصف اور کاشف کا ادھار ان کے منہ پر ماروں گا۔'' حماد تو ایسے اترا رہا تھا جیسے جیتی ہوئی شرط کے پیسے ہاتھ میں آگئے ہوں اور ہم نے اس کی ہتھیلی پر دھر ہی دیئے ہوں۔

''منہ دھو رکھو۔'' ہم نے بھی اچھل کر کہا اور اچھلی تو چاچی تھیں جب انہیں پتا چلا کہ کالے کلوٹے ہمارا مطلب ہے

سانولے سلونے معاذ بھائی کا رشتہ سانولی سلونی آمنہ سے طے کردیا گیا ہے۔

"ارے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" ان کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔

"ایسا ہوچکا ہے چاچی...... یہ لیں مٹھائی کھائیں نا۔" ہم نے جلے پر نمک چھڑکا' پانچ ہزار کا سرور ہی ایسا مسرور کن تھا کہ بس۔

"حسنی...... کچن میں جاکر دیکھو کہیں آلو گوشت کا سالن نہ جل جائے۔" چاچی نے کمال طریقے سے بات پلٹتے ہوئے بیٹی کو پکارا۔ ہم سر جھکا کر ہنسی کو روکنے کی کوشش کرنے لگی اچھی طرح جانتے تھے چاچی کے پکائے آلو گوشت کو کیا جلنا تھا وہ سالن میں شوربے کے نام پر جوراوی چناب بہاتی تھیں اس کی عمیق گہرائیوں میں جاکر بھی نہ آلو ملتا تھا نہ گوشت۔

ہم مٹھائی کا ڈبہ وہیں رکھتے ہوئے باہر نکل آئے اور ساتھ ہی ہاتھ کی انگلیوں سے پانچ کا اشارہ کرنا نہ بھولے تھے جس کا مطلب پانچ ہزار تھا' چاچی حیران و پریشان کھڑی رہ گئی تھیں۔

❁......❁......❁

حیران و پریشان ہی تو ہوگئے تھے ہم' امی نے بات ہی کچھ ایسی کی تھی کہ ہم اور حماد بھائی منہ پھاڑے سر جھاڑے انہیں دیکھنے لگے اور امی اطمنان سے بیٹھی تفصیل بتانے کے موڈ میں تھیں۔

"امی کہہ دیں یہ جھوٹ ہے۔" حماد بھائی نے شبنم کی طرح دہائی دی آنکھوں سے آنسو بھی رواں ہونے کو بے تاب تھے۔

"لو بھئی جھوٹ کیا' فوزیہ نے خود فون کرکے رشتے سے انکار کردیا کہ آمنہ کو گورا لڑکا چاہیے۔ مجھے بھی کوئی کمی نہیں لڑکیوں کی جو اس چھٹانک بھر کی لڑکی کی منتیں کروں۔" امی تو تپی بیٹھی تھیں لیکن ہم دونوں تو پانچ ہزار جانے کے افسوس ناک غم سے گزر رہے تھے۔

"ویسے بھی میں نے تو اپنے معاذ کے لیے کچھ اور ہی سوچ رکھا تھا' سمجھو چ کو عملی جامہ پہنا کر آئی ہوں۔" امی کے اطمینان میں ذرا برابر فرق نہ آیا۔

"کیسا عملی جامہ......؟" ہم دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا' شرط جیتنے کی امید رکھی شاید امی نے کوئی دوسری سانولی بہو ڈھونڈلی ہو لیکن واہ ری قسمت۔

"میں نے معاذ کا کہیں اور رشتہ ڈال دیا ہے۔" امی نے سسپنس پھیلایا۔

"کون ہے وہ؟" ہم بے تاب ہوئے۔

"تابندہ تم ہی بتادو۔" امی معنی خیزی سے مسکرائیں' چاچی کب کمرے میں آئیں پتا ہی نہ چلا۔

"اب بتا بھی دیں۔" حماد چیخا۔

"اپنی حسنی۔" چاچی نے سسپنس توڑا اور ہماری نگاہوں کے سامنے گوری چٹی پیاری سی حسنی کا سراپا گھوم گیا۔

"اُف ہمارے پانچ ہزار...... یہاں سے تو رشتہ ختم ہونے کے امکان بھی نہیں تھے۔" چاچی نے ہماری طرف ہاتھ اونچا کرکے پانچ کا اشارہ کیا۔

حماد بھائی نے بے اختیار اپنی خالی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا اور ہم چاچی کی گول گول آنکھوں کے سامنے ایک مرتبہ پھر چاروں شانے چت ہوچکے تھے۔

"مجھے دوسری شادی کرنی ہے فجر...... بس......" ایان صاحب نے آج فیصلہ کن انداز میں فجر سے دوسری شادی کی بات کی۔

"جویریہ کے ابو...... ایک بیٹی کے ہوتے ہوئے بھی اگر آپ مزید اولاد کے لیے دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں تو مرضی ہے آپ کی' میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

ایان صاحب کی شادی کو دس سال ہوگئے تھے' ان کی ایک ہی بیٹی تھی۔ فجر کی میڈیکل رپورٹ سے ڈاکٹروں نے بتایا تھا کہ وہ اب ماں نہیں بن سکتی۔ فجر پھر بھی خوش تھی کہ اللہ نے بیٹی جیسی رحمت سے نوازا تھا مگر ایان صاحب ہر بار دوسری شادی کی اجازت اپنی بیوی فجر سے طلب کرتے اور کہتے۔

"اسلام میں دوسری شادی کی اجازت ہے' میں شادی لازمی کروں گا۔ مجھے واٹ بھی چاہیے اس گھر کا اور تمہاری رضامندی سے ہی کروں گا۔"

آخر کار فجر نے شوہر کی مرضی کے آگے اپنے گھٹنے ٹیک دیئے اب ایان صاحب بضد تھے کہ دوسری شادی کی تیاریاں بھی فجر بیگم اپنے ہاتھوں سے کرے...... مگر فجر بیگم یہ سب کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں تھیں۔ شاید کسی بھی عورت کا دل شوہر کی دوسری شادی پر آمادہ نہیں ہوتا۔

"میں ایسا کبھی نہیں کرسکتی' جویریہ کے ابو...... میرے اندر اتنی ہمت نہیں کہ اب میں اپنی سوتن اپنے ہاتھوں سے اس گھر میں لاؤں۔" فجر نے صاف انکار کردیا۔

"نہیں...... اگر میں اسے اس گھر میں لایا تو تمہارے ہی ہاتھوں سے لاؤں گا۔" ایان صاحب نے بھی اپنا فیصلہ سنایا۔

"تو ٹھیک ہے آپ اسے لے آئیں' میں خود ہی یہاں سے چلی جاتی ہوں۔" فجر بیگم جلدی سے کمرے میں چلی گئیں۔

اور یوں فجر بیگم شوہر سے ناراض ہوکر بھائی کے گھر چلی آئیں کیونکہ والدین تو بچپن ہی میں دنیا سے رخصت ہوچکے تھے تو دنیا میں اس کا بھائی ہی اس کا واحد سہارا تھا مگر اب بھابی کو یہ سب ناگوار گزر رہا تھا کہ نند اس پر بوجھ بن کر بیٹھ جائے۔ اس لیے وہ آتے جاتے طنز کے تیر فجر بیگم کے دل میں گھونپ جاتی' جس سے فجر تڑپ جاتی۔ محلے والیاں الگ باتیں کرتیں' آخر ایک دن ایان صاحب کا فون آ گیا۔

"فجر...... میں شام کو تمہیں لینے آرہا ہوں' تیار رہنا۔" ایان نے آنے کی اطلاع دے کر فون بند کردیا۔ فجر نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ایان صاحب نے خود فون کرلیا۔ بات کہیں زیادہ آگے نہیں بڑھ گئی' فجر نے آخر زندگی سے سمجھوتا کرنا ہی بہتر سمجھا۔

وہ سمجھ چکی تھی کہ اگر میں بھی اپنی ضد پر رہی تو نقصان میرا ہی ہوگا۔ ماں باپ کا تو پہلے ہی سایہ نہیں بھائی بھی آخر کب تک میرا بوجھ برداشت کرے گا۔ بھابی کو تو میرا یہاں رہنا ویسے بھی پسند نہیں ہے پھر میں اپنی جویریہ سے دور رہ کر کیسے جی پاؤں گی۔ یہ سوچتے ہی فجر جانے کی تیاری کرنے کے لیے کمرے میں چلی گئی۔

فجر واپس گھر آچکی تھی اور اب انہوں نے یعنی فجر اور ایان نے مل کر دوسری شادی کی تیاریاں کی اور پھر اشمل کو بیاہ کرلے آئے' اشمل جب سے اس گھر میں آئی تھی فجر کو تو گویا ایک چھوٹی بہن مل گئی تھی۔ دونوں مل کر گھر کا کام کرتیں' کھانا پینا' سب ایک ساتھ ہوتا۔ اشمل بھی فجر کو بڑی بہن سمجھ کر ہر بات کو حکم سمجھ کر مانتی۔ جویریہ کو دو دو ماؤں کا پیار ملا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ صحت مند ہوگئی تھی۔

آج فجر کا ایک بیٹا آٹھ سال کا اور بیٹی چھ سال کی ہے جب کہ جویریہ دونوں سے بڑی ہے' ان دونوں ماؤں نے تینوں بچوں میں ذرہ بھر بھی فرق نہ آنے دیا اور نہ ایان صاحب نے بچوں اور بیویوں میں کوئی فرق نہ رکھا اور آج فجر بہت خوش تھی کہ اس وقت کے سمجھوتے نے کتنے دلوں میں فجر کے لیے چاہت بڑھادی تھی۔

❁

امی اور حجاب

مریم مرتضیٰ

اس نے فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد قرآن کی تلاوت کی اور حجاب پڑھنے بیٹھ گئی۔ حجاب اس کا پسندیدہ رسالہ تھا۔ وہ ہر ماہ نہایت شوق سے پڑھا کرتی تھی۔ اماں کو بہت غصہ آتا تھا کیونکہ انہیں لگتا تھا کہ ان کی بیٹی بگڑ رہی ہے رسالے پڑھ پڑھ کر اس کا دماغ خراب ہو رہا ہے۔

"تم صبح سویرے اٹھ کر کوئی اچھی بات نہ پڑھنا سننا یہ بکواس پڑھتی رہنا۔" امی آگ بگولہ ہو کر بولیں۔

"امی اس میں بہت اچھی اچھی باتیں ہیں۔" وہ ہمیشہ کی طرح مسکرا کر دھیمے لہجے میں بتانے لگی۔ صدف آصف کا ناول دل کے دریچے پڑھتے اس نے صفحہ الٹا اور رسالہ بند کر دیا۔

"تو کیا اس میں اللہ کا نام لکھا ہوا ہے، جو سویرے سویرے آنکھیں اس پر جمالیتی ہو کوئی اسلامی کتاب پڑھ لیا کرو، اگر مطالعہ ہی کرنا ہوتا ہے تو۔" امی نے کہا۔

"امی میری...... پیاری امی جان۔" وہ ہمیشہ میٹھے انداز میں بولتی تھی کیونکہ اس کی پسندیدہ کہانیوں کی ہیروئن ایسے ہی میٹھا میٹھا بولتی تھیں۔ اسی لیے وہ بھی وہی رویہ اپناتی تھی اسے بھی زندگی میں مثبت کردار سے رہنا اچھا لگتا تھا۔

"اسلامی کتابوں سے زیادہ یہ رسالہ مجھے حق کی اچھی باتیں سکھا دیتا ہے، یہ وہ کتاب ہے جو مجھے دوسری کتابوں سے اچھا سبق دیتی ہے۔" اس نے تحمل مزاجی سے کہا۔

"استغفر اللہ کیسی باتیں کر رہی ہو فضول کہانیوں کو تم دین و مذہب کی کتاب قرار دے رہی ہو۔"

"امی یہ ایسی ویسی کہانیاں نہیں ہیں، یہ مقصدِ حیات ہیں، یہ زندگی کی طرف گامزن کرنے کا ذریعہ ہے، یہ میرے لیے زندگی کی کتاب ہے۔ زندگی میں کیسے چلنا چاہیے مجھے یہ رسالہ اور یہ کہانیاں بتاتی ہیں۔ ان میں لکھے گئے ایک ایک لفظ میں تربیت، پیار اور مقصد ہے امی۔" اس نے بتایا۔

"ایسا ہے کیا؟" امی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"جی امی ایسا ہی ہے، نظامِ زندگی تو چلتا ہی رہتا ہے رکتا نہیں، اس میں مثبت اور منفی لوگ پائے جاتے ہیں، کوئی اچھی زندگی گزارتے ہیں دوسروں کی زندگی اجیرن نہیں کرتے اور کچھ دوسروں کے لیے عذاب جیسے ہوتے ہیں۔ برے لوگ اچھی راہوں پر نصیحتوں سے نہیں چلتے، ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا، اسی لیے لکھاری انہی کی زندگی کو کہانی کا روپ دیتے ہیں تاکہ سبق سیکھیں۔" اماں کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑی۔

"اس کے علاوہ اسلام کے خصوصی موضوعات پر آرٹیکل لکھے جاتے ہیں یہ دیکھیں امہات المومنین کی زندگی پر کتنا شاندار مضمون ہے۔" اس نے تفصیل بتائی۔

"اوہو...... میں تو خوامخواہ برا سمجھ بیٹھی۔" امی نے سر پر افسوسانہ ہاتھ مارا۔

"امی کبھی کبھی ہم بغیر جانے خوامخواہ اندازے لگا لیا کرتے ہیں بنا سمجھے حالانکہ حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔"

"ہاں آنکھیں تب کھلتی ہیں جب اصل چہرہ سامنے آتا ہے۔" امی نے کہا۔

"اب تو آپ کو کوئی اعتراض نہیں ناں۔" اس نے پوچھا۔

"ہاں میری بچی اب تم جیسے چاہو اسے پڑھو میں تمہیں نہیں روکوں گی۔ اب میں سمجھ گئی ہوں یہ واقعی حجاب ہے جو حق اور سچ کا آنچل ہے۔" امی نے مسکرا کر پیار کیا اور چل دیں۔

اس نے رسالہ کھول کر "صدف آصف" کی "دل کے دریچے" صفحہ سیدھا کر کے پڑھنا شروع کر دی۔

رفاقت جاوید

پروین کی اپنے وطن واپسی

کون کہتا ہے کہ صرف خونی رشتوں میں ہی محبتوں اور چاہتوں کی حدت وتپش ہوتی ہے جبکہ اپنے اور غیروں کی رگوں میں گردش کرنے والے خون کے رنگ میں قطعاً فرق نہیں ہوتا تو پھر اس کی گرماہٹ اور نرماہٹ میں اختلاف کیسے ہوسکتا ہے۔

پروین نے پاکستان پہنچتے ہی مجھے بخیر وعافیت پہنچنے کی اطلاع دی اور سفیان سے بات کرنی چاہی جس نے ہم سب کو کسی قدر جذباتی بنادیا تھا سفیان سے بات کرنے کے بعد وہ مجھے نہایت انسیت سے کہنے لگی۔

رف میں آپ کو کچھ سنانا چاہتی ہوں ایک پہلی ہے بوجھوں تو جانیں۔

I'LL MISS YOU
جانے سے پہلے
اس نے میرے آنچل سے ایک فقرہ باندھ دیا
I'LL MIS YOU
سارا سفر
خوشبو میں بسا رہا (انکار)

چھوٹی سی مگر بامعنی اور باوزن نظم سن کر میں تھوڑی دیر کے لیے کھوسی گئی، پہیلی تو میں نے بوجھ ہی لی تھی نہ اس نے پوچھا نہ میں نے بتایا وہ حساس نہ ہوتی تو آج شاعرہ نہ کہلاتی، اس اعلیٰ وارفع مقام پر براجمان نہ ہوتی وہ ایسی خاتون تھی جو شوخی اور بڑائی سے مغلوب ہوکر زبانی کلامی اپنے جذبات کا اظہار کرنا معیوب سمجھتی تھی، اس کے اعمال، بلند کردار اور حسن سلوک سے اس کی چاہتوں کی گہرائی کا اندازہ باآسانی لگایا جاسکتا تھا وہ کیسی عورت تھی، کیسی دوست تھی، اپنے لاتعداد دکھوں اور غموں کے باوجود دوسروں کا مسیحا بن جایا کرتی تھی، وہ اپنے انہی موضوعات مثلاً خوش بو، پھول، کلیاں، چاند تارے، اور قوس وقزاح، صبا، بادل، بارش اور انسانیت سے والہانہ محبت ولگاؤ ہی اس کی پہچان بنتی چلی گئی تھی اس کے شعر کہنے کا دلربا اور دلفریب انداز دبی دبی مسکراہٹ بھی شاعری کی طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے انعام تھی ان تمام عنایات اور نوازشات کے باوجود محض ایک ناکامی کے احساس نے اسے دل کی گہرائیوں سے پژمردہ کردیا تھا اب تمام امیدیں اور آسیں گیتو کے اردگرد گھومتی تھیں اسے گیتو کے جوان ہونے کا ہر وقت انتظار رہتا تھا۔

مختصر سوانح حیات

اب میں پروین کی پیدائش سے لڑکپن اور جوانی تک کے بارے میں بتانا چاہوں گی اس ذکر کے بغیر یہ کتاب ادھوری رہ جائے گی۔

کیونکہ اس کتاب کی خوب صورتی اس کی ذہانت کی بدولت ہے حالانکہ پروین ایسی لازوال شخصیت کی مالک تھی جسے کسی قسم کے تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔

یہاں سے چلے جانے کے بعد لوگوں نے اسے کن کن طریقوں سے جاننے کی کوشش نہیں کی، یہ ردعمل بھی اس سے بے پناہ لگاؤ اور پیار کی غمازی کرتا ہے۔

پروین کا سرسری تعارف حاضر خدمت ہے۔

جس پر ہمیں بے پناہ فخر ہے خصوصاً صنف نازک کو جن کے لیے پروین رول ماڈل ہے۔

پروین روئے زمین پر

بروز پیر 24 نومبر 1952ء کو لیڈی ڈفرن اسپتال کراچی کو یہ شرف حاصل ہوا تھا جب پروین شاکر کی پیدائش نے افضل النساء اور سید شاکر حسین زیدی کی زندگی میں

رونقوں اور خوشیوں میں اضافہ کیا تھا، اس کی بڑی بہن نسرین بانو کو اپنے ہی آنگن میں ایک ہم جولی کے ساتھ کھیلنے کا سنہری موقع نصیب ہوا تھا پروین شاکر کو بارش بہت پسند تھی بلکہ یوں کہنا چاہوں گی کہ اسے ابر آلود موسم سے عشق تھا جب اس کار جہاں میں اس کی تشریف آوری ہوئی تو شب بھر بارش ہوتی رہی اور فجر کی اذان کے ساتھ اسی رم جھم بارش نے اسے خوش آمدید کہا تھا ماں نے خوش بخت ہونے کی پیش گوئی کی باپ نے باری تعالیٰ کی طرف سے اس عنایت کردہ رحمت پر شکرانہ ادا کیا اور بہن نے اسے جیتی جاگتی گڑیا سمجھ کر اپنی آغوش میں لینے کی ضد کی تھی، پروین شاکر پیدائشی طور پر ایک حسین وجمیل بچی تھی اس کی آنکھیں خمار آلود اور خوب موٹی تھیں، اور پھر لمبی مژگاں نے انہیں اور بھی خوب صورت بنا دیا تھا گلابی بھرے بھرے ہونٹ دیکھ کر یہ گمان ہوتا تھا جیسے ہاتھوں سے انہیں تراشا گیا ہو، چوڑی چمکتی ہوئی پیشانی، ریشم جیسے سیاہ بالوں سے ڈھکا ہوا سر اور دودھ کی مانند صاف شفاف رنگت اور نازک اور مہین بدن تھا۔

جب وہ اسپتال سے ایک محبت بھرے گھرانے میں منتقل ہوئی تو خاندان بھر کی آنکھوں کا تارا بن گئی اور نسرین کے وارے نیارے ہوگئے پروین ذرا بڑی ہوئی تو دونوں بہنوں کی شرارتوں اور کھیل کود نے گھر کی گہما گہمی میں اضافہ کر دیا پروین کو بچپن سے ہی کتابوں سے بے پناہ لگاؤ تھا عام بچی کی طرح نہ تو اسے گڑیوں میں دلچسپی تھی نہ ہی اسے ان کی شادی رچانے کا شوق تھا نہ کبھی کھیل میں کھانا پکانے کی مشق کی ہر وہ کھیل جو لڑکے کھیلا کرتے تھے وہی کھیلنے کی کوشش کی جاتی تھی والد محترم نے اس کی دلچسپی اور شوق کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے ہاتھ میں کتاب پکڑا دی، یوں گھر پر ہی اسلامی و مذہبی درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوگیا کیونکہ اس کا گھرانہ مذہبی تھا والدین صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے محرم کے دنوں میں ہر مجلس عزا اٹینڈ کرنا معمول تھا جس کی نمایاں جھلک میں نے اس میں محسوس کی تھی کیونکہ وہ بتایا کرتی تھی کہ وہ اس مہینے کی منتظر رہتی تھی اور بچپن سے ہی ماں کے ساتھ ہر مجلس عزا میں شرکت کرنا اور نوحہ خواں کے ساتھ دھیمی سر میں شمولیت اختیار کرنا اپنا فرض سمجھا کرتی تھی، اس لمحے اس کا دل ترس ورحم کے جذبے میں ڈوب جایا کرتا تھا اور وہ کتنے ہی سوالات اپنے والدین سے کرنے لگتی تھی جن کے جوابات اسے اپنی عمر کے مطابق مل جایا کرتے تھے۔

تعلیمی سفر

جب پروین تین سال کی ہوئی تو نسرین کے ہمراہ اسی کے اسکول اسلامیہ ہائی اسکول جو رضویہ کالونی میں ہی موجود تھا اور ان کے گھر سے زیادہ دور بھی نہ تھا وہیں داخلہ دلوا دیا اور یوں اپنی بڑی بہن کی انگلی پکڑے خود کو محفوظ سمجھتے ہوئے خود اعتمادی سے اس کی تعلیم کی شروعات ہوگئی۔

اور یہ سب ٹیچرز کی پروین سے پیارا بن گئی پروین کا آئی کیو لیول کافی ہائی تھا جس کے بل بوتے پر پروین نے جماعت سوم میں دو سیڑھیاں نہایت تیزی سے چڑھیں اور نسرین کی ہم جماعت بن گئی پانچویں تک اسی انگلش میڈیم اسکول میں دونوں نے اپنے بچپن کے یادگار دن گزارے اور چھٹی جماعت میں دونوں بہنیں رائزنگ سن اسکول میں ڈیڑھ سال تک اپنی پڑھائی جاری رکھ سکیں اور اسکول بند ہونے کی وجہ سے رضویہ گرلز سیکنڈری اسکول منتقل ہوگئیں، یہ اسکول بھی ان کے پڑوس میں تھا، پروین نے اپنی ذہانت و فطانت کی وجہ سے ہر جماعت میں امتیازی پوزیشن حاصل کی اور اپنے اسکول کا نام روشن کیا جس پر آج بھی وہ اسکول فخر کرتے ہیں۔

پروین نے آٹھویں کلاس میں پہلا مضمون اپنے لفظوں میں لکھ کر اپنی استانی سے بے پناہ داد بھی وصول کی اور استانی صاحبہ نے یہ پیش گوئی بھی کی کہ اس کے قلم میں اتنی طاقت ہے کہ یہ ایک معروف ادیبہ بن سکتی ہے اس کے بعد پروین اسی استانی کی نور نظر بن گئی، پروین بھی مس آمنہ کو بہت پسند کرنے لگی جس کا اندازہ اس کے ساتھ بے شمار تصویریں اتروانے سے ہوتا ہے۔

(جاری ہے)

سمیہ عثمان

امبر گل......جھڈو سندھ

نہ سوال بن کر ملا کرو، نہ جواب بن کر ملا کرو
میری زندگی میرے خواب ہیں مجھے خواب بن کر ملا کرو
ابھی سوچنا ہے تو سوچ لو ابھی چھوڑنا ہے تو چھوڑ دو
نئے موسموں میں ملو مجھے تو گلاب بن کر ملا کرو

رقیہ ناز......میلسی

کتنا خوب صورت ہوگا میری موت کا منظر
جب مجھے ٹھکرانے والے مجھے پانے کے لیے آنسو بھیجیں گے

رشک حنا......سرگودھا

پڑھ پڑھ کتاباں علم دیاں توں نام رکھ لیا قاضی
ہتھ وچ پھڑ کے تلوار نام رکھ لیا غازی
مکے مدینے گھوم آیا تو نام رکھ لیا حاجی
اور بھلیا حاصل کی کیتا جے توں رب ناں کیتا راضی

عظمیٰ شفیق......جڑانوالہ

اب عمر نہ موسم نہ وہ رستے کہ وہ پلٹے
اس دل کی مگر خام خیالی نہیں جاتی

بی بی عابدہ......بھیر کنڈ مانسہرہ

ڈوب جا عشق خدا میں سب کچھ بھول کر اے انسان
کسی اور نے پائی ہے یہ دنیا کی محبت جو تو پائے گا

خزینہ طاہر......سرائے عالمگیر

اک تمنا تھی جو میری خوشی بن گئی
کبھی نفرت تھی آج وہی محبت بن گئی
اس طرح سے شامل ہوئے خوابوں کی دنیا میں
آپ کو دیکھتے رہنا میری عادت بن گئی

نیلی ظہیر......کوٹلہ جام

وفائیں خون میں ہوتی ہیں صاحب
بندے تو سب خاک کے ہوتے ہیں

فائزہ بھٹی......پتوکی

تم بھی تو زندگی میں بڑی دیر سے ملے
کوئی بھی چیز وقت ضرورت نہیں ملی

توقیر ہاشمی......منڈی بہاؤالدین

اپنے کردار کو موسم سے بچائے رکھنا
لوٹ کر پھول میں واپس نہیں آتی خوش بو

صبا شریف......ساہیوال

ایک ہی مژدہ صبح لاتی ہے
صحن میں دھوپ پھیل جاتی ہے

نبیلہ ناز......ٹھنگ موڑ الہ آباد

زندگی جبر مسلسل کی طرح کاٹی ہے
جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں

سیدہ جیا عباس کاظمی......تلہ گنگ

ہر گھڑی خوش رہو مسکرایا کرو
غم تمہارے ہیں سب بس ہمارے لیے
اک تمہارے سوا ہم لکھیں بھی تو کیا
ہم تو شاعر ہوئے بس تمہارے لیے

یاسمین کنول......پسرور

دائم آباد رہے گی دنیا
ہم نہ ہوں گے کوئی ہم سا ہوگا

بشریٰ کنول سرور......سیالکوٹ، ڈسکہ

سنو جاناں زمین قلب پہ میری بڑا طوفان آیا ہے
لہو روئیں ہیں آنکھیں اور ستم یادوں نے ڈھایا ہے

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس......مانسہرہ

نیند اپنی بھلا کر سلایا ہم کو
آنسو اپنے گرا کر ہنسایا ہم کو
درد کبھی نہ دینا ان ہستیوں کو
اللہ نے ماں باپ بنایا جن کو

حنا کنول فرحان......حویلی لکھا

ہونٹوں سے دعا کے لیے جنبش نہیں ہوتی
اب اس سے زیادہ تیری خواہش نہیں ہوتی
ہے پیار کا صحرا یہاں بادل نہیں آتے زید
بادل کبھی آجائیں تو بارش نہیں ہوتی
شبنم کنول...... حافظ آباد

میں اپنی برباد زندگی میں تیرا نام نہ آنے دوں گی
جدائی کا غم بھی سہہ لوں گی مگر الزام نہ آنے دوں گی
یہ میری محبت کی گہرائی سمجھ لو جاناں
کہ مرتے وقت بھی لبوں پہ تیرا نام نہ آنے دوں گی
اقراافضل جٹ...... مومن آباد

مجھے اس بات کا ڈر نہیں کہ بدل گیا زمانہ
میری زندگی تم ہو کہیں تم نہ بدل جانا
نثار سول ہاشمی...... صادق آباد

ازل سے بے سمت جستجو کا سفر ہے درپیش پانیوں کو
کسے خبر کس کو ڈھونڈتا ہے میری طرح رائیگاں سمندر
میں تشنہ لب دور سے جو دیکھوں تو ہر طرف سیل آب پاؤں
قریب جاؤں تو ریت شعلہ غبار ساحل دھواں سمندر
ارم کمال...... فیصل آباد

بچھڑا جو ایک بار تو ملتے نہیں دیکھا
اس زخم کو ہم نے کبھی سلتے نہیں دیکھا
اک بار جسے چاٹ گئی دھوپ کی خواہش
پھر شاخ پہ اس پھول کو کھلتے نہیں دیکھا
مدیحہ نورین مہک...... گجرات

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا
اقرا ماریہ...... برنالی

تم آؤ کبھی دستک تو دو میرے دل پر
پیار امید سے کم ہو تو سزائے موت دے دینا
سعدیہ رشید بھٹی...... روڑا، فیصل آباد

تمنا دید کی موسیٰ کرے اور طور جل جائے
عجب دستور الفت ہے کرے کوئی بھرے کوئی
ایم خان...... میانوالی

پہن کر لباس عشق کسی قلندر کی طرح
تیری یاد کی دھن پر ہم ناچتے ہیں اکثر
فرزانہ محمد دین گڑیا...... چک کھاتاں

غم کی چادر اوڑھ کر سو جا اب گڑیا
پیار کا بندھن ٹوٹ چکا جو باندھا تھا کبھی
داؤد احمد چوہان...... چک کھاتاں

جیسے ہم بچھڑے ہیں ایسے کوئی بھی نہ بچھڑا ہوگا
بہت یاد آئیں گے ہم جب زخم پر مرہم رکھنے والا کوئی نہ ہوگا
ناظمہ نورین...... بھیر کنڈ

زندگی تیری عطا تھی سو تیرے نام کی
ہم نے جیسے بھی گزاری تیرا احسان جانا
ارم ریاض...... برنالی

کتنی بے درد دنیا ہے ہر غم کو چھپانا پڑتا ہے
ہزاروں غم ہے اس دل میں پھر بھی مسکرانا پڑتا ہے
رانی صفدر...... گجرات

اے رب کاش قبول میری دعا ہو جائے
نصیب مجھے دیدار یار ہو جائے
عشنا نور بلوچ...... نواب شاہ

دستور ہے دنیا کا مگر یہ تو بتاؤ
ہم کس سے کہیں کس سے سنیں عید مبارک؟
امبرین ظفر...... ملتان خورد

ان کے دیکھے سے آجاتی ہے چہرہ پہ رونق
وہ سمجھتے ہیں بیمار کا حال اچھا ہے

bazsuk@aanchal.com.pk

کچن کارنر

زہرہ جبین

گرین چکن کری ود کوکونٹ رائس

اجزاء:

چکن بریسٹ (بون لیس) کیوبز کاٹ لیں	چار عدد
ہری پیاز	چار عدد
ہری مرچیں	دو عدد
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
لہسن کے جوئے	دو عدد
تھائی فش سوس	ایک چائے کا چمچ
ہرا دھنیا	ایک گٹھی
پودینہ	آدھا کپ
پانی	تین کھانے کے چمچ
تیل	دو کھانے کے چمچ
شملہ مرچ (بیج نکال کر سلائس کاٹ لیں)	ایک عدد
تازہ ناریل (کیوبز کاٹ کر ڈیڑھ کپ گرم پانی کے ساتھ گرائنڈ کر کے رس نچوڑ لیں)	پچھتر گرام
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ

کوکونٹ رائس کے لیے

چاول (صاف کر کے بھگو دیں)	ایک کپ
تازہ ناریل (کیوبز کاٹ کر ڈیڑھ کپ گرم پانی کے ساتھ گرائنڈ کر کے رس نچوڑ لیں)	پچھتر گرام
لیمن گراس	ایک ڈنٹھل

ترکیب:

فوڈ پروسیسر میں ہری پیاز، ہری مرچیں، ادرک، لہسن، تھائی فش سوس، ہرا دھنیا اور پودینہ ڈال کر بلینڈ کر لیں (پیسٹ کو ہموار کرنے کے لیے تھوڑا پانی بھی شامل کیا جا سکتا ہے) نان اسٹک سوس پین میں تیل کی آدھی مقدار ڈال کر گرم کریں اس میں مرغی کے گوشت کے کٹے ہوئے کیوبز ڈال کر سنہری ہونے تک فرائی کریں۔ اس کے بعد نکال کر الگ پلیٹ میں رکھ لیں اس کے بعد سوس پین میں تیل کی بقیہ مقدار گرم کر کے اس میں شملہ مرچ ڈال کر تین سے چار منٹ تک فرائی کریں، اس کے بعد اس میں گرائنڈ کیا ہوا پیسٹ ڈال کر تین سے چار منٹ تک فرائی کریں مسالا جب بھننے لگے تو اس میں فرائی کیا ہوا گوشت، ناریل کا رس، نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر ایک مرتبہ ابال لیں اس کے بعد ڈھکن ڈھک کر دھیمی آنچ پر آٹھ سے دس منٹ تک پکائیں گوشت گل جائے تو اسے بمعہ مسالے کے ایک پیالے میں نکال لیں (جبکہ سوس پین میں جانے والی گریوی کو سوس پین میں ہی رہنے دیں) آمیزے کو گرم کریں جب آمیزے کی مقدار کم رہ جائے تو چولہا بند کر دیں۔

کوکونٹ رائس بنانے کے لیے۔

ایک سوس پین میں چاول ڈال لیں اس کے بعد اس میں ناریل کا رس، لیمن گراس اور نمک شامل کر کے ایک مرتبہ ابال لیں، اس کے بعد آنچ دھیمی کر دیں اور ڈھکن ڈھک کر چاولوں کے گلنے تک پکائیں، اس کے بعد الگ کیے ہوئے گوشت اور شملہ مرچوں کے مکسچر کو گریوی والے سوس پین میں ڈال کر تھوڑی دیر تک پکائیں، چاولوں میں سے لیمن گراس نکال کر پھینک دیں اور اسے ایک سرونگ ڈش میں نکال کر اس کے اوپر چکن اور مرچوں کا آمیزہ رکھیں، مزے دار چکن کری ود کوکونٹ رائس تیار ہے گرم گرم سرو کریں۔

طلعت نظامی......کراچی

حیدرآبادی شکم پر

اجزاء:

روکھا گوشت	آدھا کلو
ناریل (کش کیا ہوا)	چار کھانے کے چمچ
دہی	آدھا کپ
ہری مرچ	ایک عدد (باریک چوپ کرلیں)
پیاز (بڑی)	ایک عدد (باریک چوپ کرلیں)
تیل	فرائنگ کے لیے
انڈا	ایک عدد

ترکیب:

گوشت میں نمک، لال مرچ پاؤڈر، لہسن پیسٹ، ثابت لال مرچیں، گرم مسالا پاؤڈر اور ناریل کا تیل ڈال کر گلا لیں اور پیس لیں انڈا پھینٹ کر گوشت میں مکس کرلیں دہی پھینٹ کر اس میں نمک، ہرا دھنیا، پودینہ، ہری مرچ اور پیاز مکس کرلیں تھوڑا سا کباب کا مکسچر لے کر گول کوفتہ بنالیں بیچ میں انگلی سے بڑا ہول کر کے ایک چائے کا چمچ دہی والی اسٹفنگ رکھ کر دوبارہ بند کر کے احتیاط سے گول کباب بنا کر گرم تیل میں فرائی کرلیں مزے دار حیدرآبادی شکم پر تیار ہے، گرم گرم سرو کریں، (چاہیں تو انڈا اوپر سے لگا سکتے ہیں، لیکن حیدرآبادی طریقے میں انڈا پسے ہوئے مسالے میں لگایا جاتا ہے)

ارم کمال..... فیصل آباد

چکن کوکونٹ رائس

اجزاء:

باسمتی چاول	دو کپ
ناریل کا تیل	دو سے تین کھانے کے چمچ
پیاز (باریک کاٹ لیں)	ایک عدد
لہسن کا جوا (کوٹ لیں)	ایک عدد
تازی سرخ مرچ (بیج نکال کر چوپ کرلیں)	ایک عدد
ہری مرچ (بیج نکال کر چوپ کرلیں)	ایک عدد
تلسی کے پتے	مٹھی بھر
چکن بریسٹ (بون لیس باریک سلائس کاٹ لیں)	تین عدد
لیموں کی چھال (باریک چوپ کرلیں)	چوتھائی ٹکڑا
کوکونٹ کریم (دو کپ پانی میں حل کرلیں)	پچاس گرام
نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ

ترکیب:

ایک سوس پین میں پانی اور تھوڑا سا نمک ڈال کر ابال لیں اب اس میں چاول ڈال کر چھ منٹ تک ابالیں، (چاول پوری طرح نہیں گلنے چاہئیں) اب چاولوں کا پانی نتھار لیں، فرائنگ پین میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز ڈال کر گولڈن اور خستہ ہونے تک تلیں، پیاز کو تیل میں سے نکال کر کچن پیپر پر رکھ کر اضافی تیل جذب ہونے دیں، اب پین کے باقی بچے ہوئے تیل میں لہسن، سرخ مرچ اور ہری مرچ ڈال کر دو سے تین منٹ تک تلیں، اس کے بعد تلسی کے پتے ڈال کر ہلکا سا ساتے فرائی کریں (چند پتے نکال کر گارنشنگ کے لیے الگ رکھ دیں) اب گوشت کے سلائسز اور لیموں کی چھال ڈال کر گولڈن ہونے تک تلیں اس کے بعد چاول شامل کر کے چند منٹ تک پکائیں اس کے بعد اس میں کوکونٹ کریم والا آمیزہ ڈال کر مزید چار سے پانچ منٹ تک پکائیں، نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر مکس کریں اگر ضرورت ہو تو تھوڑا سا مزید پانی شامل کریں اب چاولوں کو ایک سرونگ ڈش میں نکال کر ان کے اوپر تلی ہوئی پیاز اور تلسی کے پتے چھڑکیں اور گرم گرم سرو کریں۔

صباء عیشل..... بھاگووال

کلیجی پیاز

اجزاء:

بکرے کی کلیجی	آدھا کلو
تیل	چار سے پانچ کھانے کے چمچ

ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
پیاز	دو عدد
ٹماٹر دو عدد	ابلے اور کٹے ہوئے
ہری مرچ	دو عدد
لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
زیرہ (پسا ہوا)	آدھا چائے کا چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
جائفل جاوتری (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
قصوری میتھی	آدھا چائے کا چمچ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	ایک چوتھائی گٹھی

ترکیب:

پہلے بکرے کی کلیجی کو چھوٹی بوٹیوں میں کاٹ لیں۔ اب کڑاہی میں تیل اور ادرک لہسن پیسٹ شامل کر دیں۔ جیسے ہی وہ تھوڑا سا پک جائے تو کلیجی شامل کر کے اتنا بھونیں کہ تمام پانی خشک ہو جائے۔ پھر اس میں پیاز، ٹماٹر، ہری مرچ، پسی لال مرچ، نمک، زیرہ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، جائفل جاوتری، قصوری میتھی اور ہلدی شامل کر کے تھوڑا سا مکس کریں۔ آدھا کپ پانی شامل کر کے ڈھک کر پکنے کے لیے چھوڑ دیں۔ آٹھ سے دس منٹ بعد ڈھکن ہٹا کر ہرے دھنیے سے گارنش کر کے گرم گرم سرو کریں۔

نزہت جبین ضیاء.....کراچی

بھنڈی گوشت

اجزاء:

بکرے کا گوشت	آدھا کلو
بھنڈی (چھوٹی والی)	آدھا کلو
تیل	حسب ضرورت
پیاز (کٹے ہوئے)	تین عدد
گھی	ایک کپ
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
گرم مصالحہ (ثابت)	حسب ضرورت
دہی	ایک پاؤ
لال مرچ (پسی مرچ)	تین کھانے کے چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
کیوڑا	دو کھانے کے چمچ
ادرک	ایک درمیانہ ٹکڑا

ترکیب:۔

ایک پین میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز فرائی کر لیں۔ جب پیاز گولڈن ہو جائے تو اسے نکال کر الگ رکھ لیں۔ ایک پین میں گھی گرم کر کے اس میں لہسن ادرک کا پیسٹ، گرم مصالحہ اور بکرے کا گوشت اور حسب ضرورت پانی شامل کر کے اسے پکنے کے لیے چھوڑ دیں۔ ایک الگ پین میں بھنڈی فرائی کر لیں۔ جب گوشت گلنے لگے تو اس میں دہی شامل کریں۔ پھر ساتھ ہی نمک، پسی لال مرچ اور پسا دھنیا ڈال کر پکا لیں۔ جب پک جائے تو فرائی کی ہوئی بھنڈی، فرائی پیاز اور کیوڑا ڈال کر چار سے پانچ منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ آخر میں پلیٹ میں نکال کر ادرک چھڑک کر سرو کریں۔

فرخندہ شہزادی.....خانیوال

مٹر گوشت بریانی

اجزاء

گوشت	ڈیڑھ کلو
چاول (ابلے ہوئے)	ڈیڑھ کلو
گھی	ڈیڑھ پاؤ
دودھ	آدھا کلو
لونگ	دس گرام
بڑی الائچی	دس گرام
آلو	ایک پاؤ
پیاز	ایک پاؤ
دھنیے کا پانی	ایک چوتھائی کپ
مٹر کے دانے	آدھا پاؤ
زعفران	تھوڑا سا

دہی	ایک پاؤ
نمک	حسب ضرورت

ترکیب:
گوشت کی بوٹیوں پر نمک مَل کر انہیں ایک طرف رکھ دیں اور کچھ دیر کے بعد ان پر دہی مَلیں۔ چند منٹ بعد اسی گرام گھی میں پیاز سرخ کرنے کے بعد اس میں گوشت، لونگ، بڑی الائچی اور دہی ڈال کر بھونیں اور ساتھ ہی دھنیے کا پانی ڈال دیں۔ جب یہ پانی خشک ہوجائے تو ابلے ہوئے چاولوں کو دودھ کے ساتھ دیگچی میں گوشت کے اوپر بچھا دیں۔ ایک طرف آلو اور مٹر کے دانے بھی بچھا کر دیگچی کا منہ آٹے سے بند کردیں اور نرم آنچ پر دَم دیں۔ پھر اس کے نیچے سے آگ ہٹا دیں اور ڈھکنے پر انگارے رکھ دیں۔ چند منٹ بعد ڈھکنے پر ایک پتھر رکھ کر کچھ دیر تک دَم پر رہنے دیں۔ پھر چولہے سے اتارلیں۔ جب آگ پتیلی کے نیچے سے ہٹائی جائے تو یہ ضروری ہے کہ آگ پتیلے کے چاروں طرف رکھی جائے۔ اور اگر چاول کا رنگ زرد رکھنا ہو تو آخری مرحلے پر زعفران ڈال دیں۔

حنا اشرف...... کوٹ ادو

سبزی گوشت مصالحہ

اجزاء:

گائے کا گوشت انڈرکٹ	آدھا کلو
تیل	ایک چوتھائی کپ
پیاز (درمیانی کٹی ہوئی)	ایک عدد
دار چینی	دو ٹکڑے
آلو (باریک کٹے ہوئے)	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
زیرہ (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
ہلدی	ایک چائے کا چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
جائفل جاوتری (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
پانی	ایک کپ
ٹماٹر (کٹے اور اُبلے ہوئے)	تین عدد
ہری مرچ	تین سے چار عدد
مٹر آدھی پیالی	(اُبلے ہوئے)
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	دو کھانے کے چمچ

ترکیب:
پہلے بیف انڈرکٹ کو اچھی طرح سے دھو کر صاف کرکے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ اب تیل گرم کرکے پیاز اور دار چینی شامل کرکے اتنا پکائیں کہ پیاز نرم ہوجائے۔ اس میں بیف کی بوٹیاں شامل کرکے دو سے تین منٹ تک بھون لیں۔ اب آلو، نمک، ادرک لہسن کا پیسٹ، دھنیا، زیرہ، ہلدی، لال مرچ، گرم مصالحہ، جائفل جاوتری اور پانی شامل کرکے ڈھک کر ہلکی آنچ پر پکنے کے لیے چھوڑ دیں۔ پھر پانچ سے چھ منٹ بعد ڈھکن ہٹا کر ٹماٹر، ہری مرچ، مٹر اور ہرا دھنیا شامل کرکے آنچ تیز کرکے اچھی طرح سے بھون لیں۔ مزے دار بیف ویجی ٹیبل مصالحہ تیار ہے۔

اریبہ منہاج...... ملیر کراچی

بناؤ سنگھار عورت کی شخصیت کا حسن ہے۔ ایک وقت وہ تھا جب ہیوی میک اپ پسند کیا جاتا تھا مگر اب ہیوی میک اپ ٹرینڈ آؤٹ ہو چکا ہے اب خواتین لائٹ اور سافٹ میک اپ پسند کرتی ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ میک اپ سے زیادہ پرسنلٹی گرومنگ کو ترجیح دیتی ہیں تو غلط ہوگا۔ ایک وقت وہ تھا جب خواتین ایک دوسرے کو دیکھ کر فیشن کرتی تھیں۔ مگر اب وہ سوچتی ہیں کہ اُن پر کیا اچھا ہے کیا نہیں، انہیں کیا پہننا چاہیے اور کیا نہیں؟ ویسے تو کچھ عرصہ سے لائٹ اور ڈارک میک اپ عام تھا مگر اب ینگ لڑکیوں میں نیوڈ میک اپ خاصا مقبول ہو رہا ہے۔ جس میں کم سے کم استعمال کرنے کا رجحان عام ہے۔

2016ء میں نیچرل میک اپ لک بہت مقبول ہوئی بلکہ اس سال دلہنوں کے روایتی انداز میں بھی کئی تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں۔ اس سال ریڈ اور گولڈ کلرز میں برائیڈل ڈریسز کم پسند کیے گئے۔ جس طرح عرب اور مغربی ممالک میں دلہنیں سرخ جوڑا نہیں پہنتیں بلکہ سفید یا دیگر ہلکے رنگ پہنتی ہیں۔ اسی طرح پاکستان میں بھی یہی گلوبل ٹرینڈ عام رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ دلہنیں اب برائیڈل میک اپ کے بجائے پارٹی میک اپ کرنے لگی ہیں۔

2016ء میں خواتین نے میک اپ کے ساتھ ساتھ نئے نئے ہیئر اسٹائلز بنانے کی طرف توجہ دی۔ سیلفی کلچر نے بھی خواتین کو ہر دم سجا سنوار رہنے کی طرف مائل کیا۔ انہیں سیلفی لے کر بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ اچھی لگ رہی ہیں یا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب عام گھریلو خواتین بھی اپنی سج دھج کا خاص خیال رکھتی ہیں یہ تبدیلی خوش آئندہ رہی۔ اب دیکھیں نئے سال میں کیا تبدیلیاں آتی ہیں اور کون سے فیشن عام ہوتے ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ اسٹائل تخلیق نہیں کیا جاتا بلکہ ہماری شخصیت میں موجود ہوتا ہے ہمیں چاہیے کہ جو بھی فیشن کریں خود اعتمادی سے کریں۔

سردیوں میں چکنی جلد کی حفاظت کے طریقے

چکنی جلد والے افراد کے چہرے پر جگہ جگہ چکناہٹ جمع ہو جانے کی وجہ سے نشانات بننا شروع ہو جاتے ہیں جن میں اکثر خارش بھی محسوس ہونے لگتی ہے۔ غدودوں کی حد سے زیادہ سرگرمی کی وجہ سے جلد کی سطح پر چکناہٹ پھیل جاتی ہے، اس کے باعث کیل، مہاسے، بلیک ہیڈز اور داغ دھبے بھی جلد کو بدنما بنا دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چکنی جلد کی حفاظت کرنا مشکل کام سمجھا جاتا ہے۔ عام طور پر لوگ ایسا سوچتے ہیں کہ سردیوں میں چکنی جلد کو دیکھ بھال کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ سردیوں کی ہوائیں جلد سے اضافی تیل سکھا دیتی ہیں۔ یہ بات درست نہیں۔ سردیاں ہوں یا گرمیاں چکنی جلد کا خیال رکھنا ہر موسم میں ضروری ہے۔ سردیوں میں زیادہ گرم پانی سے نہانا اضافی چکناہٹ کے ساتھ ساتھ جلد سے ضروری نمی بھی کھینچ لیتا ہے جلد خشک ہونے لگتی ہے تو اس کے لیے جسم مزید تیل پیدا کرتا ہے جس سے چکنی جلد کی حالت مزید بگڑ جاتی ہے۔ سردیوں میں ان سات باتوں کا خیال رکھ کر آپ اپنی جلد کو شاداب اور چمکدار رکھ سکتی ہیں۔

صحیح موائسچرائزر کا استعمال:۔

سردیوں میں بھی آئل فری موائسچرائزر کا استعمال جاری رکھیں۔ ایسی جلد کے لیے کئی اقسام کے موائسچرائزرز مارکیٹ میں دستیاب ہیں جیسے کے واٹر بیسڈ یا جیل والے موائسچرائزرز۔ کوشش کریں کہ ایسا موائسچرائزر استعمال کریں جس میں وٹامن ای موجود ہو۔ جلد میں چکنائی کی مقدار اعتدال میں رکھنے کے لیے ہر بار منہ دھونے کے بعد موائسچرائزر کا استعمال ضروری ہے۔

جلد کو ایکسفولیئٹ کریں:۔

جلد کی صحت کے لیے ایکسفولیئشن بے حد اہم ہے۔ اس مقصد کے لیے جلد کا کسی دانے دار کریم یا لوشن سے مساج کیا جاتا ہے جس سے جلد کی مردار تہہ چھلکے کی طرح اتر جاتی ہے۔ یہ عمل جلد کی صفائی اور اس میں کسی بھی قسم کے فنگس یا جراثیم پیدا ہونے سے روکنے کے لیے ضروری ہے۔ وٹامن ای سے بھرپور ایکسفولیئٹنگ جیل استعمال کریں۔ سردیوں میں اس کا ہفتے میں دو بار استعمال کافی

ہے۔

پیٹرولیم جیل سے اجتناب:۔

ہونٹوں یا جلد پر پیٹرولیم جیل استعمال نہ کریں۔ اگر ہونٹ پھٹنے لگیں تو کوئی میڈیکیٹڈ یا ہربل لپ بام استعمال کریں۔

ٹی ٹری آئل کا استعمال:۔

سردیوں میں نہانے کے لیے گرم پانی کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر پانی میں ٹری آئل کے چند قطرے شامل کرلیے جائیں تو وہ جسم سے ضروری نمی کھونے نہیں دیتے۔ اس کے استعمال سے جلد نرم وملائم رہتی ہے اور چکنی نہیں ہوتی۔

آئل فری میک اپ لیں:۔

ہمیشہ ایسا فاؤنڈیشن خریدیں جو واٹر بیسڈ یا آئل فری ہو۔ سردیوں کے لیے فاؤنڈیشن یا تو کریم فارم میں لیں یا لیکوئیڈ میں۔ ایسے میک اپ کا سامان جس میں قدرتی تیل ہو چکنی جلد والوں کے لیے سہی نہیں۔ میٹ میک اپ چکنی جلد کے اچھا بھی ہے اور زیادہ دیر تک برقرار بھی رہتا ہے۔

جلد کی باقاعدگی سے صفائی ضروری:۔

جلد کی تمام ضروریات پوری کرنے لیے باقاعدگی سے کلینزنگ، ٹوننگ اور موائسچرائزنگ کرنا ضروری ہے۔ کلینزنگ ملک کی جگہ واٹر بیسڈ کلینزز شورز استعمال کریں۔ ان طریقوں کو اپنانے کے علاوہ سردیوں میں چکنی جلد کی حفاظت کے لیے مناسب نیند، متوازن غذا، ورزش اور وٹامن سپلیمنٹ کا باقاعدگی سے استعمال بھی بے حد مفید ہے۔

شہد جلد کو شاداب بنائے

شہد جہاں مختلف امراض میں معاون ہے وہیں شہد جلد کی خوب صورتی اور شادابی برقرار رکھنے میں بھی اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن خواتین شہد کو خوب صورتی میں اضافے کے لئے کس طرح استعمال کرکے اس سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔

جلد کو فوری جگمگاہٹ اور شادابی دینا چاہتے ہیں تو آدھے کپ تازہ دودھ میں ایک چمچہ شہد ملا کر اس آمیزے کو اپنے چہرے پر لگائیں یہ ماسک حیرت انگیز نتائج کا حامل ہے۔ چہرے پر شہد کا لیپ کرنے سے جھریوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔

آدھا چمچہ شہد تھوڑے سے گرم پانی میں ملا کر چہرے پر مل لیں تھوڑی دیر بعد چہرہ دھولیں۔ چہرے کی جلد کو تروتازہ بنانے کی لئے بہترین ہے۔

کہنیوں اور گھٹنوں پر لگانے کے لئے تھوڑا سا شہد نیم گرم پانی میں حل کرکے ملیں دس منٹ بعد دھو کر خشک کر لیں۔

ایک کیلا اور ایک چھوٹا چمچہ شہد اچھی طرح ملا کر چہرے پر لگائیں۔

ایک چمچہ خالص شہد میں ڈیڑھ چمچہ لیموں کا عرق ملا کر چہرے پر بیس منٹ کے لئے لگائیں پھر پانی سے دھولیں اس سے جلد چمکنے لگے گی یہ ماسک ہر طرح کی جلد کے لئے بہترین ہے۔

شہد میں بالائی ملا کر رات کو سوتے وقت لگائیں کچھ دیر بعد ہلکا سا مساج کرکے اتار لیں اس سے نہ صرف رنگت نکھر جائے گی بلکہ داغوں اور دانوں میں بھی فرق پڑ جائے گا۔

دو آلو لیں انہیں چھیل کر درمیان سے کاٹ لیں اور باریک کپڑے کے درمیان میں رکھیں اس میں لیموں کے چند قطرے لیموں اور چند قطرے شہد بھی ملائیں اب کپڑے کو بند کرلیں اور گول پوٹلی سی بنالیں اس کو چہرے پر رگڑیں یہ عمل مکمل ہوجائے تو رس کو پندرہ منٹ چہرے پر لگا رہنے دیں۔ یہ عمل روایتی بلیچنگ کہلاتا ہے جو نہ صرف رنگت میں نکھار کا باعث بنتا ہے بلکہ اس سے جلد میں قدرتی چمک پیدا ہوجاتی ہے۔

عائشہ وہالہ سلیم......اورنگی کراچی

عالمِ انتخاب

نزہت جبین ضیاء

سال نو مبارک ہو

رب کرے کہ یہ برس
خوشی کا علمبردار ہو
میرے وطن کا ہر شہری
سکون سے ہمکنار ہو
ہر طرف بہار ہو
اس قوم میں ایسا پیار ہو
کہ عدو لرز لرز اٹھے
نہ کوئی اس سے ٹکرائے
نہ اس پہ کوئی وار ہو
وطن کا ہر پیر و جواں
اس پہ یوں نثار ہو
عمل سے جس کے ہر گھڑی
چھلکتا صرف پیار ہو
سال نو کی آمد پر
ہر چہرے پہ نکھار ہو
ہر طرف بہار ہو
بہار ہی بہار ہو (آمین)

شاعرہ: سباس گل..... رحیم یار خان
انتخاب: عثمان عبداللہ..... کراچی

غزل

گئی رتوں میں تو شام و سحر نہ تھے ایسے
کہ ہم اداس بہت تھے، مگر نہ تھے ایسے
یہاں بھی پھول سے چہرے دکھائی دیتے تھے
یہ اب جو ہیں، یہی دیوار و در نہ تھے ایسے
ملے تو خیر نہ ملنے پہ رنجشیں کیسی
کہ اس سے اپنے مراسم تھے پر نہ تھے ایسے
رفاقتوں سے مرا ہوں، مسافتوں سے نہیں
سفر وہی تھے مگر ہم سفر نہ تھے ایسے

شاعر: احمد فراز
انتخاب: ریما نور رضوان

نظم

مجھے ایک کاندھا چاہیے ہاں ایک کاندھا
جس پر میں اپنا سر رکھ کر سارے دکھ درد کہہ دوں
اور اپنی تمام پریشانیاں شیئر کر دوں
اور اپنے سارے دکھ درد
آنسوؤں کی صورت
بہا کر ہلکی ہو جاؤں
اور تمہاری بانہوں میں سمٹ کر
ہمیشہ کے لیے سو جاؤں

شاعرہ: فریدہ جاوید فری
انتخاب: پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

نہیں چاہتا

میں تجھے چاہتا نہیں لیکن
پھر بھی جب تم پاس نہیں ہوتی
خود کو کتنا اداس پاتا ہوں
جانے کیا دھن سمائی رہتی ہے
اک خاموشی سی چھائی رہتی ہے
دل سے بھی گفتگو نہیں ہوتی
میں تجھے چاہتا نہیں لیکن
پھر بھی شب کی طویل خلوت میں
تیرے اوقات سوچتا ہوں
تیری ہر بات سوچتا ہوں
کون سے پھول تجھ کو بھاتے ہیں
کھو سا جاتا ہوں تیری جنت میں
میں تجھے چاہتا نہیں لیکن
پھر بھی احساس سے نجات نہیں
سوچتا ہوں تو رنج ہوتا ہے
دل کو جیسے کوئی ڈبوتا ہے
جس کو اس درجہ چاہتا ہوں میں

اس میں تیری سی کوئی بات نہیں
میں تجھے چاہتا نہیں لیکن......

شاعر: جانثار اختر

انتخاب: جویریہ ڈمی...... ڈونگہ بونگہ

خواہش

اب تو خواہش ہے یہ درد ایسا ملے
سانس لینے کی حسرت میں مر جائیں ہم
اب تو خواہش ہے یہ ایسی آندھی چلے
جس میں پتوں کی مانند بکھر جائیں ہم
اب تو خواہش ہے یہ دنیا والوں کا غم
ایسی ٹھوکر لگائے کہ جی نہ سکیں ایسی الجھے یہ سینے میں سانس کہ بس
ہم دوا پینا چاہیں تو پی نہ سکیں
کوئی راحت نہ راہی ملے ایک پل کا سہارا نہ چاہت ملے
اب تو خواہش لیے یہ دشت ہی دشت ہو ننگے پاؤں چلیں
ہم سر بزم شمع کی مانند جلیں جس کو چاہیں اسے پھر نہ پائیں کبھی
چھوڑ جائیں یوں چپ چاپ دنیا کہ پھر دل یہ چاہے بھی تو ہم نہ آئیں کبھی
اب تو خواہش ہے یہ کوئی صحرا قلعہ یا بیابان ہو
جس میں سالوں تلک قید ہی قید ہو
اپنے خالق و مالک سے میں نے کی جو بے وفائی وہاں پر وہ ناپید ہو
اب تو خواہش ہے یہ
روئے جاؤں تو چپ کرائے کوئی
دور جنگل میں یا پھر کسی دشت میں
ہاتھ پکڑے میرا چھوڑ آئے کوئی
اب تو خواہش ہے یہ
درد ایسا ملے
اب تو خواہش ہے یہ

شاعرہ: نازیہ کنول نازی

انتخاب: صائمہ سکندر سومرو...... حیدر آباد

غزل

محبت خواب ہوتی جا رہی ہے
یہ شے کمیاب ہوتی جا رہی ہے
بہت شاداب تھا آغاز لیکن
سخن سیماب ہوتی جا رہی ہے
جو سوچا وہ ہوا پہ لکھ دیا تھا
یہ خوبے آب ہوتی جا رہی ہے
شفق کو دیکھ کر دل سوچتا ہے
یہ حد، ایجاب ہوتی جا رہی ہے
پہننے کو بدن کافی نہیں تھا
طلب سیلاب ہوتی جا رہی ہے

کلام: کشور ناہید

انتخاب: سیدہ جیا عباس کاظمی...... تلہ گنگ

یہ تنہا رات

یہ تنہا رات یہ گہری فضائیں
اسے ڈھونڈیں کہ اس کو بھول جائیں
خیالوں کی گھنی خاموشیوں میں
گھلی جاتی ہیں لفظوں کی صدائیں
یہ رستے رہروؤں سے بھاگتے ہیں
یہاں چھپ چھپ کے چلتی ہیں ہوائیں
یہ پانی خامشی سے بہہ رہا ہے
اسے دیکھیں کہ اس میں ڈوب جائیں
جو غم جلتے ہیں شعروں کی چتا میں
انہیں پھر اپنے سینے سے لگائیں
چلو ایسا مکاں آباد کرلیں
جہاں لوگوں کی آوازیں نہ آئیں

شاعر: احمد مشتاق

انتخاب: حنا اشرف...... کوٹ ادو

غزل

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا
تم سے بے جا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اس میں کچھ شائبہ خوبی تقدیر بھی تھا
قید میں ہے ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد
ہاں کچھ اک رنج گرانباری زنجیر بھی تھا
بجلی ایک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا

بات کرتے کہ میں لب تشنہ تقریر بھی تھا
یوسف اس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی
گر بگڑ بیٹھے تو لائق تعزیر بھی تھا
دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجا ٹھنڈا
نالہ کرتا تھا ولے طالب تاثیر بھی تھا

شاعر: اسد اللہ خان غالب

انتخاب: طلعت نظامی

غزل

یہ زرد پتوں کی بارش مرا زوال نہیں
مرے بدن پہ کسی دوسرے کی شال نہیں
اداس ہوگئی اک فاختہ چہکتی ہوئی
کسی نے قتل کیا ہے یہ انتقال نہیں
تمام عمر غریبی میں باوقار رہے
ہمارے عہد میں ایسی کوئی مثال نہیں
میں آسمان کا ٹوٹا ہوا ستارہ ہوں
کہاں ملی تھی یہ دنیا مجھے خیال نہیں
وہ لاشریک ہے اس کا کوئی شریک نہیں
وہ بے مثال ہے اس کا کوئی شریک نہیں
کوئی خوشی ہو میں اپنی حدوں میں رہتا ہوں
مرا ملال بھی حد سے سدا ملال نہیں

شاعر: بشیر بدر

انتخاب: سدرہ شاہین...... پیروال

غزل

وہ رت بھی آئی کہ میں پھول کی سہیلی ہوئی
مہک میں چمپا کلی روپ میں چنبیلی ہوئی
وہ سرد رت کی برکھا سے کیوں نہ پیار کروں
یہ رت تو ہے میرے بچپن کے ساتھ کھیلی ہوئی
زمیں پہ پاؤں نہیں پڑ رہے تکبر سے
نگار غم کوئی دلہن نئی نویلی ہوئی
وہ چاند بن کے مرے ساتھ ساتھ چلتا رہا
میں اس کے ہجر کی راتوں میں کب اکیلی ہوئی
جو حرف سادہ کی صورت ہمیشہ لکھی گئی
وہ لڑکی تیرے لیے کس طرح پہیلی ہوئی

شاعرہ: پروین شاکر

انتخاب: جویریہ ضیاء...... کراچی

درخت میرے دوست

درخت میرے دوست
تم مل جاتے ہو کسی نہ کسی موڑ پر
اور آسان کر دیتے ہو سفر
تمہارے پیر کی انگلیاں
جمی رہیں پاتال کے بھیدوں پر
قائم رہے میرے دوست
تمہارے تنے کی متانت اور قوت
دھوپ اور بارش تمہیں اپنے تحفوں سے نوازتی رہے
تم بہت پروقار اور سادہ ہو
میرے تھیلے کو جاننا چاہتے ہو
ضرور...... یہ لو میں اسے کھولتا ہوں
روٹیاں، دعائیں اور نظمیں
میرے پاس اس سے زیادہ کچھ نہیں
ایک شاعر کے پاس اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا
دوست دکھ دینا تم نے سیکھا ہی نہیں
تم نے نہ تو مجھ سے شاعری کا مطلب پوچھا
اور نہ کبھی میرے مطالعے پر شک کیا
ایسا ہی ہونا چاہیے دوستوں کو
اگر میرے پاس اک اور زندگی ہوئی تو
تو میں اپنی پہلی زندگی تمہاری جڑوں پر گزار دیتا
مگر میں گھر سے خاندان بھر خوشیوں کے لیے نکلا ہوں
اور وہاں میرا انتظار کیا جا رہا ہے
تم نے میرے دوست
ہاں تم نے
بہت کچھ سکھایا ہے مجھے
مثلاً زمین اور آسمانی بجلی
اور ہوا
اور انتظار

اور دوسروں کے لیے زندہ رہنا
بہت قیمتی ہیں یہ باتیں
میں کیا دے سکتا ہوں اس فیاضی کا جواب
میرے پاس تمہارے لیے
ایک روٹی اور دعا ہے
روٹی تمہاری چیونٹیوں کے لیے
دعا تمہارے آخری دن کے لیے
مجھے معلوم ہے تم نے کلہاڑی کے مصافحے
اور آری کی ہنسی سے کبھی خوف نہیں کھایا
مگر تم روک نہیں سکتے نہیں
کوئی بھی نہیں روک سکتا
خدا کرے......
خدا کرے تمہاری شاخوں سے ایک جھونپڑی بنائی جائے
بازوؤں کے گھیرے میں نہ آنے والے تمہارے تنے کی لکڑی
بہت کافی ہے
دو پہیوں اور ایک کشتی کے لیے
دوست ہم پھر ملیں گے
مسافر اور چھکڑا
مسافر اور کشتی
کہیں نہ کہیں ہم پھر ایک ساتھ ہوں گے
کہیں نہ کہیں
ایک ساتھ ہم سامنا کریں گے
ہوا کا اور راستوں کا
مسرت اور موت کا

شاعر: ثروت حسین

انتخاب: ماہ جبین خان...... رحیم یار خان

غزل

وہ کیا تغیرات کے سانچے میں ڈھل گئے
ہم بھی کچھ اور ہو گئے ہم بھی بدل گئے
کس انجمن میں داد طلب ہوں وہ کم نصیب
جو شام تار کے اندھیروں میں جل گئے
ہے یاد راہ عشق انہی قافلوں کی یاد
جو زندگی کی دوڑ میں آگے نکل گئے
اے جان نغمگی انہیں اب یاد بھی نہ کر
وہ راگ آگ ہو گئے وہ ہونٹ جل گئے
لفظ وفا سے اب وہ تاثر نہ کر قبول
اس عام فہم لفظ کے معنی بدل گئے

شاعر: جون ایلیا

انتخاب: سحرش فاطمہ...... کراچی

غزل

زندگی خواب پریشان ہے کوئی کیا جانے
موت کی لرزش مژگاں ہے کوئی کیا جانے
رامش و رنگ کے ایوان میں لیلائے حیات
صرف اک رات کی مہماں ہے کوئی کیا جانے
گلشن زیست کے ہر پھول کی رنگینی میں
دجلہ خون رگ جاں ہے کوئی کیا جانے
رنگ و آہنگ سے بجتی ہوئی یادوں کی برات
رہرو جادہ نسیاں ہے کوئی کیا جانے

شاعر: جوش ملیح آبادی

انتخاب: ندا حسنین...... کراچی

غزل

وہ لوگ میرے بہت پیار کرنے والے تھے
گزر گئے ہیں جو موسم گزرنے والے تھے
نئی رتوں میں دکھوں کے بھی سلسلے ہیں نئے
وہ زخم تازہ ہوئے ہیں جو بھرنے والے تھے
یہ کس مقام پہ سوجھی تجھے بچھڑنے کی
کہ اب تو جا کہ کہیں دن سنورنے والے تھے
ہزار مجھ سے وہ پیمان وصل کرتا رہا
پر اس کے طور طریقے مکرنے والے تھے
تمہیں تو فخر تھا شیرازہ بندی جاں پر
ہمارا کیا ہے کہ ہم تو بکھرنے والے تھے
تمام رات نہایا تھا شہر بارش میں
وہ رنگ اتر ہی گئے جو اترنے والے تھے
اس ایک چھوٹے سے قصبے پہ ریل ٹھہری نہیں

وہاں بھی چند مسافر اترنے والے تھے

شاعر:جمال احسانی

انتخاب:ام اقصیٰ......کراچی

غزل

یہ اور بات تیری گلی میں نہ آئیں ہم
لیکن یہ کیا کہ شہر ترا چھوڑ جائیں ہم
مدت ہوئی ہے کوئے بتاں کی طرف گئے
آوارگی سے دل کو کہاں تک بچائیں ہم
شاید بقید زیست یہ ساعت نہ آسکے
تم داستان شوق سنو اور سنائیں ہم
بے نور ہوچکی ہے بہت شہر کی فضا
تاریک راستوں میں کہیں کھو نہ جائیں ہم
اس کے بغیر آج بہت جی اداس ہے
جالب چلو کہیں سے اسے ڈھونڈ لائیں ہم

شاعر:حبیب جالب

انتخاب:ام عمارہ......چیچہ وطنی

غزل

وہ سرخوشی دے کہ زندگی کو شباب سے بہرہ یاب کردے
مرے خیالوں میں رنگ بھردے مرے لہو کو شراب کردے
یہ خوب کیا ہے یہ زشت کیا ہے بشر کی اصلی سرشت کیا ہے
بڑا مزہ ہو تمام چہرے اگر کوئی بے نقاب کردے
کہو تو راز حیات کہہ دوں حقیقت کائنات کہہ دوں
وہ بات کہہ دوں کہ پتھروں کے دلوں کو بھی آب آب کردے
خلاف تقدیر کر رہا ہوں پھر ایک تقصیر کر رہا ہوں
پھر ایک تدبیر کر رہا ہوں خدا اگر کامیاب کردے

شاعر:حفیظ جالندھری

انتخاب:ارم صابرہ......تلہ گنگ

غزل

وحشت دل نے کیا ہے وہ بیاباں پیدا
سیکڑوں کوس نہیں صورت انسان پیدا
دل کے آئینے میں کر جوہر پنہاں پیدا
در و دیوار سے ہو صورت جاناں پیدا
باغ سنسان نہ کر، ان کو پکڑ کر صیاد
بعد مدت ہوئے ہیں مرغ خوش الحاں پیدا
اب قدم سے ہے مرے خانہ زنجیر آباد
مجھ کو وحشت نے کیا سلسلہ جنباں پیدا
روح کی طرح سے داخل ہو جو دیوانہ ہے
جسم خاک سمجھ اس کو جو ہو زنداں پیدا
بے حجابوں کا مگر شہر ہے اقلیم عدم
دیکھتا ہوں جسے ہوتا ہے وہ عریاں پیدا
اک گل ایسا نہیں ہووے نہ خزاں جس کی بہار
کون سے وقت ہوا تھا یہ گلستاں پیدا
موجد اس کی ہے یہ روزی ہماری آتش
ہم نہ ہوتے تو نہ ہوتی شب ہجراں پیدا

شاعر:خواجہ حیدر علی آتش

انتخاب:ہما زونش......جہلم

غزل

یادیں ہیں اپنے شہر کی اہل سفر کے ساتھ
صحرا میں لوگ آئے ہیں دیوار و در کے ساتھ
منظر کو دیکھ کر پس منظر بھی دیکھیے
بستی نئی بسی ہے پرانے کھنڈر کے ساتھ
سائے میں جان پڑ گئی دیکھا جو غور سے
مخصوص یہ کمال ہے اہل نظر کے ساتھ
اک یاد ہے کہ دامن دل چھوڑتی نہیں
اک بیل ہے کہ لپٹی ہوئی ہے شجر کے ساتھ
اس مرحلے کو موت بھی کہتے ہیں دوستو
اک پل میں ٹوٹ جائیں جہاں عمر بھر کے ساتھ
میری طرح یہ صبح بھی فنکار ہے شکیب
لکھتی ہے آسماں پہ غزل آب زر کے ساتھ

شاعر:شکیب جلالی

انتخاب:ضوبار یہ ساحر......مظفر گڑھ

غزل

اپنی تصویر کو آنکھوں سے لگاتا کیا ہے
اک نظر میری طرف دیکھ تیرا جاتا کیا ہے

میری رسوائی میں تو بھی ہے برابر کا شریک
میرے قصے میرے یاروں کو سناتا کیا ہے
پاس رہ کر بھی نہ پہچان سکا تو مجھ کو
دور سے دیکھ کے اب ہاتھ ہلاتا کیا ہے
سفرِ شوق میں کیوں کانپتے ہیں پاؤں تیرے
دور سے دیکھ کے اب ہاتھ اٹھاتا کیا ہے
عمر بھر اپنے گریباں سے الجھنے والے
تو مجھے میرے سائے سے ڈراتا کیا ہے
مر گئے پیاس کے مارے تو اٹھا ابرِ کرم
بجھ گئی بزم تو اب شمع جلاتا کیا ہے
میں ترا کچھ بھی نہیں ہوں مگر اتنا تو بتا
دیکھ کر مجھ کو تیرے ذہن میں آتا کیا ہے
شاعر: شہزاد احمد
انتخاب: سیدہ یمنیٰ اختر...... شہداد کوٹ

غزل

یہاں کسی کو بھی کچھ حسب آرزو نہ ملا
کسی کو ہم نہ ملے اور ہم کو تو نہ ملا
چمکتے چاند بھی تھے شہرِ شب کے ایواں میں
نگارِ غم سا مگر کوئی شمع رو نہ ملا
انہی کی رمز چلی ہے گلی گلی میں یہاں
جنہیں ادھر سے کبھی اذنِ گفتگو نہ ملا
پھر آج میکدہ دل سے لوٹ آئے ہیں
پھر آج ہم کو ٹھکانے کا ہم سبو نہ ملا
شاعر: ظفر اقبال
انتخاب: نادیہ احمد...... دبئی

سناٹا

آج پھر تم نے مرے دل میں جگایا ہے وہ خواب
میں نے جس خواب کو رو رو کر سلایا تھا
کیا ملا تم کو انہیں پھر سے فروزاں کر کے
میں نے دہکے ہوئے شعلوں کو بجھایا تھا ابھی
میں نے کیا کچھ نہیں سوچا تھا میری جانِ غزل
کہ میں اس شعر کو چاہوں گا اسے پوجوں گا
اپنی ترسی ہوئی آغوش میں تارے بھر کے
قصرِ مہ تاب تو کیا عرش کو بھی چھو لوں گا
تم نے تب وقت کو ہر زخم کا مرہم سمجھا
اور نا سور مرے دل میں چمکتے بھی رہے
لذتِ تشنہ لبی بھی مجھے شیشوں نہ دی
محفلِ عام میں تا دیر چھلکتے بھی رہے
اور اب جب نہ کوئی درد نہ حسرت نہ کسک
اک لرزتی ہوئی لو کو تہِ داماں نہ کرو
تیرگی اور بھی بڑھ جائے گی ویرانے کی
میری اجڑی ہوئی دنیا میں چراغاں نہ کرو
شاعر: مصطفیٰ زیدی
انتخاب: ثمرہ چوہدری...... گجرات

غزل

ہر گھڑی رائیگاں گزرتی ہے
زندگی اب کہاں گزرتی ہے
درد کی شام، دشتِ ہجراں سے
صورتِ کارواں گزرتی ہے
شب گراتی ہے بجلیاں دل پر
صبح آتش فشاں گزرتی ہے
زخم پہلے مہکنے لگتے تھے
اب ہوا بے نشاں گزرتی ہے
تُو خفا ہے تو دل سے یاد تری
کس لیے مہرباں گزرتی ہے
اپنی گلیوں سے امن کی خواہش
تن پہ اوڑھے دھواں گزرتی ہے
مسکرایا نہ کر کہ محسن پر
یہ سخاوت گراں گزرتی ہے
شاعر: محسن نقوی
انتخاب: فضاء...... حیدرآباد

alam@aanchal.com.pk

تشریح آیات 21,35,39 سورۃ النور

اللہ کے فضل وکرم اور توفیق سے نیک وبد کا فرق سمجھ کر ہی انسان شیطان کی گمراہ کن ترغیبات سے بچ پاتا ہے۔ اس کائنات میں علم کا منبع صرف اللہ کی ذات ہے، انسان اللہ سے ڈرتے ہوئے اللہ کی ہدایت کے مطابق اپنی روزمرہ زندگی گزار کر نماز پر قائم رہ کر اور زکواۃ ادا کر کے آخرت میں اجر پاتا ہے جبکہ نافرمان انسان کے سارے اعمال ضائع جاتے ہیں اور وہ جہنم رسید ہوتا ہے۔

غلام سرور...... نارتھ ناظم آباد، کراچی

حدیث رسول ﷺ

حضرت ابو دردا ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا سبحان اللہ و الحمدللہ و لا الا اللہ و اللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ کہا کرو یہی باقیات صالحات ہیں اور یہ گناہوں کو اس طرح مٹا دیتے ہیں جس طرح درخت سے (سردی کے موسم میں) پتے جھڑتے ہیں اور یہی کلمات جنت کے خزانوں میں سے ہیں۔

لائبہ میر...... حضرو اٹک

دل کا دریا

جذبات کا سمندر محبتوں کا لبریز پیمانہ تمناؤں کا وسیع گھروندہ آرزو کا چمن ہے مگر دل محبتوں کا شاہکار بھی تو ہے، نفرتوں کا سمندر بھی تو یہیں پیدا ہوتا ہے، اس دل میں کس کس چیز کا ٹھکانہ ہے نیکی بدی' خطا محبت، نفرت، الفت' آس اور پیاس کبھی امیدوں کے پھول کھلتے ہیں اور کبھی خواہشوں کے پتے زرد ہوتے ہیں ایک دل اور بے حساب جذبات۔

حلیمہ سعدیہ...... تل خالصہ

ج...... جہاں بھر پہ برس جائے ابر رحمت اب۔
ن...... نماز پڑھ کے فقط ایک ہی دعا مانگی۔
و...... وجود رب ذوالجلال تجھ کو تیری قسم۔
ر...... رہ وفا کو بہاروں کا سلسلہ دے دے۔
ی...... یہ آتے سال کو خوشیوں کا پیامبر کردے آمین

ناہید شبیر رانا...... رحمان گڑھ

مہکتی کلیاں

❖ کسی کی حوصلہ شکنی نہ کرو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی آخری امید لے کر آیا ہو۔

❖ ماں کے منہ سے نکلی ہوئی دعا خدا کو بھی ماننا پڑتی ہے۔

❖ رزق حلال کی تلاش لوگوں کا محتاج بننے سے بہتر ہے۔

❖ دو چہرے انسان کو کبھی نہیں بھولتے ایک مشکل میں ساتھ دینے والا ایک مشکل میں ساتھ چھوڑنے والا۔

❖ انسان دکھ نہیں دیتا انسان سے وابستہ امیدیں دکھ دیتی ہیں۔

❖ ماں کو گالی دینا سب سے بڑا گناہ ہے۔

فیاض اسحاق مہیانہ...... سلانوالی

اچھی باتیں

○ جب کسی کی آنکھ میں آپ اپنے لیے خلوص دیکھیں تو اس کی قدر کریں اور جس کی آنکھ میں اپنے لیے نفرت دیکھیں تو خلوص سے اس نفرت کو مٹا دیں۔

○ جب ہم اللہ سے مانگتے ہیں تو بے حساب مانگتے ہیں لیکن جب عبادت کا وقت آتا تو نوافل بھی گن کر ادا کرتے ہیں۔

○ خوب صورتی ایک طاقت ہے اور مسکراہٹ اس کی تلوار ہے۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

دعا

ہر وہ شخص جو مجھے رنج دیتا ہے اسے بے شمار راحتیں نصیب ہوں۔

جنوری

ہر وہ شخص جو مجھے اپنا دوست نہیں سمجھتا اللہ پاک اسے اپنا دوست رکھے۔
ہر وہ شخص جو میرے راستے میں دشمنی سے کانٹے بچھاتا ہے۔
اس کی عمر کے باغ میں کھلنے والا ہر پھول کانٹوں سے محفوظ رہے آمین۔

طیبہ سعدیہ عطاریہ...... کٹھیالہ، سیالکوٹ

اچھی امید

جو آپ نے کھو دیا ہے اسے مت گنو بس یہ دیکھو کہ اب آپ کے پاس کیا کیا ہے کیونکہ ماضی کبھی بھی واپس نہیں آتا مگر بعض دفعہ مستقبل ہمیں ہماری کھوئی ہوئی چیزیں لوٹا ضرور دیتا ہے۔
اللہ سے ہر حال میں دعا کرنی چاہیے اور اچھی امید رکھنی چاہیے۔

فریحہ شبیر...... شاہ نکڈر

سونا جیسے لوگ، ہیرے جیسی باتیں

❁ ساکھ بنانے میں بیس سال لگتے ہیں اور یہ ساکھ پانچ منٹ میں برباد ہو جاتی ہے۔ (وارین لفٹ)
❁ جو دوسروں کو شک کی نظر سے دیکھتا ہے وہ حقیقت میں اپنے کردار کی برائیاں دوسروں میں تلاش کر رہا ہوتا ہے۔ (خلیل جبران)
❁ توبہ انسان کو ہر قصور سے بری کر دیتی ہے۔ (الفارابی)
❁ سیدھی اور صاف بات کرنے سے نقصان بہت تھوڑا مگر فائدہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ (لارڈ میکالے)
❁ راز کو راز رکھنا بڑی ذہانت اور عقلمندی کی بات ہے لیکن یہ امید رکھنا کہ دوسرے بھی اس کو راز رکھیں گے سب سے بڑی بے وقوفی ہے۔ (سموئیل جانسن)
❁ غصہ ایک چور ہے جو ہمیشہ انسان کے اچھے لمحات چوری کر لیتا ہے۔ (جو، این ہاملٹن)
❁ جس نے کبھی کسی کو دشمن نہیں بنایا، وہ کبھی بھی کسی کو دوست نہیں بنا سکتا۔ (ٹینی سن)

❁ اگر تم چاہو تو اپنے خیالات کو بدل کر زندگی بہتر بنا سکتے ہو۔ (آسکر وائلڈ)
❁ ہر عمل کھوکھلا ہے جب تک محبت نہ ہو۔ (خلیل جبران)
❁ خواہ کچھ بھی ہو مصیبت کے دن گزر جاتے ہیں اگر یہ نہیں گزرتے تو انسان خود ہی گزر جاتا ہے۔ (شیکسپیئر)
❁ دوسروں کو حقیر سمجھنا بے حد آسان اور خود کو حقیر سمجھنا بے حد مشکل ہے۔ (بوروف)

ارم کمال...... فیصل آباد

بیسٹ بات

رشتوں کو ایسی محبت اور احترام سے نبھایا کرو جیسے شہد کی مکھی پھولوں سے رس نکال بھی لے تب بھی پھولوں کو کسی قسم کا نقصان نہیں ہونے دیتی۔ دو دن کی زندگی ہے اسے دو ہی اصولوں پر گزارو۔
ملو تو پھول بن کر۔
بکھرو تو خوشبو بن کر۔

ارم ریاض...... برنالی

عورت کا درزی کو ناپ دینا کیسا

سوال: اسلامی بہن کا اپنے کپڑے کی سلائی کے لیے نا محرم درزی کو اپنے بدن کے ذریعے ناپ دینا کیسا ہے؟
جواب: حرام اور جہنم میں لے جانا والا کام ہے درزی بھی سخت گناہ گار اور عذاب کا حقدار ہے کیونکہ بغیر نگاہیں جمائیں اور بدن پر ہاتھ لگائے بغیر ناپ نہیں لیا جا سکتا، ممکن ہو تو اسلامی بہن سے ہی کپڑے سلوائیں یہ نہ ہو سکے تو گھر کی خواتین ناپ لے اور کوئی محرم جا کر درزی کو سلوانے کے لیے دے آئے اسلامی بہن بات بات پر گھر سے باہر نہ دوڑتی پھرے صرف شرعی مصلحت کی صورت میں پردے کی تمام قیودات کے ساتھ باہر نکلے، اللہ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

ناظمہ نورین...... بھیر کنڈ

باپ

جب صبح باپ میرا گھر سے نکلتا ہے

تو

دل سے یہ دعا نکلتی ہے

یارب!

میرے باپ کو سلامت رکھنا

کیونکہ

بن اس کے سب رشتے جھوٹے ہیں

سب سکے کھوٹے ہیں

باپ نہیں جب تو

کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں

فاطمہ...... وہاڑی

مسکراہٹ

زیادہ ہنسنا موت سے غفلت کی نشانی ہے۔

مسکراہٹ محبت کی زبان ہے۔

مسکراہٹ حسن کا نکھار ہے۔

اپنے آپ پر ہنسنے سے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

ایک بات سچی مگر اچھی

کیا خوب لکھا ہے لکھنے والے نے بخش دیتا ہے خدا ان کو جن کی قسمت خراب ہوتی ہے نہیں بخشتا ان کو جن کی نیت خراب ہوتی ہے نہ میرا ایک ہوگا نہ تیرا لاکھ ہوگا۔ نہ مزاج میرا ہوگا نہ تارخ ہوگی، غرور نہ کرشاہے جسم کا تیرا بھی خاک ہوگا میرا بھی خاک ہوگا، موت کو دیکھا تو نہیں پر شاید بہت خوب صورت ہے کم بخت' جو بھی اس سے ملتا ہے جینا چھوڑ دیتا ہے۔ برانڈ ڈ برانڈ ڈ کرنے والوں یاد رکھنا کفن کا کوئی برانڈ نہیں ہوتا۔ کیا کرامت ہے قدرت کی کوئی ہنس کر درد چھپاتا ہے کوئی رو کر دل بہلاتا ہے زندگی میں نہ جانے کون سی رات آخری ہوگی نہ جانے کون سی بات آخری ہوگی ملتے جلتے باتیں کرتے رہو یار نہ جانے کون سی ملاقات آخری ہوگی۔

ایم خان...... میانوالی

خوب صورت بات

اپنے غم کی نمائش نہ کر

اپنے نصیب کی آزمائش نہ کر

جو تیرا ہے تیرے پاس خود آئے گا

ہر روز اسے پانے کی خواہش نہ کر

تقدیر بدل جائے گی اپنے آپ ہی اے انسان

مسکرانا سیکھ لے وجہ تلاش نہ کر

اقرا ماریہ...... برنالی

انمول موتی

☯ امیر ہو کر متکبر نہ بن جاؤ کیونکہ جو دینے پر قادر ہے وہ چھین لینے پر بھی قادر ہے۔

☯ غریب کو طنز کا نشانہ نہ بناؤ کیونکہ کچھ پتا نہیں اللہ کو وہ محبوب ہے یا تم۔

☯ دلوں کا سکون اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہے۔

☯ ہر کسی کو اتنی اہمیت دو جتنی وہ تم کو دیتا ہے کم دو گے تو مغرور کہلاؤ گے زیادہ دو گے تو اس کی نظروں سے گر جاؤ گے۔

☯ عقل کی بجائے توکل علی اللہ سے کام لو۔

☯ دنیا تمہیں اس وقت تک نہیں ہرا سکتی جب تک تم خود سے نہ ہار جاؤ۔

اسماء نور عشا...... بھوجپور

یہ کیسی ملاوٹ ہے؟

کبھی آپ نے سوچا ہے کہ ہم روزانہ کتنی ملاوٹ کرتے ہیں۔

جھوٹ میں سچ اور سچ میں جھوٹ کی ملاوٹ۔

دوسروں کی تعریف میں خوشامد کی ملاوٹ۔

دوسروں کی شکایت میں مبالغہ آرائی کی ملاوٹ۔

نماز میں لغو اور سوچوں کی ملاوٹ یعنی کہ اللہ کی عبادت میں بھی ملاوٹ۔

دوسروں کی مدد میں ریاکاری کی ملاوٹ۔

عائشہ مغل...... ایبٹ آباد

سن لو

☆ انسان کی فطری کمزوری ہے کہ وہ اس بات کو بار بار سننا چاہتا ہے جو اسے پسند آئے۔

☆اکثر لوگ زندگی کی کتاب پڑھنا شروع کردیتے ہیں بغیر زبان سیکھے۔
☆کبھی بات اپنا اثر کھودیتی ہے۔
☆غلطی مان لینے سے انسان کا ذہنی بوجھ کم ہوجاتا ہے۔
مشا علی مسکان...... قمر مشانی

سنہری حروف

☐ تین چیزیں ایک جگہ پر پیدا ہوتی ہیں۔
پھول، کانٹے، خوشبو
☐ تین چیزیں ہر ایک ملتی ہیں۔
خوشی، غم، موت
☐ تین چیزیں ہر ایک کی جدا جدا ہوتی ہیں۔
صورت، سیرت، قسمت
☐ تین چیزوں کو کبھی چھوٹا مت سمجھو۔
قرض، مرض، گناہ
☐ تین چیزیں کبھی مت ٹھکراؤ۔
خلوص، تحفہ، نصیحت
☐ تین چیزیں اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔
گرمی کا روزہ، سردی کا وضو، جوانی کی توبہ
سعدیہ رشید بھٹی...... فیصل آباد

مذاق

مذاق دو طرح کے ہوتے ہیں۔
مذاق کرنا اور مذاق اڑانا (طنز کرنا)
مذاق کرنا تو ہر کوئی برداشت کرتا ہے لیکن مذاق اڑانا ہر کوئی برداشت نہیں کرسکتا مذاق اڑانا کوئی بہت ہی اعلیٰ ظرف انسان ہوگا جو برداشت کرے گا۔
ہم کسی کا مذاق اڑائیں بھی کیوں؟
ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کسی کی عزت نفس کو مجروح کرنے کا ہر انسان کی اپنی سیلف ریسپیکٹ ہوتی ہے ہر انسان کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے ہم کیوں کسی کی عزت نفس کو اس طرح سے مجروح کریں کہ کوئی آنکھ اٹھا کر بات کرنے کے قابل ہی نہ رہے۔
مجھے ہمیشہ اس بات سے دکھ پہنچتا ہے اور مجھے ان لوگوں پر شدید غصہ آتا ہے جو جس طرح چاہیں دوسروں کو اپنے طنز کا نشانہ نہ بنالیں۔
پلیز میری آپ لوگوں سے گزارش ہے کہ دوسروں پر طنز کرنے سے پہلے اپنے گریبان میں ضرور جھانکیں۔
علیزے...... برنالی

انمول موتی

۞ رشتے تب ہی قائم رہتے ہیں جب دل میں ہوں۔
۞ اس سے ضرور معافی مانگو جسے تم چاہتے ہو۔
۞ اسے مت چھوڑو جو تمہیں چاہتا ہے۔
۞ اس سے کچھ نہ چھپاؤ جو تم پر اعتبار کرتا ہے۔
۞ انسان نہ کچھ ہنس کر سیکھتا ہے نہ رو کر جب بھی کچھ سیکھتا ہے یا کسی کا ہو کر سیکھتا ہے یا پھر کسی کو کھو کر سیکھتا ہے۔
۞ لوگ کہتے ہیں کسی ایک کے چلے جانے سے زندگی نہیں رک جاتی لیکن یہ کوئی نہیں جانتا کہ لاکھوں کے مل جانے سے کسی ایک کی کمی پوری نہیں ہوتی ہے۔
شبنم...... گوجرانوالہ

اجازت نامہ

ایک آدمی میڈیکل اسٹور پر جا کر بولا مجھے زہر چاہیے۔
دکاندار: آپ کے پاس اجازت نامہ ہے؟
آدمی نے نکاح نامہ دکھایا۔
دکاندار: اوئے چھوٹے اسے بڑی بوتل دے دو۔
آنسہ شبیر...... ڈوگہ شریف

☺

shukhi@aanchal.com.pk

جویریہ احمد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاک نام سے ابتدا ہے جو ارض وسماں کا مالک ہے۔ سال نو کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ دسمبر کے فسوں خیز لمحات اور سال نو کے آنے والے خوش آئند لمحوں کو خوب صورتی سے اس شمارے میں سمونے کی کوشش کی ہے ہم اس کوشش میں کہاں تک کامیاب رہے اس کا اندازہ حسن خیال میں آپ کی تعریف وتنقید سے ہوگا۔ اس لیے آپ کی رائے ہمارے لیے بے حد اہم ہے اور اس کے ساتھ ایک خوش خبری بھی آئندہ ماہ سے تبصرہ پر دو انعام بھی دیئے جائیں گے ایک ڈاک یا ای میل پر موصول ہونے والے تبصرہ پر اور ایک سوشل میڈیا پر انعام بھی اور پرچا بھی۔ آئیے اب چلتے ہیں آپ کے دلچسپ تبصروں کی جانب جو حسن خیال کی محفل کو چار چاند لگا رہے ہیں۔

صدف آصف...... کراچی۔ السلام علیکم! حجاب کی سالگرہ پر مبارک باد پیش کرنے کے ساتھ ادارہ کی محنت اور مستعدی کی تعریف کرنے کی خواہش بڑی تیزی سے پیدا ہوئی اس لیے یہ مختصر سا پیغام دینا ضروری ہوگیا۔ واقعی حجاب نے بڑی تیزی سے مقبولیت کی سند حاصل کی ہے۔ اس میں چھپنے والی تمام سینئرز لکھاریوں کے افسانے اور ناول جہاں پسندیدہ رہے وہیں نئے لکھنے والوں نے بھی خوب لکھا۔ جیسے حرا قریشی، سحرش فاطمہ، قرۃ العین سکندر، صباء عیشل اور دوسری رائٹرز نے بے بہت متاثر کیا۔ کوئی نام رہ گیا ہو تو معذرت مگر سب ہی اچھا لکھ رہی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان تمام قارئین کی بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے ہمیشہ ہماری ہمت افزائی کی آپ سب کی محبتیں نہ ہوتو شاید قلم اٹھانا مشکل ہوجائے۔

☆ڈیر صدف...... حجاب کی پسندیدگی کا شکریہ۔

مونا شاہ قریشی...... کبیر والا۔ تمام حاضرین حسن خیال مع انچارج کی خدمت میں طشتری خلوص میں سجا ادب والا آداب! دسمبر کا سالگرہ ودم شمارہ خلاف معمول 17 تاریخ کو شکنجہ دست میں آیا۔ دل نشین حجاب نظر ماڈل رانیہ خان کا رخ دل میں جا سمایا۔ بلاشبہ بلا اعتراض یہ ٹائٹل پرفیکشن کے مترادف ہے۔ دل آویز مسکراہٹ کا جواب اسی کے انداز میں دے کر حجاب پیلس کے دربار میں براجمان مدیرہ کی بات چیت سے بصارت وقلب کو بہرہ مند کیا۔ دولت پہ فریفتہ سیاسی حکمرانوں کی نااہلی قابل مذمت ہے محترم ریاض قمر صاحب کی حمد اور حضرت صاحبزادہ سید نصیر الدین گولڑوی کی نعت نے صحیح معنوں میں تازہ دم کردیا۔ سلسلہ ”ذکر اس پری وش کا“ میں چاروں تعارف الگ بہار دکھلا رہے تھے۔ نازش نور کا تعارف بے بسی وتنہائی میں لپٹا تھا جو کہ دل مغموم کرگیا۔ طاہرہ پرویز کی پسندیدہ سویٹ ڈش ہونٹوں پہ شگوفے کھلا گئی۔ آہاں ”رہ سخن“ میں قرۃ العین سکندر نشست سنبھالے ہوئے تھیں۔ وہ باتوں کو مثل برگ گل بکھیرتی رہیں اور میں سبد گل اٹھائے انہیں چنتی رہی۔ ملاقات بے حد شاندار رہی شناسائی پختگی کے زمرے میں آن ٹھہری۔ مکمل ناول میں سے ”ہاں محبت ہے“ مکمل دہلے رشتوں کی وقت کے مطابق وقعت کو نادیہ جمال نے دلکش انداز میں پیش کیا۔ انشال کی خوب صورتی کی تشریح میں تخیل میں ملکہ قلوپطرا کا تخیلاتی سراپا لہرا گیا۔ عظمیٰ بیگم کا لالہ رخ کا کر فرقت کی دھول میں دب گیا رودابہ کی مسیج سینڈنگ والی مکاری پہ میں انگشت بدنداں رہ گئی۔ دوسروں کی زندگی کو برزخ بنانے کے چکر میں خود اپنے حصے میں خسارہ رقم کر بیٹھی۔ ہاتھ آیا تو کچھ نہ اور جو ہاتھ میں تھا وہ بھی گیا غلط طور سے اس نے داور کو حاصل کرنا چاہا مگر اپنے پاؤں پہ کلہاڑی مار بیٹھی۔ بطور نتائج ہاتھ ملتی رہ گئی انشال اور داور کی پس پردہ محبت دلچسپ رہی۔ اول تا آخر ناول کا سحر برقرار رہا۔ ”کتنے معتبر ٹھہرے“ از نادیہ احمد۔ خوب صورت لفظوں سے مزین ناول شاندار تھا۔ ستارہ اور روحیلہ اور دوسری جانب زاور اور عبادنے کہانی کو دلچسپی سے ہمکنار رکھا۔ عباد کی بزجستگی اور ستارہ کی ضد وانا ناول کا لب لباب تھی مگر ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو ستارہ کا فیصلہ بھی جائز تھا وہ اپنی فیملی کو مول سپورٹ دینا چاہتی تھی بنا کسی سہارے اور احسان کے...... اپنے احساسات پہ اپنے حالات کو ترجیح دے کر ایک پرعزم لڑکی ہونے کا ثبوت دیا۔ ویل ڈن نادیہ جی۔ ”محبت ہوگئی شاید“ بقلم نزہت جبیں ضیاء تزکیہ کے ساتھ زیادتی از حد ہوئی۔ نایاب کانچ خوابوں کو دل میں سجا کر ہر لڑکی اس مقدس بندھن کی گرفت میں آتی ہے یوں پہلی ہی رات ابریز کا اس

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

کی تذلیل کرنا اور موجودہ محبوب سے فحش کلامی کا انداز اندر تک سلگا گیا۔ صبر میں اجر ہے کے مصداق تزکیہ کو بدیر ہی سہی مگر اپنا حق مل گیا' آخری قسط خوب رہی۔ اگلا ناولٹ معزز ام مریم کا تھا "مجھے معروف نہ دو" کا ہر لفظ نشتر بن کر رگ ولہو میں پیوست ہوتا رہا۔ خوب صورتی کا معیار سفید رنگ رکھنے والی سوچ نے پرملال کرڈالا۔ کم از کم اپنے ذاتی خونی رشتے تو طعنے نہ دیں' بہنیں ماں سب ہی نے حوریہ کی احساس کمتری کو دو چند کیا مگر باپ کی شفقت ومحبت نے حوریہ کی ڈھارس بندھائی بعد از نکاح رفیق زندگی نے جس شدت سے اس کی نفی کی وہ کرب سے وابستہ تھی۔ اس قدر تحقیر اور ذلت کو سہنا فراخ حوصلگی کا کام ہے صرف ایک لفظ "داشتہ" نے دل کو دو حصوں میں منقسم کرڈالا۔ جائز رشتے کے لیے اس لفظ کا استعمال شرمناک ہے اتنے سال ہدی کی بھٹی میں جلایا اور پھر جب ٹھوکر لگی تو معافی مانگنے آگیا۔ کتنا آسان ہوتا ہے ان مردوں کے لیے ذات اور وجود کو چورا چورا کرکے پھر سے جوڑنے کی سعی کرنا۔ حوریہ کا فیصلہ دل مضطر کو قرار فراہم کر گیا' معافی نہ دے کر بھی خود سے پاس رہنے کا اختیار دیا۔ اس سے بہتر فیصلہ بنتا ہی نہیں زبردست..... قسط وار ناولٹ "زیاں" میں سلویٰ کا سعدی کو سغدی کہنا بہت معصوم لگا چونکہ ناولٹ ابھی جاری ہے تو اگلی قسط کا انتظار دامن گیر ہے کیونکہ بچوں سے بڑے ہونے کا سفر اس قسط میں اختتام کی جانب گامزن تھا۔ لیقہ کا منہ پھٹ انداز بھا گیا کیونکہ یہ انداز صاف گوئی میں ملفوف تھا۔ افسانوں کی فہرست شب ہجراں کی طوالت کی مانند طویل ہے شروعات بالترتیب شمارے کی فہرست سے کرتے ہیں۔ "ندامت سے پہلے" مصنفہ فرحین اظفر شادی کے معاملے میں وانیہ کا گریز شروع میں محسوس نہیں ہوا مگر دوسرا صفحہ پڑھتے ہی اجتناب سمجھ میں آگیا۔ روحیل کی کھوکھلی الفت کے زیر اثر ہی وانیہ شادی سے احتراز برت رہی تھی۔ صد شکر روحیل کی اصلیت کھل گئی اور وانیہ کی حرمت سلامت رہی۔ مزید برآں بھرم بھی قائم رہا "منڈا اصد تے میرے تے" مصنفہ سحرش فاطمہ ہلکی پھلکی لڑائی چھیڑ چھاڑ طربیہ انداز کا افسانہ بوجھل ماحول شگفتہ کرگیا۔ سبین کی بچگانہ ضد بالآخر اظہر نے توڑ ہی دی۔ سچ ہی ہے خلوص ومحبت سے ہر بشر کو زیر کیا جاسکتا ہے۔ دسمبر کو الوداع کہتا قرۃ العین سکندر کا افسانہ اچھا تھا۔ "بھٹکتے دسمبر میں" از حیاء بخاری۔ سحر کی نحوست کے چرچے بہت کھلے خودساختہ توہمات کے سوا یہ کچھ بھی نہیں۔ اس کائنات میں کسی کا وجود بھی باعث نحوست نہیں۔ سعد کی شوریدہ محبت وجذبات اور دسمبر میں دونوں کا ملاپ۔ بہت دلکش تھا زویا نے خوب قاصد کا کردار ادا کیا۔ "دسمبر بیت نہ جائے" از راشدہ علی۔ دسمبر کا ہجر اور وصل دل پہ نقش ہوگیا "عشق مجازی سے عشق حقیقی کا سفر خوب رہا۔ "افراتفری" بقلم تمثیلہ زاہد کہانی کا اسٹارٹ ہی چکر لیے ہوا تھا۔ راشدہ بیگم کے ساتھ ساتھ مجھے لگا میں بھی وہاں چک پھریاں لگا رہی ہوں۔ خالہ کو بچوں کی صورت میں سوا سیر ٹکرا گئے جو الٹے پاؤں واپسی دوڑ گئیں۔ مزے کا افسانہ "بنت حوا" میں خرد کا صحیح استعمال اور نسوانیت کے پندار کو اجاگر کیا گیا۔ لڑکیاں اتنا بھی تر نوالہ نہیں جو مرد آسانی سے حلق سے تلے اتار لیں نوبل ذن حمیرا نوشین "بھولا" افسانہ میں بھولا کا بھولپن بہت ہی بھایا ہائے سب کا بھولا مگر بیوی کا نہیں آخر میں اماں جان کی گھوریاں یہی ثابت کر رہی تھیں۔ واہ سیدہ فرحین جعفری "میری دعاؤں کا حاصل" از قلم افشاں شاہد۔ لاسہ کی ثابت قدمی صبر نے اسے بالآخر بچی خوشیوں سے نواز دیا' جی اپنی نصف بہتر کی جانب لوٹ ہی آئے۔ حرا قریشی کی تحریر "دسمبر اور نہیں" میں کشمالہ کو تاریخوں مع تحائف کے شمار میں ہلکان دیکھ کر بے ساختہ لب مسکرا اٹھے۔ پے در پے دسمبر کی عنایات نے معصوم جان کو بے ہوش کرڈالا یعنی حد ہے شادی بھی دسمبر میں نو یری ناٹس۔ "الیکٹرانک محبت" میں ام حبیبہ نے دور حاضر کی الیکٹرانک محبت کا خطرناک پہلو دکھلایا۔ سوشل میڈیا کا من پسند غلط استعمال بے طرح نوجوانوں کو بے راہ روی کا شکار کیے ہوئے ہے۔ نگینہ اور نعمان کی فیس بک محبت قبل اس کے کوئی دھماکہ کرتی نعمان کی مخلصی کا جھوٹا لبادہ اتر گیا۔ سکینہ بیگم کے علم میں بات آنے سے سلسلہ ہائے فریب رک گیا ورنہ جو شکست حصے میں آتی وہ عمر باقی کو گھٹا دیتی۔ "خوابوں کی راہ گزر پہ" از ارم فاطمہ احسن مرلوکی بے اعتنائی قابل غور تھی بلکہ اذیت کا باعث تھی۔ سارہ کی خاموش محبت نے بذریعہ ڈائری احسن کے دل تک رسائی حاصل کر ہی لی۔ اچھی کاوش آخری افسانہ "ماں" سنجیدگی اور شائستگی سے پر تھا۔ ماں لفظ کی خوبصورت تشہیر پیش کرتی زبردست تحریر۔ یمانور رضوان کی سالگرہ تقریب بھی واہ واہ رہی۔ خوب جوڑے پہنائے رائٹرز کو۔ دسمبر کے آخری لمحات کے حوالے سے آرٹیکل "بھیگا دسمبر" دسمبر کی پرسوز صبح وشام لیے ہوئے تھا ہم تابہ کجا تمہارے پیچھے بھاگیں گے دسمبر تمہیں ہر صورت ختم ہو کے نئے سال کا پیام لانا ہے۔ سلسلہ وار ناول "دل کے دریچے" میں ریحانہ کی ہٹ دھرمی بے کار ہے۔ سفینہ اور فائزہ دونوں گھن کی طرح پس کے رہ گئے ہیں بڑوں کی اونچی ناک کے چکر میں۔ عشواں کا ڈرامہ توبہ واللہ اس عمر میں بھی چین نہیں لگائی بجھائی والی گندی عادات لیے گھوم رہی ہیں۔ خوب صورت غزل کو جو ناول کا حصہ بنایا گیا وہ اب بھی لبوں پہ جاری ہے۔ "تیرے خیال کا جلوہ حباب جیسا ہے" واہ اعلیٰ۔ "جیسا میں نے دیکھا" یہ وہ سلسلہ ہے جو میں کہانیوں سے بھی پہلے پڑھ ڈالتی ہوں۔ پروین شاکر کی باتیں گویا بالمشافہ ملاقات کا سا لطف دیتی ہیں اور ایک خیال مغموم

کرجاتا ہے بچھڑنے کا خیال وہ الفاظ میں کیسے پڑھ پاؤں گی۔ کچن کارنر میں سوپ۔ ڈسپیز پسند آئیں کچھ پرانی تھیں۔ آرائش حسن پہ نظر جاتی کی اور آگے بڑھ گئی۔ عالم انتخاب میں سب غزلوں کو خوب۔ جما جما کے پڑھا (سمجھا کریں نا بھئی شاعرانہ انداز میں) چونکہ بڑی تسلی سے زیر نگاہ سب غزلیں نظمیں آئیں تو لاجواب تھیں مگر حرا قریشی اور ناہید بلوچ کچھ ایکسٹرا لا لاجواب کی مستحق ہیں۔ غالب پہ میں ویسے فدا اور فرحت عباس کی مخالف کی تکرار لیے غزل دل میں گھس گئی۔ باقی سلسلے بھی اپنی جگہ تفاخر سے ایستادہ تھے ہمیشہ کی طرح ویل۔ حسن خیال میں انعام یافتہ سہیلیوں کو مبارک باد تحریم سوہنے بخدا میں نے آرٹیکل میں آپ کا نام تحریم ہی لکھا تھا مگر یہ اشاعت میں غلطی ہے اب کٹی والی نہیں ہونا شکوہ دور کرو۔ مجموعی طور پہ حجاب بہترین تھا سالگرہ نمبر دو پلس دسمبر کے سحر سے آراستہ بس اب کی بار کہانیوں کے موضوعات میں یکسانیت آئی ہوئی تھی یہ اتفاق ہی ہوسکتا ہے۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو ادارہ یونہی محنت کرتا رہا تو عظمت کی صورت میں پھل ضرور پائے گا ابھی بھی حجاب کی مقبولیت کا گراف کم نہیں ہے۔ اللہ شہرت دوام قائم رکھے آمین فی امان اللہ۔

☆ ڈیئر سونا...... شگفتہ انداز میں لکھا آپ کا جامع تبصرہ پسند آیا اور اس کے ساتھ ہی پہلے انعام کا حق دار بھی ٹھہرا بہت مبارک ہو۔ آئندہ بھی محفل کی رونق بنتی رہیے گا۔

قرۃ العین سکندر...... لاہور۔ اللہ کے بابرکت نام سے آغاز کرتی ہوں۔ سب سے پہلے تمام اہل اسلام کو حجاب کے تمام ریڈرز رائٹرز اور بالخصوص حجاب کے ایڈیٹر کو دل کی گہرائیوں سے سال نو مبارک ہو۔ دسمبر کی ٹھٹھرتی یخ بستہ شیالی چاندنی دھند میں لپٹی رات میں کافی کا مگ ہاتھ میں تھامے لحاف میں دبکے حجاب ڈائجسٹ کے حرف حرف کو نہاں خانہ میں نقش پایا۔ انتظار کی ساعتیں پت جھڑ کی مانند اداسی بکھیر گئیں اور وصال کا لمحہ دل کو تقویت دے کر نہال کر گیا۔ قرب کی برہنہ ٹہنیوں پر برگ و بادرو پہلے گلاب حجاب کی چاہت میں کھل اٹھے۔ سرورق پر دوشیزہ کا جلوہ دل کو بھا گیا۔ حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول ﷺ کے بنا زیست کی راہ نجات ممکن نہیں۔ ذکر الٰہی سکون قلب اور تطہیر قلب کا باعث ہوتا ہے۔ بات چیت دل کے زنگ کھولتا گیا۔ اس ماہ کے ستاروں پر نگاہ پڑی تو دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ بہت نوازش حجاب ادارہ کی سالگرہ نمبر اور جاتے رواں سال میں میری تحاریر کو عزت افزائی بخشی۔ درِ سخن میں مجھ سے ملیے۔ "ذکر اس پری وش" کا میں مختلف سوچ و فکر سے آشنائی ہوئی خوب محفل میں رونق لگی۔ اس ماہ کے ستاروں کی آمد خوب رہی۔ سب سے پہلے صدف آصف کے سلسلہ وار ناول دل کے دریچے پر بات کی جائے تو رشتوں کی زنجیروں میں الجھا دلچسپ موڑ پر جا پہنچا۔ اس میں دسمبر کے حوالے سے نظم وہ آخری چند دن دسمبر کے دل کو عجب اداسی بھری کسک سے دوچار کر گئی۔ سیدہ ضوباریہ کا "زیاں" ایک دلچسپ موڑ پر ملا۔ محبت پر اقرار کی مہر کی لبیک کہتا نازیہ جمال کا ناول ہاں محبت ہے کہانی کے تانے بانے نے جہاں اختتام تک قاری کو گھیرے رکھا وہیں معاشرے میں امراء اور غرباء کے معاشرتی بھید بھاؤ کی بھی عمدگی سے عکاسی کی اور اس جنگ میں جیت محبت کی ہوئی بہت خوب نازیہ جمال دوسرا ناول کتنے معتبر ٹھہرے نادیہ احمد کے قلم سے امڈتی محبت بھری ایک خالص تحریر محبت کو منفرد رنگوں سے روشناس کرواتی اعتراف محبت کے انمول لمحوں کو قید کرتی قاری کو اپنی تحریر کے سحر میں گرفتار کرتی ہوئی نہایت عمدہ کاوش ویلڈن نادیہ۔ اب بات ہو جائے ناولٹ کی نزہت آپی کی وہی ازلی محبت کی چاشنی میں گھلی تحریر مگر ایک سبق لیے ناصحانہ انداز لیے آس و یاس پر محیط اس تحریر میں بالآخر فاتح عالم محبت ٹھہری تزکیہ کا صبر رنگ لایا اور مجازی خدا کی مطلوب نظر ٹھہری۔ بہت اچھا لکھا نزہت آپی نے۔ ناولٹ آف دی منتھ جاتا ہے ام مریم کو اگرچہ موضوع روایتی تھا مگر اس میں تلخ حقائق سے پردہ اٹھاتی مرد کی ظالمانہ اور جابرانہ حاکمیت کو بے نقاب کرتی ایک دکھ بھری تحریر جو دل کو چھو گئی اور بہت سے سوالیہ نشان چھوڑ گئی۔ جب مرد اپنا تسلط کا سکہ جما لیتا ہے اور ذہنی جسمانی تشدد کر بیٹھتا ہے تو ایک دن ندامت گھیر لیتی ہے لیکن بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ مجھے مصروف رہنے دو۔ ام مریم خدا کرے زور قلم اور زیادہ۔ افسانوں کی کہکشاں نے آنکھیں چکا چوند کر دیں حجاب و آنچل ڈائجسٹ عمدہ تحریروں کو منظر عام پر لانے میں ہمیشہ آگے رہا ہے ایک انوکھا امتزاج جو مزہ دے گیا وہ جاتے رواں سال اور آتے موسموں کی نوید کی دستک کا منفرد اظہار تھا اور ساتھ میں سالگرہ نمبر کی نایاب تحریریں تھیں۔ دسمبر اور نہیں حرا قریشی کا دلکش انداز مزہ دے گیا۔ فرحین اظفر کا ندامت سے پہلے ایک سبق آموز افسانہ کچی عمر کی نوخیز کلیوں کو رشتوں کا تقدس اور احترام کا درس دیتی موثر تحریر۔ سیدہ فرحین جعفری کا افسانہ بھولا انفرادیت کے رنگ لیے اختتام پر سوچ کو دستک دے گیا۔ حیاء بخاری اور راشدہ علی کے افسانے بھیگتے دسمبر اور دسمبر بیت نہ جائے نے لطف دوبالا کر گیا۔ افشاں شاہد کا افسانہ میری دعاؤں کا حاصل ایک عمدہ کاوش۔ افراتفری پر مبنی تمثیلہ زاہد کی تحریر نے یک گونہ سکون کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے

ایک نیا تاثر قائم کیا۔ حمیرا شاہد کی اگرچہ پہلی کاوش تھی مگر بہت عمدہ اسلوب اور انداز بیان کے ساتھ موضوع بھی عمدہ۔ بنت حوا بہت اچھی کاوش اُم حبیبہ کا افسانہ الیکٹرانک محبت منفرد نام اور منفرد تحریر مگر وہی یکسانی سمیٹے ہمارے روایتی مسائل حسن کی نہایت عمدگی سے عکاسی کی اور کیا خوب آئینہ دکھلایا۔ دلچسپ حقائق سموتے اس ماہ کی سب سے منفرد تحریر کے سنگ جلوہ گر رہیں ویلڈن اِی جلترنگ کہکشاں میں محبت کی نوک جھونک لیے سحرش فاطمہ کی ہلکی پھلکی تحریر اور حجاب کی سالگرہ پر رنگ بکھیرتی ہوئی خوب مزہ آیا۔ سالگرہ پر یہ بیش قیمت تحفہ رہا۔ سحرش فاطمہ آج کل علیل ہیں ان کی صحت یابی کے لیے ڈھیروں دعائیں۔ ”خوابوں کی رہ گزر“ ارم فاطمہ کا مختصر مگر دلچسپ موثر جامع افسانہ رہا۔ ماماتا کے جذبات کی نمائندگی کرتا فاطمہ نور کا سبق آموز دلکش الفاظ کا چناؤ لیے عمدہ افسانہ تھا اور رہی بات میرے افسانے کی تو وہ آپ سب کی صوابدید پر ٹھہرا۔ حجاب کی سالگرہ کی تقریب کی عکاسی کرتی ریما نور رضوان کی تحریر خوب لطف دوبالا کر گئی منظر کشی نے ایک مسحور کن کیفیت سے دوچار کیا۔ کوکب خلیل کا بھیگا دسمبر زبردست رہا۔ مستقل سلسلوں میں بزم سخن نے خوب محفل کو رنگ و بو بخشا۔ کچن کارنر میں نت نئی تراکیب نے امور خانہ داری میں رہنمائی سے نوازا۔ گاجر کا حلوہ دیکھ کر منہ میں پانی بھر آیا۔ کیا خوب رہا سی فوڈ اور موسم کی مناسبت لیے مزیدار کھانوں کا چناؤ۔ آرائش حسن میں خوب صورتی اور دلکشی کے مضمر راز افشا ہوئے۔ شوبز کی دنیا کی جھلک نے ایک الگ جہاں کی سیر کروادی۔ ہما کی شوخی تحریر میں سنہری باتیں اور اقوال زریں دل پر نقش چھوڑ گئے۔ آیات کی تفسیر متاثر کر گئی۔ عالم میں انتخاب نے شعر و سخن کو جلا بخشی اعلیٰ ذوق کی نمائندگی کرتی مختلف نظمیں غزلیں دلوں کے تار چھیڑ گئیں۔ میری یوں باقاعدہ کسی بھی ادارہ میں خط لکھنے کی اور رائے زنی کی یہ پہلی واردات ہے۔ امید ہے آپ حوصلہ افزائی کی سعادت سے محروم نہیں کریں گے۔ زندگی نے وفا کی تو نئے سال کے نئے شمارے پر اپنی رائے دوں گی۔

☆ ڈیئر قرۃ العین...... آپ کا مفصل مکمل و جامع تبصرہ پسند آیا آئندہ بھی شریک محفل رہیے گا۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! پیاری جو ہی! خوشبو میں عام کرو بس یہی کام کرو۔ قارئین حجاب مصنفین ماہ مبارک ربیع الاول کے پیچھے پیچھے عیسوی سال کی شروعات ہے۔ ہماری نکیلی زاہدہ نے لاہور سے حسب سابق خواہش کی کہ میں 12 ربیع الاول کو آ وں تو نئی حمد و نعت سنوں گی۔ تیار کرلو ہم نے ایک چھوڑ دو لکھیں مگر وہ نہ آسکیں۔ ایک نئی بات سنی تھی کہ کسی نے نقطوں کو بغیر سیرت النبی کی کتاب لکھی ہے۔ ہم دیدار سے تو ابھی محروم ہیں مگر بنا نقطے نعت و حمد تخلیق کر چکے ہیں۔ تبصرہ سے پہلے آپ کو سننا پڑے گی پھر حجاب سے زاہدہ کو سنا کر حیران و خوش کرنے کا ارادہ ہے اللہ پاک پایہ تکمیل پہنچائیں۔

اللہ کی حمد عطر عطر ہے
کلام محمد ﷺ عطر عطر ہے
وسائل کاسہ کمائی سلام کی
لائحہ اعمال عطر عطر ہے
مہد سے ہم کو علم ملا ہے
لہد کا سرمہ عطر عطر ہے
واحد احد اور حامد اور احمد ﷺ
مسلک ہمارا عطر عطر ہے
رسول مکرم اھلاً وسھلاً
ورد صلِ علیٰ عطر عطر ہے
گلہ و گلال کو روک رکھا ہے
الحمدللہ حال عطر عطر ہے
مال اور حرص سے دور رہے ہم
معصوم آگہی عطر عطر ہے
احکام اللہ کا ڈر ہے سدا سے

دل کا مہر ماہ عطر عطر ہے

عصا کی کمک ہے عطا کی ہے امداد

حاصل کلام عطر عطر ہے

رسوم مسلح مرے ارد گرد

املاک حساس عطر عطر ہے

دم دم ارادہ درود درود وصل ہے

دعائے صالح عطر عطر ہے

کیسی لگی ضرور بتائیے گا۔ تبصرہ حاضر ہے ”بات چیت“ عمدہ ترین۔ بھئی ہم تو خالی آ کر خالی ہی رہتے ہیں کہ خالی ہاتھ ہی جانا ہے جو بچے گا ہم لٹا کر یہاں سے جائیں گے۔ حمد و نعت طرز سے پڑھیں اور روح کو خوش کیا۔ ”پری وش“ تو عنوان ہی ایسا ہے سب کو پری بنا دیتا ہے مگر نازش پری دکھی کر گئی۔ پہلے ہم بھی ایسے تھے اور ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا تھا مگر دسویں میں ٹیچر نے آٹو گراف میں جو شعر دیا اس پر عمل کر کے کام بن گیا آپ بھی آزمائیے۔

کسی کے ظرف سے بڑھ کر نہ کر مہر و وفا ہرگز
کہ اس بے جا شرافت سے بڑا نقصان ہوتا ہے

حجاب میں آتی رہنا بہت دعائیں دوں گی ہادی اکبر! انیلا طالب حسب اندازہ نکلی ہوا انٹرویو۔ ”دل کے دریچے“ محفوظ ہی رہیں تو اچھا ہے۔ ”ہاں محبت ہے“ ”قلم بہت رواں دو دلچسپ رہا“ ”کتنے معتبر ٹھہرے“ سچائیوں کے راہی اللہ کرے تمام بچیاں یونہی معتبر ٹھہریں آمین۔ ”محبت ہوگئی شاید“ میٹھے میٹھے لفظوں سے۔ ”مجھے مصروف رہنے دو“ اچھے اچھے کاموں میں جیسے حمد و نعت۔ ”زیاں“ احساس زیاں کامیابی کی کنجی ہے۔ تمام شرابیوں کے لیے یہ دعا پڑھتی رہتی ہوں یا رب۔ ہادی اکبر آپ بھی پڑھا کریں ضو بار یہ۔ عارف شراب چھوڑ دے گا ان شاء اللہ (آزمودہ نسخہ ہے) ندامت سے پہلے۔

بچا لیجیے مجھے آقا ﷺ پر آشوب دنیا سے
سجائیے ناں میرا سینہ پر آسود دینا ہے
دل عابد کو لانا ہے مدینے ہی کو جاؤں گا

”منڈا صدقے“ ”دل خوش فہم (یہ عنوان برا لگا) اگر بولتے وقت ہم برا بول جائیں تو کم از لکھتے وقت تو قلم کی زبان شائستہ کر لیں کہ اللہ تنہائی میں بہت قریب ہوتا ہے۔ ”الوداع دسمبر“ ”خوش آمدید جنوری“ ”بھیگتے دسمبر میں“ ”اللہ کرے“ ”حیاء“ خوب برسے۔ ”دسمبر بیت نہ جائے“ جانے والوں کو روکا نہیں کرتے۔ ”افراتفری“ جی ہاں ہمارے اعمال کی کمی کی وجہ سے ہے۔ ”بھولا“ لو جی یہ تو میرا بھائی نکلا اور میں ننھی ہوں (عرف بھائی اور میرا) کام بھی سب کے کرتے ہیں ہم ہمارے ساتھ بڑی کوٹھی کے ہمسائے مسز شیخ نے ایک بار کہا تھا بچے ہوں تو بھولے اور ننھی جیسے۔ اب ان کی بیٹی (میری ٹیچر) ملی تو کہا ننھی تمہارا ثمر بیٹا بہت اچھا ہے حالانکہ گھر کی مرغی...... ”بنت حوا“ سن...... ابن آدم کو سنوار لے ”میری دعاؤں کا حاصل“ دل سرشار میرا ہے۔ دسمبر اور نہیں حرا جناب کس نے کہا تھا پیسوں والی سالگرہ کا رواج ڈالو۔ فضول رسمیں خود انجام دو اور الزام بے چارے دسمبر پر (چچ چچ) ”الیکٹرانک محبت“ توبہ استغفار اللہ بچائے۔ مشینوں کی حکومت انسانوں بچپن میں پڑھی تھی کہانی۔ صدیوں کا بیٹا...... پوری ہو رہی ہے وہی بات۔ ”خوابوں کی رہ گزر“ پر اندھا دھند چلنے والے اوندھے منہ گرتے ہیں۔ ”ماں“ مصائب کی بھٹی سے پھول کھلا ہی کرتے ہیں اچھی تحریر اچھی سوچ انہی اچھوں پر دنیا قائم ہے۔ حجاب کی سالگرہ ہم سالگرہ نہیں منایا کرتے بس ہر روز ہر پل دعائیں بانٹتے ہیں۔ ”بھیگا دسمبر“ ایک شعر ہمارا بھی سن لیں......

بہت چاہا دسمبر کہ آنکھیں بھیگ جائیں
مگر سرد موسم ہے اور آنسو منجمد ہیں

”جیسا میں نے دیکھا“

رلائے داستاں تیری پری پروین ہے مجھ کو

تُو جنت میں گئی ہوگی یہ یقین ہے مجھ کو

"بزم سخن" "رنگ برنگی عالم میں انتخاب" ناصر کاظمی اول آ گئے یوں صبا عیشل انعام پا گئی (خیالی)۔ "شوخئ تحریر" عبرت بھی دلائے ہے جذبے بھی بڑھائے ہے۔ "حسن خیال" صرف شاعری سے بچا ہے شاعری والے تمام خط سیدھے دل میں اتر جاتے ہیں مگر دوسرے بھی دل جیت لیتے ہیں جو اچھے جذبے لاتے ہیں۔ علی رضا کی بھیجی کتاب آنچل حجاب ادارے تک رسائی نہ پا سکی۔ میں ادارہ کو اس خط کے ساتھ کتاب خود پوسٹ کروں گی۔ "حوض کوثر" ملنے پر اطلاع دینا اور عرض ہے کہ حرا اور لائبہ میر کا ایڈریس مجھے فون کر کے لکھوا دیں (اور بھی) اور اگر کہیں تو بتا دیں) شکر گزار رہوں گی اور اس کے ساتھ ہی کوثر خالد کو اجازت دیجیے زب دا کھا۔

☆ڈیئر کوثر...... آپ کی حمد و نعت بہت پسند آئی۔ کتاب وصول ہوگئی ہے۔ آپ کا تبصرہ پسند آیا۔

گل مینا خان، اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ۔ ڈیئر مادام آداب و سلام۔ یخ بستہ چلتی ہواؤں میں دسمبر کا حجاب اپنی آن اور زبردست شان کے ساتھ میرے نازک ہاتھوں میں موجود ہے۔ اس سے پہلے ماڈل کی خوب صورت آنکھیں دھیمی مسکان ہمارے من کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی چپکے سے حجاب کھولا حمد باری تعالیٰ نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کی طرح ہر صفحہ سر آنکھوں پر رہا۔ "ذکر اس پری وش کا" سب کی تشریف آوری اچھی لگی۔ رخ سخن میں قرۃ العین سکندر سے ملاقات کے بعد بڑھے نازیہ جمال کے مکمل ناول "ہاں محبت ہے" کی طرف سچ ہے جو اپنے ہوتے ہیں وہ چھوڑ کر نہیں جاتے اور جو چھوڑ کر جاتے ہیں وہ اپنے نہیں ہوتے۔ "محبت ہوگئی شاید" نزہت جبیں ضیاء کی زبردست تحریر تھی۔ افسانوں کی نگری میں ایسا من بسا کہ ہوش و حواس سے بے گانہ ہو گئے سبھی افسانے دلفریب اور سبق آموز تھے۔ ام مریم کا ناولٹ "مجھے مصروف رہنے دو" پڑھنا شروع کیا محبت کی کہانی کو قلب میں سمویا بھی نہ تھا یہ کیا اُف...... کہانی کو آگے نہ پا کر رات کے سیاہ پردوں سے لپٹ کر خوب اشک شوئی ہوئی۔ (پلیز اس ناولٹ کو دوبارہ شائع کیجیے گا) دکھ کے گرداب سے نکلے ساکن جسم سنبھالے سست روی ہولے ہولے قدم اٹھاتے اپنے فیورٹ ناول "دل کے دریچے" کی طرف بڑھے۔ صدف آپی بڑی خوب صورتی سے اور تمام جزئیات کو ساتھ لے کر ناول کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ "زیاں" سیدہ ضوبار یہ ساحر آپی کے قلم کا عظیم شاہکار ہے۔ کوکب خلیل کا آرٹیکل "بھیگا دسمبر" زبردست رہا واقعی دسمبر دکھ درد کا استعارہ ہے اور شاید شدید سردی کا بھی ایک شعر یاد آ گیا

دسمبر جب بھی آتا ہے تو یہ انجام ہوتا ہے
کبھی کھانسی تو کبھی نزلہ زکام ہوتا ہے

(ہی ہی ہی) شوخئ تحریر کو چھیڑا ہر تحریر نے قلب پر نقش کیا۔ حسن خیال میں جھانکا پریوں اور شہزادیوں کے مسرت نامے دل و روح کو سرشار کر گئے۔ دل نے بھرپور انگڑائی لی کہ یہ روشن ستارہ بھی محفل حسن خیال کی زینت بنے۔ لو جی جھٹ قلم اٹھایا میرے اندر سے نکلنے والا ریلا جذبات میرے قلم سے بھر کر آپ تک پہنچنے کو بے تاب ہے۔ ہماری رائے آپ تک پہنچنا از حد ضروری ہے۔ جو بھی لکھا ہے اپنے من محبوب حجاب کی محبت میں لکھا ہے قصہ ہوا تمام پھر ملیں گے والسلام۔

☆ڈیئر گل...... خوش آمدید۔

فریدہ فری...... لاہور۔ السلام علیکم! دسمبر کا حجاب دلکش ٹائٹل کے ساتھ ملا حجاب اور آنچل تو میرے فیورٹ میگزین ہیں میں پھر سے سخت بیمار ہوگئی ہوں۔ میرا بایاں بازو بے حد درد ہے یون کا مسئلہ ہے تھوڑا سا لکھ رہی ہوں کیونکہ لکھے بغیر رہ نہیں سکتی۔ رخ سخن میں قرۃ العین کا انٹرویو بے حد پسند آیا اور ان کی پوئٹری بھی۔ نازش نور بلوچ کا تعارف پڑھا بے حد رونا آیا اللہ تعالیٰ ان کو بے حد خوشیاں دے آمین۔ نازیہ جمال کا "ہاں محبت ہے" دسمبر بیت نہ جائے۔ راشدہ علی "افراتفری" بھولا ماں" نور فاطمہ۔ ندامت سے پہلے بس اتنے افسانے پڑھے ہیں۔ شوخئ تحریر میں سباس گل اور پروین افضل جو کہ میری بہت ہی پیاری بھابی ہیں نے بے حد اچھا لکھا۔ حسن خیال میں ہمیں اپنی فیورٹ دوست نزہت جبیں نے کیا خوب لکھا مبارک باد تو بنتی ہے۔ یاد کیا بے حد شکریہ عنزہ یونس ہمیں یاد رکھنے کا بے حد شکریہ۔ پوئٹری پسند کرنے کا خوش رہیں اگلے ماہ آنچل میں تمہارے نام ایک غزل لکھوں گی اگر زندگی رہی اچھا جی اللہ حافظ۔ تمام رائٹرز قارئین کو دعا اور سلام۔

☆فریدہ جی اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین۔

جویریہ وسمی...... ڈونگہ بونگہ۔

اک طرز تغافل ہے سو وہ تم کو مبارک حجاب
اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

9 تاریخ کو کوٹ سی بہن شکیلہ کے توسط سے ماہنامہ حجاب میرے دست نازک کی زینت بنا۔ شکریہ شکیلہ ہر دفعہ حجاب منگوا کر دینے کے لیے یار۔ اب بات ہو جائے حجاب کی تو ٹائٹل اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ قلب کو بھا گیا۔ شوق نگاہ نے جسارت کی آگے بڑھی تو مدیرہ جی کی تمام گفتگو کو ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے پڑھا اور ان سے متفق ہوتے ہوئے۔ حمد و نعت سے اپنی روح کو منور کیا' ندا رضوان کے قلم سے احادیث و واقعات علم میں اضافے کے سبب بنے۔ "ذکر اس پری وش کا" سب نے اپنے آپ کو نہایت احسن طریقے سے متعارف کروایا۔ بہت خوشی ہوئی سب کے بارے میں جان کر رخ سخن میں پڑھ کے نہایت خوش کن احساس محسوس ہوا۔ خاص کر ان کی شاعری نے دل کو چھو لیا۔ بزم سخن میں انجم نصیر' فرزانہ محمد' ام فرحت اشرف کے اشعار پسندیدگی کی سند پا گئے۔ جویریہ کا کسٹرڈ آپ میں سے کسی نے کھانا ہو تو خوش آمدید گھر کے دروازے کے ساتھ ساتھ دل کے دروازے بھی آپ لوگوں کے لیے وا ہیں۔ عالم انتخاب میں عائشہ پرویز' رضوانہ' عروشمہ' ضوباریہ کے انتخاب پڑھ کے دل خوش ہو گیا۔ شوخئی تحریر میں نورین مسکان' پروین افضل کے الفاظ لبوں پہ مسکان بکھیر گئے۔ عائشہ پرویز کو پڑھا۔ طویل وقت کے بعد سامنے پایا تو انجانی سی مسرت ہوئی' کہاں غائب تھی آپ۔ کوثر خالد جی آپ کی بک گفٹ کرنے کی آفر کیا ان کے ساتھ مختص ہے جن سے آپ نے ایڈریس بھیجنے کو کہا ہے یا ہمیں بھی اس عنایت میں آپ شامل کر سکتی ہیں؟ دل کی گہرائیوں سے آپ کو حوض کوثر کی اشاعت پر مبارک باد۔ رب تعالیٰ آپ کے الفاظ میں اور برکت دے۔ نادیہ احمد آپ کی تحریر نے ثابت کر دیا بعض اوقات اپنوں سے زیادہ غیر مخلص ہوتے ہیں۔ "دل کے دریچے" صدف جی پلیز آفاق اور سفینہ کی جوڑی بنا دیں تا کہ کہانی میں تھوڑا چارم پیدا ہو۔ ارے فائزہ آپ مجھے یوں مت گھوریں آپ کے لیے بھی مشورہ ہے نا؟ یہ اپنی شرمیلا اتنی بری نہیں ہے آپ تھوڑا سا اس معاملے میں عقل سے کام لیجیے اور میری ذہانت کو داد دیجیے۔ اب بات ہو جائے "زیاں" کی تو جناب ایک خوب صورت اور منفرد ناول' جس میں خاص کر مرد مشرق کے کردار کو اور خلوص کو نہایت خوب صورت نہایت دلفریب پیراہن میں قلم بند کیا گیا ہے۔ خاص کر شہباز بھائی کا کردار اس میں قابل توصیف ہے' محبتوں سے گندھا وجود۔ ضوباریہ یہ ناول حجاب کے لیے آپ کی جانب سے ایک بہترین' خاص الخاص کاوش ہے میں اپنے الفاظ میں کہوں تو حجاب کا دل ہے یہ ناولٹ میری نظر میں' ان شاء اللہ یہ ناولٹ مقبول سے مقبول ترین ہوگا۔ میری تمام دعائیں اس سفر میں آپ کے ساتھ ہیں' قرۃ العین کی تحریر بھی منفرد انداز میں دل میں اتر گئی۔ اس دفعہ حجاب ہر لحاظ سے مکمل تھا' حرا قریشی کی کمی بہت عرصے بعد پوری ہوئی اتنی غیر حاضری کی وجہ کیا تھی۔ مسز نگہت آپ تو لگتا ہے عید کا چاند بننے پر مصر ہیں۔ آ جائیے اب آپ بھی واپس' ہم ویسے ہی آپ کو چاند کہتے ہیں' عائشہ پرویز اب ہر ماہ حاضری پکی ہونی چاہیے او کے حجاب عمارہ' مریم' نازیہ' شکیلہ' تمہیں پتا ہے تمہارے بڑے بول رہی ہیں اور آپ کو میری جانب سے بھی ان گنت دعاؤں کے ساتھ سالگرہ مبارک ہو حجاب۔ حجاب جی مریم اور نازیہ نے آنچل کے ساتھ ساتھ اب آپ کو بھی پڑھنا شروع کر دیا ہے' کیا آپ وان کو خوش آمدید کہیں گے؟

☆ اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ نئے سال کا سورج ہم سب کے لیے بہت سی رحمتیں' نعمتیں اور برکتیں لے کر طلوع ہو آمین۔

ناقابل اشاعت:

بانجھ' بے رحم' بزرخ' سہلی میرا جرم کیا تھا' میری اجالا بیٹی رحمت یا زحمت' بدل دو بھول بھلیاں' اسے کہنا قسم لے لو' نئی منزلوں کے مسافر' تعمیر آ جاؤ لوٹ کر تم۔

ناقابل اشاعت:

پرچھائی' انصاف طلب ہے' پاک سرزمین' بھرم' ممکن نہیں امرت' آزادو آوازاے دل' عشق زدہ' بہت دیر سے جانا۔

husan@aanchal.com.pk

پری میچور بے بی

(Premature Child)

جب بچہ ماں کے پیٹ میں اپنے 9 ماہ کا دورانیہ پورا کیے بغیر پیدا ہو جائے یا اس کا وزن 2500 گرام سے کم ہو تو اسے پری میچور بے بی کہتے ہیں۔

بین الاقوامی معیار کے مطابق جس بچے کا وزن پیدائش کے وقت ساڑھے پانچ پونڈ سے کم ہو تو اسے قبل از وقت پیدا ہونے والا بچہ یا خام بچہ سمجھا جاتا ہے۔

اس قسم کے بچوں کو انتہائی نگہداشت کی ضرورت پڑتی ہے پیدا ہونے کے وقت یہ ضروری نہیں کہ بچہ بالکل صحت اور تندرستی کی حالت میں پیدا ہو، بعض اوقات بچہ بالکل مردہ معلوم ہوتا ہے اس کی تین وجوہات ہوسکتی ہیں۔

(۱) اعصابی نظام پر صدمہ پہنچنے کی وجہ سے یا کسی خاص عصب پر زور پڑنے سے، دوسرے دماغ پر پیدائش کے وقت دباؤ پڑنے سے جب بچے کو ہاتھوں سے سیدھا کر کے نکالا جاتا ہے تو سر کو گھمانے سے سر میں صدمہ پہنچتا ہے اور اس کے ساتھ سروکس میں زیادہ دیر تک رہنے سے بھی مزید صدمہ پہنچتا ہے یہ حالت بچوں کے لیے زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہے ہوسکتا ہے کہ اس حالت میں بچے کی سانس ظاہر نہ ہو، لیکن بچہ پھر بھی زندہ ہو، بچہ ہمیشہ اس وقت مرتا ہے جب اس کی گردن پر ناجائز دباؤ ڈالا گیا ہو لیکن یاد رہے بچے کو مردہ نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ اسے زندگی کی طرف لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

دوسری قسم کی ضربات وہ ہیں جو آنول میں پڑ کر بچے کے خون کے دورانیہ کو روک دیتی ہیں جس کی وجہ سے بچہ ظاہری طور پر مردہ معلوم ہوتا ہے یہ چوٹیں عموماً سر اور پیڑو کی ہڈیوں میں ناف کے پھنس جانے اور بھینچ جانے سے آتی ہیں بچے کے اندر اس صورتحال میں تازہ خون نہیں پہنچ سکتا جس کی وجہ سے موت واقع ہو جاتی ہے یا بچہ کے ناک اور منہ میں اس قدر بلغم پھنس جاتا ہے کہ پھیپھڑوں کی نالیوں میں ہوا نہیں جاسکتی جب بچہ ساتویں یا آٹھویں ماہ میں پیدا ہو جائے تو اس کی پرورش نارمل بچے سے زیادہ مشکل ہو جاتی ہے ساتھ ماہ کے بچے 5 میں سے 4 اور تیسویں اور بتسویں ہفتے کے درمیان میں پیدا ہونے والے تین میں سے دو مر جاتے ہیں 32 ویں اور چونتیسویں ہفتے کے درمیانی عرصے میں پیدا ہونے والے بچوں میں سے نصف کے قریب زندہ رہتے ہیں ایسے بچوں کا قد نارمل سے کم ہوتا ہے اور چربی کی غیر موجودگی کے سبب جلد سرخ اور جھریوں والی ہوتی ہے آواز و حرکات کمزور ہوتے ہیں خصیے فرطوں میں نہیں اترتے۔

علامات: بچہ اونگھتا رہتا ہے، چھاتیوں سے دودھ نہیں چوس سکتا اور اس کا درجہ حرارت نارمل سے ایک

درجہ کم ہوتا ہے اس قسم کے بچوں کی پرورش میں والدہ کو خاص احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے بچے کو دودھ پلاتے وقت چت نہ لٹایا جائے پہلے روز نصف یا 2 چمچ خوراک ہر دو گھنٹے بعد دیں، دوسرے روز ہر دفعہ ماں کا دودھ ایک ایک چمچ کی مقدار سے بڑھاتے جائیں شروع میں بچے کو یہ خوراک دو دو گھنٹہ بعد دیں پہلے ہفتے کے بعد ماں کو چاہیے کہ بچے کو دن میں چند بار چند منٹوں کے لیے دودھ پلادے، بچے کے کمرے میں تازہ ہوا کی آمد و رفت بھی ضروری ہے بچے کو سردی سے بچائیں، جسمانی حرارت کو قائم رکھنے کے لیے آلہ حضانت (Ineubator) کا استعمال کیا جاسکتا ہے اور اگر کوئی شخص اس نظام کا متحمل نہ ہو تو بچے کو نرم و گرم پلنگ پر لٹانا چاہیے اور گرم پانی کی بوتلوں سے حرارت جسمانی کو برقرار رکھنا چاہیے جب بچہ کا وزن 5 پونڈ ہوجائے تو اس کی پرورش نارمل طریقے سے کریں۔

معالجہ: جو کچھ بھی ہو فوراً مصنوعی تنفس (Artifical respiration) شروع کردینا چاہیے اور ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے کہ بچے میں دوبارہ زندگی کے آثار نمودار ہوجائیں اگر بچے میں کسی قدر بھی سانس موجود ہو تو مفصلہ دوائی میں سے کوئی دوا علامت کے مطابق دینی چاہیے۔

ایکونائٹ: بچہ گرم ہو، رنگت ارغوانی، نبض ندارد اور سانس بھی قریب قریب ندارد۔

بیلاڈونا: چہرہ زیادہ سرخ، آنکھوں میں بھی سرخی۔

چائنا: جب سیلان خون اس کی وجہ ہو۔

اینٹم ٹارٹ: جب بچہ پیدا ہو اور سانس بہت کم ہو۔

کیمفر: اینٹم ٹارٹ کے چند منٹ بعد کیمفر دینا چاہیے اگر اینٹم ٹارٹ ناکام ہوجائے۔

ان ادویہ سے بھی بچے پر کوئی اثر نہ ہو تو فوراً بچے کو ٹھنڈے پانی یا برف کے پانی میں ڈال دینا چاہیے اکثر دیکھا گیا ہے کہ ظاہراً مردہ بچوں کے سر پر جب ٹھنڈا پانی مسلسل ڈالا گیا تو اس کے اثر معکسہ سے بچوں میں فوراً زندگی کے آثار پیدا ہوگئے اور زندگی کے اثرات ظاہر ہوتے ہی بچے کو فوراً کمبل میں لپیٹ دینا چاہیے جن حالتوں میں منہ اور ناک میں بلغم کے اجتماع سے یہ رکاوٹ پیدا ہوئی تو اس رکاوٹ کو فوراً دور کردینا چاہیے اگر یہ سب طریقے فیل ہوجائیں تو بچے کے ناک کے نتھنوں کو اچھی طرح بند کرکے منہ سے منہ لگا کر پھیپھڑوں میں ہوا بھر دینی چاہیے اور اس کے بعد آہستہ آہستہ سینے کی دیواروں کو مل مل کر ہوا نکال دینی چاہیے اس عمل کو بار بار دہرانا چاہیے بعض اوقات اس طریقے کو ایک گھنٹہ تک جاری رکھنے سے بچوں میں دوبارہ زندگی پیدا ہوجاتی ہے۔

شوبز کی دنیا

دعا فاطمہ

چھوٹے کام سے شہرت

سوشل میڈیا کی طاقت سے کون انکار کرسکتا ہے، جو راتوں رات کسی کو بھی زیرو سے ہیرو بنا سکتی ہے۔ گمنام چہرے یکایک روشنیوں کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اسی طاقت کی بدولت راتوں رات مشہور ہو جانے والا اسلام آباد کا چائے والا ارشد اب سلیبریٹی بن چکا ہے۔ قسمت نے ایسا پلٹا کھایا کہ چائے بنانے والا ارشد بڑے بڑے ماڈلز کو پیچھے چھوڑ کر مختلف فیشن برانڈز کے لیے کروانے کے بعد فیشن میگزین ''گلیم'' کے ٹائٹل پر بھی جگمگایا۔ پاکستان برائیڈل کوٹور ویک میں ریمپ پر واک کے بعد میوزک ویڈیو میں جلوہ گر ہونے والا ارشد اب فلم نگری کا حصہ بننے جارہا ہے۔ سوشل میڈیا کے ذریعے ارشد نے مداحوں کے لیے یہ خبر شیئر کی ہے کہ وہ آر ایم فلمز کے بینر تلے بنائی جانے والی اپنی ڈیبیو فلم ''تعبیر'' سائن کر چکے ہیں۔

فلم تعبیر

فلم ''تعبیر'' کی میوزک لانچنگ تقریب رواں ماہ میں منعقد کی جائے گی، جس میں فلم کی کاسٹ بھی شامل ہوگی آر ایم پروڈکشن کے بینر تلے بننے والی فلم ''تعبیر'' میں اداکارہ رینچل خان نے مرکزی کردار ادا کیا ہے جبکہ دیگر کاسٹ میں میسم علی، نعمان اعجاز، شامل خان اور ارشد (چائے والا) بھی شامل ہیں۔

اداکارہ ثناء

فلمسٹار ثناء نے لندن میں ہونے والے ایوارڈ شو میں بہترین اداکارہ کا پاکستان اچیومنٹ ایوارڈ حاصل کرنے کے بعد اس کو پاکستانی فوجی جوانوں کے نام کردیا۔ اداکارہ ثناء نے بتایا کہ لندن میں ہونے والے پاکستان اچیومنٹ ایوارڈ شو میں مجھے بہترین اداکارہ کا ایوارڈ دیا گیا اور یہ میری زندگی کا ایک یادگار لمحہ ہے۔ میں اس ایوارڈ کو پاک فوج کے جوانوں کے نام کرتی ہوں جنہوں نے اپنی جان کی قربانیاں دے کر ہماری جانوں کو محفوظ بنا دیا ہے۔ اداکارہ نے کہا کہ اس سے قبل میں درجنوں ایوارڈ حاصل کرچکی ہوں مگر لندن میں میرے لئے ایوارڈ وصول کرنا خوشگوار لمحہ ہے جس کو میں فراموش نہیں کرسکتی۔ انہوں نے کہا کہ میرے ساتھ اور جن لوگوں کو پاکستان اچیومنٹ ایوارڈ ملا ہے میں ان کو بھی مبارکباد دیتی ہوں۔

رداعاصم

نامور چائلڈ اسٹار ردا عاصم نے کہا ہے کہ اپنے فنی کیریئر کا آغاز ٹی وی سے کیا اور ٹی وی ہی میری پہلی ترجیح ہے (فلموں میں کام نہیں مل رہا) شوبز کی دنیا میں بھی محنت اور ایمانداری سے کامیابی حاصل کروں گی۔ (جھوٹ تھوڑا ہٹ کے) ایک انٹرویو میں ان کا کہنا تھا کہ ذاتی طور پر سفارشی اور پی آر سے کام حاصل کرنے والے افراد کو پسند نہیں کرتی، محنت اور اپنے کام سے سچی لگن کامیابی کی پہلی سیڑھی سمجھی جاتی ہے۔ اداکاری کے ساتھ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا میرے مشن میں شامل ہے۔

سب سے پہلے......ڈرامہ

ماڈل و اداکارہ کنزہ ہاشمی نے کہا کہ مورمحل و دیگر ڈراموں میں کام کرکے جو تجربہ حاصل ہوا ہے اس سے میرے حوصلے بلند ہوگئے، ماڈلنگ کرنے کے بعد ڈراموں کی آفرز نے ریمپ سے دور کردیا لیکن میری ترجیحات ٹی وی ڈرامے ہی ہیں بھارتی فلموں میں کام کرنے کا کوئی شوق نہیں (ابھی آفر نہیں آئی...... بول دو) اپنے ملک کے لیے کام کرنا چاہتی ہوں۔ ہمارے ڈرامے اور فلمیں کسی سے کم نہیں، صبا قمر نے فلم لاہور سے آگے میں عمدہ کردار نگاری کی (ممکن) وہ باصلاحیت اداکارہ ہیں۔ اپنے ایک انٹرویو میں ان کا کہنا تھا زندگی میں دو خواہشیں تھیں ایک ڈاکٹر اور دوسری اداکارہ بننے کی، ڈاکٹر تو بن نہ سکی (نالائق جو تھی) اداکارہ بن گئی، لاہور سے دو برس قبل جب کراچی شفٹ ہورہی تھی تو بہت لوگوں نے ڈرایا کہ خطرناک شہر ہے، دہشت گردی اور بھتہ خوری عام ہے لیکن اللہ کا شکر ہے ایسا کچھ نہیں ہوا۔

ڈرامہ سیریل......رسمیں

پی ٹی وی لاہور سینٹر کے پروڈیوسر شوکت چنگیزی نے نئی ڈرامہ سیریل "رسمیں" کی تیاری کا آغاز کردیا۔ ڈرامہ کے رائٹر سورج بابا ہونگے جبکہ فنکاروں میں ایوب کھوسہ، لیلیٰ زبیری، نیر اعجاز، انجلین ملک، حیا بخاری، رائبہ عالم، عینی طاہر، عینی زیدی، یاسمین حق، خالد ابراہیم، عثمان پیرزادہ اور نجیب اللہ انجم شامل ہیں۔ شوکت چنگیزی نے بتایا کہ پچیس منٹ دورانیہ کے اس ڈرامے کا اسکرپٹ عام موضوعات سے ہٹ کر ہے اور یہ ڈرامہ عوام کو بہت پسند آئے گا۔ (آج کل لوگوں کو موضوعات نہیں اداکار پسند آتے ہیں جب ہی تو آپ کے پچیس منٹ کے ڈرامے میں اداکار زیادہ ہیں)

کوک اسٹوڈیو

کوکا کولا پاکستان نے کراچی، لاہور اور اسلام آباد کے شہریوں کو تفریح کی فراہمی کے لئے لائیو کنسرٹس کا اعلان کیا ہے جس میں کوک اسٹوڈیو کی معروف گلوکارہ میشا شفیع، عمیر جسوال اور نوری بھی خصوصی طور پر حصہ بنیں گے۔ تمام شائقین کو شامل کرنے کے جذبے کے ساتھ کوکا کولا کا عزم ہے کہ کوک اسٹوڈیو کے خصوصی میوزک برانڈ سے شائقین موسیقی لائیو اسٹیج پر کارکردگی سے لطف اندوز ہوں۔ کوک اسٹوڈیو کے مداحوں کے لئے یہ ایک منفرد موقع ہوگا کہ وہ براہ راست اسٹیج پر اپنے پسندیدہ گلوکاروں کی پرفارمنس ملاحظہ کریں۔ کوک کا وعدہ ہے کہ یہ تقاریب دل کی دھڑکن تیز کردیں گی جس میں کوکا کولا کی جانب سے دوبارہ لائیو کنسرٹس کی صورت میں اپنے شائقین کو منفرد انداز سے لطف اندوز کیا جائے گا اور وہ کوک اسٹوڈیو کے اپنی نوعیت کے دلچسپ انداز سے محظوظ ہوں گے۔ کوک کنسرٹس کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کوکا کولا پاکستان کے ڈائریکٹر مارکیٹنگ علی اکبر نے کہا کہ موسیقی کے ذریعے لوگوں سے ملنے کی ہماری مستحکم روایت نے اس کی سماعت کے دوران زندگی کے لمحات کو منفرد انداز میں تشکیل دیا ہے۔

گلوکار عارف لوہار

نامور فوک گلوکار عارف لوہار نے کہا ہے کہ والد مرحوم

کا نام میرا حقیقی ورثہ ہے، میرے والد بہت شفیق انسان تھے اور انہوں نے مجھے زندگی کا پہلا سبق یہ دیا کہ سب کا احترام کرو اور منافقت سے بچو۔ اس لیے میں نے زندگی بھر محبتیں تقسیم کی۔ ایک انٹرویو میں عارف لوہار نے کہا کہ بچپن اور لڑکپن کی یادیں کسی بھی شخص کے لیے بڑا اثاثہ ہوتی ہیں، میں نے جب ہوش سنبھالا تو والد صاحب کو

گاتے ہوئے دیکھا اور سنا۔ اس لیے مجھے بچپن ہی سے گائیکی سے محبت تھی اور میں نے خود کو موسیقی کے لیے وقف کردیا۔ انہوں نے کہا کہ گانا بچپن ہی سے شروع کردیا تھا لیکن ۱۹۷۹ میں اپنے والد کی وفات کے بعد باضابطہ طور ان کی وراثت کو سنبھالا۔ ہر فنکار اپنی ثقافت کا سفیر ہوتا ہے۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں نے اپنی دھرتی پنجاب کی نمائندگی کی اور صرف یہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں اپنے ملک کی عکاسی کی، مجھے اچھا لگتا ہے کہ میں اپنے لباس اور میوزک کے ذریعے اپنے کلچر کو فروغ دے سکوں۔

سینئر اداکار نیر اعجاز

سینئر اداکار نیر اعجاز نے کہا ہے کہ فنکار عام لوگوں کی نسبت زیادہ حساس ہوتا ہے (جب ہی عام لوگوں سے ملنے سے کتراتے ہیں) جس طرح اسکرین پر بارعب نظر آتا ہوں حقیقی زندگی میں بالکل اس کے برعکس ہوں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے ہمیشہ بارعب کردار میں پسند کیا گیا ہے اور میرے پرستار مجھے ایسے کرداروں میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ جدت آنے کے باوجود پاکستان کا ٹی وی ڈرامہ اپنی ڈگر پر چل رہا ہے۔ جس میں ہمارے معاشرے کے مسائل کو اجاگر کیا جاتا ہے اور یہ انتہائی خوش آئند بات ہے۔ نیر اعجاز نے مزید کہا کہ مجھے فخر ہے کہ چیلنجنگ کردار کے لئے میرا چناؤ کیا جاتا ہے اور میری ہمیشہ یہی خواہش رہی ہے کہ ایسے کردار نبھاؤں جسے لوگ مدتوں یاد رکھیں۔

اداکارہ ماہرہ خان......صبا قمر

اداکارہ ماہرہ خان نے صبا قمر کو مستقبل کی فلمی سپر اسٹار قرار دیدیا۔ امریکہ میں ہونے والے پہلے پاکستانی فلم فیسٹیول میں فلم ''لاہور سے آگے'' دیکھنے کے بعد اپنے ٹوئٹر پیغام میں صبا قمر کی اداکاری کی تعریف کرتے ہوئے کہا وہ آنے والے وقت کی سپر اسٹار ہیں۔ اداکارہ نے کہا کہ فلم میں صبا قمر نے لاجواب اداکاری سے میرا دل جیت لیا ہے۔ (یعنی اب ان کی باری ہے) ماہرہ خان نے کہا کہ ہمیں ایک دوسرے کے اچھے کام کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

ماڈلنگ سے اداکاری کی طرف

ماڈل و اداکارہ روحی نے کہا ہے کہ میں ماڈلنگ کے ساتھ اداکاری کے میدان میں بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منواؤں گی۔ کریئر کا آغاز ماڈلنگ سے کیا اور چند ویڈیو میں کام کرچکی ہوں جبکہ ریمپ پر بھی واک کرچکی ہوں۔ ماڈلنگ کے ساتھ اداکاری کے میدان میں بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانے کے لیے کوشاں ہوں۔ ماڈلنگ کے شعبے میں اب تک جتنے بھی لوگ ملے ان سے رہنمائی ملی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ملک میں ٹیلنٹ کی کمی نہیں ہے، اگر نئے آنے والے فنکاروں کو بھرپور مواقع فراہم کئے جائیں تو وہ مستقبل کے سپر اسٹار ثابت ہوسکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ معیاری کام کرنا میری پہلی ترجیح ہو گی، کبھی زیادہ کام کے پیچھے نہیں بھاگوں گی۔ (اچھا...... لگتا تو نہیں ہے) سینئر فنکار استاد کا درجہ رکھتے ہیں، انہیں دیکھ کر اداکاری کے اسرار و رموز سیکھ رہی ہوں۔

فلم آئی لب یو

ہدایتکار یاسر نواز بلوچ کی پوری فیملی نے فلم انڈسٹری جوائن کرلی ہے اور اب ان کے بڑے بھائی ڈاکٹر فراز فرید نواز بلوچ کو بھی یاسر نواز نے اپنی نئی فلم مہر النساء آئی لب یو میں ایک سیاستدان کے روپ میں کاسٹ کرلیا ہے۔ (اپنے شعبے سے مخلص نہیں ہوں گے) ان کے چھوٹے بھائی دانش پہلے ہی سے شوبز سے وابستہ ہیں جبکہ یاسر نواز کی اہلیہ ندا یاسر ایک طویل عرصے سے نجی ٹی وی کے مارننگ شو کی اینکر ہیں۔ واضح رہے کہ فلم مہر النساء آئی لب یو کی کاسٹ میں جاوید شیخ، دانش تیمور، خالد نظامی، نیر اعجاز، ثنا جاوید، عاشق احمد اور دانش نواز شامل ہیں۔

اداکار شان

اداکار شان کا کہنا ہے کہ متعدد بار بھارتی اداکار عامر خان نے اپنی فلم میں کام کرنے کی آفرز کیں مگر انکار کردیا۔ (سچا پاکستانی) میں اول تو بھارتی فلم میں کام نہیں کرنا چاہتا اگر کیا تو برابری کی سطح پر کام کرنے کو ترجیح دوں گا۔ ہمارے ملک میں ٹیلنٹ کی کمی نہیں، ہمارا ماضی معیاری اور یادگار

فلموں سے بھرا پڑا ہے۔

خاندانی جوارگر

نئی پشتو فلم "خاندانی جوارگر" کی شوٹنگ کا آغاز مانسہرہ اور دیگر لوکیشنز پر کردیا گیا ہے۔ فلم ساز حاجی نادر کی اس فلم میں نامور اداکار کام کررہے ہیں جبکہ فلم کے سات گانوں کی ریکارڈنگ مکمل ہوگئی ہے۔ یہ گانے مانسہرہ ایبٹ آباد کی حسین وادیوں میں عکسبند کیے گئے ہیں۔

پرواز فل

لاہور تھیٹر ٹی وی کی مقبول اداکارہ صنم ناز دو فلموں کی عکسبندی میں مصروف ہوگئیں۔ وہ معروف فلمساز وہدایتکار ملک یعقوب نور کی فلموں میں کام کررہی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ میں فلم "پرواز" میں سیکنڈ ہیروئن ہوں، میرے مدمقابل اداکار خان محمد ہیں۔ دوسری فلم "لویو ڈارلنگ" میں سینئر اداکار جہانگیر خان کے مقابل کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ فلمساز وہدایتکار ملک یعقوب نور اپنی فلموں میں زیادہ تر نئے چہروں کو متعارف کرارہے ہیں جو ایک اچھا عمل ہے۔ میں ان کی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنے دونوں پراجیکٹ میں شامل رکھا۔

گلوکار جواد احمد

معروف گلوکار جواد احمد نے کہا ہے کہ مزدورں

اور کسانوں کو اپنے حقوق کے لیے باہر نکلنا پڑے گا، (ملک سے باہر کی بات کررہے ہیں) اسٹوڈنٹس یونین بحال ہونی چاہییں۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے گزشتہ روز لاہور پریس کلب میں "میٹ دی پریس" میں اظہار خیال کرتے ہوئے کیا۔ اس موقع پر صدر لاہور پریس کلب شہباز میاں اور سیکرٹری شاداب ریاض اور گورننگ باڈی کے اراکین بھی موجود تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ مزدوروں اور کسانوں کو اس وقت حقوق نہیں مل سکتے جب تک ان کی یونینز نہیں بنتیں اور وہ خود باہر نہیں نکلتے۔ ایوان میں بیٹھے ہوئے سیاست دان خود جاگیردار اور سرمایہ دار ہیں، وہ مزدوروں کی آواز کیسے اٹھائیں گے اور ان کے قوانین کیونکر بنائیں گے۔ اس طبقے کی خوشحالی اس وقت ممکن ہے جب مزدوروں کی کوئی سیاسی جماعت بنے۔ ایک سوال کے جواب میں ان کا کہنا تھا کہ میں کوئی پارٹی نہیں بنا رہا۔ (باتوں سے تو یہی لگ رہا ہے) مجھے گزشتہ انتخابات کے دوران مسلم لیگ ن تحریک انصاف اور پیپلز پارٹی تینوں جماعتوں کی طرف سے شمولیت کی پیشکش ہوئی لیکن میں نے معذرت کرلی۔ اگر کوئی مزدورں کی پارٹی بنی اور انہوں نے مجھے پیشکش کی تو میں شامل ہوجاؤں گا اور ایک مزدور کی طرح ان کے ساتھ کام کروں گا۔ (سب سیاست دان یہی کہتے ہیں) ان کا کہنا تھا کہ اسٹوڈنٹس یونین پر پابندی کے باوجود سیاسی پارٹیوں سے وابستہ طلبہ بینرز اور وال چاکنگ کرتے ہیں۔ تعلیمی اداروں میں سیاسی پارٹیوں سے منسلک طلبہ تنظیموں پر پابندی ہونی چاہیے اور غیر سیاسی اسٹوڈنٹس یونین کی بحالی ہونی چاہیے۔ ان کا کہنا تھا کہ مزدووں کی پینشن، اولڈ ایج بینیفٹ اور تنخواہوں کے حوالے سے بات کرنی چاہیے۔ پندرہ ہزار روپے میں ایک فیملی کیسے گزارا کرسکتی ہے۔ (آپ جان بھی کیسے سکتے ہیں)

بھارت

گلوکارہ ابرارالحق نے کہا ہے کہ بھارت ڈنکے کی چوٹ پر آبی جارحیت کرنے میں مصروف ہے اور سندھ

طاس معاہدے کی کھلے عام خلاف ورزی کر رہا ہے۔ ۱۹۶۰ء میں ورلڈ بینک نے پاکستان اور بھارت کے درمیان ثالث کا کردار ادا کیا تھا جس کے تحت پاکستان کو سندھ، چناب اور جہلم جبکہ بھارت کو ستلج، بیاس اور راوی پر لامحدود اختیار حاصل ہے مگر اب بھارت ہمارے پانی پر ڈیم بنا کر عالمی قوانین کی خلاف ورزی کر رہا ہے اور المیہ یہ ہے کہ پوری دنیا بھارتی آبی جارحیت پر خاموش ہے (ہمارے حکمران بھی تو خاموش ہیں صرف بیانات ہیں عمل نہیں) اور میں اس کی مذمت کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ معاہدے کے مطابق دونوں ممالک پانی کے قدرتی بہاؤ میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے مگر بھارت ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے کھلی بدمعاشی کر رہا ہے۔

فلموں کی کامیابی

اداکارہ اور ماڈل مہوش حیات نے کہا ہے کہ ٹی وی فنکاروں کی فلموں کو سراہا جانا خوش آئند امر ہے، اچھے کام کی پذیرائی سے فنکاروں میں کام کرنے کا جنون بڑھ جاتا ہے۔ اپنے ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ ڈراموں کے بعد فلموں میں کامیابی ملنا میرے لئے کسی اعزاز سے کم نہیں۔ فلم نامعلوم افراد کے بعد جوانی پھر نہیں آنی اور ایکٹران لا میں میری پرفارمنس کو سراہا جانا اچھا لگا، ٹی وی

فنکاروں کی فلموں میں کامیابی کو آرٹ لورز کی جانب سے سراہا جانا خوش آئند امر ہے، اچھے کام کی پذیرائی سے فنکاروں میں کام کرنے کا جنون بڑھ جاتا ہے۔ فلم "نامعلوم افراد" میں آئٹم سانگ "بلی" نے مجھے شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا، آج میرے ساتھی فنکار اکثر تقریبات میں مجھے بلی، بلی کے نام سے پکارتے ہیں، ان کی محبت و چاہت دیکھ کر مسرت ہوتی ہے۔ (آپ کے پیچھے بلی کے بارے میں کیا کہتے ہیں وہ سن کر بتائیں کیسا لگتا ہے)

بھارتی فلم

اداکارہ سجل علی بھی بھارتی فلم میں کام کریں گی۔ بتایا گیا ہے کہ اداکارہ سجل علی کو ایک بھارتی فلم میں معقول معاوضے پر کام کرنے کی پیشکش ہوئی تھی جس پر سجل علی نے فلم میں کام کرنے کی حامی بھر لی۔ توقع ہے کہ سجل علی اگلے ماہ فلم کی شوٹنگ کے لئے بھارت روانہ ہوں گی۔ (اگر حالات بہتر رہے تو) واضح رہے کہ اس سے قبل بھی متعدد پاکستانی اداکارائیں بھارتی فلموں میں کام کر چکی ہیں۔

میرا جنون

گلوکارہ حمیرا اچنا نے کہا ہے کہ صرف ایک فلم کے بننے سے سینکڑوں لوگوں کو روزگار کے مواقع میسر آتے ہیں، اگر پاکستانی فلم انڈسٹری عروج حاصل کرے گی تو لامحالہ گلوکار بھی اس سے مستفید ہوں گے۔ (اپنے مطلب کی بات) اپنے ایک انٹرویو میں حمیرا اچنا نے کہا کہ مجھے فخر ہے کہ ہمیشہ معیاری شاعری کو گیت کی شکل میں پیش کیا اور مستقبل میں بھی اس پر کاربند رہوں گی۔ گلوکارہ نے کہا کہ موسیقی میرے خون میں شامل ہے اور اسے میرا جنون بھی کہا جا سکتا ہے جب تک ہمت ہے گلوکاری سے وابستہ رہوں گی۔

ٹوٹکے

خدیجہ احمد

خربوزہ

گرم تر، مفرح، طبیعت کو صاف کرتا ہے اور تراوٹ بخشتا ہے قبض، پیشاب اور پسینہ کی رکاوٹ میں مفید ہے دو وقت کے کھانوں کے درمیان کھانا چاہیے یعنی نہ بالکل منہ نہار اور نہ بھرے پیٹ۔

خرمانی، خوبانی

معمولی گرم، قبض کشا ہے جسم کو طاقت بخشتی ہے پیٹ کے کیڑوں کو مارتی ہے پیاس، بواسیر، بخار میں اس کا استعمال اچھا رہتا ہے کھٹی خورمانی گلے کو خراب کرتی ہے اور اپھارہ کرتی ہے اس کی میٹھی گھٹلی کی آٹھ دس گری کھالینا مفید ہے زیادہ نہیں، خشک اور تازہ دونوں طرح کھائی جاتی ہے خشک زیادہ گرم ہے۔

کشمش، منقی

گرم تر دو قسم کی ہوتی ہے ایک لال دوسری سبز، سبز بہتر ہوتی ہے خون کو صاف کرتی ہے اور بڑھاتی ہے بہت طاقت بخش ہے انتڑیوں کو طاقت دیتی ہے اور قدرے قبض کشا ہے اکثر سب امراض میں صحت بخش تسلیم کی جاتی ہے کھانسی، زکام دمہ میں مفید ہے، چیچک، خسرہ کے بیمار کو کوئی دوائی نہیں دینی چاہیے صرف چھٹانک بھر صبح سے شام تک ایک ایک دو دو دانہ کھاتا رہے منقی جو لمبا اور موٹا ہوتا ہے بہترین ہے۔

دھنیا

سبزیوں کو لذیذ اور خوش بودار بناتا ہے دل و دماغ کو طاقت دیتا ہے نیند لاتا ہے قابض ہے بھوک لگاتا ہے پیاز کھانے کے بعد دھنیا چبانے سے پیاز کی بو جاتی رہتی ہے دھنیا پرانا ہونے پر کچھ پیلے پن پر آجاتا ہے تازہ بیج کچھ سبزی مائل ہوتا ہے۔

دہی

گرم تر چکنی اور بھاری دل و دماغ اور انتڑیوں کو طاقت بخشتی ہے بدہضمی، سنگرہنی دست اور خون کی نقائص میں دہی بلغم کو بڑھاتا ہے طاقت دیتا ہے بادی کو مٹاتا ہے کھٹا دہی خون کو جوش دیتا ہے چھاتی میں جلن اور زکام کرتا ہے گرمی کی شکایت میں دہی میں میٹھا ڈال کر کھائیں بلغم کی شکایت میں سونٹھ اور کالی مرچ ملا کر کھائیں اور بادی میں نمک ملا کر کھائیں۔

گائے کی دہی زود ہضم، بھوک لگانے والا طاقت بخش اور خشکی کو دور کرنے والا ہے بھینس کا دہی بھاری ہے نیند چربی کو بڑھاتا ہے بکری کا میٹھا دہی ہلکا، ہاضم پرانی کھانسی، دق، دمہ، بواسیر کو ہٹاتا ہے۔ دہی سے سر دھونا دماغ اور بالوں کو طاقت دیتا ہے گرم روٹی، گرم چاول، سرکہ، چائے، شربت، مچھلی اور تیل کے ساتھ دہی نہیں کھانا چاہیے بگڑے ہوئے دودھ کا دہی خون کو بگاڑتا ہے دہی شام کے وقت نہیں کھانا چاہیے اور اگر کھایا جائے تو نمک، سونٹھ، کالی مرچ ضرور ڈالنا چاہیے، دہی سے نچوڑا ہوا پانی بہت ہی اعلا چیز ہے۔

دالیں

دالیں ہماری خوراک کا سب سے قیمتی جزو ہیں، خون گوشت زیادہ تر دالوں سے بنتے ہیں وٹامن بی ان میں بہت پایا جاتا ہے، چاول اور روٹی کے ساتھ دال کا ہونا ایک لازمی امر ہے سبزیاں زود ہضم اور صحت بخش تو ضروری ہیں مگر ان میں طاقت دینے والے اور جسم کی بناوٹ میں کام کرنے والے اجزا بالکل کم ہی ہوتے ہیں دن میں کم از کم ایک بار چھلکے سمیت دال پکانا چاہیے بوڑھے اور جن کی قوت ہاضمہ ٹھیک نہیں ان کے لیے دالیں زیادہ کھانا غیر مفید ہی

ہیں کم کھائیں تو اچھا ہے۔

شلغم

معتدل، خشکی کو دور کرتا ہے خون کو صاف کرتا ہے پیشاب لاتا ہے قدرے اپھارہ کرتا ہے بلغمی طبیعت والوں کی رطوبت کو بڑھاتا ہے اس کی سبزی میں ادرک، کالی مرچ، موٹی الائچی اور کالا زیرہ ڈالنا چاہیے سردیوں میں شلغم ابال کر انگلیوں پر رگڑنا اور اس پانی سے دھونا بہت مفید ہے۔

شہتوت

سب طبیعتوں کے موافق ہے اور قبض ختم کرتا ہے، لمبا چھوٹا کالا اور سفید چار قسم کا ہوتا ہے چھوٹے کو توت اور لمبے کو شہتوت کہتے ہیں یہ خالص خون پیدا کرتا ہے ہاضمہ کو تیز کرتا ہے پیاس اور گرمی کو مٹاتا ہے نزلہ اور گلے کے امراض کو فائدہ کرتا ہے اس کے شربت کے یہی اوصاف ہیں شہتوت کا زیادہ استعمال اچھا نہیں۔

شہد

گرم خشک، بلغم کو مٹاتا ہے مصفی خون ہے اس کا استعمال ہاضمہ کو تیز کرتا ہے قدرے قبض کشا ہے تب دق کھانسی، نزلہ، زکام، تھکان اور آنکھوں کے نقائص اور کمزوری کو دور کرتا ہے گرمی میں گرم مزاج والوں کو ٹھنڈے پانی میں ملا کر دیں کوئی زردی مائل، کوئی گاڑھا، کوئی پتلا، کوئی مصری کی ڈلی کی طرح وغیرہ وغیرہ، شہد میں گھی یا مکھن ملا کر استعمال کرنا طاقت بخش ہے۔ مگر دونوں ہم وزن نہ ہوں جن کا بلغم بڑھا ہوا اور بادی کم ہو ان کو بہت مفید ہے گرم پانی میں اس کا استعمال موٹاپے کو دور کرتا ہے زیادہ تر سردی میں ہی شہد کا استعمال کرنا چاہیے اس سے زیادہ طاقت حاصل کرنے کے لیے گرمی کے مزاج والے گرمی میں اس کا شربت بنا کر پئیں طاقت کے لیے سردی میں دو حصے شہد تین حصے گھی صبح صبح ایک روٹی کے ساتھ کھا لیا کریں گرم مزاج والے طاقت کے خواہشمند تین حصے مکھن اور ایک حصہ شہد ملائیں، بادی کے مزاج والے تین حصے گھی اور ایک حصہ شہد ملائیں۔

سردی زکام، بلغم، کھانسی، نمونیہ، کمزوری وغیرہ میں شہد دو تولہ کھلا دینا صحت بخش نتائج دکھائے گا سردی یا کمزوری کی وجہ سے جب دل کی حرکت بے قاعدہ ہو جائے اور مریض کا دم گھٹتا نظر آئے شہد کا چمچ اسے نئی طاقت بخش دے گا۔

کھٹا

گرم خشک، نارنگی جتنا موٹا، پانی یا شربت میں نچوڑنے سے اس کی تاثیر سرد خشک ہو جاتی ہے بادی اور قبض کو دور کرتا ہے پیٹ درد، قے، متلی، پیاس، منہ کی بدمزگی، پیٹ میں کیڑوں کو دور کرنے کے لیے صرف دوا کے طور پر استعمال کرنے کے لیے اچھی چیز ہے، کھانسی، زکام میں اس کا استعمال منع ہے۔

کھیرا

سرد تر، قبض کشا، پیشاب کی جلن ورکاوٹ اور گرمی کے جملہ امراض میں فائدہ مند ہے چھیل کر اور نمک کالی مرچ لگا کر اسے استعمال کرنا چاہیے ایک دن میں چھوٹے چھوٹے ایک دو کھیرے سے زیادہ کبھی نہ کھانے چاہیے پکا ہوا کھیرا سردی کی تاثیر کھو بیٹھتا ہے کھیرے کے بیج رگڑ کر پینا مندرجہ بالا امراض میں زیادہ مفید ہے کھیرا کھانے سے ایک گھنٹہ پہلے دو گھنٹے بعد پانی پی سکتے ہیں ورنہ ہیضہ ہونے کا ڈر ہے۔